مختصر اور جامع تاریخ

مسلمانوں کا شاندار ماضی

آدم علیہ السلام سے آزادئ ہند تک

نبوت۔ رسالت۔ خلافت

بزرگانِ دین

حکومت۔ آزادئ ہند۔ مجاہدین

وہ جس کو بزرگوں کی روایت نہ رہے یاد
اس شخص کی لوگو! کوئی پہچان نہیں ہے

عبدالجبار اجمیری۔ نولگڑھ

URDU ADAB DIGITAL LIBRARY (BAIG_RAJ)

اُردو ادب ڈیجیٹل لائبریری (بیگ راج)

+92 – 307 - 7002092

اُردو ادب ڈیجیٹل لائبریری میں تمام ممبران کو خوش آمدید
اُردو ادب کی پی ڈی ایف کتابوں تک باآسانی رسائی کیلئے
ہمارے واٹس ایپ گروپ اور ٹیلی گرام چینل کو جوائن
کریں۔ اور باآسانی کتابیں سرچ اور ڈاؤنلوڈ کریں۔

واٹس ایپ لنک:

HTTPS://CHAT.WHATSAPP.COM/FSBIJHJMKBQBNKUPZFE5Z
0
HTTPS://CHAT.WHATSAPP.COM/HI9ER6LOZGP9MXZBUJQFZD

TELEGRAM - HTTPS://T.ME/JUST4U92

فیس بک پیج لنک : HTTPS://WWW.FACEBOOK.COM/ALMUGHAL.URDU.PAGE

کتاب کی تخلیق کسی پیشہ وارانہ ذہن کی نمائندہ نہیں ہے بلکہ خدمت قوم و ملت کے جذبہ سے سرشار ہو کر راقم الحروف نے خود اپنے دست و بازو پر بار سنبھال کر کتاب کی اشاعت کی ہے۔ تاکہ ہماری نوجوان نسل کو اسلام کی کچھ جانکاری حاصل ہو۔ جس کی روشنی میں ہم یہ جان سکیں کہ اسلام نے تلوار سے صرف اپنا دفعہ کیا اور کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ لہذا اسلام تلوار سے نہیں بلکہ اپنے اخلاق، انصاف اور رواداری کے کردار سے دنیا میں پھیلا اور پھیلتا جا رہا ہے۔

ہر دور میں ایسے شخص پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے اسلام کی تصویر کو کبھی دھندلا نہیں ہونے دیا اور آزادیٔ ہند کے میدان میں بھی اگلی صفوں میں رہے۔ ہم نے یہاں کے ذرے ذرے سے محبت کی اور اسے مادرِ وطن کا لقب دے کر فرنگیوں کی دی ہوئی سزاؤں کو قبول کیا اور وطن کے عشق میں گرفتار ہو کر جیلوں میں چکیاں پیسیں، کوڑے کھائے، کالے پانی کی سزا بھگتی اور پھانسی کے پھندے پر چڑھ گئے۔

(باقی دوسرے فلیپ پر)

مختصر اور جامع تاریخ

مسلمانوں کا شاندار ماضی

آدم علیہ السلام سے آزادیٔ ہند تک

نبوّت ۔ رسالت ۔ خلافت ۔

بزرگانِ دین

حکومت ۔ آزادیٔ ہند ۔ مجاہدین ۔

انبیاء کرام ۔ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک
رسالت ۔ نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم 570ء سے آزادیِ ہند 1947ء تک

وہ جس کو بزرگوں کی روایت نہ رہے یاد
اُس شخص کی لوگو کوئی پہچان نہیں ہے

عبدالجبار اجمیری

(جملہ حقوق بہ حق مؤلف میرا روڈ بمبئی محفوظ)

کاپی رائٹ col/2010/12951۔ تاریخ: 8/12/2010

نام کتاب : مختصر اور جامع تاریخ ’’مسلمانوں کا شاندار ماضی‘‘
مؤلف : عبدالجبار اجمیری چوبدار نولگڈھ جھونجھنوں (راجستھان)
حال مقیم : 501 پنچ رتنا ٹاور، نیا نگر، میرا روڈ، تھانہ۔ 401107
دوسرا ایڈیشن مع اضافہ : جنوری 2011ء
کل صفحات : 383 + 8 رنگین = 390 صفحات

(1) اتر پردیش اردو اکیڈمی مایاوتی سرکار نے اس کتاب کے پہلے ایڈیشن 2009ء کو انعام سے نوازا ہے۔

(2) مؤلف عبدالجبار اجمیری ’’میرا ایکتا کمیٹی (1998ء)‘‘ کے بانی اور صدر ہیں۔

(3) آپ جمعیۃ العلماء میرا بھائیندر کے جوائنٹ سکریٹری ہیں اور راجستھان مسلم سماج میرا بھائیندر کے خزانچی بھی ہیں۔

(4) آپ کو ’’ادبی سنگم‘‘ سوپارہ نے ’’فخرِ ملت‘‘ کے اعزاز سے نوازا ہے۔

ملنے کا پتہ
Ajmeri Publication اجمیری پبلیکیشن
3, Roshan Shopping Centre, Naya Nagar, Mira Road , Thane
روشن شوپنگ سینٹر، شاپ نمبر 3 اپوزٹ شمس مسجد، نیا نگر میرا روڈ (ایسٹ)، تھانہ 401107
Mob.: 09930355736 / 09869916773 / 09892641399 /
09702427060 / 09619436285
Office : As Above, Ajmeri Construction / Real Constructions
Government Contractor / Developers / Engineers.

''انتساب''

بڑے بھائی

مرحوم حاجی

محمد حسین اجمیری

کے نام

جن کی ادب نواز محفلوں کی دہلیز پر نذرانۂ خلوص کا دستر خوان ہمیشہ بچھا رہتا تھا۔

عبدالجبار اجمیری

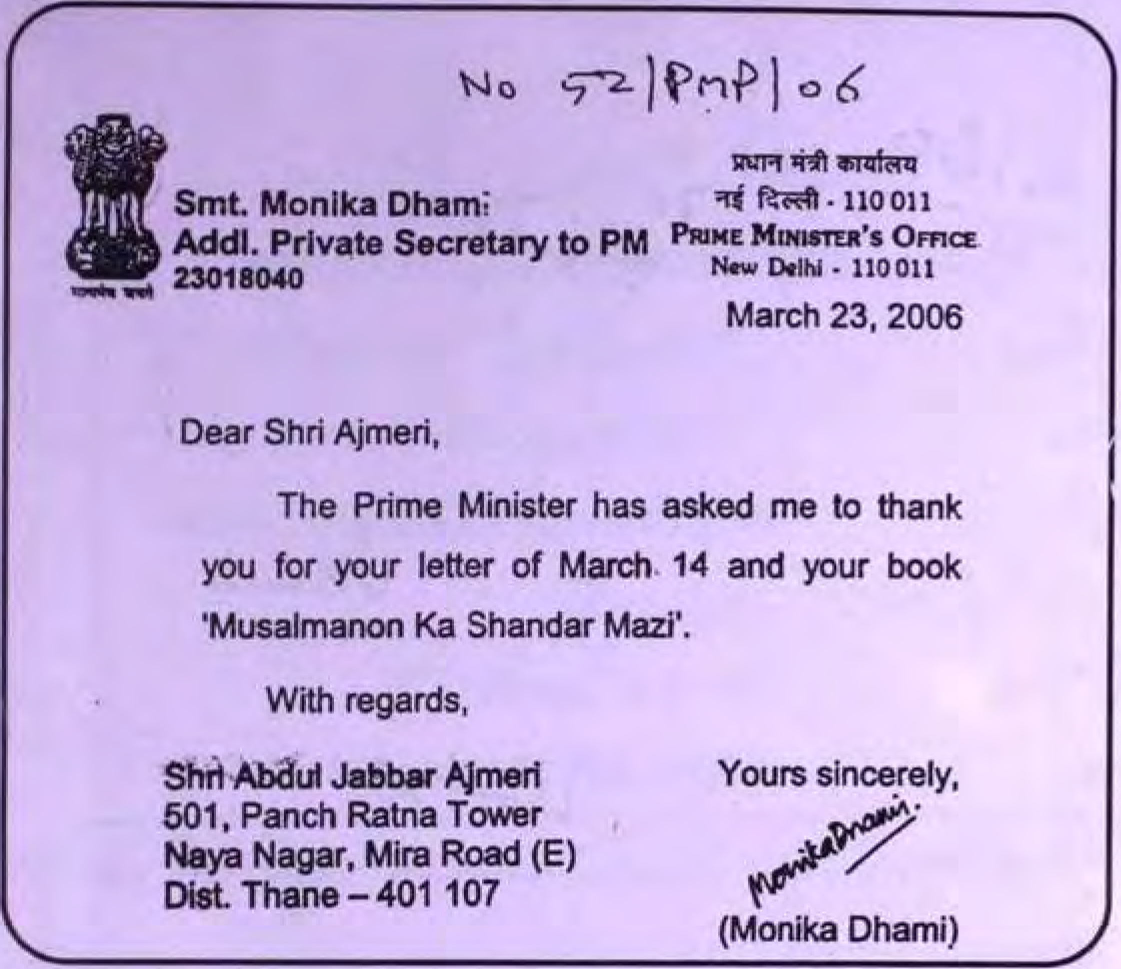

No 52/PMP/06

Smt. Monika Dhami
Addl. Private Secretary to PM
23018040

प्रधान मंत्री कार्यालय
नई दिल्ली - 110 011
PRIME MINISTER'S OFFICE
New Delhi - 110 011

March 23, 2006

Dear Shri Ajmeri,

The Prime Minister has asked me to thank you for your letter of March 14 and your book 'Musalmanon Ka Shandar Mazi'.

With regards,

Yours sincerely,

Monika Dhami

(Monika Dhami)

Shri Abdul Jabbar Ajmeri
501, Panch Ratna Tower
Naya Nagar, Mira Road (E)
Dist. Thane – 401 107

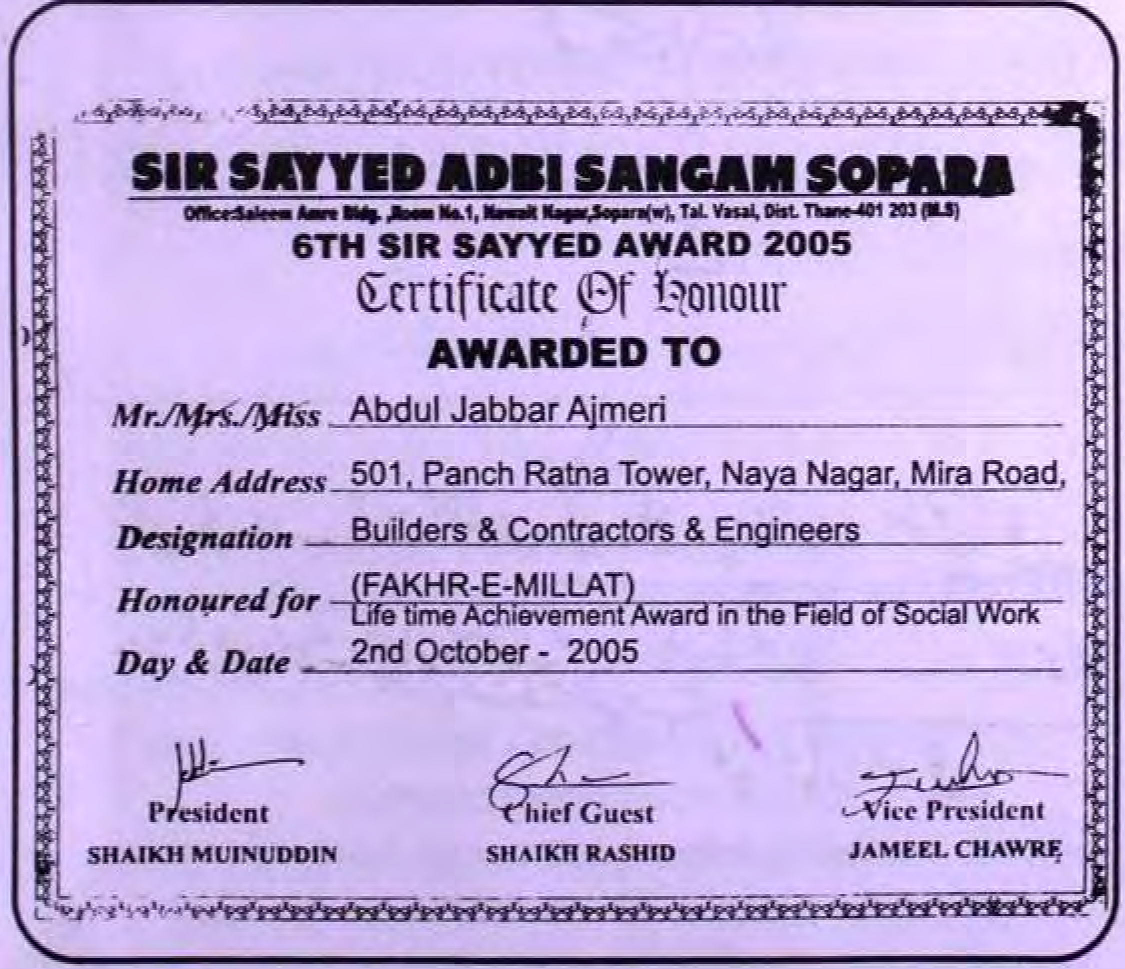

SIR SAYYED ADBI SANGAM SOPARA

Office:[illegible] Bldg. ,Room No.1, [illegible] Nagar,Sopara(w), Tal. Vasai, Dist. Thane-401 203 (M.S)

6TH SIR SAYYED AWARD 2005

Certificate Of Honour

AWARDED TO

Mr./Mrs./Miss Abdul Jabbar Ajmeri

Home Address 501, Panch Ratna Tower, Naya Nagar, Mira Road,

Designation Builders & Contractors & Engineers

Honoured for (FAKHR-E-MILLAT) Life time Achievement Award in the Field of Social Work

Day & Date 2nd October - 2005

President	Chief Guest	Vice President
SHAIKH MUINUDDIN	SHAIKH RASHID	JAMEEL CHAWRE

فہرست مضامین

انتساب 3
I مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی (دیوبند) 17
A مولانا سید رابع حسن ندوی (لکھنؤ) 10
B مولانا خلیل الرحمٰن صدیقی 12
C مولانا مشتاق احمد ضیاء القاسمی 14
D مولانا مستقیم اعظمی (صدر جمعیۃ العلماء مہاراشٹر) 14
E مولانا ابوظفر حسان ندوی ازہری 15
F ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی 15
G حضرت مفتی عزیز الرحمٰن فتحپوری 16
H ڈاکٹر من موہن سنگھ وزیر اعظم ہند 4
باب اول (دور نبوت) 19
حرف آغاز 21
اللہ تبارک وتعالیٰ 23
a تخلیق کائنات 24
b فرشتے 24
c جن 25
1 آدم علیہ السلام 25
2 حضرت ادریس علیہ السلام 28
3 حضرت نوح علیہ السلام 28
4 حضرت ہود علیہ السلام 29
5 حضرت صالح علیہ السلام 29
6 حضرت ابراہیم علیہ السلام 32
7 حضرت اسماعیل علیہ السلام 35
8 حضرت لوط علیہ السلام 37
9 حضرت اسحاق علیہ السلام 38
10 حضرت یعقوب علیہ السلام 39
11 حضرت یوسف علیہ السلام 39
12 حضرت شعیب علیہ السلام 44
13 حضرت یونس علیہ السلام 44
14 حضرت ایوب علیہ السلام 45
15 حضرت ذوالکفل علیہ السلام 46
16 حضرت موسیٰ علیہ السلام 46
17 حضرت ہارون علیہ السلام 46
18 حضرت الیاس علیہ السلام 53
19 حضرت الیسع علیہ السلام 53
20 حضرت عزیر علیہ السلام 53
21 حضرت داؤد علیہ السلام 54
22 حضرت سلیمان علیہ السلام 54
23 حضرت زکریا علیہ السلام 57
24 حضرت یحیٰ علیہ السلام 58
25 حضرت عیسیٰ علیہ السلام 59
26 حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم 61
27 حکیم حضرت لقمان علیہ السلام 61
28 قصہ اصحاب کہف 62
29 وقت آج سے حضرت آدم علیہ السلام 63
باب دوئم (رسالت) 65
30 پیش لفظ 67
31 حضرت محمد ﷺ ولادت سے پہلے 69
32 حضرت محمد ﷺ کی آمد اور اسلام 70
33 جنگ بدر 72
34 جنگ احد 73
35 تحریم خمر 74
36 جنگ بنو مصطلق 74
37 پردے کا حکم 75
38 انسداد تبنی (گود کا بیٹا) 76
39 جنگ خندق 76

MEHBOOB ALAM

40 صلح حدیبیہ 77
41 جنگ خیبر 77
42 جنگ موتہ 78
43 فتح مکہ معظمہ 79
44 جنگ حنین 80
45 جنگ تبوک 82
46 مسجد ضرار 82
47 حجۃ الوداع 82
48 شب اسریٰ معراج 83
49 وصال محمد صلی اللہ علیہ وسلم 84
50 امہات المؤمنین 90
باب سوئم (دورِ خلافت) 93
51 پیش لفظ 95
52 حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ 96
53 حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ 100
54 حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ 105
55 حضرت علی رضی اللہ عنہ 106
56 حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ 110
57 یزید بن معاویہ اور شہادت امام حسینؓ 110
58 مروان بن حکم 111
59 عبدالملک بن مروان 112
60 ولید بن عبدالملک 113
61 سلیمان بن عبدالملک 116
62 عمر بن محمد قاسم 117
63 حضرت عمر بن عبدالعزیز 118
64 مروان بن محمد 120
65 خلیفہ ہارون رشید 120
66 صلاح الدین ایوبی 122
67 معتصم باللہ 126
68 عثمان خان 128
69 بایزید یلدرم 128
70 سلطان محمد خاں 129
71 سلطان مراد خاں ثانی 130
72 سلطان محمد خاں (محمد فاتح) 130
73 سلطان سلیم 132
74 کل دورِ خلافت 132
75 ترکوں کا اخلاق و کردار 133
باب چہارم (بزرگانِ دین) 135
76 پیش لفظ 137
77 ائمہ کرام 139
78 حضرت شیخ جنید بغدادیؒ 141
79 حضرت شیخ علی ہجویریؒ 141
80 غوث اعظم عبدالقادر جیلانیؒ 142
81 خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ 143
82 خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ 145
83 خواجہ فرید الدین شکر گنجؒ 147
84 خواجہ نظام الدین اولیاءؒ 148
85 حضرت امیر خسرو دہلویؒ 150
86 شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ 150
87 خواجہ برہان الدین چشتیؒ 151
88 حضرت سید امیر کلالؒ 151
89 شیخ علی مخدوم فقیہی ماہمیؒ 152
90 حضرت حاجی علی ممبیؒ 153
91 بابا تاج الدین اولیاءؒ 153
92 حضرت امام غزالیؒ 156
93 شیخ سعدیؒ 157

94 حضرت مولانا رومؒ 157
95 ابن خلدون 158
96 سیاح ابن بطوطہ 159
97 مولانا جامیؒ 159
98 حافظ شیرازیؒ 159
99 شاہ ولی اللہؒ 160
100 اہل حدیث محمد بن عبدالوہاب 161
101 مولانا الطاف حسین حالی 162
102 مولانا شبلی نعمانی 163
103 محمد حاجی صابق صدیق 163
104 اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی 164
105 مولانا اشرف علی تھانوی 165
106 حضرت مولانا الیاس 166
107 علامہ شبیر احمد عثمانی 167
108 ڈاکٹر علامہ اقبال 167
109 انجمن اسلام ممبئی 170
110 ندوۃ العلماء 171
111 جامعہ ملیہ اسلامیہ 172
112 اخوان المسلمین 173
113 جماعت اسلامی 174
باب پنجم (حکومت) 177
114 پیش لفظ 179
115 ہندوستان میں اسلام کی آمد 180
116 امیر ناصر الدین سبکتگین 181
117 سلطان محمود غزنوی 183
118 سلطان غیاث الدین غوری 188
119 قطب الدین ایبک 190
120 سلطان شمس الدین التمش 191
121 چنگیز خاں کا حملہ 192
122 رضیہ سلطانہ 193
123 سلطان ناصر الدین محمود 194
124 سلطان غیاث الدین بلبن 195
125 سلطان جلال الدین خلجی 197
126 سلطان علاء الدین خلجی 198
127 غیاث الدین تغلق 202
128 سلطان محمد شاہ تغلق 202
129 سلطان فیروز شاہ تغلق 205
130 امیر تیمور (لنگ) کا حملہ 206
131 سید خاندان 208
132 بہلول لودھی 208
133 سکندر لودھی 209
134 ابراہیم لودھی 209
135 شہنشاہ ظہیر الدین بابر 209
136 شہنشاہ ہمایوں (پہلا دور) 211
137 شیر شاہ سوری 216
138 اسلام شاہ سوری 216
139 محمد شاہ عادل 216
140 شہنشاہ ہمایوں (دوسرا دور) 217
141 سلطان جلال الدین محمد اکبر 217
142 شہنشاہ نور الدین جہانگیر 222
143 شہنشاہ شاہجہاں 224
144 اورنگ زیب عالمگیر 228
145 بہادر شاہ اول 236
146 جہاندار شاہ 237
147 فرخ سیر 237
148 محمد شاہ (رنگیلے) 238

149 سلطان احمد شاہ 239
150 عالمگیر ثانی 239
151 شاہ عالم 240
152 اکبر ثانی 242
153 بہادر شاہ ظفر 243
154 دکن کی خود مختار اسلامی حکومتیں 246
باب ششم (تحریک آزادیٔ ہند) 249
155 پیش لفظ 251
156 ہندوستان میں یورپ کی آمد 253
157 ایسٹ انڈیا کمپنی 253
158 جنگِ آزادی کا آغاز 254
159 پلاسی کی جنگ (نواب سراج الدولہ) 255
160 بکسر کی جنگ 256
161 نواب حیدر علی 256
162 ٹیپو سلطان 257
163 مولانا احمد شہید، مولانا شاہ اسماعیل شہید 262
164 انگریزوں کے خلاف غدر 263
165 شہید والی خاں 269
166 علی خاں کا عشق انگریز لڑکی سے 269
167 پیر علی اور شیخ گھسیٹا 270
168 شہید رقاصہ عزیزن بنائی 271
169 مسلمان اور جھانسی کی رانی 272
170 بیگم حضرت محل (نواب واجد علی شاہ) 273
171 مولوی احمد اللہ شاہ 275
172 مولوی عظیم اللہ شاہ 276
173 تحریک علماء دیو بند 277
174 چیف جسٹس نارمن کا قتل 278
175 وائسرائے ہند لارڈ میو کا قتل 278
176 تحریک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی 279
177 ملکہ وکٹوریہ 283
178 انڈین نیشنل کانگریس 283
179 تحریک ریشمی رومال (شیخ الہند) 284
180 پہلی جنگِ عظیم 287
181 جلیان والا باغ 289
182 جنرل مائیکل ڈائر کی موت 291
183 تحریک خلافت کمیٹی 292
184 تحریک جمعیۃ العلماء ہند 294
185 علماء ہند کا نان کوآپریشن اور فتویٰ 294
186 کراچی کا مقدمہ 296
187 چوری چورا کانڈ 297
188 تحریک مسلم موپلا کسان 299
189 کاکوری ڈکیتی کیس (اشفاق اللہ 300
190 آر۔ ایس۔ ایس۔ 302
191 قصہ پشاور خوانی بازار 303
192 تحریک ستیہ گرہ اور سول نافرمانی 304
193 تحریک نمک سازی 305
194 تحریک چرخہ 306
195 شہید سکھ دیو، راج گرو اور بھگت سنگھ 306
196 سوامی شردھانند، آر۔ ایس۔ ایس 307
197 انڈیا ایکٹ اور مسلم لیگ 308
198 جنگِ آزادی میں مسلم خواتین 309
199 آر۔ ی بل۔ 314
200 مسلم لیگ کا نعرہ پاکستان 314
201 دوسری جنگِ عظیم 315
202 تحریک بھارت چھوڑو 318
203 آزاد ہند فوج اور مسلمان 319

204 لارڈ ویول کانفرنس اور مسلم لیگ 321
205 تحریک سمندر بغاوت 321
206 عبوری حکومت 323
207 بٹوارہ اور پنڈت جواہر لال نہرو 324
208 بٹوارہ اور آزادی 327
209 آزادی کے بعد فرقہ وارانہ فسادات 328
210 مؤلف کا دورۂ کراچی 330
باب ہفتم (مجاہدین آزادی) 333
211 پیش لفظ 335
212 حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ 336
213 مولانا محمد قاسم نانوتویؒ 336
214 مولانا رشید احمد گنگوہیؒ 337
215 مولانا فضل حق خیر آبادی 337
216 مولانا محمد جعفر تھانیسریؒ۔ مولانا یحییٰ 338
217 جج جناب بدر الدین طیب جی 338
218 شیخ الہند مولانا محمود الحسن 340
219 مولانا برکت اللہ بھوپالی 342
220 مسیح الملک حکیم اجمل خاں 342
221 مہاتما گاندھی 343
222 مولانا عبید اللہ سندھی 344
223 مولانا شوکت علی 346
224 مولانا مفتی کفایت اللہ 346
225 قائد اعظم محمد علی جناح 347
226 مولانا محمد علی جوہر 348
227 مولانا عبد الباری فرنگی محلی 350
228 مولانا حسرت موہانی 351
229 بمبئی کے چار مینار 353
230 شہید سید گینو بابو 355
231 امر شہید باپ بیٹا (شولا پور) 355
232 شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی 356
233 ڈاکٹر مختار احمد انصاری 359
234 ڈاکٹر سیف الدین کچلو 360
235 بیرسٹر آصف علی 360
236 مولانا ابوالکلام آزاد 361
237 مولانا احمد سعید دہلوی 370
238 سرحدی گاندھی خان عبد الغفار خان 370
239 رفیع احمد قدوائی 371
240 راشٹرپتی ڈاکٹر ذاکر حسین 372
241 مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی 373
242 مولانا سید محمد میاں 373
243 راشٹرپتی فخر الدین علی احمد 374
244 بریگیڈیر محمد عثمان 374
245 ایک تاریخی حویلی (مؤلف) 376
246 تجزیہ 378
247 بھگون 383
248 کانگریس کے مسلم صدر 384
249 فرنگیوں کی جیل میں مجاہدین 385
250 نقشۂ انبیاء کرام 386
251 امہات المؤمنین 387
252 دورِ رسالت اور عہد خلافت 388
253 حکومت کا چارٹ 389
254 حویلی کی تصویر2 390

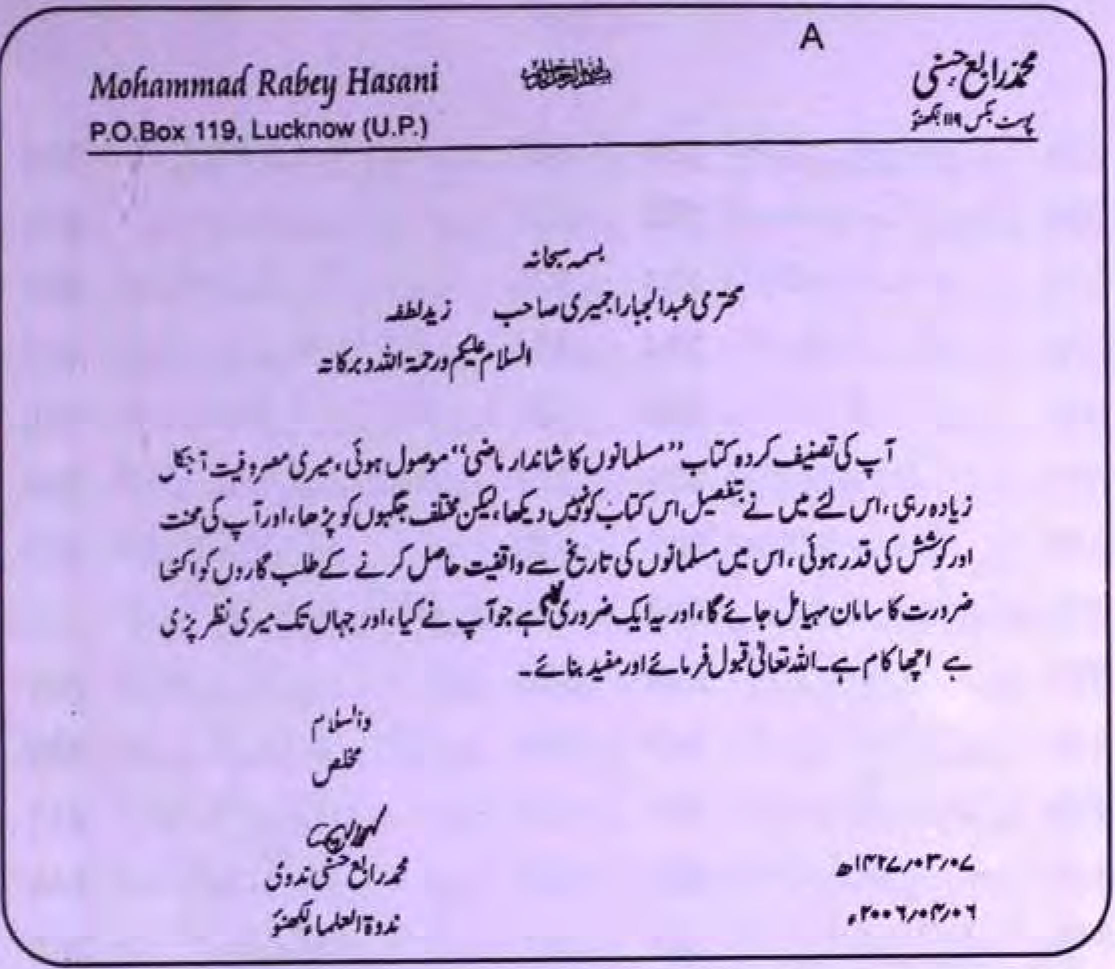

A

Mohammad Rabey Hasani
P.O.Box 119, Lucknow (U.P.)

محمد رابع حسنی
پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

بسمہ سبحانہ

محترمی عبدالجبار اجمیری صاحب زید لطفہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی تصنیف کردہ کتاب "مسلمانوں کا شاندار ماضی" موصول ہوئی، میری مصروفیت آجکل زیادہ رہی، اس لئے میں نے بتفصیل اس کتاب کو نہیں دیکھا، لیکن مختلف جگہوں کو پڑھا، اور آپ کی محنت اور کوشش کی قدر ہوئی، اس میں مسلمانوں کی تاریخ سے واقفیت حاصل کرنے کے طلب گاروں کو اکٹھا ضرورت کا سامان مہیا مل جائے گا، اور یہ ایک ضروری کام ہے جو آپ نے کیا، اور جہاں تک میری نظر پڑی ہے اچھا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مفید بنائے۔

والسلام
مخلص

محمد رابع حسنی ندوی
ندوۃ العلماء لکھنؤ

۷؍۳؍۱۴۲۷ھ
۶؍۴؍۲۰۰۶ء

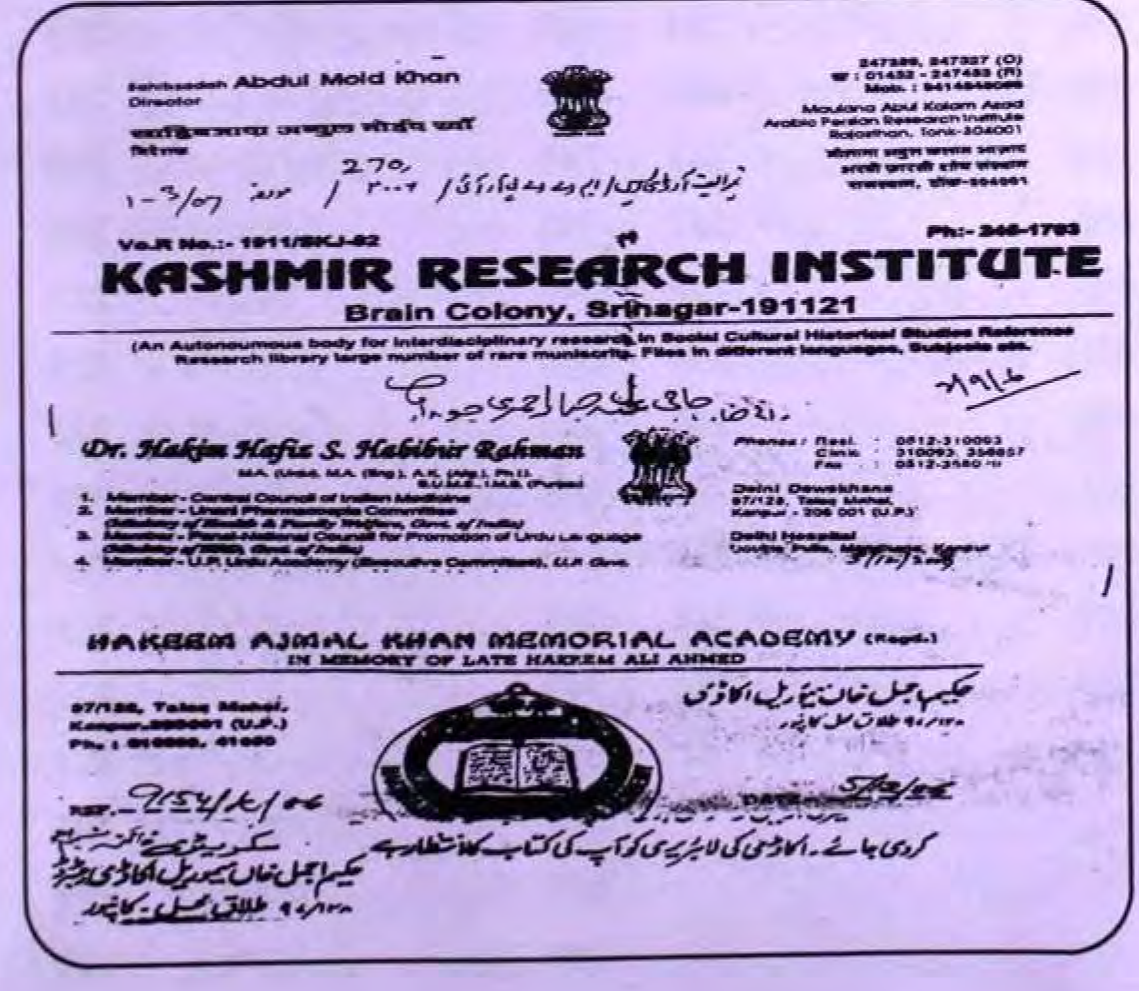

Sahibzadah Abdul Moid Khan
Director

247389, 247327 (O)
☎ : 01432 - 247483 (R)
Mob. : 9414848088

Maulana Abul Kalam Azad
Arabic Persian Research Institute
Rajasthan, Tonk-304001

270
۲۰۰۶ / مورخہ 1-3/07

Va.R No.:- 1911/SKJ-62
Ph:- 246-1793

KASHMIR RESEARCH INSTITUTE

Brain Colony, Srinagar-191121

(An Autonomous body for interdisciplinary research in Social Cultural Historical Studies Reference Research library large number of rare manuscripts. Files in different languages, Subjects etc.

Dr. Hakim Hafiz S. Habibur Rahman

Phones / Resi. : 0512-310093
Clinic : 310093, 356857
Fax : 0512-3160

1. Member - Central Council of Indian Medicine
2. Member - Unani Pharmacopoeia Committee (Ministry of Health & Family Welfare, Govt. of India)
3. Member - National Council for Promotion of Urdu Language (Ministry of HRD, Govt. of India)
4. Member - U.P. Urdu Academy (Executive Committee), U.P. Govt.

Delhi Dawakhana
87/128, Talaq Mahal,
Kanpur - 208 001 (U.P.)

Delhi Hospital

HAKEEM AJMAL KHAN MEMORIAL ACADEMY (Regd.)
IN MEMORY OF LATE HAKEEM ALI AHMED

87/128, Talaq Mahal,
Kanpur-208001 (U.P.)

حکیم اجمل خاں میموریل اکاڈمی
۹۰؍۱۲۸ طلاق محل کانپور

REF.- / 06

DATE 5/9/06

... کردی جائے۔ اکاڈمی کی لائبریری کو آپ کی کتاب کا انتظار ہے

حکیم اجمل خاں میموریل اکاڈمی
۹۰؍۱۲۸ طلاق محل کانپور

''تعارف''

جناب حاجی عبدالجبار اجمیری چوبدار کا تعلق قصبہ نولگڈھ راجستھان سے ہے۔ نولگڈھ شیخاواٹی میں ایک خاص مقام رکھتا ہے، آپ نے اردو کی تعلیم اپنے بڑے بھائی حاجی محمد حسین صاحب سے حاصل کی، جو ایک معذور مگر عالم، عابد اور پرہیزگار اور ولی صفت شخص تھے۔ یہ کتاب انہیں کے نام سے شائع کی گئی ہے۔

آپ نے اپنے آبائی وطن نولگڈھ سے 1959ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اور 1961ء میں انٹر (تاریخ) کا امتحان مُرینہ (مدھیہ پردیش) سے پاس کیا۔ 1961ء سے 1963ء تک گورنمنٹ پرائمری اسکول میں ٹیچر کے فرائض انجام دئے آپ 1964ء سے بمبئی میں مقیم ہیں۔ اور گورنمنٹ کنٹراکٹر ہیں۔

قصبہ نولگڈھ میں اور ہماری چوبدار برادری میں آپ پہلے شخص ہیں جن کی تین کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ آپ نے مسلمانوں کے تاریخی حقائق اخذ کر کے اسے مختصر اور جامع انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے جس میں اسلام کی ابتداء سے آزادیٔ ہند تک کے سفر میں مسلمانوں کی شاندار قیادت کا ذکر کیا گیا ہے۔ تاکہ ہماری نوجوان نسل اپنے اسلاف کے ان میناروں کو پہچان سکیں جو مسلم قوم کا سرمایہ فخر و امتیاز ہیں۔

میں تہہ دل سے اور چوبدار برادری کی طرف سے جناب عبدالجبار اجمیری کو ان کی اس کاوش پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اس کتاب کی افادیت کے پیشِ نظر امید کرتا ہوں کہ ہمارے مسلم تعلیمی ادارے، نوجوان نسل اور تمام عالمِ انسانیت اس سے فیضیاب ہوں گے۔

حاجی شیخ موتی خاں (ایڈوکیٹ)

سابق صدر راجستھان چوبدار شیخ جماعت مکرانہ راجستھان

جناب عبدالجبار اجمیری صاحب
مؤلف بھی مصنف بھی

عبدالجبار صاحب میرا ایکتا کمیٹی کے بانی و صدر ہیں۔ 1998ء سے قائم ہونے والی یہ کمیٹی 26 رجنوری کو ایک آل انڈیا مشاعرے کا انعقاد کرتی ہے۔ اردو کی ترقی اور ملت کی خدمت کے جذبے کے تحت ہر سال دسویں جماعت کے بچوں اور بچیوں کو فری کوچنگ کلاس کی تعلیم دیتی ہے۔

عبدالجبار صاحب سخت حالات اور مصائب کے گھیرے میں رہ کر جینے کا ہنر جانتے ہیں، وہ پتھریلی زمینوں پر حوصلوں کے چمن لہلہادینے کے عادی ہیں۔ آپ کا ذہن ضمیر جاگا، انہوں نے محسوس کیا کہ ہماری نئی نسل کی معلومات کے لئے شروع اسلام سے لے کر جو آزادی تک تاریخ مرتب ہے اس سے ہماری نسل بے نیاز و نا آشنا ہے۔ لہذا انہوں نے تاریخی مستند حوالوں کے ساتھ ایک ضخیم کتاب بعنوان ''مسلمانوں کا شاندار ماضی'' زیورِ طبع سے آراستہ اور مختلف کتب سے مواد یکجا کر کے خود بھی اپنی نثری قوت کو شامل کیا ہے۔ اس طرح وہ مؤلف بھی ہیں اور مصنف بھی۔ عبدالجبار صاحب کسی دارالعلوم سے فارغ نہیں ہیں۔ عربی، فارسی زبان کی شُدبُد بھی موصوف کو حاصل نہیں ہے۔ لیکن وہ ذاتی طور پر علمی استعداد کا دائرہ وسیع رکھتے ہیں اور بر بنائے ذہانت اُنہوں نے اسلامی سچائیوں کو اجاگر کیا ہے۔

بعض تیرہ ذہن لوگ کتاب کی ہمہ جہت مواد سے انحراف بھی کر سکتے ہیں لیکن کتاب کی افادیت کو محدود نہیں کر سکتے۔ عبدالجبار صاحب علماء کی صف میں اپنا شمار نہیں کرانا چاہتے اور نہ پروفیسروں کے قد سے اپنے قد کو ناپنا ان کا مقصد ہے۔ وہ خدمت قوم کے جذبے سے سرشار ہیں۔

سرسید ادبی سنگم سوپارہ (ممبئی) کی طرف سے آپ کو ''فخرِ ملت'' کے اعزاز سے نوازا جا چکا ہے۔

کمال جائسی

مشہور شاعر، کمال جائسی

قلم گوید کہ من شاہ جہانم

B۔ ازقلم:۔ حضرت مولانا ظلق الرحمٰن صدیقی (مرحوم)
سابق صدر جمعیۃ العلماء مہاراشٹر ممبئی۔ ۸

حاجی عبدالجبار اجمیری مشہور و معروف کنٹریکٹر ہیں اور شہر ممبئی کے کاروباری حلقوں میں محتاج تعارف نہیں۔ البتہ سمنٹ، کنکریٹ کے ڈھیروں کو اُلٹ پلٹ کرتے ہوے اور تعمیری کاموں کے سلسلے میں مزدوروں کی سطح پر اپنی ذمہ داریوں کو نبھائے ہوئے اپنی گوناگوں مصروفیات میں سے علمی، ادبی اور دینی مطالعے کے لئے وقت نکالنا حاجی صاحب موصوف کا ایسا کارنامہ ہے جو اُن کی ذاتِ ہمہ صفات کو اپنے ہم عصروں اور ہم مشربوں میں ممتاز کرتا ہے۔ کاروبار کے ساتھ ساتھ بمبئی شہر کے تمام علمی، ادبی اور دینی حلقوں میں حاجی عبدالجبار اجمیری اپنی مخصوص شناخت رکھتے ہیں۔ سنگ و آہن کی کشاکش کے ساتھ حوصلوں کی بلندی اور عزمِ جواں نے حاجی صاحب موصوف کو ایک بڑے کام پر آمادہ کیا ہے جو فنا ہو جانے والے مٹی کے بنگلوں اور عمارتوں سے زیادہ وقیع، دائم الوجود اور باعثِ اجر و ثواب بھی ہے۔

مشکلیں کچھ بھی نہیں عزم جواں کے آگے
حوصلے آہنی دیوار گرادیتے ہیں

مطالعے کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا ذوق بھی ایک نعمت ہے جو حاجی صاحب موصوف کو قدرت کی طرف سے وافر مقدار میں عطا ہوئی۔ اس سے پہلے ان کی دو کتابیں شائع ہو چکی ہیں

زیرِ نظر کتاب ’’مسلمانوں کا شاندار ماضی‘‘ رسالت، خلافت، حکومت اور آزادیٔ ہند کے حوالے سے ایک دستاویزی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کا ماضی اپنی چودہ سو سالہ طویل زندگی کے ہر دور میں ایسی ہزارہا درخشاں مثالیں رکھتا ہے جو آج بھی زندہ و تابندہ ہیں اور قیامت تک دنیا اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ بدقسمتی سے آج ہماری نئی نسلیں اپنی تاریخ سے نابلد ہوتی جا رہی ہیں خصوصاً ہندوستان میں ایسا طرزِ تعلیم اختیار کیا گیا ہے جو نئی نسلوں کو شاندار اسلامی تاریخ سے دور کرتا جا رہا ہے اور مذہبی معلومات اور شعائرِ اسلام سے بیگانہ بنا رہا ہے۔ نصابی کتابوں میں ایسے اسباق شامل کئے جا رہے ہے جو تازہ ذہن کو تعصب اور نفرت کے زہر سے مسموم کر دیتے ہیں یہاں تک ہندوستان کی آزادی کے سلسلے میں مسلمانوں کی قربانیاں بھی فراموش کر دی گئیں اور نئی نسلیں جد و جہد آزادی کے سلسلے میں اپنے اسلاف کے ناموں اور کارناموں سے ناواقف ہوئی جا رہی ہیں۔

حاجی عبدالجبار اجمیری نے عہدِ رسالت سے لے کر آزادیٔ ہند تک ساڑھے تیرہ سو سالہ دور کو کھنگال ڈالا ہے اور صدہا کتابوں میں سے مفید معلومات تلاش کر کر کے ایسی کتاب مرتب کی ہے۔ جو نئی نسلوں کی ذہن سازی میں بڑی حد تک مفید اور معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ حاجی صاحب موصوف کا یہ کارنامہ یقیناً اس قابل ہے کہ ملت کے ایک ایک فرد تک اسے پہونچانا ہم سب کا ملّی فریضہ ہے۔ پوری ملت کی طرف سے اس عظیم الشان کارنامے کی انجام دہی پر حاجی صاحب موصوف کو میں دل کی گہرائیوں سے مبارک باد دیتا ہوں۔ ''مسلمانوں کے شاندار ماضی'' کی اتنی طویل مدّتی تاریخ کو چند صفحات میں مرتب کرنا گویا دریا کو کوزہ میں بند کرنے کے سعیِ ناتمام ہے۔ جس میں حاجی عبدالجبار اجمیری پوری طرح کامیاب ہیں۔ اس کتاب کے مطالعے سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ہمارے بزرگوں نے جدو جہد آزادی کو انگریزوں کے خلاف جہادِ اسلامی کا جو فتویٰ جاری کیا تھا وہ بروقت ایک انقلابی اقدام تھا جس کے دور رس نتائج کو حاجی عبدالجبار اجمیری نے عہدِ رسالت کے ساتھ جوڑنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ حاجی عبدالجبار اجمیری کا نفیس ذوقِ شاعری بھی اس کتاب میں جگہ جگہ جھلکتا ہے۔ ایک طویل عرصے سے بمبئی شہر کے مشاعروں اور ادبی نشستوں میں شرکت کے علاوہ بیشتر شعراء کرام سے ذاتی مراسم کی وجہ سے اُن کا ذوقِ شاعری بھی کافی نکھرا ہوا ہے اور جگہ جگہ اشعار کے حوالوں نے کتاب کو تاریخ و ادب کا خوبصورت مرقع بنادیا ہے۔ جو استفادہ کرنے والوں کے لئے تاریخی معلومات کے ساتھ ساتھ ادبی چاشنی کا مزہ بھی دیتا ہے۔

عہدِ رسالت اور دورِ خلافت کے علاوہ جدو جہد آزادی کے سلسلے میں مختلف تحریکات، شخصیات اور بزرگانِ دین کا تعارف بھی اس کتاب کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ ہر بات کے آخر میں خلاصہ کے طور پر عیسوی سن کی ترتیب سے تحریکات و شخصیات کے اعداد و شمار بھی اس قابل ہیں کہ انھیں محفوظ رکھا جائے تاکہ سند رہے اور بوقتِ ضرورت کام آئے۔

میں اپنی دیگر مصروفیات اور ضعفِ بصارت کی وجہ سے پوری کتاب کا مطالعہ تو نہیں کر سکا البتہ جستہ جستہ اس پر نظر ڈالی ہے اس سے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ کتاب بہت مفید اور اہم ہے اور مجھے خوشی ہے۔ کہ اس کتاب کے متعلق چند الفاظ تحریر کرنے کی سعادت میرے حصے میں آئی۔

میں صمیم قلب سے دعا گو ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کتاب کو عامۃ المسلمین کے لئے نافع بنائے اور مؤلف کتاب جناب حاجی عبدالجبار اجمیری کو فلاحِ دارین اور جزائے خیر سے نوازے (آمین)

دعا گو:۔ مولانا ظل الرحمٰن صدیقی

۲رشعبان المعظم ۱۴۲۶ھ بمطابق ۷رستمبر ۲۰۰۵ء

C مولانا مشتاق احمد، ضیاء القاسمی: حاجی عبدالجبار صاحب کی گراں قدر تالیف ''مسلمانوں کا شاندار ماضی'' کے مطالعے کے شرف حاصل ہوا۔ اس کے مضامین، ٹائٹل اور پھر اس کی جمع و ترتیب اور حسن تحقیق قابل تحسین ہے۔ آپ نے مسلمانوں کے مقدس کارناموں کو مستند تواریخ کے منتشر اوراق سے عرق ریزی کرکے اور خوب چھان بین کر نہایت ہی مختصر مگر جامع اور سہل انداز میں پیش کیا ہے اور اپنے قلمی کاوش کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُن کے روشن چہرے کو اُجاگر کرنے میں گویا دریا سے سیپ اور سیپ سے قیمتی موتی نکالنے کا دشوار ترین کام انجام دیا ہے۔ جو قابل مبارک ہے اور اس شعر کے بجا مصداق ہے۔

بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا فرزانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ میخانہ

موصوف کا انتخاب کردہ موضوع وقت کے تقاضے کے مطابق ہے اور موضوع بھی ہے اور موجودہ دور میں اس کی ضرورت بھی ہے کیونکہ آج ہر طرف اسلام کے خلاف سازشوں کا جال بچھایا جارہا ہے جب کہ جنگ آزادی میں مسلمانوں اور علماء کرام کا قائدانہ رول رہا ہے جنھوں نے وطن کی آزادی کی خاطر خون و جگر کا نذرانہ پیش کیا آج ان کے ناموں کو داستان آزادی کے اوراق سے کھرچ کر مٹایا جارہا ہے۔

مسلمان جو اپنی اسلامی تاریخ کا خود محافظ اور ضامن ہے اس کی دل چسپی کم اور بے اعتنائی عام ہوتی جارہی ہے۔ جس سے ہماری نئی نسل کا تو حال یہ ہے کہ وہ اسلامی تاریخ سے بالکل بیگانہ اور نابلد ہے۔ حتیٰ کہ انھیں یہ بتانا بھی دشوار ہوتا ہے کہ وہ بھی جنگِ آزادی میں شامل تھے اور ان کے اسلاف و اکابر کے ماضی بڑے شاندار اور بے داغ تھے۔ آج ہماری اس تاریخی بے شعوری کا خمیازہ ہمیں بھگتنا پڑ رہا ہے۔ اور ہم تعمیر ملک و ملت میں پیچھے رہ گئے۔ مذکورہ حقائق کے مدنظر جس دور اندیشی سے حضرت حاجی عبدالجبار صاحب نے ایک اہم اور خوشگوار فریضہ انجام دیا ہے وہ قابل مبارک باد ہے۔ مولانا مشتاق احمد ضیاء القاسمی

دارالافتاء مدرسہ ندائے اسلام محلہ بساطیان بیکر (راجستھان)

D۔ حضرت مولانا مستقیم احمد اعظمی:۔ ''تاریخ جو ایک آئینہ ہے'' قوموں کا مستقبل اُن کے ماضی کی تاریخ پر تعمیر ہوتا ہے جس قوم کی کوئی تاریخ نہیں ہوتی اس کا کوئی مستقبل بھی نہیں ہوتا۔

اپنے ماضی سے سبق سیکھو تم کو آئندہ کام آئے گا
پیچھے جتنا کمان کھینچو گے تیر اتنی ہی دور جائے گا

تمام اقوام عالم میں مسلمانوں کی تاریخ سب سے زیادہ شاندار اور قابل فخر ہے۔ مگر بدقسمتی سے آج قوم مسلم اپنی شاہکار تاریخ اور اپنے اسلاف کے بلند کارناموں سے بالکل نابلد ہو چکی ہے۔ آج مسلمانوں کی نوے فیصد سے زیادہ تعداد اپنی سنہری تاریخ سے بالکل بے خبر ہے اسی لئے اپنا مستقبل سنوارنے کے بجائے کیڑے مکوڑوں کی طرح زندگی بسر کرنے پر قانع ہے۔ اگر اس غافل قوم مسلم کو اپنی شاندار تاریخ اور قابل احترام بزرگوں کے کردار کا علم ہو جائے تو اس کو بننے سنورنے میں کچھ دیر نہیں لگے گی۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

حاجی عبدالجبار اجمیری یوں تو پیشے سے معمار ہیں مگر اپنے قومی ملی تاریخ پر بڑی وسیع اور بہت عمیق نظر رکھتے ہیں۔ انھوں نے محسوس کیا اور اپنی غافل اور بھٹکی ہوئی قوم کو آئینہ دکھایا جائے تا کہ وہ جان سکے اور پہچان سکے کہ میں کون ہوں اور کیا کر رہا ہوں اور مجھے کیا کرنا چاہئے۔

یہ ایک نا قابل تردید سچائی ہے کہ مسلمانوں نے دنیا کو بہت کچھ دیا ہے۔ اور ان کے زوال سے کل عالم کو نا قابل تلافی خسارہ ہوا ہے۔ حاجی عبدالجبار اجمیری مسلمانوں کے تاریخ کا آئینہ دکھا کر اُن کو اپنے اصل مقام پر لانا چاہتے ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب ”مسلمانوں کا شاندار ماضی“ میں مسلمانوں کی صدیوں کی تاریخ کو سمیٹ کر اس کی ایک ہلکی سی جھلک پیش کی ہے۔ جس سے مطالعے کی راہ روشن ہوتی ہے۔ ان کے اجمالات سے تفصیلات تک پہنچنا بہت آسان کر دیا ہے۔ اگر قوم مسلم صرف اتنی سی بھی واقفیت حاصل کرے تو اس کے سنورنے کا سامان موجود ہے۔

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو　　پھر پسر قابل میراث پدر کیوں کر ہو

حضرت مولانا مستقیم اعظمی (ملی سماجی اہم شخصیت)

E۔ حضرت مولانا ابوظفر حسان ندوی ازہری:۔ محترم عبدالجبار اجمیری کی تصنیف ”مسلمانوں کا شاندار ماضی“ دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ تاریخ نگاری کے فنی اصول وضوابط سے ہٹ کر یہ کتاب اپنی شناخت آپ ہے۔ 570ء تا 1947ء تک کی جگ بیتی کو قلمبند کرنا کارے دارد ہے، مگر موصوف نے بڑی عرق ریزی سے اس ہفت خواں کو طے کیا اور اپنے قاری کی ضیافت کے لئے سبک اور سلیس زبان وبیان میں اپنی پوری بات رکھ دی۔ یہ کہانی بھی ہے اور دستان بھی اور ان دونوں ہٹ کر ایسا نگار خانہ ہے جس میں قومِ مسلم کی تصویر ہی نہیں اس کا بناو بگاڑ، تزئین وآرائش، تخریب وبربادی، اونچ نیچ، عروج وزوال سب کی رہنمائی کی تقریب مہیا کی گئی ہے۔ اور یہی چیز اس کتاب کو حدِ اعتبار تک پہونچنے میں مہمیز کا کام کرتی ہے۔ کتاب کی اہمیت اس کی افادیت میں مضمر ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ محترم عبدالجبار اجمیری صاحب سے میری سرسری ملاقات ہوئی ہے مگر ان سے تفصیلی ملاقات ان کی اس کتاب کے توسط سے ہوئی ہے۔ میں عبدالجبار اجمیری صاحب کو اس تصنیف پر مبارکباد دیتا ہوں اور اس لئے اس کتاب کے پڑھنے کی سفارش کرتا ہوں کہ دوڑتی بھاگتی پھیلتی دنیا میں تفصیلی مطالعہ کا وقت نکالنا مشکل ہے۔ لہٰذا موصوف نے طولاتی بیان سے احتراز کرتے ہوئے اختصار میں اپنی بات پوری کی ہے۔ ابوظفر حسان ندوی ازہری، بھیونڈی

F۔ حضرت مولانا غلام جابر شمس المصباحی:۔　　الحاج عبدالجبار صاحب بعد ھوالمسنون

آپ ریتیلی پتھریلی ریاست راجستھان سے تعلق رکھتے ہیں۔ پیشہ بھی ریت، پتھر، کنکریٹ کا ہے۔ اس لحاظ سے آپ کا ذہن سنگ وآہن جیسا سخت اور کرخت ہونا چاہئے۔ مگر اردو کی محبت نے آپ کے ذہن اور دماغ کو لطیف ورقیق بنا دیا ہے۔ آپ کی کتاب ”مسلمانوں کا شاندار ماضی“ جابجا دیکھا خوب نہیں، خوب تر ہے۔ یہ مشینی دور ہے۔ فرصت معدوم ہے۔ اپنے قوم اور نسل نو کو بیدار وباخبر بھی رکھنا ہے۔ یہ کتاب اختصار کے باوجود مقتضائے حال کے مطابق ہے۔ تاہم ہندو مسلم ہر طبقہ، ہر گھر آنگن میں اس کتاب کی پذیرائی کی سفارش کی جاسکتی ہے۔

(ڈاکٹر غلام جابر شمس المصباحی)

G۔ **حضرت مفتی عزیز الرحمٰن فتحپوری:۔** تاریخ جس کا تعلق ماضی کے اشخاص اور واقعات سے ہوتا ہے۔ جہاں یہ ایک قومی سرمایہ ہے وہیں عبرت و نصیحت کا مرقع بھی ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں کی علمی اور سیاسی تاریخ بھی انتہائی روشن اور تابناک رہی ہے۔ اس سے واقفیت اور تاریخی شخصیتوں کے سوانح اور واقعات کا علم ہماری قومی ضرورت ہے۔

تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

محترم عبدالجبار اجمیری صاحب نہ تو عالم نہ فاضل نہ علم و فضیلت کے مدعی، لیکن صاحب مطالعہ انسان ہیں اور اس کے استفادے کا جذبہ اور سلیقہ ان میں بدرجہ اتم موجود ہے۔

موصوف نے تاریخ اسلام اور ہندوستان کی علمی و سیاسی تاریخ کے ضروری اور مفید حصول کو انتہائی سلیقے سے یکجا کر دیا ہے، موصوف کی یہ کاوش اس قابل ہے کہ اِسے عام کیا جائے۔ عوام کے لئے یہ بطور خاص مفید ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین۔

مفتی عزیز الرحمٰن فتحپوری

H۔ **حضرت محمد تمیز الرحمٰن قاسمی:۔** موصوف کی تصنیف کردہ کتاب ''مسلمانوں کا شاندار ماضی'' کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔ یہ کتاب بہت ہی قیمتی تاریخی معلومات پر مشتمل ہے۔ حاجی صاحب نے اسلاف کے مقدس کارناموں کو نرالے انداز اور انوکھے طرز پر ترتیب دیا ہے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ کتاب چھوڑنے کو جی نہیں کرتا۔ واقعی کتاب پڑھ بڑی خوشی ہوئی۔ خدا کرے یہ ذوق قلم تا دیر قائم رہے۔ مزید خدمت کی توفیق بخشے اور امت کو آپ جیسے بزرگوں کی گرانقدر تصنیفات سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کا موقع عنایت فرمائے۔ آمین

محمد تمیز الرحمٰن قاسمی
محمد تمیز الرحمٰن قاسمی

رفیق تنظیم و ترقی دار العلوم دیوبند، حلقہ راجستھان

I۔ **قمر گونڈوی:۔** عبدالجبار صاحب نے بڑی جان سوزی سے یہ دشوار کام انجام دیا ہے۔ میرا ایمان ہے کہ جو قوم اپنے بزرگوں کو بھلا دیتی ہے، وقت کا مورخ اس قوم کو بھلا دیتا ہے۔ آپ کی تحقیقی کتاب کے مطالعہ سے کسی کسی لمحہ دل یوں پسیجتا ہے۔ کہ آنکھوں سے پانی بہنے لگتا ہے۔ جوش و محبت میں آہے سرد میرے اندر طوفان برپا کر دیتی ہے۔ جیسے میں صدیوں کے سفر کا تھکا ماندہ مسافر ہوں۔ جہاں میں ہوں اور میرا ماضی ہے۔

کبھی یک لمحہ نظر آتا ہے صدیوں پہ گراں
کبھی صدیاں بھی گزر جاتی ہیں لمحہ بن کر

قمر گونڈوی تبصرہ نگار، گونڈہ، یوپی

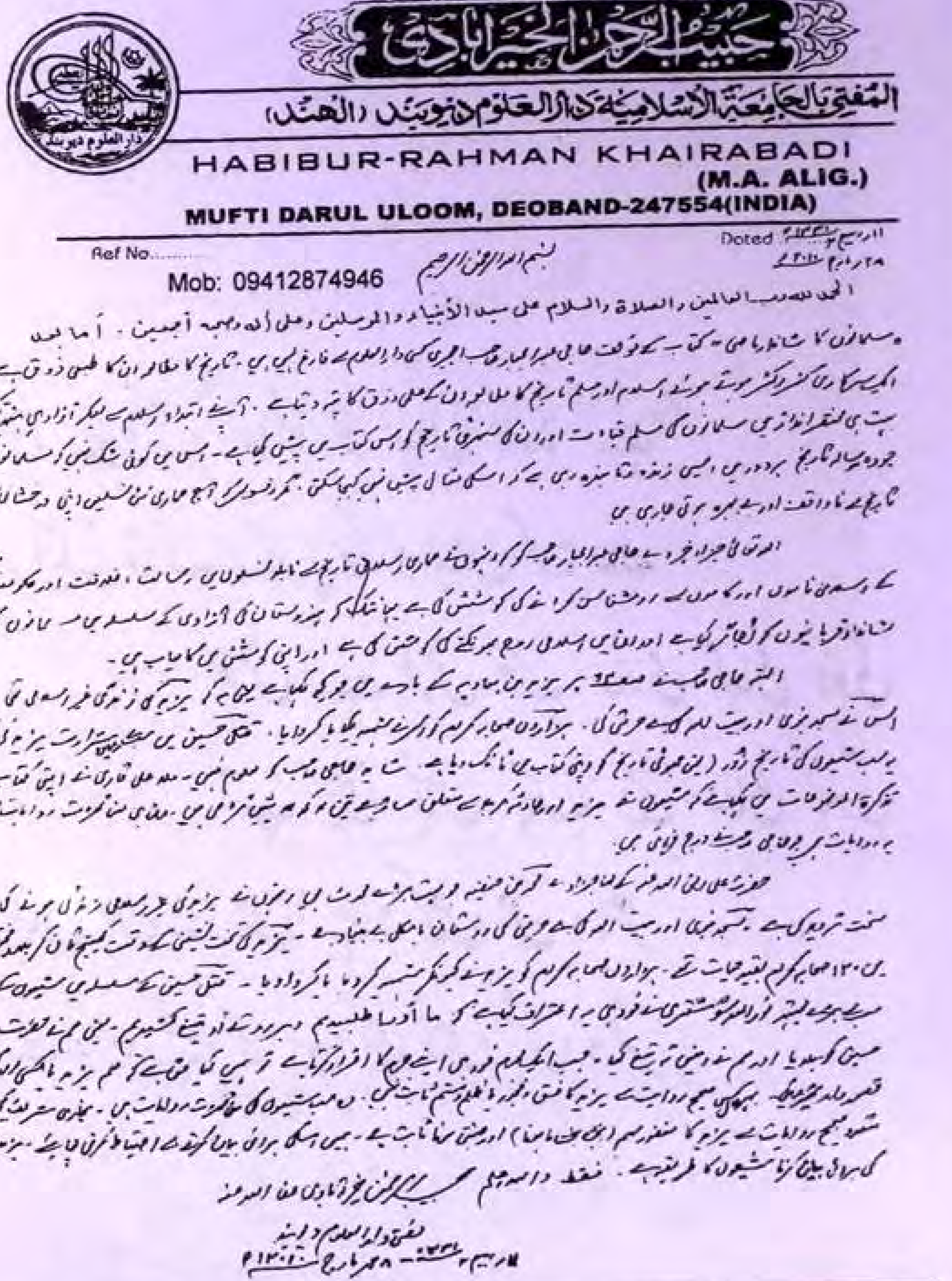

حبیب الرحمن الخیرآبادی
المفتی بالجامعة الإسلامیة دار العلوم دیوبند (الهند)
HABIBUR-RAHMAN KHAIRABADI
(M.A. ALIG.)
MUFTI DARUL ULOOM, DEOBAND-247554(INDIA)
Ref No.........
Mob: 09412874946

Dated:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ أجمعین ۔ أما بعد

محترم مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی ۔ دار العلوم دیوبند

تسلیمات

آپ نے کتاب کی اصلاح کر کے مقدمہ لکھنے کی زحمت گوارہ کی ہے ۔ بندۂ حقیر آپ کے اصلاح کی پیروی کرتے ہوئے دل کی گہرائیوں سے آپ کا شکر گزار ہے ۔

وہ مجھ سے جب بھی ملتا ہے میری تعریف کرتا ہے ☆ میرے عیبوں سے مجھ کو باخبر ہونے نہیں دیتا

آپ کا عبد الجبار اجمیری

آج پیدائشِ عالم کا بیاں کرنا ہے
اور ایک خاک کے پتلے کو عیاں کرنا ہے

عرش سے فرش تک ساری کہانی ہوگی
آپ بیتی نہیں جگ بیتی سنانی ہوگی

آسماں ہیں نہ زمیں ہے نہ کہیں جنِ و بشر
رات دن کیسے کہ پیدا ہی نہیں شمس و قمر

باب اوّل

مختصر اور جامع تاریخ

مسلمانوں کا شاندار ماضی

حضرت آدم علیہ السلام سے آزادیٔ ہند تک

(دورِ نبوّت)

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

عبدالجبّار اجمیری

آشکارا ہے یہ اپنی قوت تخلیق سے
گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی

ڈاکٹر اقبال

حرفِ آغاز

حمد اس خالقِ برحق کی جس نے انسان کو بہترین سانچے (احسن تقویم) میں ڈھال کر کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا اور زمین کی ویرانیوں کو رنگ و نور کی قبائیں دے کر حضرت آدمؑ کو پیدا کیا اور اسے چراغِ عقل عطا فرمائی اور ہمیں دینِ اسلام میں پیدا کیا لہٰذا گلہائے عقیدت و نذرانہ درود حضور اقدس ﷺ کی شان میں پیش کرتے ہوئے کتاب کا آغاز کرتا ہوں۔

اس جدید تکنیکی دور میں ہماری نوجوان نسل اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، دورِ نبوت، رسالت اور خلافت سے دور بہت دور ہوتی جا رہی ہے انہیں دینِ اسلام کی جانکاری دینا ہمارا بھی حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی اولاد کو وحدانیت کا سبق دینے کیلئے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام بھیجے جنہوں نے بت پرستی سے منع فرمایا اور دینِ اسلام کی خاطر معجزہ و کرامات، تقویٰ اور پرہیزگاری کے ذریعے سبق دیا۔ جب ان کی قوموں نے انہیں جھٹلایا تو بددعائیں بھی کی گئیں اور ان پر عذابِ الٰہی بھی نازل ہوا۔ کہیں طوفان برپا کر دیا گیا تو کہیں بستیاں الٹ دی گئیں اور کہیں ان کی صورتوں کو مسخ کر دیا گیا وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ نے جن انبیائے کرام کا ذکر قرآنِ کریم میں فرمایا ہے ان کی مختصر جانکاری یہاں مہیا کی جا رہی ہے لہٰذا لغزش کی معافی طلب کرتے ہوئے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہر گھر آنگن میں اس کی پذیرائی کی توفیق دے۔ آمین

کتاب کا پہلا اور دوسرا باب تو ساری دنیا کے مؤمنین کی خاص توجہ کا منتظر ہے۔

میں (راقم الحروف) حضرت مولانا محمد رابع الحسنی ندوی (ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء اور صدر مسلم پرسنل لا بورڈ) کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اس کتاب کا مسودہ قبول فرمایا اور کتاب کا مقدمہ

لکھ کر میری حوصلہ افزائی کی اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے اور آپ کی عمر دراز کرے۔ آمین

اس کے بعد مرحوم حضرت مولانا ظل الرحمٰن صدیقی ناظم دفتر دارالعلوم دیو بند شاخ ممبئی ۸۔ کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے کتاب کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور اسے قوم کے ہر فرد تک پہنچانے کو ملی فریضہ قرار دیا۔

راقم الحروف نے اردو کے فروغ کی خاطر 1998ء میں میرا روڈ پر ”میرا ایکتا کمیٹی“ کا وجود قائم کیا اس کمیٹی کے بانی کی حیثیت سے میرا ساتھ دینے والوں میں مشہور شاعر جناب کمال جائسی، غلام مصطفیٰ راٹھوڑ اور اقبال حاجی اسماعیل سولنکی قابل ذکر ہیں، لہذا بندہ کمیٹی کے تمام ممبران کو اور خصوصاً حاجی محمد عبدالغفور صاحب اور جناب ریاض جاٹو صاحب اور جناب سید نسیم احمد صاحب رائے بریلوی کا شکر ادا کرتا ہے، کہ انہوں نے میری ہمت افزائی کی، گاؤں کے میرے بچپن کے ساتھی بزرگ شاعر جناب صالح محمد صاحب اور جناب اسماعیل کھتری صاحب، حاجی عبدالغنی (ببائی) اور جناب محمد سلیم مکرانوی صاحب جنہوں نے اردو کا چراغ مشاعروں کے اسٹیج سے جلایا تھا ان کا بھی شکر گذار ہوں جن کی محبت میں خلوص ادب اور ذوقِ سخن پروان چڑھا جس کے تسلسل سے بندۂ حقیر نے کتاب تک کا سفر طے کیا۔

اس کے بعد میرے دوست مرحوم حاجی ممتاز قاضی اور عزیزم محمد آمین حاجی داکھوخاں کو بھی اس کتاب کے ذریعہ خراج عقیدت پیش کرتا ہوں جن کی بے لوث محبت دن رات میرے ساتھ رہی۔

مقالہ کے بیان میں کوئی لغزش یا تشنگی محسوس ہو تو نظر انداز کر کے حسن سلوک کا صلہ دیں۔ اور مفید مشورے سے نوازیں۔ راقم الحروف نے جذبۂ تبلیغ و خدمتِ قوم و ملت سے سرشار ہو کر مسلمانوں کے ولولہ خیز کارناموں کو مستند تواریخ کے اوراق سے کھرچ کر مسلمانوں کا شاندار ماضی نام کا یہ گلدستہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ آمین

میری زندگی کا مقصد کہ سبھی کو فیض پہونچے
میں چراغِ رہ گزر ہوں مجھے شوق سے جلاؤ

عبدالجبار اجمیری

هوالاوّل والآخر

(یعنی اللہ تعالیٰ اوّل وآخر ہیں)

کوئی موجود یہاں ہے نہ وہاں عالم میں
ہے فقط ذاتِ احد جلوہ کناں عالم میں

اللہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق قرآنِ کریم میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے، اس کی ذات میں اور اس کی صفات میں کوئی شریک نہیں، نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس کو نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ۔ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے سب اسی نے پیدا کیا ہے۔ وہی پیدا کرتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ وہی موت کے بعد قیامت کے دن پھر زندہ کرے گا۔ اللہ سب کچھ کرسکتا ہے، وہ ہمارے دلوں کی باتیں بھی جانتا ہے۔ وہی سب کو رزق دیتا ہے، جس کو چاہے تھوڑا اور جسے چاہے بے حساب۔ وہی عزت دیتا ہے اور وہی ذلت دیتا ہے۔ وہی خالق ہے اور وہی معبود۔

میں بندہ ہوں، تو معبود   میں بندہ ہوں، تو معبود
تو ہی مالک، تو ہی خالق   تو ذرّے ذرّے میں موجود
اس دنیا کے جیسے تو نے کتنے جہان بنائے ہیں
اک میں کیا ساری مخلوق پہ تیرے فضل کے سائے ہیں
مغرب سے مشرق تک تو ہی   تیری ذات ہے لا محدود

A. تخلیقِ کائنات

اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات بنائی اور اس کو چھ دن میں وجود بخشا۔ وہ پلک جھپکنے میں کائنات کی تخلیق کر سکتا تھا، مگر انسانوں کو ٹھہر ٹھہر کر کام کرنے کی تعلیم دینے کی غرض سے ایسا کیا۔ زمین، آسمان، سورج، چاند اور کروڑوں کی تعداد میں ستارے اور سیارے غرض ہر چیز اللہ تعالیٰ نے بنائی اور اس کی کاریگری میں اُس کا کوئی شریک نہیں تھا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”ھوالاوّل والآخر“ یعنی اللہ تعالیٰ اوّل ہیں جن سے پہلے کوئی چیز وجود میں نہیں تھی اور سب چیزوں کو انھوں نے وجود بخشا اور ایک وقت مقررہ پر یہ تمام چیزیں فنا کے گھاٹ اتر جائیں گی سوائے ذاتِ باریٔ تعالیٰ کے۔ اس اعتبار سے وہ آخر بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں میں جاندار، غیر جاندار تمام مخلوقات شامل ہیں۔

الغرض دنیا کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں، چنانچہ روحِ عرض نے کہا۔

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں　　یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ یہ صحرا یہ سمندر یہ ہوائیں　　تھیں پیشِ نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں

(ڈاکٹر اقبالؔ)

B. فرشتے (نور سے)

اللہ تعالیٰ نے جاندار مخلوقات میں سب سے پہلے فرشتوں کو پیدا کیا۔ ان کی تخلیق نور سے کی گئی اور ان کو کسی طرح کا نفس نہیں دیا۔ اس لیے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے رہتے ہیں۔ اور اُس کی اطاعت کرتے رہتے ہیں۔ نہ کچھ کھاتے ہیں اور نہ کچھ پیتے ہیں۔ لاکھوں فرشتے عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور قیامت تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہیں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرشتوں کے ذریعے دنیا کے مختلف کام لیتے رہتے ہیں۔ اللہ کے سب سے بڑے اور مشہور فرشتے حضرت جبرئیلؑ ہیں جو تمام نبیوں کو اللہ کا پیغام دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ ہمارے نبی ﷺ کے پاس وحی یعنی اللہ کا کلام لے کر آیا کرتے تھے۔ جب کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے تو فرشتے بھی وہاں آ کر جمع ہو جاتے ہیں اور ان کی

مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ اور ہمیں نظر نہیں آتے۔ چار فرشتے مشہور ہیں۔

(1) جبرئیل علیہ السلام (2) میکائیل علیہ السلام (3) عزرائیل علیہ السلام (4) اسرافیل علیہ السلام

C. جن (آگ سے)

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں جن کو آگ سے پیدا کیا اور انسان کو مٹی سے۔ جن ہمیں نظر نہیں آتے۔ جنوں میں سب سے بڑا جن شیطان ہے، اس کا نام ابلیس ہے، جب یہ آسمان پر رہتا تھا تو اس نے وہاں ہزار برس تک اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا اور پھر زمینوں اور آسمانوں پر سجدے کئے۔ روایت ہے کہ اس نے ایک کفِ دست کے برابر زمین و آسمان پر جگہ باقی نہ چھوڑی کہ جہاں اُس نے اپنا سر نہ جھکایا ہو۔

اس کے بعد عرشِ معلّی پر جا کر عبادت کی اور اسرافیلؑ فرشتے کے ساتھ جب وہ لوحِ محفوظ کے پاس گیا تو اس نے دیکھا کہ ایک بندہ چھ لاکھ برس تک خدا کی عبادت کرے گا پر بحکمِ خداوندی کہ وہ آدمؑ کو ایک سجدہ نہیں کرے گا، وہ ابلیس مردود ہوگا۔ اور لوحِ محفوظ کا لکھا ہوا سچ ہوا۔

1. حضرت آدم علیہ السلام (مٹی سے)

آشکارا ہے یہ اپنی قوتِ تخلیق سے گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی

حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر قرآن پاک میں سورہ رحمٰن، سورہ ہجر، سورہ دہر، سورہ مومن وغیرہ میں اُنیس بار آیا ہے۔ ترجمہ : "اور جب کہا اللہ نے فرشتوں سے کہ مجھے زمین پر بنانا ہے ایک خلیفہ تو فرشتے بولے کہ کیا تو رکھے گا اس میں اس شخص کو جو فساد اور خون ریزی کریگا، اور ہم ذکر کرتے ہیں تیری خوبیاں اور یاد کرتے ہیں تیری پاک ذات کو، تو کہا اللہ نے "جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔"

(1) مٹی لانے کا حکم: لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ، میکائیلؑ اور اسرافیلؑ کو ایک مشتِ خاک زمین سے لانے کو باری باری بھیجا مگر زمین نے کہا برائے اللہ مجھ سے خاک مت لے جاؤ کیونکہ اس سے خلیفہ پیدا ہوگا اور اس کی اولاد گنہگار ہوگی اور عذاب پیدا کرے گی۔ آخر عزرائیلؑ کو بھیجا گیا اور وہ ایک مٹھی خاک لے کر عالمِ بالا پر تشریف لے گئے تب اللہ نے فرمایا؛ اے عزرائیل! میں اس مٹی سے زمین پر ایک خلیفہ پیدا کروں گا اور اس کی جان قبض کرنے کے لیے تجھے ہی مقرر کروں گا۔ تب عزرائیلؑ

نے معذرت کی کہ اے اللہ! تیرے بندے مجھے دشمن جانیں گے اور گالیاں دیں گے۔ باری تعالیٰ نے فرمایا تم غم نہ کرو، میں خالقِ مخلوقات ہوں۔ ہر آدمی کی موت کا بہانہ بنادوں گا اور انہیں کسی بھی مرض میں مبتلا کردوں گا۔ لہٰذا تم پر کوئی الزام نہیں آئیگا۔

ترے قتیل بتاتے ہیں تجھے قتال
جب اُن سے پوچھو اجل کا ہی نام لیتے ہیں

ترجمہ : ”اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا جیسے ٹھیکرے سے اور جن کو آگ سے“۔

(2) سجدے کا حکم: آدم کو پیدا کرنے کے بعد حکم ہوا (ترجمہ) ”جب ہم نے کہا فرشتوں سے سجدہ کرو آدم کو، تو سجدہ کیا سب نے مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا اور تکبر کیا اور وہ تھا منکروں میں سے“، وہ بولا بہتر ہوں اِس سے کہ مجھ کو بنایا تو نے آگ سے اور اس کو بنایا مٹی سے اور یہ کہ میں نے سجدہ کیا ہے تجھ کو پھر دوسروں کو کیوں کر کروں۔ حکم صادر ہوا تو نکل جا یہاں سے کہ تو مردود ہوا۔ تجھ کو میری پھٹکار ہے اور لعنت ہے قیامت کے دن تک“۔

گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے سے　　اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

بحکم باری تعالیٰ فرشتوں نے تختِ آدم کو جنت الفردوس میں لاکر رکھا اور سب نعمتیں حق تعالیٰ نے ان کو عنایت کی تھی مگر اس عالمِ تنہائی میں کوئی ہم جنس ان کا نہ تھا لہٰذا بحکمِ الٰہی جبرئیلؑ نے ان کی ایک بائیں پسلی سے حوا کو بنایا۔ اور حق تعالیٰ نے ان کا نکاح فرمایا اور مہر حوا ادا کرنے کے لیے درودِ مصطفیٰ ﷺ پڑھائی گئی۔

ترجمہ : ”اے آدم! تو جنت میں جا اور تیری جورو بھی۔ اور کھاؤ اس میں سے محظوظ ہو کر جہاں چاہو۔ اور نزدیک مت جاؤ اس درخت کے۔ پھر تم بے انصاف ہو گے (ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے)“ مگر شیطان نے ان کے پاس قسم کھائی کہ میں تمہارا دوست ہوں۔

جھوٹی قسمیں کھائیں جب شیطان نے
کر لیا آخر یقیں انسان نے

پھر کھینچ لیا ان کو فریب میں۔ پس حوا نے اس کے قسم کھانے پر یقین کیا اور اس درخت سے

تین دانے گندم کے لیے۔ ایک تو آپ نے کھایا اور دو آدمؑ کو کھلا دیئے۔ تب رب العالمین کا حکم جبرئیل علیہ السلام کو ہوا کہ آدم اور حوّا اور سانپ، شیطان اور طاؤس (مور) ان سب کو بہشت سے نکال کر دنیا میں ڈال دو (سانپ کے منہ میں شیطان بیٹھ کر جنت میں چلا گیا تھا اس لئے اُس کے منھ میں زہر بھر دیا، اور مور نے گیہوں کے درخت کا پتہ بتلایا تھا اس لئے اُنہیں بھی جنت سے نکال دیا گیا)۔ لہٰذا آدمؑ کو سراندیپ میں جو ہندوستان کا ایک جزیرہ ہے اور حوّا کو خراسا میں ڈالا گیا۔

(3) ندامت: آدمؑ اپنی غلطی پر چالیس برس تک روتے رہے آخر بحکم الٰہی آدمؑ میدانِ عرفات میں جبلِ رحمت پر آرام کرنے کے واسطے بیٹھے تو حوّا کو دیکھا جو جدہ کی طرف سے آ رہی تھیں۔ دونوں زار زار رونے لگے۔ ان کے ساتھ آسمان کے فرشتے بھی روئے، اب آدم اور حوّا ساتھ ساتھ رہنے لگے، حوّا حاملہ ہوئیں اور ان سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی کی پیدائش ہوئی۔ بیٹے کا نام قابیل اور بیٹی کا نام اقلیمہ رکھا جو نہایت خوبصورت تھے۔ پھر حوا سے ایک بیٹا ہابیل اور ایک بیٹی غازہ پیدا ہوئے۔ ایک روایت ہے کہ حوّا ایک سو بیس مرتبہ اور دوسری روایت میں ایک سو اسّی مرتبہ پیدائش کے مرحلے سے گزریں۔ پھر جبرئیلؑ اللہ کی طرف سے شادی کا حکم لائے اور قابیل کی شادی غازہ کے ساتھ اور ہابیل کی شادی اقلیمہ کے ساتھ کر دی گئی۔ آدمؑ نے فرمایا۔ اے قابیل، تیری بہن اقلیمہ اب ہابیل پر حلال ہوئی اور تجھ پر حرام۔ قابیل اس بات سے خفا ہوا اور اس نے ایک پتھر ہابیل کے سر پر مارا جس سے ہابیل مر گیا۔ قابیل سوچنے لگا کہ اب ہابیل کی لاش کا کیا کیا جائے، اسی اثنا میں اُس کی نظر دو کوّوں پر پڑی، وہ آپس میں لڑے۔ ایک کوّے نے دوسرے کوّے کو مار ڈالا اور اپنے پنجوں سے زمین کھود کر اُس کو دفن کر کے چلا گیا۔ (سورہ مائدہ) اس سے سبق سیکھ کر قابیل نے ہابیل کو دفن کیا اور دنیا کی شروعات ہوئی۔

آہ اے آدم تیرا جاہ و جلال ☆ آہ اے مٹی کے پتلے با کمال

2. حضرت ادریس علیہ السلام (موت کا مزہ)

ترجمہ: ”اور مذکور کتاب میں ادریس کا کہ وہ تھا سچا نبی۔“ ہر روز پیراہن سیتے تھے اور ہر دم تسبیح پڑھتے تھے اور وہ اُجرت سلائی کی کسی سے نہیں لیتے تھے۔ ایک روز ملک الموت آدمی کی صورت میں مہمان بن کر آئے۔ مگر جب بہشت سے آپ کا کھانا آیا تو ملک الموت (عزرائیلؑ) نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ مگر تین دن تک ان کے ساتھ رہے۔ ادریسؑ کے پوچھنے پر کہ تم کون ہو؟ کہا کہ میں عزرائیلؑ ہوں تو آپ نے کہا کہ ایک بار تلخی جاں کنی مجھ کو چکھا دے۔ تا کہ عبرت پا سکوں۔ ملک الموت نے کہا کہ بے رضائے الٰہی جان قبض نہیں کر سکتا۔ آخر حکمِ الٰہی سے ادریسؑ کی جان قبض کی گئی۔ پھر اللہ نے ان کو زندہ کر دیا۔ ملک الموت نے پوچھا کہ اے بھائی تلخی جاں کنی کیسی تھی۔ وہ بولے جیسے کسی زندہ جانور کی کھال سر سے پاؤں تک کھینچی جائے۔ ان کے ساتھ آپ نے دوزخ کو دیکھا اور پھر جنت میں چلے گئے۔ جب ملک الموت نے واپس آنے کی تاکید کی تو ادریسؑ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے“ میں موت کا مزہ چکھ چکا ہوں۔ اب واپس نہیں آؤں گا۔ اس کے بعد ایک روز ابلیس آیا اور ان کے فرزند سے کہا کہ میں تم کو ان کی شکل کا ایک بُت بنا دیتا ہوں لہٰذا وہ لوگ اس بت کو پوجنے لگے تو بت پرستی پھر شروع ہو گئی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر نوحؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔

3. حضرت نوح علیہ السلام (کشتیٔ نوح)

حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید میں بیالیس 42 ر مرتبہ آیا ہے۔ تفصیل سے آپ کا ذکر سورۂ اعراف، ہود، المؤمنون، الشعراء، القمر اور نوح میں ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”اور بھیجا ہم نے نوح کو اس کی قوم کے پاس، پھر رہا اس میں ہزار برس، پچاس برس کم اس مدت میں (950 ر برس) چالیس مرد اور چالیس عورت کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لایا۔“

نوحؑ ہر روز پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ کر اللہ کی طرف خلقِ خدا کو دعوت دیتے۔ اور پکار کر کہتے ان کی آواز اللہ کے حکم سے مغرب سے مشرق تک پہنچ جاتی مگر رائیگاں جاتی، کوئی کانوں میں انگلیاں ڈال لیتا، کوئی کپڑے اور کوئی آواز سن کر بھاگ جاتا۔ ایک روز کافروں نے نوحؑ کے گلے میں رسی ڈال کر کھینچا جس سے تین روز تک آپ بے قرار رہے۔ کافروں نے آپ کو ایسا مارا کہ کپڑے لہو لہان ہو گئے تو ان کی بیوی جو کافر تھی کہنے لگی کہ ’اے قومِ نوح! یہ دیوانہ ہو گیا ہے سو تم اس کو اتنا مت مارو،

یہ جو کچھ کہتا ہے دیوانے پن سے کہتا ہے۔' حضرت نوحؑ نے آسمان کی طرف رخ کیا اور رو رو کر کہا۔ ترجمہ 'پھر اس نے پکارا اپنے رب کو کہ میں دب گیا ہوں، تو اس کا بدلہ لے۔' پھر جبرئیلؑ حاضر ہوئے، کہا 'اللہ نے تیری دعا قبول کر لی ہے اور انہیں ایک درخت کی شاخ بہشت سے لا کر دی۔ کہا 'اس کو زمین پر لگا' چالیس برس گذرنے پر وہ درخت کافی لمبا چوڑا ہو گیا۔ جبرئیلؑ تشریف لائے اور اس درخت سے تختے نکال کر کشتی بنانے کا طریقہ بتلایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' اور نوح کشتی بناتا اور جب اس کی قوم کے سردار گزرتے تو وہ ہنسی اڑاتے۔'' آخر میں کشتی بنانے میں چار تختے کم پڑ گئے، حضرت نوحؑ نے عوج بن عنق کو بلوا کر کہا اگر تو دریائے نیل سے اس درخت کو لا کر دے گا تو میں تجھے کھلا کر آسودہ کر دوں گا۔ اور عوج نے اس درخت کو جڑ سے اکھاڑ کر لا دیا۔ نوحؑ نے اسے تین روٹیاں جو کی دیں۔ وہ کہنے لگا میں بارہ ہزار روٹیاں ایک وقت میں کھاتا ہوں پھر بھی سیر نہیں ہوتا۔ آپ نے کہا بسم اللہ پڑھ کر کھا۔ لہٰذا بسم اللہ پڑھ کر آدھی روٹی اور کھائی تو سیر ہو گیا۔ کشتی تیار کی گئی۔ بعد میں عذابِ الٰہی طوفان کی شکل میں آیا۔ نوحؑ ایک ایک جوڑا جانوروں کا اور اپنے تمام مومنوں کو لے کر کشتی میں سوار ہو گئے نوحؑ کا ایک لڑکا کنعان تھا جو منکر تھا اور مارے غرور کے وہ کشتی میں سوار نہ ہوا اور پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے؛'' پھر ہم نے کھول دیئے پانی کے ریلے آسمان سے اور بہا دیے زمین سے چشمے، آسمان سے گرم پانی برسا اور زمین سے سرد۔'' یہاں تک کہ پہاڑوں کے اوپر چالیس گز پانی چڑھ گیا تب پکارا نوح نے اپنے رب کو۔ کہا'' اے رب! یہ میرا بیٹا ہے، میرے گھر والوں میں سے ہے''۔ ارشادِ باری ہوا۔'' وہ نہیں ہے تیرے گھر والوں میں سے، اس کے ناکارہ کام ہیں اور نہ اس کا ایمان تیرے موافق ہے۔'' پس موج آئی ہلاک کیا کنعان کو۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ چھ مہینے اور آٹھ دن کشتی میں سوار رہے۔ پھر اللہ کی طرف سے حکم آیا'' زمین نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان تھم جا، اور سکھا دیا پانی اور ہو چکا کام۔'' اور کشتی ٹھہری جودی پہاڑ پر۔ پھر حکم ہوا۔'' دور ہو قومِ بے انصاف۔'' حضرت نوحؑ کی قوم طوفان میں غرق ہو گئی۔ باقی لوگوں میں آہستہ آہستہ شیطان نے پھر بت پرستی شروع کروا دی۔

4. حضرت ہود علیہ السلام (قومِ عاد)

ہود علیہ السلام کا ذکر قرآنِ کریم میں بارہا آیا ہے۔ سورۂ اعراف، سورۂ ہود، سورۂ حشر میں آپ کا ذکر ہے۔ ترجمہ؛'' اور ہم نے ہود کو عاد کی طرف بھیجا۔ کہا اے قوم بندگی کرو اللہ کی، کوئی تمہارا حاکم نہیں

سوائے اِس کے۔" وہ بولے اے ہودؑ! تو ہمارے پاس کچھ سند لے کر نہیں آیا، اور ہم نہیں چھوڑنے والے ہمارے معبودوں کو تیرے کہنے سے۔ اور ہم نہیں ماننے والے۔ وہ کہتے تھے کہ کون ایسا ہے زمین پر جو ہم سے زیادہ قوت رکھتا ہو۔ اے ہودؑ! ہم تیرے خدا کی پرستش نہیں کریں گے۔ اگر تو اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہے تو دِکھا (معجزہ) ورنہ ہم تجھے مار ڈالیں گے۔ ہودؑ نے اللہ سے دعا کی؛" خدایا! مجھے ان کے ظلم سے بچا"۔ ارشاد ہوا اے فرشتے! اُس ہوا کو قومِ عاد پر چھوڑ دو۔ پہلے بادل آیا، ہوا نے اس قدر زور کیا کہ پہلے سب مکانات جڑ سے اکھڑ گئے اور سب برباد ہوئے، ہودؑ نے ایک خطہ زمین پر معین کر کے مومنوں کو اس کے اندر رکھ لیا جس سے ان کا کچھ نہ بگڑا اور سخت عذاب نے آ کر اس قوم کو ہلاک کر دیا۔ یہ آندھی آٹھ دن اور سات رات متواتر چلتی رہی یہاں تک کہ سب کافر نیست و نابود ہو گئے۔

قصہِ شدّاد (بہشت):۔ عاد کے دو بیٹے تھے ایک شدید اور دوسرا شدّاد۔ شدید سات سو برس کی بادشاہت کے بعد مرا۔ اس کے بعد شدّاد بادشاہ ہوا۔ حق تعالیٰ نے حضرت ہودؑ کو اسکی ہدایت کے لیے بھیجا۔ آپؑ نے اسے سمجھایا؛" اے شدّاد! خدا نے ہزار برس کی تجھے عمر بخشی اور ہزار گنج (خزانے) تو نے پائے اور ہزار حوریں تو نے پائیں اور ہزار ہزار لشکر تو نے فتح کیے۔ اب اللہ کا شکر ادا کرتا کہ قیامت میں تو بے کھٹکے بہشت میں چلا جائے۔ مگر اس ملعون کو ان کی نصیحت کا کچھ اثر نہ ہوا اور مغرور ہو کر بولا؛" ہود! تو مجھے بہشت کی طمع (لالچ) دکھاتا ہے، میں بہشت کی سب صفتیں جانتا ہوں لہٰذا میں ویسی ہی بہشت دنیا میں ہی بناؤں گا اور اس میں جا کر رہوں گا۔ چنانچہ اس نے اپنے تمام ماتحت بادشاہوں اور وزیروں کو خط لکھے جہاں ہزار ملک اور ہزار شہر اس کے زیرِ نگیں تھے۔ اور سارے ملک کا گنج و خزانہ اس کے پاس لا کر جمع کر دینے کا حکم دیا۔ بہشت بنانے کے لیے زمین کھود کر سنگِ مرمر سے سجائی گئی اور اس کی دیواریں چاندی اور سونے کی اینٹوں سے بنائی گئی اور چھت و ستون زبرجد اور یاقوت وغیرہ جواہرات سے بنائی گئی۔ جیسے عاد ایک قوم تھی اِرم اس کا ایک قبیلہ تھا ان میں سلطنت تھی۔ ان میں وہ بڑی بڑی عمارتیں بناتے اور بہشت کی صفتیں یعنی اس میں درخت نصف چاندی اور نصف سونے سے بنائے گئے۔ اور پتیاں اس میں زمردِ سبز سے جڑی ہوئی تھیں اور ڈالیاں اس کی یاقوت سرخ کی تھیں۔ میوے اور مشک و عنبر و زعفران سے پُر کیے گئے تھے۔ اس کے صحن میں موتی اور سیپ ڈالے تھے اور نہریں اس میں شیر و شراب و شہد کی جاری تھیں، میدان میں لاکھ لاکھ کرسیاں سونے چاندی کی بچھی تھیں۔ تین سو برس میں

اس کا کام انجام پذیر ہوا۔ وہ سب سے پہلے خود بہشت جا کر دیکھنا چاہتا تھا مگر اللہ کو منظور ہی نہیں تھا ایک دن وہ دو سو غلاموں کو ساتھ لیکر بہشت دیکھنے نکلا اور جب بہشت کے دروازے پر پہنچا تو سامنے ایک ضعیف شخص کو آتے دیکھا۔ شدّاد نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اور مجھ سے پہلے بہشت دیکھنے تو یہاں کیوں آیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں ملک الموت ہوں اور تیری جان قبض کرنے آیا ہوں۔ یہ سن کر وہ بہت گھبرایا اور کہا کہ مجھے ذرا بہشت دیکھنے تک کی مہلت دیدے۔ ملک الموت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں ہے کہ تو بہشت دیکھے اور اس میں جاوے۔ تجھ کو تو دوزخ میں جانا ہے۔ لہٰذا شدّاد کا ایک پاؤں گھوڑے کی رکاب میں اور دوسرا پاؤں بہشت کے دروازے پر تھا کہ روح قبض ہوئی۔ (دل کے ارماں دل میں رہ گئے دیکھنے جنت نہ دی۔) اور اُسے اس کی بہشت میں ہی زمین کے نیچے دبا دیا گیا۔

5. حضرت صالح علیہ السلام (قوم ثمود و معجزہ اونٹنی)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اور ثمود کی طرف بھیجا ان کے بھائی صالح کو۔ صالح نے کہا اے قوم بندگی کرو اللہ کی۔ کوئی نہیں ہے تمہارا سوائے اس کے۔'' مگر منکروں نے کہا کہ تمہاری پیغمبری کی کیا دلیل ہے۔ آپ ہمیں کچھ معجزہ دکھلاؤ۔ صالح نے کہا کیا معجزہ دکھلاؤں؟ سبھوں نے کہا کہ اس پتھر سے ایک اونٹنی نکالو اور وہ اسی وقت ایک بچہ جنے اور دودھ بھی دیوے تب ہم جانیں گے کہ تو رسولِ خدائے برحق ہو۔'' اس وقت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور صالحؑ سے کہا کہ آپ ان سے پہلے وعدہ لے لیں۔ حق تعالیٰ کا حکم ہوا کہ ''اے صالح! تو دعا کر اور قدرت میری دیکھ۔ کہ تجھ سے چار ہزار برس پہلے ایک اونٹنی میں نے اس پتھر کے نیچے پیدا کر رکھی ہے تا کہ تیرا معجزہ ظاہر ہو سکے۔'' پس صالحؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور دیکھتے دیکھتے ایک نہایت خوبصورت اونٹنی اس پتھر کے درمیان سے نکلی اور بعد میں اس نے ایک بچے کو جنم دیا اور خدا کے حکم سے اونٹنی چرنے لگی اور دودھ دینے لگی۔ پھر اللہ نے فرمایا: ''یہ اونٹنی ہے اس کی پانی پینے کی ایک دن کی باری ہے اور ایک دن کی تمہاری باری ہے۔ اور اس کو نہ چھیڑنا ورنہ آفت میں پکڑے جاؤ گے۔'' لہٰذا وہ لوگ اونٹنی کے دودھ سے فائدہ اٹھاتے اور گھی مکھن لیجا کر شہروں میں فروخت کرتے۔ ایک دن صالحؑ کی بات کو جھوٹ سمجھ کر ہر قبیلے سے ایک ایک شخص جمع ہوا اور شراب پی کر آیا اور اُس قوم کے لوگوں نے اونٹنی کو مار ڈالا۔ اس کا بچہ بھاگ کر اس پتھر کے اندر جا گھسا جس پتھر سے اس کی ماں نکلی تھی۔ آخر جبرئیل آئے

اور ایک ایسی چیخ ماری کہ تمام قبیلے خاک میں مل گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: ''ہم نے بھیجی ان پر ایک چنگھاڑ۔ جیسی روندی باڑھ کانٹوں کی۔ اور ان کا کچھ نام ونشاں اس زمین پر باقی نہ رہا۔''

6. حضرت ابراہیم علیہ السلام (آتشِ گلزار)

روایات کے مطابق آپ نے ایک سو آسی 180/ سال کی عمر پائی۔ آپ کا ذکر قرآن میں اڑسٹھ 68/ مرتبہ آیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے والد بت بناتے تھے اور انہیں اپنا خدا سمجھتے تھے۔

طلسمِ نمرود :۔ اُس زمانے میں نمرود جس کی بڑی قوت، حشمت اور شوکت تھی اس نے شام، ترکستان، ہندوستان، روم وغیرہ مشرق سے مغرب تک اپنے قبضے میں کرلیا اور وہ اُن سے خراج وصول کرتا۔ بعد اس نے کوفے میں جا کر مقام کیا اب جس کو بابل کہتے ہیں وہاں تخت پر بیٹھا اور ایک ہزار سات سو برس بادشاہی کی۔ کبھی آسمان کی طرف نظر نہیں کرتا تھا۔ اللہ سے کچھ نہ مانگتا اور کہتا کہ میں ہی خدا ہوں۔ گ دھ کے کندھے پر سوار ہوکر آسمان میں خدا کو تیر مارنے کیلئے جاتا اور کہتا کہ اگر میرے علاوہ آسمان میں کوئی اور خدا ہوگا تو اسے تیر سے مار ڈالوں گا۔ شہر کے بڑے دروازوں پر لوہے، پیتل، چاندی او سونے کے بڑے بڑے بت رکھے ہوئے تھے، جن میں جادو بھرا ہوا تھا، جب کوئی دروازے سے شہر میں داخل ہوتا تو بغیر اس بت کو سجدہ کیے داخل نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ نمرودی بتوں میں یہ کمال تھا کہ کوئی شخص سجدہ کر کے داخل ہوتا تو بت خاموشی سے اُسے راستہ دے دیتے اور بغیر سجدہ کئے داخل ہوتا تو اُن میں چیخ وپکار کی شدید آواز گونجتی جس سے نمرود کی فوج کو پتہ چل جاتا تو پھر وہ اس سے جبراً بتوں کو سجدہ کرواتے اور اگر کوئی خدا پرست نمرودی بتوں کو سجدہ نہیں کرتا تو اُسے آگ میں پھینک دیتے یا قتل کردیتے۔

چھوڑ بیٹھے لوگ اُس معبود کو
اور خدا کہنے لگے نمرود کو

پیدائش ابراہیم علیہ السلام :۔ ایک روز نمرود کے دربار میں جادوگر اور منجم سب سر جھکائے بیٹھے تھے اس نے پوچھا آج کیا بات ہے۔ جواب ملا کہ ایک عجیب ستارہ آسمان سے ماں کے رحم میں داخل ہوگا۔ وہ تیری بادشاہت کو تباہ کردے گا۔ پس نمرود نے حکم دیا کہ جتنی عورتیں بالغہ ہیں وہ تین دن رات اپنے مردوں کے ساتھ ہم بستری نہ کریں۔ نمرود کا ایک خاص چوکیدار اس کا نام تارخ تھا اور دوسری

روایت میں ہے کہ اُس کا نام آزر تھا۔ بعد وفاتِ پدر کے یہی زندہ رہا۔ جس کا تفسیر میں ذکر ہے کہ وہ ایک ہاتھ میں شمع اور ایک ہاتھ میں ننگی تلوار لے کر تمام رات نمرود کے سرہانے کھڑا رہتا تھا۔ مگر جس دن نمرود نے ہم بستری نہ کرنے کا حکم دیا اسی رات اللہ کے حکم سے اس کی خواہش جاگی کہ وہ اپنی بی بی کے ساتھ مباشرت کرے ادھر اس کی بی بی کو خواہش ہوئی کہ اپنے شوہر سے جا ملے۔ لہٰذا وہ نمرود کی خواب گاہ میں پہنچیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک پری بھیجی جو شمع اور تیغ لے کر نمرود کے سرہانے جا کر اُسی طرح کھڑی ہوگئی جس طرح آزر کھڑا ہوتا تھا۔ آج خدا کے حکم سے ابراہیمؑ نے باپ کی پیٹھ سے ماں کے پیٹ میں قرار پکڑا۔ پھر آزر نے اپنی بیوی سے کہا کہ خاموشی سے نکل جا اور کسی کو خبر نہ ہو۔

جب صبح نمرود نے آزر کی پیشانی کی طرف دیکھا تو کہنے لگا کہ آج تیرا چہرہ نورانی دکھائی دیتا ہے اور اس نے تمام جادوگروں کو بلا کر پوچھا کہ تم اپنے اپنے علم سے دریافت کر کے کہو کہ وہ لڑکا پیدا ہوا یا نہیں۔ سبھی نے کہا کہ وہ لڑکا باپ سے ماں کے رحم میں داخل ہو چکا ہے۔ لہٰذا تمام ماؤں کے بچے مار ڈالے گئے۔ مگر ابراہیمؑ کی ماں اس ڈر سے گھر سے نکل گئیں اور ایک غار میں جا کر بچے کو جنم دیا اور وہیں ان کی پرورش کی۔ حضرت جبرئیلؑ آتے، بچے کے دونوں انگوٹھے اس کے منہ میں رکھ دیتے۔ جس سے بچے کو دودھ ملتا رہتا۔ اسی طرح سات سال گزر گئے۔ ایک دن ابراہیمؑ نے ماں سے پوچھا کہ ماں میرا اور تمہارا خدا کون ہے۔ کہنے لگیں تیرا باپ آزر جو ہمیں کھانے کو دیتا ہے۔ بولا اس کا خدا کون ہے۔ بولیں ستارے اور اُن کا خدا کون ہے؟ ماں لاجواب ہوگئیں اور اس نے بچے کی یہ بات آزر کو بتا دی۔ اس نے کہا یہ لڑکا نمرود کا دشمن ہوگا۔

تبلیغ توحید:۔ ایک رات ابراہیمؑ غار میں سے باہر نکل کر آئے اور چاند سورج، ستاروں کو خدا کہنے والوں سے کہنے لگے کہ یہ سب چھپ جاتے ہیں۔ چھپنے والے خدا نہیں ہو سکتے۔ بلکہ تمہارا رب وہی ہے جو آسمان اور زمین کا رب ہے۔ جس نے اِن کو بنایا ہے۔ پھر قسم کھا کر کہا اے باپ میں تیرے بتوں کا علاج کروں گا۔ پھر جب لوگ شہر سے باہر میلے میں نکل گئے۔ تب حضرت ابراہیمؑ نے بت خانہ میں جا کر سب بتوں کو توڑ ڈالا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ”پھر ابراہیم نے کر ڈالا انہیں ٹکڑے ٹکڑے مگر ایک بت جو سب سے بڑا تھا شاید وہ لوگ اس کے پاس آویں اور بتوں کو ذلیل و خوار دیکھیں اور ان کو

پوجنے سے باز آویں۔" وہ لوگ ایک عید کے دن شہر سے باہر جاتے اور ایک دن میدان میں بت پوجتے۔ ایک دن ابراہیمؑ کے باپ نے کہا کہ بیٹے! ہمارے ساتھ چل مگر وہ اُن کے ساتھ نہیں گئے۔ بلکہ ایک تیر (کلہاڑا) لے کر بت خانہ پہونچے اور سب بتوں کے ہاتھ پاؤں توڑ تاڑ کر بڑے بت کی گردن پر اس تیر (کلہاڑے) کو رکھ کر بت خانے سے نکل آئے۔ شیطان مردود نے یہ خبر میدان میں ان کافروں کو پہونچا دی۔ وہ لوگ دوڑتے ہوئے آئے۔ اور بولے کس نے کیا ہے یہ کام۔ ہمارے معبودوں کے توڑنے کا۔ ہم اس سے بدلہ لیں گے۔ معلوم ہوا کہ ابراہیمؑ ہی بتوں کی توہین کرتے ہیں یہ کام انہوں نے ہی کیا ہوگا۔ لہٰذا نمرود نے ابراہیمؑ کو بلایا اور انہیں ڈرا دھمکا کر پوچھنے لگا۔ ابراہیمؑ نے کہا کہ یہ کام میں نے نہیں کیا بلکہ آپ اپنے بڑے بت سے پوچھ لو۔ انہوں نے کہا اے ابراہیمؑ! بت کہیں بات کرتے ہیں؟ وہ نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ سن سکتے ہیں نہ ہی حرکت کر سکتے ہیں۔ تب آپ نے فرمایا کہ اے قومِ نمرود! جو بات نہیں کر سکتے اور نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ سن سکتے ہیں پھر ان کو خدا کیوں کہتے ہو اور کیوں پوجتے ہو ایسے کو جو تمہارا کچھ بھلا برا نہیں کر سکتے۔ کیا تم کو سمجھ نہیں اے قوم اگر تم میں عقل ہے تو اللہ کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور بت پرستی چھوڑ دو۔

آتشِ نمرود یا دیدارِ معبود:۔ اس پر کافروں نے ابراہیمؑ کو مار ڈالنے کی تدبیر کی۔ "بولے اس کو جلا دو اور مدد کرو اپنے بتوں کی۔" لہٰذا ایک پختہ چاردیواری بنائی گئی اور سارے ملک سے لکڑیاں کاٹ کر اس میں جمع کر دی گئیں۔ پھر اس میں آگ لگا دی۔ اس کا شعلہ اس قدر اونچا ہوا کہ تین کوس کے فاصلے پر جانور اڑتے تو وہ اس کی تپش سے جل بھن کر خاک ہو جاتے۔ ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا مگر اللہ کے حکم سے جبرئیلؑ حاضر ہوئے اور آسمان کے دروازے کھول دیئے تا کہ فرشتے سب خلیل اللہ کو دیکھیں۔ یہ حال دیکھ کر سب فرشتے سجدے میں گر گئے۔ اللہ نے آگ کو حکم دیا "اے آگ! (حضرت ابراہیمؑ پر) ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی کے ساتھ۔" چنانچہ یہ آگ خلیل اللہ پر گلِ گلزار ہو گئی۔ چالیس روز بعد آپ آتشِ نمرود سے باہر آئے اور شہر بابل سے ہجرت کر کے ملک شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت لوط علیہ السلام جو آپ کے چچازاد بھائی تھے وہ اور بہت سے لوگ آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہو گئے تھے۔

ابراہیمؑ کی شادی:۔ آپ ملک شام کی طرف ایک ایسے شہر میں جا پہونچے، جہاں کے بادشاہ کی بیٹی

ایسی صاحبِ جمال تھی کہ اس کے برابر سارے عالم میں کوئی نہیں تھی۔ بڑے بڑے شہزادے اس سے شادی کرنے کے منتظر تھے مگر وہ کسی کو پسند نہیں کرتی تھی۔ جب وہ شہزادی تاجِ زریں سر پر رکھ کر اور نقاب چہرے پر ڈال کر میدان میں پہونچی جہاں ابراہیمؑ تشریف فرما تھے تو ان کے جمال کو دیکھ کر اُن پر عاشق ہو گئیں۔ شہزادی کا نام سارہ تھا۔ شہزادی نے ایک خوبصورت موتیوں کا ہار خلیل اللہ کے گلے میں ڈال دیا اور اپنے ہاتھی کو موڑ کر شاہی محل میں چلی گئیں۔ جس پر چاروں طرف سے مبارک باد کی صدائیں گونجنے لگیں یہ سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اور اُسی وقت خلیل اللہ محل شاہی میں طلب کر لئے گئے، شاہانہ پوشاک پہنائی گئی اور دولہا بنائے گئے مختصر یہ کہ بادشاہ نے اس کی شادی ابراھیمؑ سے کردی اور تمام خرچ بادشاہ نے ہی پورے کئے۔

نمرود کا حشر:۔ نمرود نے اپنی فوج کی طاقت پر حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ اگر تیرے خدا میں طاقت ہے تو مجھ سے بادشاہت چھین لے، تو فرشتوں کو حکم ہوا کہ تم کوہِ قاف میں سے مچھروں کا ایک سوراخ کھول دو اور مچھروں کو حکم ہوا کہ تمہاری خوراک نمرود کا لشکر ہے۔ لہٰذا نمرود کے لشکر کی بربادی کے بعد مچھروں کا سردار جو کانا، لنگڑا اور لولا تھا، نمرود کی ناک میں جا گھسا اور اس کے دماغ میں جا کر مغز کھانے لگا۔ جب کوئی شخص اس کے سر پر جوتے مارتا تو مچھر ذرا دم لے لیتا تو مردود کو تھوڑا سا چین مل جاتا۔ اس حالت میں بھی اس نے اللہ کی وحدانیت اور حضرت ابراہیمؑ کی رسالت سے انکار کیا۔ آخر چالیس دن رات کی تکلیف کے بعد مچھر اس کی ناک سے نکل کر چلا گیا کیونکہ وہ مردود مر چکا تھا اور وہ قیامت تک عذاب میں مبتلا رہے گا۔ سچ ہے اللہ چاہے تو آگ کو گلشن بنا دے اور جسے چاہے مچھر سے ہلاک کر دے۔

7. اسماعیل علیہ السلام (قربانی)

اسماعیلؑ کی پیدائش:۔ سارہ نے ایک خوبصورت خادمہ ہاجرہ کو ابراھیمؑ کی خدمت میں دے دیا۔ کچھ دنوں بعد سارہ کو معلوم ہوا کہ ہاجرہ حمل سے ہے اور اس کے فرزند ہونے والا ہے اور مجھ سے نہیں؟ جب ہاجرہ سے اسماعیلؑ پیدا ہوئے تو سارہ نے حسد سے ابراہیمؑ سے کہا کہ اس کو ایسی جگہ لے جا کر چھوڑ آؤ کہ میں اسے نہ دیکھ سکوں۔ لہٰذا ابراھیمؑ بیت المقدس سے نکل کر اب جہاں خانۂ کعبہ ہے وہاں آ پہنچے اور ہاجرہ کو وہیں چھوڑا اور آپؑ خود شام کی طرف نکل گئے۔ ہاجرہ اسماعیل کو لے کر وہاں بیٹھی رہیں مگر

ابراہیمؑ نہیں آئے، جب پیاس کی شدت زیادہ بڑھی تو پانی کی تلاش میں کوہِ صفا اور کوہِ مروہ کی طرف سات مرتبہ دوڑیں مگر پانی میسر نہ ہوا۔ آخر تھک کر جب اسماعیلؑ کے پاس آئیں تو دیکھا کہ ان کی ایڑی سے پانی کا فوارہ جاری ہے۔ بہت خوش ہوئیں اور پانی کے چاروں طرف سے دیواری بنادی، جسے آبِ زم زم کہتے ہیں۔ اتفاقاً ایک روز سوداگروں کا قافلہ وہاں پانی کی تلاش میں آیا اور ہاجرہ سے پانی لے کر مویشیوں کو پلانے لگا اس طرح وہاں سوداگروں کا بسنا شروع ہوگیا۔ وہ لوگ پانی کے عوض ہاجرہ کو کچھ دیتے۔ ایک دفعہ ابراہیمؑ ہاجرہ کے پاس آئے اور دیکھا کہ یہاں تو عرب قوم رہنے لگی ہے اور وہ لوگ یہاں اونٹ بکریاں چراتے ہیں۔

اسماعیلؑ کی قربانی:۔ ایک شب حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ اٹھ اور قربانی کر۔ آپ نے فجر میں اٹھ کر دو سو اونٹ قربان کر دیئے۔ ایسا تین رات ہوا، پھر خواب میں دیکھا کہ اپنے فرزند کو قربان کر۔ آپ ہاجرہ کے پاس تشریف لائے اور کہا کہ ہمیں دعوت میں جانا ہے۔ لہٰذا اسماعیل کو غسل کروا کر اچھے کپڑے پہنادو۔ پھر انہیں منٰی کی طرف لے گئے۔ راستے میں شیطان نے اسماعیلؑ کو تین جگہ بہکایا کہ تمہیں قربان کرنے کیلئے لے جایا جارہا ہے اور یہ اللہ کا حکم ہے۔ اسماعیلؑ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو میں قربان ہونے کو تیار ہوں۔ جب اسماعیلؑ نے ابراہیمؑ سے پوچھا تو کہا کہ بے شک اللہ کا حکم ہے۔

ترجمہ : ”پھر جب دونوں نے حکم مانا اور پچھاڑا اسماعیل کو ماتھے کے بل تاکہ بیٹے کا منہ سامنے نظر نہ آوے۔“ اللہ نے چھری کو حکم دیا کہ اسماعیلؑ کا ایک بال بھی بیکا نہ کرے لہٰذا اسماعیلؑ محفوظ رہے اور بہشت سے آنے والا دنبہ ذبح ہوتا دکھائی دیا۔ ابراہیمؑ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ حکم ہوا کہ ”ابراہیمؑ ہم یوں ہی دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنے والوں کو۔“ اللہ تعالیٰ کو حضرت ہاجرہ کی صفا و مروہ کی دوڑ اور اسماعیلؑ کی قربانی اتنی پسند آئی کہ قیامت تک حج ادا کرنے والوں کو ان کی یہ سنت ادا کرنی پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ نے پھر اسماعیلؑ کی اولاد میں سے مدتوں کوئی نبی نہیں پیدا کیا، آخر میں تمام نبیوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو ان کی نسل میں نبی بنا کر حضرت آمنہؓ کی کوکھ سے پیدا کیا اور اُن پر ہی نبوت و رسالت ختم کر دی۔

تعمیرِ خانۂ کعبہ :۔ حضرت ابراہیمؑ قربانی کے واقعے کے بعد اسماعیلؑ کو حضرت ہاجرہ کے پاس چھوڑ کر حضرت سارہ کے یہاں پھر تشریف لے گئے چند روز بعد حضرت جبرئیل نازل ہوئے اور فرمایا اس

زمین پر ایک خانۂ کعبہ واسطے اللہ کے بنا۔ ترجمہ: ''اور جب ٹھیک کر دیا ہم نے ابراہیم کو اور بتلا دیا اس گھر کا ٹھکانا کہ شریک نہ کر میرے ساتھ کسی کو اور پاک رکھ میرا گھر طواف کرنے والوں اور کھڑے رہنے والوں کے لیے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کیلئے۔'' تب حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کو ساتھ لے کر خانۂ کعبہ تعمیر کرنا شروع کیا۔ ترجمہ: ''اور جب اٹھانے لگے ابراہیم اور اسماعیل بنیادیں اس گھر کی تب بولے اے رب قبول کر ہم سے (یہ خدمت) اور کہا ابراہیم نے اے رب اس شہر کو امن و آرام اور روزی دے اس کے لوگوں کو میووں سے۔'' خانۂ کعبہ تیار کیا گیا تب حکم ہوا کہ '' پکار دے لوگوں کو حج کے واسطے۔'' (پارہ ۱۷، آیت ۲) یہ وہی خانۂ کعبہ ہے جہاں ساری دنیا سے لاکھوں لوگ ہر سال حج کرنے یہاں آتے ہیں اور کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ ترجمہ: ''یعنی لوگو! آؤ اور خانۂ کعبہ کا طواف کرو'' لہٰذا تمام عرب کی وادیاں لبیک الھم لبیک کی صداؤں سے گونج رہی تھیں۔

اللہ مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ :۔ ایک دن حضرت ابراہیمؑ نے جاننا چاہا کہ اللہ مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے تو حکم ہوا۔ کیا تمہیں یقین نہیں؟ عرض کیا ابراہیمؑ نے اے رب! دکھا مجھ کو کہ کیسے جلاتا ہے تو مُردوں کو۔ ترجمہ: ''تو پکڑ چار اُڑنے والے جانور (ذبح کر) اور ملا ان سب کو ایک ساتھ۔ پھر ان کو پہاڑ پر ڈال آ ایک ایک ٹکڑا اور پھر بُلا ان کو۔ دوڑ آویں گے تیرے پاس۔'' لہٰذا آپ نے ایک مور، ایک مرغ، ایک کوّا اور ایک کبوتر لیکر چاروں کو ذبح کیا اور ان کو کسی پہاڑ پر رکھ کر ایک کو پکارا۔ بحکمِ الٰہی اس کا سر، پاؤں اور دھڑ ملے ہوئے گوشت سے نکل کر ایک ساتھ جمع ہو گئے اور سب زندہ ہو کر حاضر ہوئے اور اڑ گئے اس پر حضرت ابراہیمؑ نے سات رات دن خانۂ کعبہ کا طواف کیا۔

8. حضرت لوط علیہ السلام (قومِ بدفعل)

حضرت ابراہیمؑ کے زمانے ہی میں ایک دوسری بستی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت لوطؑ کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا تھا۔ ترجمہ: ''یعنی لوط کو ہم نے حکمت اور علمِ نبوت سے مالا مال فرمایا'' (پارہ ۱۷، آیت ۲۴) لوطؑ کی قوم کے لوگ بڑی بے شرمی کے کام کیا کرتے تھے۔ عورتوں کو چھوڑ کر لڑکوں سے اغلام بازی کے کام کیا کرتے۔ یہ لوگ بدکردار اور بدفعل تھے۔ مردوں کے ساتھ مرد اور عورتوں کے ساتھ

عورتیں مرتکب ہوتیں تھیں اور وہ لوگ رہزن تھے۔ لوگوں کا مال چھین لیتے۔ جب لوطؑ کی قوم بدفعلی اور بدکاری سے نہیں مانی تو اللہ کے حکم سے لوطؑ کے گھر میں چار فرشتے مہمان بن کر اترے، جو اس کی قوم کو الٹنے کے لیے آئے تھے مگر قومِ لوط اُن خوبصورت فرشتوں کو بھی اپنے تحویل میں لینا چاہتی تھی، اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا۔ ترجمہ: ''لوط نے کہا اے قوم، یہ میری بارہ بیٹیاں حاضر ہیں یہ پاک ہیں تم کو ان سے نکاح کردوں گا پس ڈرو اللہ سے اور رسوا مت کرو مجھ کو میرے مہمانوں میں۔ کیا تم میں سے ایک مرد بھی راہِ نیک پر نہیں۔'' ۔ ترجمہ: ''جب ہمارا حکم پہنچا تو فرشتوں نے ان کی بستی اوپر نیچے کر ڈالی اور ہم نے برسائی ان پر پتھر کی کنکریاں تہہ بہ تہہ۔''

لوطؑ کی بیوی بھی کافر تھی لہٰذا خدا کے حکم سے لوطؑ اپنی بیوی کو چھوڑ کر بقیہ اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر رات کو اس بستی سے نکل گئے اور فرشتوں نے اس بستی کو اٹھا کر الٹا پٹخ دیا اور اسے نیچے اوپر کر دیا اور سب فنا کر دیے گئے۔

9. حضرت اسحاق علیہ السلام (ضعیفی میں اولاد)

ابراہیمؑ کی عمر نوے سال کی ہو چکی تھی تب تک سارہ کے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی تھی۔ ایک دن بارہ فرشتے آدمی کی شکل میں ابراہیمؑ کے پاس آئے۔ آپ نے ایک بچھڑے کو ذبح کر کے ان کی دعوت کی مگر وہ بولے حضرت! ہم فرشتے ہیں اور کھانا نہیں کھاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حضرت لوطؑ کی قوم کو اُلٹنے کے لیے بھیجا ہے۔ ایک فرشتہ بولا 'تم کو بشارت دیتا ہوں کہ تمہارے یہاں فرزند پیدا ہوگا اور نام اس کا اسحاق اور ان کے بیٹے کا نام یعقوب ہوگا''۔ اس وقت سارہ وہیں کھڑی تھیں اس بات کو سنتے ہی ہنس پڑی۔ ترجمہ: ''اور اس عورت (سارہ) کھڑی تھی وہ ہنس پڑی پھر ہم نے خوشخبری دی اس کو اسحٰق کے پیچھے یعقوب کی۔'' تب سارہ بولیں ''خرابی کیا؟ میں بڑھیا ہوں اور اب جنوں گی اور یہ خاوند بوڑھا۔ یہ تو عجیب بات ہے۔'' وہ بولے تعجب کرتی ہے اللہ کے حکم سے۔ اے سارہ خاتون، تعجب نہ کر اللہ کے حکم سے

اسحاق کی پشت سے ستر ہزار پیغمبر پیدا ہوں گے۔ حضرت سارہ نے کہا اس کے کیا آثار ہیں۔ اسی وقت مُردہ بچھڑا جی اٹھا اور دوڑتا ہوا اپنی ماں کے پاس جا کر دودھ پینے لگا۔ چنانچہ حضرت اسحٰقؑ بڑھاپے میں سارہ کی کوکھ سے پیدا ہوئے اور تمام انبیائے کرام انہیں کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

10. حضرت یعقوب علیہ السلام (جدائی کے غم میں نابینا)

آپ نے ایک سو ساٹھ 160/ برس کی عمر پائی۔ اسحاقؑ کے دو لڑکے تھے۔ عیص اور یعقوبؑ۔ اسحاقؑ نے عیص کی شادی اسماعیلؑ کی بیٹی سے کر دی تھی اور یعقوبؑ سے کہا کہ تمہاری شادی تمہارے ماموں کنعان کے سردار کی بیٹی سے کر دوں گا مگر یعقوبؑ کو ان کی دونوں بیٹیوں سے شادی کرنے کے لیے سات اور سات یعنی چودہ برس ماموں کی بکریاں چرانی پڑیں۔ اس وقت دو بہنوں کو ایک شخص سے بیاہ دینا جائز تھا۔ بڑی کا نام 'لیا' تھا اور چھوٹی کا نام 'راحیل' تھا۔ راحیل زیادہ خوبصورت تھی۔ اُس کے بڑے بیٹے یوسفؑ تھے۔ ایک برس بعد راحیل سے ایک لڑکا بنیامین پیدا ہوا پھر راحیل کا انتقال ہو گیا۔ 'لیا' سے دس 10/ بچے پیدا ہوئے تھے، عیص سے صرف ایوبؑ پیغمبر ہوئے۔ باقی تمام پیغمبر یعقوبؑ کی نسل سے تھے، راحیل کے انتقال کے بعد 'لیا' اپنے بچوں کی طرح یوسفؑ اور بنیامین کو بھی پیار کرتی تھی۔

12. حضرت یوسف علیہ السلام (خوبصورتی میں)

حضرت یوسفؑ کے قصے کو اللہ تعالیٰ نے سب قصوں سے بہتر بتلایا ہے۔ آپ بہت خوبصورت تھے اور حضرت یعقوبؑ آپ کو بہت چاہتے تھے۔ ایک روز حضرت یوسفؑ نے خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور چاند اور سورج مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ آپ نے یہ خواب اپنے والد کو بتایا۔ باپ نے یوسفؑ کو منع کر دیا کہ یہ خواب اپنے سوتیلے بھائیوں کو نہ بتائیں۔ (القرآن)

بھائیوں کا حسد:۔ ایک دن آپ کے سوتیلے بھائیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہمارے ابا جان یوسف کو بہت چاہتے ہیں اور وہ ہم کو اتنا نہیں چاہتے اس لیے انہیں جان سے مار دیا جائے یا کسی کنوئیں میں پھینک دیا جائے مگر باپ کو پتہ نہ چلے۔ مشورے کے بعد سب بھائی جمع ہو کر باپ کے پاس آئے اور

کہنے لگے، آپ یوسفؑ کو ہمارے ساتھ کھیلنے کے لیے بھیج دیں۔ مگر ان کے باپ نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم کھیل میں لگ جاؤ اور کوئی بھیڑیا جنگل میں اس کو کھا جائے۔ بھائیوں نے کہا کہ ہم سب طاقتور ہیں۔ بھلا ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔ آخر باپ نے یوسفؑ کو بھائیوں کے ساتھ بھیج دیا۔ بھائیوں نے اس کو ساتھ لے جا کر ایک اندھیرے کنوئیں میں پھینک دیا اور رات کو روتے ہوئے گھر واپس آئے اور کہا ابا جان ہم آپس میں دوڑ لگا رہے تھے اور یوسفؑ ہمارے سامان کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک بھیڑیا آیا اور اس کو کھا گیا۔ ثبوت کے لیے یوسفؑ کا ایک کرتا خون لگا کر باپ کو دکھلایا۔ بوڑھے باپ کیا کرتے۔ صبر کیا اور خاموش ہو گئے۔ لیکن بیٹے کی جدائی میں روتے رہے۔

یوسفؑ مصر کے بازار میں:۔ ایک دن ایک قافلہ اس کنویں کے پاس آیا اور پانی نکالنے کے لیے کنویں میں ایک ڈول ڈالا۔ دیکھا کہ ایک خوبصورت لڑکا کنویں میں ہے اس کو باہر نکال کر اپنے ساتھ مصر لے گئے۔ مصر کے بازار میں یوسفؑ بکنے کے لئے کھڑے تھے اور بولی لگائی جا رہی تھی، روایت میں ہے کہ ایک دن یوسفؑ نے آئینے میں اپنا جمال دیکھ کر فخر سے کہا تھا کہ اگر میں غلام ہوتا تو کوئی شخص میری قیمت ادا نہیں کر سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہیں آیا! کہ وہ خود اپنے حسن کی تعریف کرے اور بنانے والے مصور کو بھول جائے۔ چنانچہ یوسفؑ مصر کے بازار میں ناقص قیمت پر بیچ دیئے گئے اور مصر کے بادشاہ نے دوگنی قیمت دیکر اُسے خرید لیا اور اپنی بیوی زلیخا کو اس کی پرورش کے لیے دے دیا۔ زلیخا نے یوسفؑ کو بہت محبت سے پالا۔ اسے ایک پل آنکھوں سے جدا نہ کرتی۔ اور دنیا کی پاکیزہ نعمتیں اسے لا کر کھلاتیں۔ اور جب یوسفؑ جوان ہو گئے تب ان کی خوبصورتی اور عقل مندی اور بڑھ گئی۔ زلیخا عزیزِ مصر کی بیوی ان پر فریفتہ ہو گئی اور ان کو ان کے نفس کی جانب سے پھسلانے لگی۔ ایک روز اس نے کمرے کے سارے دروازے بند کر دیے۔ یوسفؑ نے اس کے نفس کی یہ حالت دیکھی تو خدا سے پناہ مانگی اور دروازے کی طرف بھاگے مگر زلیخا نے پیچھے سے آپ کا کرتا پکڑ کر کھینچا جس سے ان کا کرتا پیچھے سے پھٹ گیا۔ اچانک عزیزِ مصر یعنی زلیخا کا شوہر بھی وہیں دروازے پر آ گیا۔ شوہر کو دیکھ کر زلیخا نے الٹا یوسفؑ پر الزام لگایا کہ یہ شخص آپ کی بیوی کو بے آبرو کرنا چاہتا تھا اور اس کی عزت لوٹنا چاہتا تھا۔ اس لیے اسے اس کی سزا ملنی چاہیے۔ حضرت یوسفؑ نے کہا کہ میں بے گناہ ہوں بلکہ یہ آپ کی بیوی مجھ کو پھسلانا

چاہتی تھی مگر اللہ نے مجھ کو بچا لیا۔ آخر یہ معاملہ قاضی کے پاس پہنچا۔ قاضی نے یوسفؑ سے صفائی پیش کرنے کے لیے گواہ مانگے تب حضرت یوسفؑ نے عزیزِ مصر کے خاندان کے ایک معصوم اور ننھے بچے کی طرف اشارہ کیا کہ یہ اس وقت وہاں موجود تھا۔ یہ بچی گواہی دے گا۔ ننھے بچے نے کہا اگر یوسف کا کرتا آگے سے پھٹا ہے تو یوسفؑ مجرم ہے اور پیچھے سے پھٹا ہے تو زلیخا مجرم ہے۔ لہٰذا حضرت یوسفؑ کا کرتا دیکھا گیا جو زلیخا کے کھینچنے سے پیچھے سے پھٹا ہوا تھا۔ یوسفؑ سچے تھے اور زلیخا ہی مجرم تھی۔

عورتوں کی دعوت : ۔ اس واقعے کی خبر سارے مصر میں پھیل گئی اور عورتیں آپس میں باتیں کرنے لگیں کہ زلیخا اپنے غلام کو چاہتی ہے۔ جب زلیخا کو اس کا علم ہوا تو اسے اپنی بدنامی کا خیال آیا۔

دامن کو چاک کر کے رسوا ہوئی ہے کیا کیا
تھی عصمتِ زلیخا یوسف کے پیرہن میں

اس نے ایک ترکیب سوچی۔ وہ یہ کہ اس نے ایک دن مصر کی عورتوں کی دعوت کی اور سب کے ہاتھوں میں ایک ایک چھری اور ایک ایک لیموں دیدیا اور اسی وقت حضرت یوسفؑ کو وہاں لے آئی اور کہا کہ سب اپنا اپنا پھل کاٹیں۔ لہٰذا یوسفؑ کے حسن و جمال اور خوبصورتی میں وہ اتنی کھو گئیں کہ سبھوں نے پھل کے بجائے اپنے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہنے لگیں یہ واقعی کوئی انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہے۔ زلیخا نے کہا کہ یہی وہ شخص ہے جس کے لیے تم مجھے ملامت کرتی تھیں بھلا اس کو دیکھ کر کوئی اپنے نفس پر کس طرح قابو کر سکتا ہے۔

یوسفؑ قید میں : ۔ ترجمہ: ''یوسف بولا کہ اے رب مجھ کو قید پسند ہے اس بات سے کہ وہ مجھے بلاتی ہے اور اگر تو نے میرا دفع نہ کیا تو شاید میں مائل ہو جاؤں گا اُس طرف'' اللہ نے اس کی دعا قبول کی اور یوسفؑ جیل میں ڈال دیئے گئے۔ وہاں دو قیدی اور بھی تھے۔ ایک شاہی باورچی تھا۔ دوسرا بادشاہ کو شراب پلانے والا ساقی تھا۔ ان کے خلاف الزام تھا کہ انہوں نے بادشاہ کو زہر دینے کی کوشش کی ہے۔

حضرت یوسفؑ قید خانے میں اللہ تعالیٰ کی باتیں بتاتے تھے۔ ایک دن ساقی نے کہا کہ حضور! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں بادشاہ کو انگور کی شراب پلا رہا ہوں۔ باورچی نے کہا کہ میں

نے دیکھا ہے کہ میرے سر پر روٹیاں ہیں اور پرندے انہیں نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔ دونوں نے حضرت یوسفؑ سے خواب کی تعبیر پوچھی۔ آپ نے کہا کہ ساقی تو جیل سے چھوٹ جائے گا اور بادشاہ کی ملازمت میں جا کر پھر اسے شراب پلائے گا۔ اور باورچی سے کہا کہ تمہیں سولی پر چڑھا دیا جائیگا۔ اور تمہاری لاش جانور نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ لہٰذا ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ساقی رہا کر دیا گیا اور باورچی کو سولی کی سزا ہوئی۔ اس کے بعد بھی یوسفؑ سالوں جیل میں رہے مگر اُن کو رہائی نصیب نہیں ہوئی۔ اتفاقاً ایک دن مصر کے بادشاہ نے ایک خواب دیکھا کہ سات دبلی پتلی گائیں سات موٹی تازی گایوں کو کھا رہی ہیں اور سات ہری اور سات سوکھی ہوئی بالیں دیکھیں۔ بادشاہ نے اپنے درباریوں سے اس کی تعبیر پوچھی مگر کوئی بھی اس کا صحیح جواب نہیں دے سکا۔ اس موقع پر ساقی کو یاد آیا۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ حضور، جیل میں ایک شخص ہے جو خواب کی صحیح تعبیر بتاتا ہے چنانچہ وہ بادشاہ سے اجازت لے کر جیل میں حضرت یوسفؑ کے پاس گیا اور بادشاہ کا خواب بیان کیا۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ اس خواب کا مطلب تو یہ ہے کہ سات سال ملک میں خوب غلہ پیدا ہوگا اور سات سال سخت قحط پڑے گا اور پھر ایک سال آئے گا جس میں خوب بارش ہوگی اور غلہ ہوگا۔ جب ساقی نے بادشاہ کے خواب کی تعبیر جو یوسفؑ نے بتلائی تھی بیان کی تو بادشاہ نے انہیں رہا کر دیا۔ آپ نے فرمایا ان عورتوں کے کیا حال ہیں جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ تو لوگوں نے بتایا کہ عورتوں نے کہا تھا کہ یوسفؑ میں کوئی برائی نہیں دیکھی ہے۔ اور زلیخا نے کہا سچ تو یہ ہے کہ میں نے ہی یوسفؑ کو ورغلایا تھا اور وہ بالکل سچا ہے۔

حضرت یوسفؑ بادشاہ مصر:۔ مصر کے دربار میں بادشاہ نے حضرت یوسفؑ کو باعزت بلایا اور انہیں شاہی خزانے پر مامور کر دیا۔ آخر وہ قحط کا زمانہ آیا جس کا بادشاہ نے خواب دیکھا تھا اور اس کا اثر کنعان تک پہنچا جہاں یوسفؑ کے والد اور بھائی رہتے تھے۔ قحط کی وجہ سے حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو غلہ لانے کے لیے مصر بھیجا۔ وہاں یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا مگر بھائی یوسفؑ کو نہیں پہچان سکے۔ یوسفؑ نے ان کو غلہ دیا اور کہا کہ اگلی دفعہ جب تم آؤ تو اپنے چھوٹے بھائی کو بھی ساتھ لانا ورنہ غلہ نہیں دیا جائے گا۔ یوسفؑ نے اپنے ملازموں سے کہہ کر وہ قیمت بھی ان کے سامان میں رکھوا دی جو انہوں نے غلہ

کے عوض دی تھی تا کہ یہ لوگ پھر غلہ لینے آئیں۔ جب یہ لوگ اپنے شہر کنعان پہنچے تو اپنے باپ یعقوبؑ سے کہنے لگے کہ ابا جان۔ اب کے ہمارے ساتھ اپنے چھوٹے بھائی کو بھی بھیجنا ورنہ ہم کو غلہ نہیں ملے گا۔ ہم اس کی خوب حفاظت کریں گے۔ جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو اپنی ساری رقم واپس پا کر بہت خوش ہوئے۔ پھر باپ سے بولے کہ دیکھئے شاہِ مصر نے ہماری رقم بھی واپس کر دی ہے اس لئے آپ ہمارے ساتھ بھائی کو ضرور بھیجیں، ہم اس کی خوب حفاظت کریں گے اور ہمیں غلہ بھی زیادہ ملے گا۔ حضرت یعقوبؑ نے کہا کہ جب تک تم مجھ کو اللہ کا عہد نہ دو گے کہ ہم اس کی حفاظت کریں گے تب تک میں تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا۔ آخر انہوں نے عہد کیا آپ نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ مگر تم لوگ ایک دروازے سے داخل مت ہونا۔ الگ الگ دروازے سے داخل ہونا۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے سگے بھائی بنیامین کو پہچان لیا اور کہا کہ میں تمہارا سگا بھائی ہوں اور میں تم کو اپنے پاس رکھوں گا۔ آخر جب اپنا سب سامان لے کر جانے لگے تو یوسفؑ نے اپنا ایک برتن چپکے سے بنیامین کے سامان میں رکھوا دیا پھر اعلان ہوا کہ ایک شاہی کٹورہ گم ہو گیا ہے۔ سب بھائیوں نے انکار کیا اور آخر وہ کٹورا بنیامین کے سامان میں نکلا اور وہاں کے قانون کے مطابق یوسفؑ نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس روک لیا۔ بھائی کہنے لگے کہ اس کا ایک بھائی بھی چور تھا اور یہ بھی چور ہے۔ یوسفؑ نے سب کچھ سنا مگر خاموش رہے۔ اب سب بھائیوں نے درخواست کی کہ اس کا باپ بوڑھا ہے اُس پر رحم کھا کر اسے چھوڑ دیجئے اور اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے۔ یوسفؑ نے فرمایا چور کو چھوڑ کر بے گناہ کو پکڑوں، یہ ممکن نہیں۔ آخر کچھ مشورہ کیا اور گھر پہنچے اور والد کو تمام قصہ سنایا۔ آخر حضرت یعقوبؑ کی آنکھیں رو رو کر جاتی رہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام سے ملاقات:۔ پھر ایک بار سب بھائی مصر پہنچے اور اپنے گھر کی بری حالت کا حوالہ دے کر کہا کہ آپ ہمیں پورا غلہ دیں۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے گھر کا یہ حال سنا تو بے تاب ہوئے اور کہنے لگے کہ تم نے یوسف کے ساتھ کیا کیا تھا۔ بھائیوں نے نہایت تعجب اور حیرانی کے ساتھ پوچھا کہ کہیں آپ ہی تو یوسف نہیں ہیں؟ آپؑ نے فرمایا ہاں میں ہی یوسفؑ ہوں، اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا اور صبر کرنے پر بدلہ دیا۔ یہ سن کر سب نے مل کر اپنے گناہوں کا اقرار کیا آپ نے فرمایا اب تم کوئی فکر نہ کرو۔ تم پر کوئی الزام نہیں۔ اللہ تمام گناہوں کو معاف کرے۔ جاؤ

یہ میرا کرتا میرے باپ کے چہرے پر ڈال دینا۔ ان کی بینائی لوٹ آئے گی اور پھر تم سب کو یہاں لے آؤ۔ جب قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو یعقوبؑ کہنے لگے کہ مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔ آخر قافلہ گھر پہنچا۔ یوسفؑ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ماں باپ کو اپنے پاس ٹھہرایا اور کہا کہ اللہ کے حکم سے آپ مصر میں امن و آرام کے ساتھ رہئے پھر ان کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا۔ اللہ ہم سب کو اچھے عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

12. حضرت شعیب علیہ السلام (ناپ تول)

حضرت شعیبؑ، حضرت صالحؑ کی اولاد میں سے تھے اور شہر مدین کے نبی تھے۔ جب مدین کے لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگے تو شعیبؑ نبی بن کر آئے۔ ترجمہ : ''اور مدین کی طرف بھیجا ہم نے ان کے بھائی شعیب کو وہ جا کے بولا اے قوم اللہ کی بندگی کرو کوئی نہیں تمہارا خدا کے سوا اور نہ گھٹاؤ ناپ تول میں دیکھتا ہوں تم کو آسودہ ڈرتا ہوں تم پر آفت سے۔'' مگر کافروں نے جواب دیا کہ اے شعیب! مال ہمارا ہے، خواہ زیادہ بیچیں یا کم بیچیں، ہمارے وزن اور ناپ تول سے تم کو کیا کام ہے۔ حضرت شعیبؑ نے فرمایا کہ اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ عذاب نازل کر دے گا۔ جیسا کہ قومِ نوح، قومِ ہود، قومِ صالح اور قومِ لوط پر نازل کیا تھا اپنے گناہ بخشواؤ اپنے رب سے۔ آخر جبرئیل تشریف لائے اور کہا اللہ تعالیٰ اس قوم پر عذاب نازل کرے گا۔ لہٰذا شعیبؑ اپنے اہل و عیال اور ایک ہزار سات سو مسلمانوں کو لے کر شہر سے باہر نکل گئے۔ اللہ کے حکم سے جبرئیلؑ نے ایسی ایک چیخ ماری کہ تمام کافر شہر کے اندر ہلاک ہو گئے، یہاں تک کہ مویشی بھی اور آگ نے تمام کو جلا کر خاک کر دیا۔ پھر جب شعیبؑ شہر میں داخل ہوئے تو اپنی قوم کو بارہ برس تک شریعت سکھلائی۔ اور برباد قوم پر آنسو بہائے جس سے آپ کی آنکھیں جاتی رہیں اسی لئے شعیب بارہ برس دنیا میں نابینا رہے۔ آخر جبرئیل نے آ کر کہا کہ شعیب تمہیں اللہ کا دیدار قیامت میں نصیب ہوگا۔

13. حضرت یونس علیہ السلام (مچھلی)

حضرت یونسؑ حضرت ہودؑ کی اولاد میں سے تھے۔ قرآن میں آپ کا ذکر بارہا آیا ہے۔

سورۂ انعام، سورۂ یونس، سورۂ صافات اور سورۂ انبیاء میں آپ کا ذکرِ مبارک ملتا ہے۔ آپ ملکِ عراق کے شہر نینوا میں پیدا ہوئے تھے جس شہر کی طرف آپ کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا اس شہر کی آبادی تقریباً ایک لاکھ یا اس سے زیادہ تھی۔ ترجمہ: ''اور بھیجا اس کو ہم نے لاکھ آدمیوں پر یا اس سے زیادہ۔'' آپ بھی لوگوں کو بت پرستی سے منع فرماتے اور ایک اللہ کی عبادت کی تعلیم دیتے تھے، آپ نے قوم کو چالیس 40/برس تک اللہ کی دعوت دی۔ مگر کفار سے تنگ آکر آپ نے فرمایا کہ اب اللہ کا عذاب تم پر آکر رہے گا۔ جب آپ دریا کی طرف چلے تو کشتی میں سوار ہو گئے مگر کشتی دریا کے بیچ جا کر رک گئی، ملاح نے کہا کہ اس کشتی میں کوئی غلام ہے جو اپنے مالک سے بھاگ کر آیا ہے، جب تک وہ اترے گا نہیں کشتی نہیں چلے گی۔ قرعہ ڈالا گیا تو آپ کا نام نکلا، لوگوں نے زبردستی آپ کو دریا میں پھینک دیا۔ دریا میں ایک مچھلی دیر سے منہ کھولے کھڑی تھی، اس نے آپ کو نگل لیا۔ ترجمہ: ''پس نگل لیا مچھلی نے اور وہ ملامت میں پڑا۔ پس پکارا یونس نے ان اندھیروں میں کہ کوئی حاکم نہیں سوا تیرے اور تو بے عیب ہے۔'' تو اللہ نے انہیں معاف کر دیا۔ چالیس دن کے بعد مچھلی نے انہیں کنارے پر لا کر اگل دیا۔ ترجمہ: ''پس ڈال دیا ہم نے اس کو زمین پر اور وہ بیمار تھا''۔ وہاں اللہ نے کدو کی ایک بیل اگادی اور وہ اس کی چھاؤں میں رہے۔ اسی وقت بستی پر عذاب نازل ہونے والا تھا مگر لوگوں نے توبہ کرلی، ایمان لے آئے اور اس وجہ سے وہ لوگ بچ گئے۔ اس کے بعد قوم نے یونس کو تلاش کرنا شروع کیا اور یونس اپنی قوم میں پھر اکتیس 31/برس تک رہے۔

14. حضرت ایوّب علیہ السلام (صابر)

ایوبؑ بہت صابر پیغمبر تھے۔ آپ کا ذکر بھی کئی جگہ قرآن میں آیا ہے۔ آپ مالدار اور خوش حال تھے۔ اللہ نے آپ کی کڑی آزمائش کی اور ایک ایک کر کے سب نعمتیں چھین لی۔ مال و دولت، باغات، کھیت، مکانات، جانور اور اولاد سب کے سب رخصت ہو گئے اور آخر میں صحت نے بھی جواب دے دیا اور تمام بدن میں کیڑے پڑ گئے۔ روایت میں ہے کہ ایک دن دو کیڑے آپ کے بدن سے گر گئے آپ نے اُنہیں اُٹھا کر پھر اپنے زخم پر رکھ لئے جس سے وہ زیادہ کاٹنے لگے اس طرح آپ اٹھارہ برس تک اس مرض میں مبتلا رہے۔ پھر بھی آپ اللہ کا شکر ادا کرتے تھے۔

صبر کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ جب ان کا صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو آپ نے اللہ کو پکارا اور فریاد کی کہ تو میرے حال پر رحم فرما۔ تو ہی سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کیا اور حکم ہوا تو اپنے پاؤں سے زمین پر ٹھوکر مار۔ ٹھوکر ماری تو ایک چشمہ نکلا اور اللہ کے حکم سے اس پانی سے نہانے سے اور پینے سے تمام بیماریاں ختم ہو گئیں اور اللہ نے ان کو پھر تمام نعمتیں اور برکتیں عنایت فرمائی۔

15. حضرت ذوالکفل علیہ السلام (وبا کا ڈر)

حزقیل کا نام اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذوالکفل رکھا ہے، وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ ترجمہ : ”اور یاد کرو اسماعیلؑ کو اور الیسعؑ کو اور ذوالکفل کو اور وہ ہر ایک بہتروں میں سے تھے۔“

ذوالکفلؑ کو اللہ نے نبی بنا کر بھیجا تھا۔ آپ نے ایک دن بنی اسرائیل کو خدا کے فرمانے سے جہاد کا حکم دیا مگر ان لوگوں نے مرنے کے ڈر سے جہاد میں جانا قبول نہیں کیا۔ اللہ کے حکم سے ان پر طاعون کی ایسی بیماری نازل ہوئی کہ سب کے سب مر گئے۔ ذوالکفلؑ سات روز کے اعتکاف کے بعد نکلے تو صرف لوگوں کی ہڈیاں رہ گئی تھیں اور گوشت سب گل گیا تھا۔ دل میں رحم آیا۔ آپ نے اللہ سے دعا کی کہ تو نے میری قوم کو ہلاک کیا، پھر ان کو زندہ کر۔ صدا آئی کہ یہ سب وبا کے ڈر سے شہر سے نکل کر بھاگے تھے اور میری قدرت کا خیال نہیں کیا۔ اس لیے میں نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔ اللہ کے حکم سے پھر وہ لوگ جی کر شہر میں آئے اور سب اپنی اپنی میراث پر جا بیٹھے اور کبھی ذوالکفل کی مخالفت اور کبھی حمایت کرتے اور دینِ حق کو چھوڑ کر رفتہ رفتہ بت پرستی میں لگ گئے۔ اور ذوالکفلؑ یہاں سے ہجرت کر کے دیارِ شام زمینِ بابل پر چلے گئے اور وہیں انتقال فرما گئے۔

16. حضرت موسیٰ علیہ السلام (عصائے موسیٰ) 17. حضرت ہارون علیہ السلام (بچھڑہ)

حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چھوٹے بھائی تھے، اللہ تعالیٰ نے دونوں بھائیوں کو ایک ہی وقت میں پیغمبری عطا کی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آسمانی کتاب توریت نازل ہوئی۔ قرآن پاک میں آپ کا بار بار ذکر آیا ہے۔ حضرت یعقوبؑ کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ یہ لوگ یوسفؑ کی وجہ سے مصر میں آباد ہو گئے

تھے۔ تقریباً چار سو سال بعد مصر کا نیا بادشاہ فرعون بنا وہ بنی اسرائیل پر طرح طرح کے ظلم کرنے لگا۔

فرعون کی فرعونیت :۔ ایک روز فرعون نے بنی اسرائیل کے سرداروں سے کہا کہ تم لوگ نہ ہمیں سجدہ کرتے ہو اور نہ ہماری تصویروں کو، تم ہماری پرستش کرو ورنہ تمہیں اُبلتے ہوئے تیل میں ڈال دیا جائے گا، بنی اسرائیل کے انکار کرنے پر فرعون نے اُنہیں ایسی ہی سزائیں دیں اور کہا، ''اَنا ربکم الاعلیٰ''، یعنی میں ہی تمہارا رب ہوں۔ یہ دعویٰ سن کر ابلیس کو بھی غصہ آ گیا اور اُس نے فرعون سے کہا کہ میں نے تو صرف آدمؑ سے بہتر ہونے کا دعویٰ کیا تھا جس سے میرا یہ حشر ہوا۔ اے لعین! تو نے خدائے پاک سے بہتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے، تیرا کیا حشر ہوگا۔

پیدائش موسیٰ علیہ السلام :۔ ایک دن فرعون کو نجومیوں نے بتایا کہ بنی اسرائیل میں بہت جلد ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو تیری حکومت کو تباہ کر کے اپنی قوم کو آزاد کرائے گا۔ اس خبر سے فرعون بہت پریشان ہو گیا اور اس نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل قوم میں جو بھی لڑکا پیدا ہو اسے فوراً ذبح کر دیا جائے مگر لڑکیاں زندہ رہنے دی جائیں۔ اور انہیں حالات میں جب موسیٰؑ پیدا ہو گئے تو ان کی والدہ کو بہت ڈر تھا کہ کہیں فرعون کو اس کی خبر نہ ہو جائے مگر اللہ نے ان کو تسلی دی کہ فکر نہ کرو، لہٰذا اللہ کے حکم سے انہیں ایک صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دیا گیا۔ صندوق دریا پر بہتے ہوئے فرعون کے محل کے پاس سے گزرا، جب صندوق کو پکڑ کر کھولا گیا تو اس میں ایک خوبصورت بچے کو پایا۔ ترجمہ: ''اور بولی فرعون کی عورت یہ آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔'' اور اسے قتل نہ کرنے کو کہا اور انہیں اپنا بیٹا بنانے کی رائے دی۔ اب اسے دودھ پلانے کی فکر ہوئی تو وہ کسی عورت کا دودھ نہیں پیتے تھے، ان کی بہن جو اس صندوق کے پیچھے لگی ہوئی تھی، سب کچھ دیکھ رہی تھی اس نے کہا کہ میں اسے دودھ پلانے والی ایک دائی (عورت) کا پتہ دیتی ہوں، جو اس کو پال لے گی اور اچھی طرح رکھے گی۔ لہٰذا اس نے اپنی ماں یعنی موسیٰ کی ماں کا پتہ بتایا۔ اور موسیٰ اپنی ماں کے پاس پہنچ گئے جو فرعون کے گھر میں ان کی پرورش کرتی تھیں۔ ایک دن فرعون نے موسیٰ کو اپنی گود میں لے کر اس کا بوسہ لینا چاہا مگر موسیٰ نے ایک ہاتھ سے اس کی داڑھی پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا، لہٰذا فرعون نے اسے اسی وقت مار ڈالنے کا حکم دیا اور بولا شاید یہ وہی لڑکا جو مجھے اور میرے ملک کو برباد کر دے گا۔ اس پر فرعون کی بیوی نے کہا کہ اے فرعون! یہ تو شیر خوار بچوں کی فطرت ہوتی ہے۔ یہ لڑکا اسرائیل میں سے

نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو آزمانے کے لیے فرعون کے وزیر ہامان نے ایک طرف آگ کے انگارے رکھے اور دوسری طرف سُرخ یاقوت۔ موسیٰ کا ہاتھ جب یاقوت کی طرف بڑھا تو جبریئل نازل ہوئے اور انہوں نے موسیٰ کا ہاتھ آگ کی طرف بڑھا دیا۔ آپ نے آگ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا لے کر اپنی زبان پر رکھ لیا جس سے آپ کی زبان میں لکنت آگئی۔ اس طرح فرعون کے گھر میں ہی موسیٰ جوان ہوئے۔

ایک قبطی کی موت:۔ ایک روز موسیٰ نے دیکھا کہ دو آدمی آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ایک قبطی آدمی دوسرے آدمی سے بیگار میں کام لینا چاہتا ہے جب کہ وہ انکار کر رہا ہے اور وہ بنی اسرائیل کا تھا اور آپ سے بنی اسرائیل کی یہ ذلت برداشت نہ ہوئی اور اس آدمی کو ایک ایسا گھونسہ مارا کہ اس کی جان نکل گئی۔ لہٰذا وہ مصر سے مدین کی طرف چلے گئے جو حضرت شعیبؑ کا شہر تھا۔

حضرت موسیٰؑ کا نکاح اور پیغمبری:۔ آپ جب مدین کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ ایک کنویں کے پاس بہت سے لوگ جمع ہیں جو اپنے اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں۔ مگر دو لڑکیاں اپنے جانوروں کو لیے ایک طرف کھڑی ہیں۔ موسیٰ نے جب ان سے پوچھا کہ تم یہاں کیوں کھڑی ہو تو انہوں نے کہا کہ ہمارا باپ بوڑھا ہے، ہم اس انتظار میں کھڑی ہیں کہ جب یہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے جائیں تو بچا ہوا پانی ہم اپنے جانوروں کو پلا دیں۔ یہ سن کر آپ نے پانی کھینچا اور ان کے تمام جانوروں کو پلا دیا اور آپ ایک درخت کے نیچے آرام کرنے لگے۔ وہ دونوں لڑکیاں حضرت شعیبؑ کی صاحبزادیاں تھیں، انہوں نے گھر جا کر اپنے باپ کو جب سارا قصہ سنایا تو باپ کے فرمانے پر موسیٰ کو اپنے گھر لے آئیں۔ حضرت شعیبؑ نے فرمایا کہ اب تمہیں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ نے آپ کو ظالم قوم سے بچا لیا ہے۔ آپ یہاں میرے پاس کام کرو اور آٹھ سال کام کرو گے تو میں اپنی ایک لڑکی کا نکاح تم سے کر دونگا۔ حضرت موسیٰ نے کہا کہ مجھے منظور ہے لیکن مجھ پر زور زیادتی نہیں ہونی چاہیئے۔ اللہ گواہ ہے۔ چنانچہ وہ برابر کام کرتے رہے اور جب مدت پوری ہوگئی تو حضرت شعیبؑ نے اپنی لڑکی کا نکاح ان سے کر دیا۔ نکاح کے بعد جب میاں بیوی وہاں سے روانہ ہوئے تو راستے میں ایک پہاڑی پر انہیں جلتی ہوئی آگ نظر آئی۔ موسیٰ نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم یہاں ٹھہرو میں آگ لے کر آتا ہوں۔ اور کسی سے راستہ بھی معلوم کر کے آتا ہوں، وہاں گئے تو ایک آواز سنائی دی کہ مبارک ہو، تم طویٰ

(طور) میدان میں ہو، اپنے جوتے اتار دو اور اندر آؤ۔ آواز آئی کہ میں تمام جہان کا پروردگار اور تمہارا اللہ ہوں۔ میں نے تمہیں پیغمبری کے لیے چن لیا ہے جو کچھ میں کہتا ہوں اس کو سنو، میری عبادت کرو اور میری یاد کی خاطر نماز کی پابندی کرو اور تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ آپ نے کہا کہ یہ میری لاٹھی ہے، اس سے سہارا لیتا ہوں اور اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور کئی کام لیتا ہوں۔ اللہ نے حکم دیا کہ اس لاٹھی کو تم زمین پر ڈالو۔ آپ نے لاٹھی جو زمین پر ڈالی تو وہ سانپ بن گئی اور موسیٰ ڈر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ڈرو مت اور اس کو پکڑلو۔ ہم ابھی اس کو پہلی حالت میں کر دیتے ہیں اور اپنا داہنا ہاتھ اپنی بغل میں دو اور پھر نکالو۔ وہ بنا کسی عیب کے نہایت روشن ہو کر نکلے گا۔ یہ ہم تمہیں دوسری نشانی (معجزہ) دیتے ہیں۔ ان دونوں نشانیوں کے ساتھ اللہ نے موسیٰ کو فرعون کے پاس جانے کو کہا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ان کے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا۔ اس لیے مجھے ڈر لگتا ہے لہٰذا اے اللہ میرے ساتھ میرے بھائی ہارون کو بھی بھیج دیں۔ اللہ نے دعا قبول کی اور دونوں مصر روانہ ہو گئے۔

حضرت موسیٰؑ کا جادوگروں سے مقابلہ:۔ مصر پہنچنے کے بعد فرعون کے دربار میں جب موسیٰ سے پوچھا گیا کہ تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا؟ تو موسیٰ نے کہا کہ ہاں، اس وقت مجھ سے غلطی ہو گئی تھی۔ فرعون پھر بولا تمہارا رب کون ہے؟ آپ نے فرمایا جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا، جو نہ صرف تمہارا بلکہ تمہارے باپ دادا کا پالنے والا ہے۔ تو فرعون نے انہیں دیوانہ قرار دیا۔ (ترجمہ : "فرعون نے کہا کہ میں نے تجھ کو نہیں پالا تھا فرزند کی طرح اور برسوں تو ہمارے پاس رہا اور وہ کام کر گیا جو تجھے نہیں کرنا تھا اور تو ناشکروں میں سے ہے، پس تھوڑے دن ہوئے تو ہمارے پاس سے نکل گیا۔")

اور پھر اُس نے پورے ملک سے جادوگروں کو بلوایا اور ایک بڑے میدان میں انہیں جمع کیا۔

جادوگروں نے نظر بندی کر کے سب رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں جو دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوا کہ وہ سب سانپ کی طرح دوڑ رہی ہیں پہلے تو حضرت موسیٰ ڈر گئے پھر اللہ کا حکم ہوا کہ تو ڈر مت تیری ہی فتح ہو گی۔ اور تیرے داہنے ہاتھ میں جو لاٹھی ہے اسے ڈال دے وہ ان سب کو نگل جائے گی۔ جب آپ نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ اژدھا بن کر سب کو نگل گئی پھر بھی وہ منہ کھولے کھڑی رہی۔ جادوگروں نے جو یہ دیکھا تو وہ سب کے سب سامنے سجدے میں گر گئے اور کہا جادوگروں نے کہ ہم سب موسیٰؑ اور ہارونؑ کے رب پر

ایمان لے آئے ہیں۔ فرعون نے غصہ میں آ کر کہا کہ تم سب ایمان لے آئے ہو تو میں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ کر پھانسی پر لٹکا دوں گا۔ مگر جادوگروں پر فرعون کی دھمکی کا کوئی اثر نہیں ہوا اور کہنے لگے جو کچھ تجھے کرنا ہے کر لے۔ اے ہمارے رب، پالنے والے! ہم تجھ پر ایمان لے آئیں ہیں، ہمیں اجر دے اور دنیا سے مسلمان ہی اٹھانا۔

فرعون نے ان جادوگروں کو جو مسلمان ہو گئے تھے سولی پر چڑھا دیا۔ اس کے بعد بھی فرعون کی قوم ایمان نہیں لائی۔ حضرت موسیٰ اور ہارون نے چالیس برس تک فرعون کو دعوتِ اسلام دی مگر وہ ملعون خدائی دعوے کرتا رہا اور اس نے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا کہ تو ایک مینارہ ایسا بنا کہ جا پہنچوں آسمان پر اور جھانکوں میں معبود کی طرح۔ ہامان نے پختہ اینٹوں کی ایجاد کی۔ ہامان نے بہت مال وزر خرچ کر کے ایک بلند مینارہ تیار کیا۔ اللہ کے حکم سے جبرئیل نے آ کر اُس پر اپنا صرف ایک پر مارا اور تمام ستیاناس کر ڈالا اور اس کے بنانے والے سب ہلاک ہو گئے۔ بیس برس گزرنے کے بعد ایک دن فرعون کی بیوی آسیہ نے بددعا کی کہ الٰہی! تو اس بدبخت فرعون کو غارت کر۔ فرعون نے یہ سن کر کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تو موسیٰ و ہارون پر ایمان لے آئی ہے۔ کہنے لگی ہاں۔ اتنے دن میں نے اسلام کو چھپا رکھا تھا اب ظاہر کرتی ہوں۔ فرعون نے انہیں بھی بہت تکلیفیں دیں۔ (ترجمہ: "جب بولی فرعون کی عورت اے رب میرے واسطے بہشت میں ایک گھر بنا اور مجھے فرعون کے چنگل سے نکال۔") فرشتوں نے بہشت سے ایک سیب لا کر آسیہ کو دیا اور وہ وہیں شہید ہو گئیں۔

فرعون کا حشر:۔ آخر اللہ کے حکم سے موسیٰ اپنی قوم کو ساتھ لیکر وہاں سے راتوں رات نکل گئے اور جبرئیل نازل ہوئے، کہا اے موسیٰ! اپنا عصا مار دریا پر۔ جب آپ نے اپنا عصا مارا تو دریا پھٹ گیا اور راستہ بن گیا۔

ہم نے تو بنائے ہیں سمندر میں بھی رستے
یوں ہم کو مٹانا کوئی آسان نہیں ہے
(ماجد دیوبندی)

موسیٰؑ اور اُس کی قوم جب سمندر پار کر رہی تھی تب فرعون اور اُس کا لشکر اُنہیں جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا، اور وہ اُن کا پیچھا کرنے لگا اللہ کے حکم سے موسیٰؑ اور اُس کی قوم پار ہو گئی مگر جب فرعون اور اُس کا لشکر سمندر کے بیچ پہنچا تو سمندر جو پھٹا ہوا تھا وہ مل گیا، فرعون اور اُس کی قوم سمندر میں غرق ہو گئی۔

ترجمہ: ”یعنی جب فرعون کے سر تک پانی آ گیا تو کہنے لگا کہ اب مجھ کو یقین آیا کہ جس خدا پر بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، آخر فرعون اور اُس کی قوم دریائے قلزم میں غرق ہو گئی۔

ترجمہ: ”یعنی اے فرعون آج تیری لاش کو ہم پانی میں تیرائیں گے جو لوگ تیرے بعد آنے والے ہیں اُن کو عبرت ہو کیونکہ تیری طرح بہت سے لوگ ہماری قدرت کی نشانیوں سے غافل رہتے ہیں“۔

فرعون کی لاش جو دریائے قلزم کے کنارے پر پڑی ہوئی دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کی آنکھ میں آنسو آ گئے، کیونکہ پورے تیس (30) سال تک آپ نے اُس کے دسترخوان پر پرورش پائی تھی آپ نے کہا ”اے فرعون افسوس! تجھے ایمان نصیب نہ ہوا“۔

موسیٰؑ کوہِ طور پر:۔ حضرت موسیٰؑ کوہِ طور پر گئے کہ اللہ تعالیٰ سے تورات حاصل کریں۔ ان کی غیر حاضری میں ان کی قوم نے ایک سونے کا بچھڑا بنا لیا۔ اور جادوگر سامری نے اس بچھڑے کے منہ میں ایک مشت خاک ڈال دی جس سے وہ بچھڑا بولنے لگا۔ اور موسیٰؑ کی قوم بچھڑے کی پوجا کرنے لگی۔ حضرت ہارونؑ نے بچھڑے کو پوجنے سے منع کیا مگر وہ لوگ نہ مانے۔ جب موسیٰؑ کوہ طور سے واپس آئے تو قوم بچھڑے کی پوجا کرنے میں لگی تھی۔ آپ نے اپنے بھائی ہارونؑ کی داڑھی پکڑ کر کہا کہ میرے پیچھے تم نے یہ کیا، کیا؟۔ ہارونؑ کہنے لگے کہ اے میرے ماں جائے! میں نے اُنہیں (قوم) کو بہت سمجھایا مگر یہ نہ مانے۔ آپ نے سامری کو بلا کر ڈانٹا تب سامری نے کہا کہ جب جبرئیل آپ کے پاس گھوڑے سے آئے تھے تو میں نے ان کے گھوڑے کے سم کے نیچے سے ایک مشتِ خاک اٹھالی تھی اور اسے بچھڑے کے منہ میں ڈال دی تھی۔ اللہ کے حکم سے یہ بچھڑا بولنے لگا۔ آخر جبرئیلؑ نازل ہوئے اور ایک قِسم کی گھاس موسیٰ کو بچھڑے کو جلانے کے لیے دی جس سے سامری اور بچھڑے کا قصہ تمام ہوا۔

موسیٰؑ اور خضر علیہ السلام:۔ موسیٰ نے خضرؑ سے کہا کہ آپ کو اللہ نے جو علم دیا ہے مجھے بھی سکھا دیجئے۔ خضر نے کہا کہ تم صبر نہ کر سکو گے۔ اگر میرے ساتھ رہنا چاہو تو یہ شرط ہے کہ تم مجھ سے کوئی بات مت پوچھنا صرف دیکھتے رہنا۔ لہٰذا دونوں ایک کشتی پر سوار ہو گئے تو خضر نے اس کشتی کو توڑ کر خراب کر دیا۔ آپ نے کہا کہ تم نے اس کشتی کو کیوں عیب دار بنا دیا؟ خضر نے کہا کہ چپ رہو، اپنی شرط یاد رکھو۔ تو موسیٰ نے کہا میں بھول گیا تھا۔ اب ایسا نہیں ہوگا۔ دونوں آگے بڑھے تو ایک لڑکا ملا۔ خضر نے

اسے قتل کر دیا اس پر موسیٰ بگڑ گئے کہ آپ نے اسے بغیر کسی قصور کے کیوں مار ڈالا۔ خضر نے انہیں پھر وعدہ یاد دلایا۔ پھر آگے چلے، ایک گاؤں میں پہنچے جہاں انہوں نے دیکھا کہ ایک دیوار گرنے والی ہے۔ خضرؑ نے اس دیوار کی مرمت کر کے اُسے درست کر دیا۔ حضرت موسیٰ پھر بول اٹھے تو خضرؑ نے فرمایا اب ہم دونوں ایک ساتھ سفر نہیں کر سکتے۔ جدا ہونے سے پہلے میں تمہیں بتاتا ہوں کہ دریا کے اس پار ایک بادشاہ زبردستی کشتیاں چھین لیا کرتا ہے اس لیے میں نے اس میں عیب پیدا کر دیا تاکہ وہ عیب کی وجہ سے کشتی نہ لے سکے۔ وہ لڑکا اپنے ماں باپ کو اذیت دینے والا تھا اور کافر تھا اس لیے میں نے اسے قتل کر دیا۔ اور وہ دیوار شہر کے یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے دولت کا خزانہ تھا۔ اگر دیوار گر جاتی تو لوگ ان کا خزانہ لوٹ کر لے جاتے اس لیے اللہ کی مرضی یہی تھی۔ میں صرف بھلائی کے کام ہی کرتا ہوں مگر آپ کی سمجھ سے باہر ہے، لہٰذا اب اپنا ساتھ یہیں ختم کرتا ہوں۔

قارون (خزانہ):۔ وہ گھاس جو جبرئیلؑ نے موسیٰ کو بچھڑے کے جلانے کیلئے دی تھی اس میں اور دو گھاس ملانے سے کیمیا بنایا جاتا تھا۔ چونکہ قارون توریت کا حافظ تھا اور اس نے کیمیا گری بھی سیکھی تھی، اس نے گھر میں چپکے سے وہ گھاس ملا کر کیمیا گری شروع کر دی اور بہت مال و دولت جمع کر لی۔ پھر وہ متکبر اور مغرور ہو گیا اور حضرت موسیٰؑ سے نافرمانی کرنے لگا۔ اور اللہ کے نزدیک کافر ہو گیا۔ (ترجمہ : ’’قارون موسیٰؑ کی قوم سے تھا پھر شرارت کرنے لگا ان پر۔ اور ہم نے دیئے اس کو اتنے خزانے کہ اس کی کنجیوں سے تھک گئے مزدور۔‘‘)

عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ قارون کے خزانے کی چابیوں کے لیے ساٹھ مزدور مقرر تھے۔ رحیمہ سے روایت ہے کہ میں نے توریت میں پڑھا تھا کہ چابیوں میں ستر اونٹوں کا وزن تھا۔ ترجمہ: ’’جب کہا قارون کو اس کی قوم نے کہ اللہ دوست نہیں رکھتا ہے صدقات، زکوٰۃ اور خیرات نہ دینے والوں کو۔‘‘، ترجمہ: ’’قارون بولا اے موسیٰؑ یہ مجھ کو ملی ہے دولت ایک ہنر سے جو میرے پاس ہے اور میرے مال پر کیا حق رکھتا ہے تیرا اللہ۔ اے موسیٰؑ میں زکوٰۃ دوں یا نہ دوں تم کو اس سے کیا۔‘‘)

ایک دن قارون نے ایک خوبصورت عورت کو لالچ دے کر حضرت موسیٰؑ پر زنا کا الزام لگوا کر قوم میں انہیں رسوا کرنے کی کوشش کی۔ مگر جب عورت سے پوچھا گیا تو وہ خوف خدا سے ڈر گئی

اور الزام نہ لگا سکی۔ حضرت موسیٰؑ نے غصے میں زمین پر اپنا عصا مارا اور کہا اے زمین قارون کو دبوچ لے اللہ کے حکم سے۔

ترجمہ: ''پس دھنسا دیا ہم نے قارون کو، اس کے گھر کو زمین میں اور کوئی اس کا مددگار نہ ہوا۔'')

18. حضرت الیاس علیہ السلام (قحط) 19. حضرت الیسع علیہ السلام

حضرت الیاسؑ، حضرت ہارونؑ کی اولادوں میں سے تھے۔ ترجمہ: ''اور الیاسؑ ہیں رسولوں میں سے۔''

جب قوم کے لوگ بت پرستی میں زیادہ مشغول ہو گئے اور کچھ ہی قوم کے لوگ موسیٰؑ کے دین پر قائم رہ گئے تب اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاسؑ کو ان پر مامور کیا۔ اُن کے زمانے میں ایک بادشاہ اور تھا، شام میں اس نے ایک بت تراش کر اس کا نام بعل رکھا اور اس کو پوجنے لگے۔ حضرت الیاسؑ نے ان کو اس بت پرستی سے منع فرمایا۔ ترجمہ: ''جب کہا الیاس نے اپنی قوم کو کیا تم ڈرتے نہیں اللہ سے اور پکارتے ہو بعل کو۔ اللہ تمہارا رب ہے اور تمہارے باپ داداؤں کا۔'' مگر بت پرستوں نے الیاس کی بات نہیں مانی اور جھٹلایا۔ آپ نے تنگ آ کر اللہ سے ان پر قحط نازل کرنے کی دعا کی۔ لہٰذا تین برس تک پانی نہیں برسا۔ ملک میں قحط پڑا اور تمام جانور، گائے، بیل، بکری، اونٹ، دنبے، بھیڑ سب مرنے لگے۔ لوگوں نے کہا یہ قحط حضرت الیاسؑ کی بددعا سے نازل ہوا ہے۔ لہٰذا انہیں مار ڈالو۔ حضرت الیاس کے عقیدے پر یقین رکھنے والی ایک بڑھیا تھی۔ آپ اس کے گھر گئے۔ بڑھیا کا ایک لڑکا تھا نام الیسعؑ۔ حضرت الیاسؑ سے معذرت چاہی اور بارش کی دعا کرنے کی التجاء کی۔ آپ نے دعا کی اور بارش ہوئی اور تب الیسعؑ کو اپنا قائم مقام اور خلیفہ بنا کر اس شہر سے نکل گئے۔ اللہ نے پھر اس قوم پر الیسعؑ کو نبی بنایا، انہیں بھی قوم نے جھٹلایا، آخر نصیحت کرتے کرتے آپ بھی انتقال فرما گئے۔

20. حضرت عزیر علیہ السلام ''

اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے'' (پارہ 10 رکوع 11/29.30)

ایک اور قصہ اس آدمی کا جو ایک بستی پر سے گزرا، وہ بستی اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی (یعنی

ویران پڑی تھی) وہ بولا (حضرت عزیرؑ) کہ اس آبادی کے مر جانے کے بعد اللہ اسے کیسے زندہ کرے گا؟ تب اللہ نے اس کو ایک سو برس کیلئے مار ڈالا پھر زندہ کیا اور پوچھا کہ تو کتنی دیر یہاں مرا پڑا رہا۔ وہ بولا! میں ایک دن یا اس سے کچھ کم دیر مرا رہا۔ اللہ نے فرمایا نہیں! بلکہ تو ایک سو برس تک مرا پڑا رہا۔ اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھ کہ وہ سڑی گلی نہیں ہیں اور دیکھ اپنے گدھے کو (جو مر کر ہڈیوں کا چورا ہو گیا تھا) تیرے اس قصہ کو ہم انسانوں کے لیے نمونہ بنانا چاہتے ہیں اور اب دیکھ اس گدھے کی ہڈیاں کس طرح ہم اسے جوڑ دیتے ہیں پھر اس پر گوشت چڑھا کر چمڑے کا لباس پہنا دیتے ہیں۔ یہ بات جب اس کے سامنے ہوئی تو وہ بول پڑا اب میں خوب جان گیا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہیں
(پارہ 3 رکوع 3/259/)

21. حضرت داؤد علیہ السلام (لحنِ داؤدی)

آپ کا ذکر بھی قرآن پاک میں کئی جگہ آیا ہے۔ سورۂ ص میں خصوصیت سے نہایت تفصیل سے ملتا ہے۔ یہ سورہ پارہ نمبر 23 میں ہے۔ آپ پر آسمانی کتاب زبور نازل ہوئی تھی۔

حضرت طالوت کو پہلے اللہ نے بنی اسرائیل میں بادشاہی عطا کی تھی۔ ان کے بعد اللہ نے حضرت داؤد کو حکومت عطا کی۔ اور حکومت بھی ایسی عطا کی کہ انسانوں کے ساتھ پہاڑوں اور پرندوں کو بھی ان کا فرماں بردار کر دیا۔ وہ اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اور مظلوموں کے فیصلے دانائی سے کیا کرتے۔ ایک دن دو آدمی دیوار پھاند کر ان کے مکان میں گھس گئے جس میں وہ عبادت کیا کرتے تھے آپ گھبرائے مگر انہوں نے کہا کہ ہم اپنا جھگڑا لے کر آپ کے پاس آئے ہیں وہ یہ کہ میرے اس بھائی کے پاس ننانویں دُنبیاں (بھیڑیں) ہیں اور میرے پاس صرف ایک۔ یہ اب میری ایک دنبی (بھیڑ) کو بھی لینا چاہتا ہے تاکہ اس کے پاس پورے سو ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ جو تم سے وہ ایک بھیڑ مانگ رہا ہے وہ زیادتی کر رہا ہے اور اکثر یہ لوگ دوسروں پر زیادتی کرتے ہیں۔

22. حضرت سلیمان علیہ السلام (ہر شئے پر بادشاہت)

آپ حضرت داؤدؑ کے بیٹے ہیں۔ قرآن میں آپ کا ذکر سورۂ بقرہ، سورۂ انعام، سورہ انبیاء،

سورہ نمل، سورہ سبا اور سورہ ص میں آیا ہے۔

ترجمہ: ''اور وارث ہوا سلیمانؑ داؤد علیہ السلام کا یعنی باپ کی جگہ نبی اور بادشاہ ہوا اور سکھلائی گئی ہر جانور کی بولی اور دی گئی ہر چیز جو دنیا میں درکار ہے۔ اللہ نے عنایت فرمائی۔'' حضرت سلیمانؑ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت اور بادشاہت دونوں عطا کی تھیں۔ انسان کے علاوہ، جن وانس، درند پرند اور جانور بھی آپ کے تابع کر دیے تھے۔ آپ ان سب کی بولیاں بھی سمجھتے تھے اور بولتے بھی تھے۔ آپ کے زمانے میں بنی اسرائیل کو اتنی عزت ملی جو اس سے پہلے کبھی نہیں ملی تھی۔ حضرت سلیمانؑ کا تخت ہوا پر چلتا تھا۔ تمام پرندوں کا جھنڈ ان کے تخت پر اپنے پروں کا سایہ کرتا اور پریاں ان کے تخت کے ساتھ دائیں اور بائیں چلتیں اور دیو پیچھے کھڑے ہوجاتے تھے۔

ترجمہ: ''اور مسخر کیا ہم نے بادِ صبا کو جو لے جاتی ان کو صبح شام ایک مہینے کا سفر آدھے دن میں''۔ کہتے ہیں ان کا تختِ طاؤس لعل اور فیروزہ سونے سے بنایا گیا تھا جس میں مشک عنبر بھرا ہوا تھا۔ زمین آپ کو آواز دیتی۔ اے سلیمان! جو کچھ مال مجھ میں ہے اٹھا لے۔

دعوتِ مخلوقات:۔ ایک دفعہ آپ نے اللہ کے دربار میں عرض کیا کہ اے اللہ! سارے عالم کی مخلوقات جو تیری آفریدہ ہے۔ جل تھل، دریا، خشکی، پہاڑ، دیو، پری، چیونٹی، مچھلی، کیڑے مکوڑے جتنے بھی زندہ مخلوقات ہیں میں ایک دن سب کی دعوت کرنا چاہتا ہوں۔ صدا آئی اے سلیمان! میں سب کی روزی پہونچاتا ہوں، تم سب کو نہیں کھلا سکو گے۔ آپ نے عرض کیا اے پروردگار! تو نے مجھے سب کچھ عنایت فرمایا ہے۔ حکم ہوا کہ ٹھیک ہے۔ حضرت سلیمانؑ نے بہت بڑے میدان میں زبردست انتظامات کیے اور سبھی طرح کا کھانا تیار کیا گیا اور جب کھانا تیار ہوگیا تو حضرت سلیمانؑ کا تخت دریا پر ہوا نے معلق کر دیا۔ تب دریا سے ایک مچھلی نکل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی، کہنے لگی، کہ مجھ کو اللہ نے بھیجا ہے کہ آج تمہارا کھانا یہاں تیار ہوا ہے سو میں اپنے حصے کا کھانا کھانے آئی ہوں مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ آپ نے کہا تو میدان میں جا اور کھانا کھا لے۔ مچھلی نے وہ تمام کھانا جو پوری مخلوق کے لئے تیار کیا تھا ایک ساتھ ہی کھا لیا اور کہا کہ آپ کی میزبانی میں میں بھوکی رہی، صرف اللہ ہی مجھے پیٹ بھر کر دیتا ہے۔ حضرت سلیمانؑ مچھلی کی بات سن کر بے ہوش ہوگئے۔

چیونٹی بادشاہ سے سلیمانؑ کی ملاقات :۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ اپنی فوجوں کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے۔ چلتے چلتے چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے۔ ترجمہ: ”جب سلیمان پہنچے چیونٹیوں کے میدان میں تب ایک چیونٹی (بادشاہ) نے کہا اے چیونٹیو! گھس جاؤ اپنے اپنے گھروں میں، کہیں سلیمانؑ اور اس کا لشکر تمہیں پیس نہ ڈالے اور انہیں اس کی خبر بھی نہ ہو۔ اور چیونٹیاں اپنی اپنی بلوں میں چلی گئیں“۔ پس مسکرائے سلیمانؑ اس چیونٹی کی بات سن کر۔ آپ نے چیونٹیوں کے بادشاہ سے پوچھا کہ سلطنت تیری بہتر ہے یا میری۔ چیونٹی نے جواب دیا میری۔ کیونکہ تم نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا کہ اے پروردگار! میری مغفرت کر اور بخش دے مجھے ایسی بادشاہی جو میرے سوا کسی اور کو نہ دی ہو۔ یہ پیغمبروں کی شان کے لائق نہیں۔ مزہ تو تب تھا کہ ’خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے۔‘ حضرت سلیمانؑ یہ سن کر مسکرائے اور کہا کہ اے اللہ! مجھے توفیق دے کہ میں تیری نعمتوں کا شکر ادا کروں۔

حضرت سلیمانؑ اور بلقیس :۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے پرندوں کی حاضری لی تو اس میں ہُد ہُد نظر نہیں آیا۔ ترجمہ: ”اور سلیمان نے جب خبر لی اڑتے جانوروں کی۔ پس کہا کہ میں نہیں دیکھتا ہوں ہُد ہُد کو۔ اس کی غیر حاضری پر ہم اسے سخت سزا دیں گے یا ذبح کر دیں گے۔ ورنہ وہ غیر حاضری کی وجہ بیان کرے۔“ تھوڑی دیر بعد ہدہد آ گیا اور عرض کیا کہ حضور! میں سبا کے شہر سے بالکل صحیح خبر لے کر آیا ہوں۔ میں نے ایک عورت دیکھی ہے جو وہاں حکومت کرتی ہے اس کے پاس ہر طرح کا سامان ہے (یعنی مال و اسباب، حسن و جمال) اور اس کا ایک بہت بڑا تخت ہے۔ ملکہ اور اس کی قوم سورج کو پوجتے ہیں اور اُسے سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کو سیدھے راستے سے روک دیا ہے۔ کہا ہم دیکھیں گے تم نے سچ کہا ہے یا جھوٹ۔ حضرت سلیمانؑ نے ایک خط ملکہ جس کا نام بلقیس تھا لکھ کر ہدہد کو بھیجا اور خط میں لکھا کہ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ ہم سے سرکشی نہ کرو اور فرماں بردار ہو کر ہمارے دربار میں حاضر ہو جاؤ۔ ملکہ نے اپنے وزیروں سے کہا بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور وہاں کے سرداروں کو بے عزت کر دیتے ہیں میں پہلے حضرت سلیمانؑ کے پاس کچھ تحفے بھیجتی ہوں۔ پر آپ نے ملکہ کے بھیجے ہوئے تحفے واپس کر دیئے تو وہ دربار میں حاضر ہونے کی تیاری کرنے لگی۔ حضرت سلیمانؑ نے حکم دیا کہ ملکہ کا تخت ہمارے دربار میں لا کر حاضر کرو تو ایک بڑا دیو بولا کہ آپ کے دربار میں جانے سے پہلے اس کا

تخت حاضر کرتا ہوں۔ مگر ایک شخص جس کو اللہ نے کتاب کا علم دیا تھا اس نے کہا کہ میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کردوں گا اور حاضر کردیا۔ سلیمانؑ کے حکم سے تخت کی صورت بدل دی گئی اور بچھا دیا گیا اور جب بلقیس وہاں حاضر ہوئی تو بولی یہ تخت تو بالکل میرے تخت جیسا ہی ہے مگر جب وہ مسلمان ہوگئی تب کہنے لگی کہ میں جس چیز کو اللہ کے سوا پوجتی تھی اس نے مجھے یہاں آنے سے روک رکھا تھا۔ بلقیس جب حضرت سلیمانؑ کے محل میں داخل ہوئی جو شیشے کا بنا ہوا تھا تو اسے ایسا محسوس ہوا کہ یہاں پانی بھرا ہوا ہے لہٰذا اس نے اپنے پائنچے اوپر اٹھا لیے۔ اور اپنی دونوں پنڈلیاں کھولدیں۔ حضرت سلیمانؑ نے دیکھا تو فرمایا یہاں پانی نہیں ہے۔ یہ محل ہے جس میں شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں یہ ملکہ ایک پری کے بطن سے پیدا ہوئی تھی آخر حضرت سلیمانؑ کے نکاح میں آئی۔ اور اپنے مذہب کی غلطی پر پکار اٹھی کہ اے اللہ! میں نے جو اتنی مدت تک سورج کی پوجا کی اور میری وجہ سے میری قوم بھی اُسے پوجتی رہی، تو میں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ اب میں سلیمانؑ کے ساتھ تمام جہانوں کے پالنے والے پر ایمان لاتی ہوں۔

بیت المقدس کی تعمیر:۔ حضرت سلیمانؑ نے کئی برس سلطنت کی اور بیت المقدس کو جو داوٗدؑ نے بنایا تھا اس کو وسیع کیا۔ دیوؤں کو حکم دے کر اس کی دیوار چالیس گز لمبی سنگِ مرمر سے بنوائی اور ستون اور کیواڑ (دروازے) آبنوس کے لگائے، اور چھت ساج کی لکڑی سے بنوائی۔ دیواریں سونے کی اور مسجد میں قندیلیں چاندی کی لگائی اور ان میں تیل کی جگہ لعل شب چراغ تھا۔ اس کی روشنی تین کوس تک جاتی تھی۔ بیت المقدس کی تعمیر کے دوران ہی ایک دن مسجدِ اقصیٰ کے گنبد کے دروازے پر جو شیشے سے بنا ہوا تھا۔ حضرت سلیمان اپنے عصا کے سہارے کھڑے ہوئے تھے کہ اللہ کے حکم سے اس وقت ملک الموت آپہنچی۔ آپ نے پوچھا تم مجھ سے ملنے آئے ہو یا روح قبض کرنے۔ ملک الموت نے کہا روح قبض کرنے۔ لہٰذا آپ عصا کے سہارے کھڑے ہی رہے اور روح قبض ہوگئی۔ روایت ہے کہ تقریباً ایک سال تک آپ اسی طرح کھڑے رہے۔ بیت المقدس کا کام چلتا رہا اور جب عصا کو دیمک لگ گئی اور لاش فرش پر گرگئی تو لوگوں کو اور جنوں کو معلوم ہوا کہ آپ آخری سفر کر چکے ہیں، اس بات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیب کا علم نبیوں کو بھی نہیں تھا۔

23. حضرت زکریا علیہ السلام (خاموشی)

ترجمہ: ''جب پکارا اس نے اپنے پروردگار کو آہستہ یعنی دل میں دعا کی یا الگ مکان میں

چھپ کر پکارا کہ اے اللہ! میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں۔ سر بڑھاپے سے سفید ہوگیا ہے میں تجھ سے دعا کر کے کبھی ناکام نہیں رہا میری بیوی بانجھ ہے اور مجھے میرے بھائی بندوں سے ڈر ہے۔ پس تو مجھے نیک وارث عطا کر جو میرا اور یعقوب کی اولاد کا وارث ہو۔ اس کو ہر دلعزیز بنا اور مجھے اکیلا نہ چھوڑ۔''

ایک روز حضرت زکریا نماز ادا کر رہے تھے تو فرشتوں نے انہیں یحیٰ کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی۔ اور یہ کہ وہ اللہ کے حکم کی تصدیق کرے گا، لوگوں کیلیئے پاک دامن پیشوا اور نبی ہوگا۔ حضرت سوچنے لگے یہ سب کیسے ہوگا جبکہ میں بوڑھا اور میری بیوی بانجھ ہے، جواب ملا ہمارے لیے تمام باتیں آسان ہیں۔ اللہ کے حکم سے ان کی بیوی اچھی ہوگئی اور حضرت یحیٰؑ پیدا ہوئے۔

جب قومِ بنی اسرائیل فسادات برپا کرنے لگی تب زکریا ان کو وعظ ونصیحت سے سمجھاتے مگر وہ سب مردود کچھ نہیں سنتے تھے اور زکریا کو مارنے کے لیے تیار ہوگئے۔ آپ ان کے ہاتھوں سے نکل کر ایک درخت کے پاس جا کر رکے تو درخت سے آواز آئی کہ اے نبی اللہ! آپ میرے پیٹ کے اندر گھس آئیں، یہ کہہ کر درخت خود پھٹ گیا اور زکریا اس کے اندر گھس گئے۔ اور وہ مردود جو پیچھا کر رہے تھے درخت کے پاس آئے۔ بہت ڈھونڈا نہ پایا تو حیرت میں آگئے۔ اتنے میں شیطان مردود نے آکر انہیں بتلا دیا کہ وہ اس درخت کے اندر گھسے ہوئے ہیں۔ تب مردودوں نے آرا لا کر اس درخت کو چیر ڈالا۔ اور جب آرا ان کے سر پر پہنچا تو آپ اُف کر بیٹھے۔ اچانک جبرائیلؑ نازل ہوئے اور فرمایا کہ اے زکریا! اف مت کرو ورنہ اللہ تعالیٰ صابر پیغمبروں میں سے آپ کا نام خارج کردے گا۔ آخر آپ نے اُف نہیں کیا اور جان بحق ہوگئے۔ یحیٰؑ نے یہ سن کر کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

24. حضرت یحیٰ علیہ السلام (غربت)

بنی اسرائیل میں ملکہ نام کی ایک عورت، اس کے اول شوہر سے ان کی ایک بیٹی تھی، وہ چاہتی تھی کہ میرا شوہرِ ثانی اپنی بیٹی سے نکاح کرے۔ بنی اسرائیل اس بات سے متفق تھے۔ مگر یحیٰؑ نے فرمایا تمہاری بیٹی سے تمہارے شوہر کا نکاح درست نہیں۔ تب ملکہ نے غصہ ہو کر اپنے شوہر سے یہ بات کہی کہ یحیٰؑ اس نکاح سے منع کرتے ہیں۔ اس کا شوہر وہاں کا بادشاہ تھا۔ حکم دیا کہ اس کو باندھ کر میرے پاس لاؤ۔ لہٰذا کافروں نے ایسا ہی کیا۔ جبرئیل نازل ہوئے اور فرمایا اے یحیٰؑ! اگر تم کہو تو میں اس شہر کو غارت

کر دوں۔ آپ نے کہا کہ اے جبرئیل! اگر میری تقدیر میں یہی لکھا ہے کہ ان کے ہاتھ سے مارا جاؤں تو مجھے قبول ہے۔ ترجمہ: ”راضی ہوں میں اللہ کی قضا سے۔“ آخر اس مردود نے یحییٰؑ کو مار ڈالا۔ جب سر مبارک تن سے جدا ہوا تو پھر کہا؛ اے بادشاہ! اپنی جورو کی بیٹی سے نکاح جائز نہیں۔ آخر کافروں نے ملکہ کی بیٹی کا نکاح اس کے شوہر سے کر دیا۔ اور اللہ کے عذاب میں سب مارے گئے۔

25. حضرت عیسیٰ علیہ السلام (مسیحا)

حضرت مریم علیہ السلام:۔ قرآن کریم میں حضرت مریمؑ کا ذکر کئی جگہ آیا ہے اور سورۂ مریم میں آپ کا ذکر خصوصاً کیا گیا ہے، کتب میں آیا ہے کہ زکریا کے وقت سے بنی اسرائیل کی قوم میں ایک عورت تھی جس کا نام حنہ تھا، وہ بڑی زاہدہ تھی۔ اس کا شوہر حضرت سلیمانؑ کی اولادوں میں سے تھا۔ جب وہ حاملہ ہوئی تو اس نے عہد کیا کہ میری کوکھ سے جو لڑکا ہوگا اسے بیت المقدس کی خدمت میں اور تیری یاد میں دیدوں گی۔ حنہ کو 9 ر ماہ بعد ایک خوبصورت لڑکی ہوئی جس کا نام مریم رکھا اور جب وہ سات برس کی ہوئی تو اس کی ماں اس کو بیت المقدس میں حضرت زکریا کے پاس لائیں اور زکریا نے اس کی کفالت فرمائی۔ ایک روز حضرت زکریا مریم کو حجرے میں عبادت کرتے چھوڑ گئے اور بھول گئے، تین دن بعد جب خیال آیا تو دوڑے۔ مریم عبادت میں مشغول تھی اور وہاں بہت سا کھانا حجرے میں پڑا تھا۔ آپ نے مریم سے پوچھا کہ کھانا کہاں سے آیا تو وہ بولیں ’اللہ سب کو رزق دیتا ہے۔ جس کو چاہے کم اور جسے چاہے بے حساب۔‘

ترجمہ: ”اور کہا فرشتوں نے اے مریم! اللہ تعالیٰ نے تجھ کو جہاں کی تمام عورتوں میں برگزیدہ کیا۔ بندگی کر اپنے رب کی اور سجدہ کر اپنے رب کا۔“

پیدائش:۔ روایت میں آیا ہے کہ جب مریمؑ کی عمر چودہ برس کی ہوئی اور ان کو جب حیض آیا تو وہ اپنی خالہ زکریا کی بیوی کے پاس گئیں اور جب غسلِ حیض سے فارغ ہوئی تو اپنے پیچھے ایک انجان خوبصورت شخص کو کھڑا دیکھا وہ جبرئیل تھے۔ ترجمہ: ”اور کہا جبرئیل نے اللہ تعالیٰ نے تجھے ایک خوبصورت صاف ستھرا لڑکا دینے کے لیے مجھے بھیجا ہے۔ مریم بولی مجھے لڑکا کہاں سے ہوگا اور جبکہ مجھے

آج تک کسی آدمی نے چھوا تک نہیں ہے اور نہ میں کبھی بدکردار رہی ہوں''۔ اور فرمایا جبرئیل نے کہ بن باپ کے لڑکا پیدا ہوگا۔ اللہ کی قدرت سے مریمؑ مسجدِ اقصیٰ میں جا کر عبادت میں مشغول ہوگئیں۔ وہ رات دن روتی تھی رسوائی کے خوف سے جب بنی اسرائیل میں یہ راز معلوم ہوا۔ بیت المقدس سے دور جا کر ایک خشک درخت کے نیچے بیٹھ گئیں۔ ترجمہ: ''پس لے آیا اس کو بچہ جننے کا درد ایک کھجور کی جڑ میں۔'' آخر نو ماہ بعد آپ نے ایک خوبصورت بچے کو جنم دیا جس کا نام عیسیٰ تھا۔ مروی ہے کہ بیٹے نے ماں کو مبارک باد دی۔ ماں بیٹے کی مبارک باد سن کر بہت خوش ہوئیں اور خشک کھجور کا پیڑ ہرا بھرا ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچپن میں بولنا سکھا دیا تھا۔ اور آپ کو اللہ نے نبی بنا کر قومِ اسرائیل میں بھیجا۔ اُس وقت تک توریت پر کافی اختلاف پیدا ہو چکا تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ پر انجیلِ مقدس نازل کی اور بڑے بڑے معجزے عطا کئے تا کہ لوگ ایمان لے آویں۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک دن حضرت عیسیٰؑ بیاباں میں جا رہے تھے۔ راستے میں ایک شخص کے سر کی ہڈی (کھوپڑی) ملی۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے رب۔ تو اس کو زندہ کرتا کہ یہ مجھ سے بات کرے۔ اللہ کا حکم ہوا تو بات کر۔ ترجمہ : ''پھر کھوپڑی نے کہا، یا حضرت آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں مجھ سے۔ آپ نے اس سے بہت سے سوالات کئے اور کھوپڑی نے جوابات دیئے کہ میں ایک بادشاہ تھا اور میرا نام جمجاہ تھا۔ مجھے دولت و دنیا سب حاصل تھی اور کسی بات کا غم نہ تھا۔ آج مجھے مرے ہوئے سو برس ہوگئے ہیں۔ ملک الموت نے میرے تمام بدن کو پکڑ کر ایسا کھینچا جیسے ہزار شمشیر مجھ پر ماری ہو۔ بہت تکلیف ہوئی اور وہ میری روح قبض کر کے لے گئی۔ اس نے دوزخ کی بہت سی باتیں بتلائیں۔ مختصر یہ کہ اس کھوپڑی نے حضرت عیسیٰؑ سے التجا کی کہ آپ اللہ سے دعا کریں اور مجھے پھر زندہ کر کے دنیا میں بھیج دیں آپ کو اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ دیا تھا۔ لہٰذا آپ نے دعا کی اور بحکمِ الٰہی اسے زندہ کر دیا گیا اور اسے دنیا میں پھر عبادت کرنے کے لیے بھیج دیا گیا۔ آپ نے توریت کی تعلیم سے ہٹ جانے والی قوم کو جب انجیل مقدس کی تعلیم دینی شروع کی تو آپ کو مار ڈالنے کی سازش رچنی شروع ہوگئی۔

ترجمہ: ''اور جب کہا عیسیٰؑ مریم کے بیٹے نے اے بنی اسرائیل، میں اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں اور مجھ سے پہلے جو توریت تھی وہ بھی سچی تھی اور آگے خوشخبری سناتا ہوں کہ ایک رسول مجھ سے پیچھے آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔'' لہٰذا حضرت محمدؐ کا نام فرشتوں میں احمد اور دنیا میں محمدؐ تھا۔ آگے عیسیٰؑ نے کہا کہ ان

کی امت میں حافظِ قرآن بھی ہوں گے۔ اور ان کی شریعت قیامت تک جاری رہے گی۔ آخر یہودیوں نے اپنے کافر بادشاہ سے مل کر انہیں ایک مکان میں لے گئے۔ بحکم اللہ تعالیٰ جبرئیل نازل ہوئے، مکان کی چھت میں شگاف کرکے آپ چوتھے آسمان پر اُٹھالے گئے، اُس وقت آپ کی عمر صرف 33 سال تھی یعنی 33ء اور فرشتوں کی صحبت میں دے دیے گئے۔ جب یہودیوں کا سردار شیوع مکان کے اندر گھسا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی شکل حضرت عیسیٰؑ جیسی بنادی گئی، یہودیوں نے اسے پکڑلیا اور دار پر چڑھادیا۔ ترجمہ: "اور (عیسیٰ) کو نہ مارا ہے نہ سولی چڑھایا ہے لیکن وہی صورت بن گئی ان کے سامنے۔ بے شک اللہ نے اٹھالیا اپنی طرف اور اللہ ہے زبردست حکمت والا۔" حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے قریب ایک دجال پیدا ہوگا اور وہ ساری خلق کو گمراہ کردے گا تب حضرت مہدی آخرالزماں مومنوں کے ساتھ بیت المقدس میں رہیں گے اور حضرت عیسیٰؑ آسمان سے نازل ہوکر امام مہدیؑ کے ساتھ مشرق سے مغرب تک تمام کافروں کو اور دجال کو مارڈالیں گے۔ اور دینِ محمد ﷺ نافذ ہوگا۔

26. حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

ارشادِ باریٔ تعالیٰ ہے "اور تم کیا جانو لوحِ محفوظ کیا ہے"۔ روایت ہے کہ ہمارے آقا محمد ﷺ کا نام لوحِ محفوظ پر پوشیدہ تھا اور عرشِ معلّٰی پر فرشتوں کے درمیان احمدؐ کے نام سے جانا جاتا تھا اس لیے آپ ﷺ سب نبیوں میں اوّل ہیں اور آپ ﷺ زمین پر سب نبیوں کے بعد تشریف لائے اس لیے آپ ﷺ کو اوّل اور آخرالزماں کا رتبہ ملا ہے۔ آپ ﷺ کا ذکر احمدؐ کے نام سے دوسری آسمانی کتابوں میں بھی آیا ہے۔ تفصیل باب دوئم رسالت میں دیکھئے۔

27 حضرت لقمان علیہ السلام (حکمت)

اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمانؑ کو ایسی حکمت عطا کی کہ ان کا نام آج تک زندہ ہے اور قرآن پاک میں ایک سورہ کا نام بھی لقمان رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ "ہم نے لقمان کو عقلمندی ی اور کہا حق تعالیٰ کا حق مان۔ اگر تو اللہ کا حق مانے گا تو یہ تیرے ہی بھلے کے لیے ہے۔"

لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو چند نصیحتیں کیں، جن کا ذکر اس سورہ میں ہے (1) اے بیٹے، اللہ کا

شریک کسی کو نہ بنانا کہ یہ بڑی ناانصافی ہے۔ (2) ماں باپ کا کہنا ماننا کہ تیری ماں نے تجھ کو پیٹ میں رکھا اور کتنی تکلیفیں اٹھائیں، پھر دو برس تک دودھ پلایا، ہاں اگر تمہارے ماں باپ یہ کہیں کہ اللہ کا کسی کو شریک بناؤ تو پھر ان کا کہنا نہ ماننا لیکن ان کی خدمت پھر بھی کرتے رہنا۔ (3) اے میرے بیٹے! نماز پڑھا کر۔ بھلی بات کیا کر اور بُرائی سے معن کر اور مصیبت میں صبر کیا کر۔ (4) اور مت چل زمین پر اکڑ کر۔ یعنی غرور نہ کر۔ اللہ پسند نہیں کرتا۔ (5) اور چل بیچ کی چال اور نیچی آواز سے بات کر۔ بے شک بُری آواز گدھوں کی ہوتی ہے۔

28. قصّہ اصحابِ کہف

اصحاب کہف کے معنی غار والے کے ہیں۔ یہ چند بچے مومن نوجوان بچوں کا قصہ ہے۔ جس کو قرآن پاک میں سورہ کہف میں بیان کیا گیا ہے۔ روایت ہے کہ روم کے ملک میں ایک دقیانوس نام کا ظالم بادشاہ تھا، وہ خود بتوں کی پوجا کرتا اور دوسروں کو بھی بت پوجنے کا حکم دیتا۔ اُس کی سلطنت میں تقریباً سات نوجوان بچّے تھے وہ بت پوجنے کو بُرا سمجھتے تھے، ایک دن بادشاہ کو خبر ہو گئی لہٰذا اُس کے ڈر سے بچے ایک پہاڑ کی غار میں جا کر چھپ گئے اور سو گئے ان کے ساتھ اُن کا کتا بھی تھا وہ بھی غار کے منہ پر بیٹھ گیا اور سو گیا اللہ تعالیٰ نے اُنہیں سینکڑوں سال تک سلائے رکھا، اس درمیان کئی بادشاہ ہوئے اور گذر گئے اور لوگ بدل گئے، اللہ تعالیٰ نے تین سو نو سال کے بعد اُن کو تھوڑی دیر کے لئے جگایا وہ آپس میں پوچھنے لگے کہ ہم کتنی دیر سوئے ہیں جب کہ یہاں سب کچھ بدلا ہوا ہے۔

ترجمہ: ”اور اُسی طرح اُن کو جگا دیا ہم نے وہ آپس میں پوچھنے لگے کہ ہم یہاں کتنی دیر ٹھہرے“۔ جب اُنہیں بھوک لگی تو چند ساتھی سکّے لے کر بازار میں گئے۔ سکّے دیکھ کر بازار کے لوگ تعجب میں پڑ گئے کہ یہ سکّے تو فلاں وقت کے بادشاہ کے تھے۔ اُنہیں بہت تعجب ہوا آخر اُس وقت کے بادشاہ کو معلوم ہوا جو کہ بہت ایماندار تھا اور وہ بادشاہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ غار تک پہنچا: اُنہوں نے صحاب کہف کو سوتے ہوئے دیکھا تو اُنہیں بھی بہت تعجب ہوا۔ جو بچے کھانا لینے گئے تھے غار میں داخل ہوتے ہی وہ بھی سو گئے۔ تب بادشاہ کو یقین ہوا کہ اللہ تعالیٰ بڑی طاقت اور قدرت والا ہے، مرنے کے بعد وہ اسی طرح زندہ کریگا، جس طرح ان غار والوں کو کیا ہے۔ یہ لوگ اسی غار میں قیامت تک سوتے رہیں گے۔

29. حضرت آدم علیہ السلام سے آج یعنی 2010ء تک کا وقت

اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ کائنات بہت پہلے کی اور پھر زمین کی ویرانیوں کو نور کی قبائیں دے کر حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ جس کا ذکر مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی کتاب ''سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کے صفحہ نمبر 39 کے مطابق جس کی تشریح علامہ انور شاہ کشمیری اور مولانا حسین احمد مدنیؒ نے کیا ہے۔ وہ سن عیسوی کے مطابق درج ذیل:

آج 2010ء سے ولادت رسول ﷺ تک	:	1440 سال
ولادتِ رسول ﷺ سے عیسیٰ علیہ السلام تک	:	570 سال
عیسیٰ علیہ السلام سے موسیٰ علیہ السلام تک	:	1716 سال
موسیٰ علیہ السلام سے ابراہیم علیہ السلام تک	:	545 سال
ابراہیم علیہ السلام سے طوفانِ نوح تک	:	1081 سال
طوفانِ نوح سے آدم علیہ السلام تک	:	2242 سال
ٹوٹل وقت 2010ء سے آدم علیہ السلام تک	:	7594 سال

نعت پاک صلی اللہ علیہ وسلم

سوئے ہوئے جزبوں کو جگاتے ہی رہیں گے
ہم نعتِ نبی سب کو سناتے ہی رہیں گے
ہم کفر کی مغرور ہواؤں کے مقابل
ایماں کے چراغوں کو جلاتے ہی رہیں گے

کمال جائسی

جس نے نہ کیا گنبدِ خضراء کا نظارہ
وہ آنکھ حقیقت میں کوئی آنکھ نہیں ہے

باب دوئم

مختصر اور جامع تاریخ

مسلمانوں کا شاندار ماضی

حضرت آدم علیہ السلام سے آزادیِ ہند تک

(دورِ رسالت)

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

عبدالجبار اجمیری

بلغ العلیٰ بکمالہٖ	پہونچے بلندی کو اپنے کمال سے
کشف الدجیٰ بجمالہ	دور کردیا اندھیرے کو اپنے جمال سے
حسنت جمیع خصالہٖ	حسین ہیں آپ کی سب خصلتیں
صلوا علیہ والہٖ	درود بھیجو ان پر اور ان کی آل پر

(شیخ سعدیؒ)

چڑیوں کی سن کر چہچہے
انساں بھلا کیوں چپ رہے
لازم ہے اس کو یوں کہے
صلوا علیہ والہٖ

(عبدالجبار اجمیری)

30. پیش لفظ

(رسالت)

وہ جس کو بزرگوں کی روایت نہ رہے یاد
اس شخص کی لوگوں کوئی پہچان نہیں ہے

جو قوم اپنی تاریخ سے واقف نہیں ہوتی وہ کبھی تاریخ مرتب نہیں کر سکتی۔ لہٰذا میں نے اپنے اسلاف کی مختصر تاریخ پیش کرنے کی کوشش کی ہے تا کہ ہماری نوجوان نسل کو معلوم ہو سکے کہ اسلام کی توسیع کی خاطر ہمارے پیش روؤں نے کیسی کیسی قربانیاں دیں، کیسے کیسے معرکے سر کئے اور عہد رسالت سے لے کر آج تک اسلام دشمنوں نے ان پر ظلم و ستم کے کون کون سے پہاڑ توڑے۔

خواہ حضرت بلالؓ کا گرم گرم ریت پر لٹایا جانا ہو یا سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کا کلیجہ ہندہ کے ذریعہ چبایا جانا ہو۔ مسلمانوں کے خلاف اسلام دشمن اپنی تلوار ہمیشہ چلاتے رہے مگر حرم کے پاسبانوں نے اپنا خون بہانے میں کوئی کمی نہیں کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کی خبر پہلے توریت میں بھی آچکی تھی:

“اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی (جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کا ذکر ہے) مگر یہودی جس نبی کے آنے کا انتظار کر رہے تھے، جب وہ آگئے تو جان بوجھ کر اور سب سے بڑھ کر یہی لوگ مخالفت کرنے لگے۔ جیسے سابق میں انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کی مخالفت کی تھی۔ ان مخالفین پر اللہ کی پھٹکار ہے، ان کی تعصب کی وجہ یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی اسرائیل میں کیوں پیدا نہیں کیا۔”

اسلام کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہر دور میں ایسے لوگ پیدا ہوئے ہیں، جنھوں نے تاریخ کے اوراق میں اسلام کی تصویر کو دھندلا نہیں ہونے دیا۔ جب کفار مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش رچی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کرنی پڑی۔ پھر بھی کفار مکہ نے پیچھا نہیں چھوڑا اور اسلام کی پہلی جنگ بدر کے مقام پر لڑنی پڑی۔ اس طرح اسلام کی فلاح اور بہبودی کی خاطر چھوٹی بڑی کل 82 جنگیں لڑنی پڑیں۔ جن میں کل 928 لوگ مارے گئے۔ کیوں کہ جنگ کے دوران جب آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کی لاش دیکھی تو حکم دیا کہ “خالد بن ولید سے کہہ دو کہ رسول اللہ نے جنگ میں بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور مزدوروں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے”۔

عبدالجبار اجمیری

وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز چمکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں

31. حضرت محمد ﷺ کی ولادت سے پہلے

عرب کے تمام قبیلوں میں قبیلۂ قریش کی اہمیت کئی اعتبار سے زیادہ تھی۔ یہ قبیلہ دوسرے قبائل پر سرداری کا شرف بھی رکھتا تھا اور مکہ میں آباد تھا۔ یہ قبیلہ علم و ہنر، فنون لطیفہ گھڑ سواری، فن، شمشیر زنی، مال و دولت ہر اعتبار سے دوسرے قبائل پر فوقیت رکھتا تھا۔ اس وقت حضرت عبدالمطلب کا خاندان ذاتی کمالات، شجاعت و دلیری میں مشہور تھا۔

ابرہہ جب خانہ کعبہ پر حملے کی غرض سے مکہ کی طرف آیا اور بیرونِ مکہ قیام کیا تو اسی دوران اس کے آدمیوں نے نبی کریم ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب کے دو سو اونٹوں کو پکڑ لیا۔ جب آپ کو معلوم ہوا تو آپ ابرہہ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تمہارے آدمیوں نے میرے اونٹوں کو پکڑ رکھا ہے، بہتر ہوگا کہ تم لوگ میرے اونٹوں کو چھوڑ دو۔ ابرہہ نے تعجب سے کہا کہ میں یہاں کعبہ پر حملہ کر کے اسے مٹانے کے لئے آیا ہوں، آپ کو کعبہ کی بربادی کی کوئی فکر نہیں، آپ تو صرف اونٹوں کو چھڑانے کی بات کرتے ہیں۔ جناب عبدالمطلب نے فرمایا کہ میں تو صرف اونٹوں کا مالک ہوں، کعبہ کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی حفاظت بھی وہی کرے گا۔ ابرہہ حضرت عبدالمطلب کے جواب پر ہنسا اور اس نے ہاتھیوں کے ساتھ کعبہ پر چڑھائی کر دی۔

اللہ کے حکم سے ابابیل نامی چڑیوں نے اپنی چونچوں سے کنکریاں برسانی شروع کر دیں۔ جس کا ذکر قرآن شریف کے سورۂ فیل میں موجود ہے۔ ابابیل کے ذریعہ برسائی جانی والی کنکریوں کے زد میں آکر ہاتھی اس طرح ڈھیر ہو جاتے تھے جیسے ان پر بم باری کی جا رہی ہو۔ آخر ابرہہ مارا گیا اور کعبہ محفوظ رہا۔ یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت سے چند روز پہلے کا ہے۔

اس سے حضرت عبدالمطلب کا ایمان اور یقین واضح ہو جاتا ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کثرتِ اولاد کا شرف بھی عطا فرمایا تھا۔ آپ کی اولاد میں سے حضرت عبداللہ اور بہو حضرت آمنہؓ کے یہاں ۱۲/ربیع الاول بروزِ پیر مطابق 23/جون 570ء کو سرورِ کائنات محمد ﷺ کے پیدا ہونے کا شرف حاصل ہوا جس کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی پیشن گوئی میں فرمایا تھا کہ ''اس پیغمبر کا وصف یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالے گا۔'' قرآن پاک آپ ﷺ کی زبان پر تھا اور آگے قرآن پاک اس کی تصدیق اس طرح کرتا ہے۔ ترجمہ ''اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے بلکہ وہی کہتے ہیں جو انہیں خدا

کی طرف سے کہا جاتا ہے"۔

(سورۃ النجم آیت 3-4)

آپ ﷺ کی ولادت کا اشارہ حضرت ابراہیم کی دعا میں بھی ملتا ہے جو قرآنی آیات کی شکل میں اس طرح محفوظ ہے۔ ترجمہ: "اے رب! ہمارے ان کے درمیان ان ہی میں سے ایک رسول بھیج جو ان کو تیری آیات پڑھ کر سنائے اور کتابِ حکمت سکھائے اور ان کو پاک کرے بیشک تو غالب حکمت والا ہے۔"

(سورۃ البقرہ آیت۔ 129)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابرہیمؑ کی دعا قبول فرمائی اور حکم ہوا۔ "جیسا کہ ہم نے تمہارے درمیان تم ہی میں سے رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے اور تم کو پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے۔"

(سورۃ البقرہ آیت۔ 151)

32. حضرت محمد ﷺ کی آمد اور اسلام 570ء تا 632ء

حضرت عبداللہ کی شادی اور وصال: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کی شادی 24 سال کی عمر میں قریش کے ایک معزز گھرانے میں حضرت آمنہؓ بنت وہب سے کردی تھی۔ شادی کے چند روز بعد حضرت عبدالمطلب نے عبداللہ کو ایک تجارتی قافلے کے ساتھ ملک شام کی طرف بھیجا۔ واپسی میں عبداللہ بیمار پڑ گئے اور اپنے رشتے داروں کے یہاں ٹھہر گئے اور اپنی بیماری حال اپنے باپ کے پاس کہلا بھیجا۔ باپ نے اپنے دوسرے بیٹے حارث کو عبداللہ کی خبر گری کرنے اور مکہ میں واپس لانے کے لئے بھیجا مگر ان کے پہنچنے سے پہلے ہی عبداللہ کا انتقال ہوگیا اور وہ دفن کردیے گیے

محمد ﷺ کی ولادت: حضرت آمنہؓ حاملہ تھی۔ عبداللہ کے باوَن یا پچپن روز کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم بروز پیر بوقت صبح حضرت ابو طالب چچا کے مکان پر تشریف لائے ابتدا میں سات روز تک حضرت ثوبیہؓ نے آپ کو دودھ پلایا، پھر عرب کے دستور کے مطابق بطور دایہ کے آپ کو حضرت حلیمہؓ سعادیہ نے دودھ پلایا۔

حلیمہؓ سعدیہ سال میں دو مرتبہ آپ کو مدینہ سے مکہ لے آتیں اور دادا حضرت عبدالمطلب اور والدہ حضرت

آمنہؓ سے ملا کر چلی جاتیں۔ چار سال تک حلیمہؓ سعدیہ کے گھر پر آپ نے پرورش پائی اس کے بعد والدہ صاحبہ نے انہیں دو سال مکہ میں رکھا۔

آپ کی چھ سال کی عمر میں حضرت آمنہ کا انتقال ہوگیا۔ دادا عبدالمطلب نے آپ کی پرورش کی اور آٹھ سال کے بعد حضرت عبدالمطلب کا انتقال ہوگیا۔ دادا نے اپنے بیٹے حضرت ابوطالب کو آپ کی پرورش کرنے کی ذمہ داری دے دی تھی کیونکہ عبدالمطلب کے یہ دونوں بیٹے عبداللہ اور ابوطالب ایک ہی ماں سے پیدا ہوئے تھے۔ تیرہ سال کی عمر میں آپ نے چچا ابوطالب کے ساتھ شام کا سفر کرنا شروع کیا تھا۔

صادق وامین کا لقب: حضرت محمد ﷺ کی عمر جب چالیس برس کو پہنچی تو پورا قبیلۂ قریش آپ کی سچائی اور دیانت داری کی وجہ سے آپ کو صادق وامین کے لقب سے پکارنے لگی۔ مگر کچھ عیسائی مورخین نے فرقہ وارانہ ذہن سے (انسائی کلوپیڈیا آف برٹانیکا) میں لکھا ہے کہ قریش آپ کو آپ کی والدہ کے نام آمنہ کی وجہ سے امین کہا کرتے تھے۔

ہندوستان دیوی دیوتاؤں کا ملک رہا ہے۔ یہاں پیپل کے پیڑ سے لے کر دھرتی، چاند، سورج اور ہر طاقت کی پوجا کی جاتی رہی ہے۔ یہی حال عرب کا تھا، یہاں بھی 360 دیوی دیوتاؤں کی پرستش کی جاتی تھی۔

حضرتِ ابراہیم خلیل اللہؑ کے ذریعہ تعمیر کردہ خانۂ خدا (کعبۃ اللہ) میں جب کوئی خدا کا نام لیوا نہیں بچا، ہزاروں انبیاء علیہم السلام کی آمد کے باوجود وحدانیت دم توڑ چکی تھی تو اللہ رب العزت نے عیسیٰؑ کے 570 برس بعد حضرت محمد ﷺ کو مکہ میں پیدا فرمایا۔ چالیس سال بعد سلطان الملائکہ حضرت جبرئیلؑ کو غارِ حرا میں بھیج کر آپ ﷺ کے سینۂ مبارک میں پوشیدہ نورِ رسالت سے پردہ ہٹایا اور آپ ﷺ پر آیت اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ ... نازل فرما کر باقاعدہ اعلانِ نبوت کا ضامن قرار دیا۔ ”وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے چاہے مشرکین ناپسند کریں“۔

(سورۂ صف آیت 9)

اس طرح چالیس سال بعد یعنی 610ء سے قرآن پاک نازل ہونا شروع ہوا۔ آپ ﷺ نے قریش کے لوگوں کو جمع کر کے توحید کی دعوت دی اور فرمایا اللہ ایک ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں مگر کفارِ مکہ ان پر ایمان نہیں لائے۔ سب سے پہلے آپ کی بیوی حضرت خدیجہؓ نے اسلام قبول کیا۔ ابوجہل

، ابولہب، ابی بن خلف اس زمانے کے معتبر شخص تھے۔ بتوں کی توہین اور صرف ایک اللہ کی عبادت سے ویسے ہی چراغ پا تھے۔ بھلا بتوں کی اور ان کے سردار ہُبل کی توہین اور ان کے چڑھاوے کی بے حرمتی کیسے برداشت کرتے۔ لہٰذا اسلام کے پھیلنے سے فکر مند ہو گئے۔

یہی حالت رہی تو ایک دن ایسا بھی آئے گا ☆ ہُبل کے واسطے کوئی چڑھاوا بھی نہ لائے گا

لہٰذا ابو جہل نے کفارِ مکہ کے ساتھ مل کر آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی۔ حضرت علیؓ جو بعد میں آپ کے داماد ہوئے اور بہت بہادر تھے آپ ﷺ کے بستر پر لٹا دئے گئے اور بہ اذنِ الٰہی آپ ﷺ حضرت ابو بکرؓ کو ساتھ لے کر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے جسے اسلامی تاریخ میں سنِ ہجری کہتے ہیں۔ ہجرت کرنے کا حکم 13 سال بعد یعنی 623ء میں ہوا تھا۔ یہیں سے آپ ﷺ کے جہاد کا دور شروع ہوتا ہے جو مکمل طور پر دفاعی تھا۔

33. جنگِ بدر 2 ہجری 623ء

2؍ ہجری کو کفارِ مکہ نے آپ ﷺ سے بدر کے مقام پر جنگ چھیڑ دی۔ یہ جگہ مدینہ سے لگ بھگ 80 میل کے فاصلے پر ہے۔ اس جنگ میں صرف 313 مسلمان تھے۔

آپ ﷺ نے بدر کے میدان میں اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر دعا مانگی تھی کہ ”خدایا تو نے مجھ سے جو وعدہ (فتح کا) کیا ہے آج پورا کر۔ اگر مسلمانوں کے یہ چند نفوس آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائے گا۔“ مولانا شبلی نعمانی اس کے متعلق سیرت النبی ﷺ کے حصہ دوم میں فرماتے ہیں کہ ”آج پہلا دن تھا کہ اسلام اپنے جاہ وجلال کے ساتھ نمودار ہوا۔ اور جاہلیت کے تمام بیہودے مراسم کو مٹا دئے گئے“۔

ابو جہل اور ابولہب کا انجام:۔ ابو جہل اسلام کی اسی پہلی جنگ بدر میں ہی مارا گیا۔ اعلان نبوت سے پہلے حضور صلی اللہ کی دو صاحبزادیاں سیدہ رقیہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ کا نکاح ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے ساتھ ہوا تھا مگر نابالغ ہونے کی وجہ سے رخصتی نہیں ہوئی تھی جب سورۃ لہب نازل ہوئی تو ابو لہب نے انھیں رخصتی سے پہلے ہی طلاق دلوا دی۔

سورہ لہب میں ارشاد خداوندی ہوا کہ ”ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں“ چنانچہ اسی خوف کے سبب وہ جنگ بدر میں شامل نہیں ہوا۔ جنگ بدر میں عبرتناک شکست کے بعد اس ملعون کے جسم پر ایک زہریلا پھوڑا نمودار ہوا جسم کے ہر حصے سے بدبو اور پیپ بہنے لگی اور جسم گل گل کر گرنے لگا یہ دیکھ کر اس

کے بیٹوں نے اسے گھر سے نکال دیا اور وہ تڑپتے تڑپتے موت کے منہ میں چلا گیا۔

ہندہ کے باپ عتبہ بن ربیعہ نے جو قریش فوج کا سپہ سالار تھا اپنے بھائی شیبہ بن ربیعہ اور لڑکے ولید بن عتبہ کو میدان جنگ میں اُتار کر للکارا کہ ہمارے سامنے تین جوان بھیج دیجئے تو آپ ﷺ نے حضرت امیر حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہ بن الحارثؓ کو میدان میں بھیج دیا نتیجتاً قریش فوج کے تینوں جوان مارے گئے اور صرف عبیدہ بن الحارثؓ شہید ہوئے۔ اس طرح ہندہ کا باپ بھی آپ ﷺ کے پیارے چچا حضرت امیر حمزہؓ کے ہاتھوں مارا گیا، جس پر ہندہ نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبانے کی قسم کھائی۔ اس طرح کفارِ مکہ کے 70/لوگ مارے گئے جب کہ صرف 14 مسلمان شہید ہوئے جس میں 8 انصار اور 6/مہاجرین تھے۔ اس جنگ کو قرآن میں یوم الفرقان کے نام سے پکارا گیا ہے یعنی سچ اور جھوٹ کی جنگ ''حق آیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل مٹنے والا تھا۔''

آپ ﷺ جنگ جیتنے کے بعد مدینہ تشریف لائے تو آپ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ بن محمد ﷺ کو لوگ دفن کر کے واپس آ رہے تھے۔ یہ حضرت عثمانؓ یعنی تیسرے خلیفہ کی بیوی تھیں۔ ان کی بیماری کی وجہ سے آپ کو جنگ میں نہیں لے جایا گیا تھا۔

اسی سال یعنی 2/ہجری میں ہی حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کا نکاح ہوا تھا۔ اس جنگ میں اسلام کی فتح سے کفارِ مکہ انتقام کی آگ میں جل رہے تھے اور اپنی اس ہار کا بدلہ لینے کے لئے انہوں نے ایک اور جنگ چھیڑ دی۔

34. جنگِ اُحد 3ہجری 624ء

یہ جنگ مسلمانوں پر بہت بھاری پڑی کیونکہ اس جنگ میں صرف سات سو صحابۂ کرام تھے جن میں صرف ایک سو زرہ پوش تھے۔ آپ ﷺ نے پچاس صحابہ کو اُحد کی پہاڑی پر قائم فرما دیا تھا اور کہا تھا کہ جب تک میں کوئی حکم نہ دوں تب تک وہیں قائم رہنا۔ مسلمانوں کا حملہ اتنا تیز تھا کہ قریش پیچھے ہٹتے دکھائی دے رہے تھے۔ صحابۂ کرام نے یہ سمجھ لیا کہ جنگ جیت چکے ہیں، اس لئے جگہ چھوڑ دی۔ اچانک دشمن نے پیچھے سے حملہ کر دیا اور جیتی ہوئی بازی پلٹ گئی۔ اسی جنگ میں نبی کریم ﷺ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے۔ اور رخِ انور پر زخم آئے تھے۔ آپ ﷺ نے اس جنگ میں فرمایا۔ ''وہ قوم کیوں کر نجات پا سکتی

ہے جس نے اپنے نبیؐ کے سر کو مجروح کیا اور دانت شہید کئے جو (نبی) انہیں اللہ کی طرف بلاتا ہے۔"

ان حالات سے متاثر ہو کر خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے رسولِ پاک ﷺ سے عرض کیا "اے اللہ کے پیارے رسول ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے بددعا کی اور کہا کہ "اے رب! زمین پر کسی کافر کو سلامت نہ رہنے دے" اگر آپ بھی ہمارے لئے بددعا کرتے تو ہم سب ہلاک ہو جاتے، لیکن آپ کی پشت پر قدم رکھے گئے، رُخِ انور زخمی کیا گیا، دندانِ مبارک شہید کئے گئے پھر بھی آپ نے دعائے خیر ہی فرمائی اور یہی عرض کیا کہ اے میرے رب! میری قوم لاعلمی سے یہ کر رہی ہے تو اس کو معاف فرما دے۔

اسی جنگ میں آپ کے لاڈلے اور بہادر چچا حضرت امیر حمزہؓ اور ان کے ساتھ 70 صحابی شہید کر دیئے گئے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کا کافی نقصان ہوا اور ہندہ نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبا کر اپنی قسم پوری کی۔ اس پر سورۃ آل عمران کی ساٹھ آئتیں نازل ہوئی ہیں۔

35. تحریم خمر 4ر ہجری 626ء

دوسرا یہودی قبیلہ بنو نضیر کا تھا۔ اس قبیلے کو قریش نے جنگ کے لئے اکسانا شروع کر دیا تھا اور آپ ﷺ کو پھر قتل کرنے کی سازش کی گئی مگر اس سازش کا پتہ لگ گیا اور وہ مسلمانوں کا لشکر دیکھ کر مدینے سے مکہ بھاگ گئے۔ اسی سال 4ر ہجری میں جوا اور شراب نوشی کو حرام قرار دیا گیا۔ جسے تحریم خمر کہتے ہیں۔

"اے ایمان والو! یہ شراب اور جوا اور بت، پانسے سب گندے کام ہیں۔ شیطان کے"۔

(سورہ مائدہ 90)

36. جنگ بنو مصطلق 5ر ہجری مطابق 627ء

جب بنو مصطلق کا سردار حارث بن ضرار جنگ لڑنے کے لئے میدان میں اترا تو فاروقِ اعظمؓ نے پہلے اسے اسلام کی دعوت دی۔ جب اس نے ایمان لانے سے انکار کر دیا تو جنگ شروع کر دی گئی۔ حضرت ابو قتادہؓ کے ہاتھ سے ایک یہودی مارا گیا تو کفار مکہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس جنگ میں

سردار حارث کی لڑکی جویریہؓ بھی مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہوگئی۔ کچھ دنوں بعد سردار حارث خود مدینہ میں آیا اور اپنی بیٹی کو آزاد کرنے کی اپیل کی۔ مگر اُس کی بیٹی نے باپ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں رہنا قبول کیا۔ لہٰذا سردار حارث بن ضرار کی اجازت سے جویریہؓ آپ ﷺ کی نکاح میں دے دی گئی۔ اس نکاح سے بہت سے یہودی مسلمان ہوگئے اور قیدیوں کو رہا کر دیا گیا اور ان کے مالِ غنیمت بھی لوٹا دیئے گئے۔

حضرت عائشہؓ پر بہتان: اس جنگ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی ساتھ تھیں۔ مدینہ کی جانب واپسی کے دوران ایک مقام پر قافلہ ٹھہرا۔ حضرت عائشہؓ جب جنگل میں رفعِ حاجت کے لئے گئیں تو اچانک ان کا ہار جھاڑی میں پھنس کر ٹوٹ گیا اور موتی بکھر گئے۔ یہ ہار ان کی بہن کا تھا، لہٰذا پرائی امانت کے ڈر سے آپ کو تمام موتی اکٹھا کرنے میں کچھ زیادہ وقت لگ گیا اور قافلہ اس جگہ سے روانہ ہوگیا۔ ان کے اونٹ والے نے سمجھا کہ حضرت عائشہؓ کجاوہ میں سوار ہیں، لہٰذا وہ بھی قافلہ کے ساتھ چل دیا۔ جب حضرت عائشہؓ اس جگہ واپس آئیں تو بہت پریشان ہوئیں۔ آپ وہیں پر لیٹ گئیں۔ صفوان بن معطلؓ جو قافلے کے پیچھے سے معائنہ کرتے ہوئے آرہے تھے، انہوں نے جب اُم المومنین کو دیکھا تو فوراً اپنے اونٹ سے اتر گئے اور انہیں اونٹ پر بٹھا کر لے آئے۔ اس پر منافقوں نے حضرت عائشہؓ پر طرح طرح کے بہتان لگانے شروع کر دیئے آپ ﷺ بھی منافقوں کے الزام سے پریشان ہوگئے اور حضرت عائشہؓ بھی تقریباً ایک ماہ تک دن رات روتی رہیں۔ قافلہ میں ایک منافق عبداللہ بن ابی بھی تھا جس نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی تھی۔ آخر اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کے بے گناہ ہونے کی تصدیق کی اور سورتِ نور نازل فرمائی جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی پاکیزگی کی شہادت دی۔ (تاریخ اسلام 177-176)

37. پردے کا حکم 5ر ہجری مطابق 627ء

قرآن کریم میں حجاب اور انسدادِ تبنّی (گود کا بیٹا) کے متعلق 5ھ میں آیتیں نازل ہوئیں۔

1- پردے کے متعلق کئی جگہ قرآن میں حکم ہوا جیسے سورۃ الاعراف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اے اولادِ آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا تا کہ تمہاری ستر پوشی ہو۔ اور زینت بھی ہو لیکن تقویٰ کا لباس بہتر ہے''۔

2- "اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مومنین کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر چادریں لٹکائیں"۔ (القرآن سورۃ الاحزاب آیت 33.53.59)

3- آگے پھر مکمل حکم صادر ہوا۔ "اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالیں اور اپنی زینت کسی کے سامنے ظاہر نہ ہونے دیں۔ صرف اپنے خاوند کے سامنے"۔ (القرآن سورۃ النور 31-30)

38. انسداد تبنّیٰ (گود کا بیٹا) 5ر ہجری مطابق 627ء

زید بن حارثہ نبی کریم کو بہت پیارے تھے لہذا لوگ زید بن حارثہ کو زید بن محمد کہنے لگے۔ حکم الٰہی نے گود کے بیٹے کو بے اصل قرار دیا۔ (سورہ احزاب 4) جب زید بن حارثہ نے اپنی بیوی زینب بن جحشؓ کو کسی وجہ سے طلاق دے دی تھی جو بعد میں آپ نبی کریمؐ کے عقد میں آئیں۔

39. جنگ خندق 5ہجری 627ء

کفارِ مکہ نے پھر ایک بڑے حملے کی تیاری شروع کر دی۔ اس حملے سے بچنے کے لئے حضرت سلمان فارسیؓ کی تجویز پر مدینے کے قریب ایک خندق کھودی گئی۔ جو 5ر گز چوڑی اور 5ر گز گہری تھی۔ ایک صحابی نے آپ ﷺ سے بھوک کی شکایت کی اور اپنا کرتا اُٹھا کر دکھایا تو پیٹ پر ایک پتھر بندھا نظر آیا۔ آپ ﷺ نے جب اپنا کرتا اُٹھا کر دکھایا تو وہاں دو پتھر بندھے تھے۔

لشکرِ کفار میں سے ایک بار دو تین کافر گھوڑا کدا کر خندق کے اندر آ گئے، ان میں سے ایک عمرو بن عبد ودّ عامری جو ایک ہزار کے برابر سمجھا جاتا تھا، اسے حضرت علیؓ نے قتل کر دیا، باقی بھاگ گئے۔ لگ بھگ 27ر دنوں بعد رات کو تیز ہوا اور طوفان برپا ہو گیا، خیمے اُکھڑ گئے، چولہوں پر سے دیگچیاں گر گئیں اور حکم خداوندی ہوا "ہم نے ان پر ہوا بھیجی اور ایک ایسا لشکر بھیجا جس کو (وہ) نہیں دیکھ سکتے" لہٰذا راتوں رات لشکرِ کفار میں بھگدڑ مچ گئی وہاں سے فرار ہونے میں انہوں نے اپنی عافیت سمجھی اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ خندق کی حفاظت کے لئے الگ الگ سات خیمے لگائے گئے تھے۔ وہاں آج چھوٹی چھوٹی سات مسجدیں تعمیر کی ہوئی ہیں۔ جہاں حجاج کرام مدینہ کی زیارت کرتے وقت دو دو رکعت نماز ادا کرتے ہیں۔ (تاریخ اسلام 182-181)

40. صلح حدیبیہ 6ہجری 628ء

اس سال صلحِ حدیبیہ ہوئی جسے قرآن نے فتح مبین کہا ہے۔ "اور اگر وہ جھکیں صلح کی طرف تو تُو بھی جھک اسی طرف اور بھروسہ کر اللہ پر"۔ (انفال 61) 6 ہجری 628ء میں آپ ﷺ عمرہ کرنے کی نیت سے بیت اللہ جارہے تھے اور قربانی کے لئے 70 اونٹ ساتھ لئے تھے۔ آپ ﷺ کے ساتھ ایک ہزار چار سو صحابۂ کرام تھے۔ جب مقام حدیبیہ پر آپ ﷺ پہونچے تو قریش نے آپ ﷺ کے آنے کا سبب پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم لوگ طواف کعبہ کرنے اور قربانی کرنے کی نیت سے یہاں آئے ہیں۔ قریش نے کہا کہ ہم مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ آخر سہیل بن عمرو سمجھوتے کے لئے آیا۔ حضرت علیؓ نے صلح نامہ لکھا اور نبی کریم ﷺ نے ان کی تمام شرطیں مان لیں۔ اس صلح نامہ کی چوتھی شرط یعنی اگر قریش میں سے کوئی شخص مسلمانوں میں آجائے گا تو انہیں اسے واپس کرنا پڑے گا اور اگر کوئی مسلمان قریش کے پاس چلا جائے گا تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔ اس شرط پر حضرت عمرؓ کو جلال آگیا مگر چونکہ آپ ﷺ نے شرطیں قبول کرلی تھیں اس لئے حضرت عمرؓ خاموش ہوگئے۔ اچانک سہیل کے بیٹے حضرت ابوجندلؓ جو مسلمان ہوگئے تھے کسی طرح قید سے نکل کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ مگر صلح کے مطابق ان کے والد سہیل انہیں واپس لے گئے۔ صلح نامہ کے بعد آپ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر قربانیاں کیں اور وہیں احرام کھولے اور حجامتیں بنوائیں۔ کیونکہ اس سال عمرہ نہ کرنے کی بھی شرط تھی۔

41. جنگ خیبر 7ہجری 630ء

یہ واقعہ جنوری 630ء میں پیش آیا۔ خیبر کے علاقے میں یہودیوں کے پاس 6 قلعے تھے۔ مسلمانوں نے پہلا قلعہ ناعم سخت مقابلے کے بعد فتح کیا۔ حضرت محمود بن مسلمہؓ پر چکی گرادی گئی تھی اس وجہ سے آپ شہید کردیئے گئے۔

اس کے بعد سارے قلعے فتح کئے گئے اور مسلمانوں نے مدینہ کے آس پاس کے علاقوں کو بھی پنے ساتھ ملالیا تھا۔ خیبر کی زمین جو یہودیوں کے قبضہ میں تھیں خوب زرخیز اور قیمتی تھیں۔ فتح خیبر کے موال غنیمت اور زرعی زمینیں جو مسلمانوں میں تقسیم ہوئیں تو مہاجرین کی پریشان حالی اور افلاس سب

دور ہو گیا خیبر کی زمینوں میں سے آنحضرت ﷺ کے حصے میں فدک (ایک بہت بڑا باغ تھا) کی جائیداد آئی تھی۔ جس سے آپ ﷺ مہمانوں کی ضیافت، اپنے رشتہ داروں اور یتیموں اور مفلس مسلمانوں کی پرورش کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے 15/سو صحابہ کے ساتھ جن میں دو سو سوار تھے تمام قلعے فتح کر لئے، جن میں 15/مسلمان شہید ہوئے اور 92/یہودی مارے گئے۔

ایک یہودی عورت زینب بنت الحریث نے ایک بھُنی ہوئی بکری پیش کی۔ آپ ﷺ کے ساتھ بشرؓ بن البراء تھے۔ آپ ﷺ نے اسے چکھتے ہی تھوک دیا اور فرمایا بکری کی ہڈیاں خبر دیتی ہیں کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے۔ بشرؓ بن البراء نے کچھ گوشت کھا لیا تھا اس لئے وہ انتقال کر گئے۔ زینب بنت الحریث کو وارثانِ بشرؓ کے حوالے کر دیا گیا مگر انہوں نے اُسے قتل نہیں کیا کیونکہ وہ مسلمان ہو گئی تھی۔ (تاریخ اسلام صفحہ-194)

42. جنگِ موتہ 8 ہجری 630ء

آپ ﷺ نے دعوتِ اسلام کے لئے دو خطوط سلاطین کے نام لکھے جن میں ایک خط حارث بن عمیرؓ کے ہاتھوں شاہِ بصریٰ کے نام روانہ کیا گیا تھا۔ حارث موتہ کے مقام پر پہنچے تھے کہ قیصرِ روم کا صوبہ دار حاکم شرجیل بن عمر نے حارثؓ کو گرفتار کر لیا جب اسے پتہ چلا کہ حارث اسلامی قاصد ہیں تو انہیں شہید کر دیا۔ اسلامی لشکر موتہ کی طرف آگے بڑھا۔ شرجیل بن عمر نے مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے ایک لاکھ فوج لے کر جنگ چھیڑ دی۔ یہ عیسائیوں سے پہلی جنگ تھی جو مسلمانوں نے ملک شام کی حد میں لڑی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے تین امیرِ لشکر یکے بعد دیگرے شہید کر دئے گئے۔ آخر لوگوں نے خالد بن ولیدؓ کو فوج کا کمانڈر بنایا جس نے رومیوں کے چھکے چھڑا دیے۔ خالد بن ولیدؓ کے جوش جہاد کو دیکھ کر مسلمان بجلی کی طرح دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ خالد بن ولیدؓ کا تین ہزار کا لشکر رومیوں کے ایک لاکھ کے لشکر پر بھاری پڑا۔ اور شام ہوتے ہی رومیوں کا لشکر بھاگ کھڑا ہوا اُسی روز سے خالد بن ولیدؓ سیف اللہ کے نام سے پکارے جانے لگے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے بارہ صحابی شہید ہوئے اور کفاروں کے قتل کی تعداد اتنی کثیر تھی کہ گنتی نہیں کی جا سکی۔ (تاریخ اسلام صفحہ 203)

43. فتح مکہ معظّمہ

8 ہجری 630ء

آپ ﷺ دس ہزار جانبازوں کو لے کر مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اہلِ قریش کی ندامت کی وجہ سے آپ ﷺ نے سزا دینے کے بجائے عام معافی کا اعلان کر دیا اور مکہ فتح کیا گیا۔ صرف 9 مجرموں کو قتل کرنے کا حکم دیا جن میں سے چار قتل کئے گئے اور پانچ کی جان بخش کر دی گئی۔ کعبہ میں تین سو ساٹھ (360) بت رکھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ ایک لکڑی کے ٹکڑے سے بتوں کو ہٹاتے جاتے اور فرماتے ”بے شک اللہ ایک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔“ آپ نے حضرت عثمان بن طلحہؓ سے کعبہ کی چابی لی اور خانۂ کعبہ کا دروازہ کھولا جس میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے مجسمے رکھے ہوئے تھے جن کے ہاتھوں میں جوا کھیلنے کے تیر کے نشان تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں بھی مسمار کرنے کا حکم دیا اور فرمایا ”حق آیا اور باطل گیا، بیشک باطل جانے والا تھا“ اس طرح بت پرستی ختم ہوئی۔ خانۂ کعبہ کو آبِ زم زم سے غسل دیا گیا اور حضرت بلالؓ نے چھت پر کھڑے ہو کر اذان دی اور نماز ادا کی گئی۔ گویا پورے مکہ میں وحدانیت کی آواز گونج رہی تھی۔ تمام قریش سر جھکائے کھڑے تھے۔ آپ ﷺ کے پیارے چچا حضرت حمزہؓ کا جنگِ احد میں کلیجہ چبانے والی ہندہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے بھی معاف کر دیا اور فرمایا ”تم کبھی میرے سامنے مت آنا“۔

فتح مکہ کے بعد ہر بدکردار کو کیفرِ کردار تک پہونچا دیا جاتا جس نے ہجرت کے بعد مسلمانوں کے مال و جائیداد پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا لیکن کیا دنیا کی تاریخ ایک بھی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے کہ ایک مظلوم نے فاتح ہو کر بھی مغلوب ظالموں کو نہ صرف معاف کر دیا ہو بلکہ ان مشرکین مکہ سے مسلمانوں کی جائیدادیں بھی واپس نہ لی ہو۔ جس پر وہ قابض تھے۔ آپ ﷺ نے سزا دینے کے بجائے عام معافی کا اعلان کر دیا اور کبھی ان کے لئے بددعا نہیں فرمائی۔

جب کبھی کسی قوم پر بددعا کے سبب عذابِ الٰہی نازل ہوا تو انبیائے کرام معجزانہ طور پر بچا لئے جاتے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت ہود علیہ السلام کا بچنا اسی طرح سے ممکن ہوا۔ جب نوح علیہ السلام نے قوم کے لئے بددعا کی کہ ”میرے اور ان کے درمیان کھلا فیصلہ کر

دے اور مجھے اور جو مومن میرے ساتھ ہیں ان کو بچا لے"۔ (سورہ الشعراء، آیت 118)

حضرت صالح علیہ السلام سے قومِ ثمود نے نشانی مانگی، تو اللہ کی طرف سے اونٹنی نشانی کے طور پر دی گئی۔ لیکن اونٹنی کو نقصان پہنچا کر قوم ثمود عذابِ الٰہی کی نذر ہو گئی۔ مگر حضرت صالحؑ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے حق میں بددعا کی "اے میرے پروردگار! ان کے مال کو ملیامیٹ کر دے اور ان کے دل سخت کر دے، کہ جب تک (وہ) دردناک عذاب نہ دیکھ لیں ایمان نہ لائیں۔ (سورہ اعراف 74-73، سورہ ہود 67 اور سورہ نجم 51، سورہ ہود 66 اور سورہ حم سجدہ 18۔)

لہٰذا فرعون دریائے نیل میں غرق ہوا۔ اس کے برعکس رحمت اللعالمین ﷺ نے اہلِ قریش کے طرح طرح کے مظالم برداشت کئے مگر کبھی بددعا نہیں کی۔

حکم خداوندی تھا "آپ کے ذمہ تو صرف پیغام پہونچا دینا ہے اور بس" (سورہ شوریٰ آیت: 48)

نیز فرمایا "اس معاملے میں آپ کو کچھ دخل نہیں، اللہ اُن کی توبہ قبول کرے یا انہیں عذاب دے، یہ ظالم لوگ ہیں"۔ (سورہ ال عمران: آیت 128)

جب آپ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو تمام قریش نادِم ہو گئے۔ ندامت کی حالت دیکھ کر آپ نے سزا دینے کے بجائے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ اور فرمایا "میں بھی تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا یعنی آج تم پر کوئی ملامت نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو" (تاریخ اسلام صفحہ 210)

44. جنگِ حُنین 8 ہجری 631ء

فتح مکہ کے بعد عام عربوں کو نبی کریم ﷺ کی نبوت کا یقین ہو گیا اور لوگ جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے۔ فتح مکہ کی خبر سن کر بنو ہوازن جو ایک قبیلہ تھا اس نے تمام قبیلوں کو جنگ کے لئے آمادہ کر لیا۔ جب آپ ﷺ کو یہ خبر پہونچی تو آپ ﷺ نے ان دس ہزار مہاجرین اور انصار کو جمع کیا جو آپ ﷺ کے ساتھ مدینہ سے مکہ فتح کرنے کے لئے آئے تھے اور ان میں دو ہزار مکہ کے نو مسلمین کو شامل کیا اس طرح 12 ہزار کا لشکر لے کر آپ ﷺ مقام حنین پہونچے۔

عبرت: چونکہ بعض اصحابِ رسول کی زبان سے اس موقع پر یہ کلمہ نکل گیا کہ "آج ہم کو کون مغلوب کر سکتا ہے" اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں آئی جس کا تذکرہ قرآن میں اس طرح آیا ہے "حنین کا دن یاد کرو جب تمہاری کثرت نے تمہیں عجب میں مبتلا کر دیا لیکن وہ کچھ بھی تمہارے کام نہ آئی اور زمین کشادگی کے باوجود تمہارے لئے تنگ ہوگئی، پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے، پھر اللہ نے اپنے رسول اور مومنوں پر سکینت نازل کی اور ایسے لشکر اتارے جنہیں تم نہیں دیکھ سکتے تھے اور کافروں کو عذاب دیا۔" (التوبہ 26-25)

قبیلہ ہوازن تیر اندازی میں سارے عرب میں معروف تھا۔ میدانِ جنگ کے بہتر حصہ پر کافروں نے پہلے ہی سے قبضہ کر لیا تھا اور تیر اندازوں کو پہاڑ کی مختلف گھاٹیوں میں بٹھا دیا تھا۔ دو ہزار نو مسلم جو ابھی پوری طرح سے اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں تھے۔ انہوں نے جوش میں صبح کے پو پھٹتے ہی حملہ کر دیا۔ اسلامی لشکر پر جب چاروں طرف سے تیروں اور حملہ آوروں کی باڑھ چلی تو نو مسلم فوجیوں میں افراتفری مچ گئی اور اسلامی لشکر منتشر ہو گیا اور صرف رسول اکرم ﷺ ہی میدان میں رہ گئے (کلیم جھجھونوی)

آپ ﷺ کے نزدیک حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ وغیرہ آ کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ اپنے سفید خچر دُلدل پر سوار تھے اور حضرت عباسؓ اس کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ حضرت عباسؓ نے ہر قبیلے کے لوگوں کو نام لے لے کر پکارا اس لئے تقریباً سو صحابہ کرام آپ ﷺ کے پاس پہونچ گئے اور جنگ تیزی کے ساتھ جاری ہوگئی۔ باقی لوگ جہاں تھے وہیں سے لڑ رہے تھے۔ ہوازن کے بہت سے آدمی میدانِ جنگ میں مارے گئے اور باقی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو کافی مقدار میں مالِ غنیمت ملا۔ اور ابولہب کے دونوں بیٹے عتبہ اور عتیبہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

ایک واقعہ: آپ ﷺ نے جنگِ حنین میں ایک عورت کی لاش دیکھی اور جب یہ معلوم ہوا کہ یہ عورت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھوں قتل ہوئی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا "خالد بن ولید سے کہہ دو کہ رسول اللہ نے بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور اُجرت پر کام کرنے والے مزدوروں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔"

قربان جایئے رحمت العالمین ﷺ پر کہ ظلم کے خلاف جنگ بھی لڑی اور کمزوروں کا خیال بھی رکھا۔

(تاریخ اسلام۔ صفحہ۔ 212)

45. جنگِ تبوک 9ہجری 631ء

جنگِ موتہ کا انتقام لینے کے لئے بصرہ کے بادشاہ نے ایک عظیم فوج تیار کر کے روم سے امداد لی، ابو عامر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مدینہ کے منافقوں سے ملا ہوا تھا۔ اسی کے مشورے سے مسجدِ ضرار بنائی گئی تھی آپ ﷺ نے بھی مدینہ کے تمام صحابہ کو لشکر تیار کرنے کا حکم دیا اور جنگ کے لئے چندہ کرنے کا بھی حکم صادر فرمایا۔ اس وقت حضرت عثمان غنیؓ تجارت کا مال شام کی طرف لے جانے کی تیاری کر رہے تھے انہوں نے وہ تمام مال جنگِ تبوک کے لئے دے دیا جن میں نوسو اونٹ، سو گھوڑے مع سوار اور ایک ہزار دینار طلائی تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے گھر کا سارا اثاثہ لاکر چندہ میں دیدیا اور فرمایا کہ بال بچوں کو خدا کے بھروسے چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے گھر کا آدھا مال لاکر چندہ میں دیا، اس طرح سب ہی نے چندہ میں ہاتھ بٹایا۔ آپ ﷺ نے تمام فوج کے پاؤں میں جوتے بنواکر پہنانے کا حکم دیا اور تیس ہزار کا لشکر لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ عیسائی لشکر اور ان کا بادشاہ لشکرِ اسلام کی خبر سن کر ادھر اُدھر بھاگ گیا اور بعد میں جزیہ دیکر صلح کرلی۔

46. مسجدِ ضرار 9ہجری 631ء

9ہجری میں مدینہ میں مسجدِ قبا کے نزدیک منافقوں نے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے ایک مسجد بنوائی جسے تاریخ اسلام میں مسجدِ ضرار کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کو اس مسجد میں آنے کی دعوت دی گئی مگر آپ ﷺ نے فرمایا "میں پہلے جنگِ تبوک جاکر آتا ہوں" بعد میں آپ ﷺ پر قرآن کی آیت نازل ہوئی۔ "**وَالَّذِينَ اتَّخَذُو مَسْجِدً ا ضِرَاراً**" جس کی روشنی میں اس مسجد کو مسمار کرنے اور جلادینے کا حکم ہوا، لہٰذا ایسا ہی کیا گیا اور مسجدِ ضرار مسمار کر دی گئی اور جلادی گئی۔ (تاریخ اسلام صفحہ۔218)

47. حجۃ الوداع 10ہجری 632ء

اسی سال قرآن میں حج فرض کیا گیا۔ "اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس کے گھر کا، جو شخص استطاعت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی اور جو نہ مانے تو پھر اللہ پرواہ نہیں رکھتا جہاں کے لوگوں کی"۔

(آل عمران 97)

آپ ﷺ نے ایک لاکھ بیس ہزار صحابہ کرام کے ساتھ حج ادا کیا اور عرفات کے میدان میں

جبلِ رحمت (ایک پہاڑی کا نام) کے قریب آخری خطبہ دیا اور فرمایا کہ ''اے لوگو! عورتوں کا تم پر حق ہے جیسا کہ تمہارا عورتوں پر حق ہے۔ ان کے ساتھ بھلائی کرو، میں تم میں دو چیزیں چھوڑ جاتا ہوں، ایک اللہ کی کتاب اور دوسرا اس کے نبی کی سنت، جب تک تم کتاب و سنت پر عمل کرو گے گمراہ نہ ہو گے، مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔''

آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کی وفات بھی اسی سال ہوئی۔ اس دن سورج گرہن تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''سورج گرہن اللہ کی قدرت کاملہ کا ایک نمونہ ہے یہ نہ کسی کی موت پر گرہن ہوتا ہے اور نہ کسی کی پیدائش پر''۔

عرفہ کے روز جب آپ ﷺ مکہ ہی میں تھے تو یہ آیت عصر کے وقت نازل ہوئی '' اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيناً''
ترجمہ: آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کا دین پسند کیا۔ (سورہ مائدہ: آیت نمبر 3)

یہ آیت سن کر بہت سے اصحاب خوش ہوئے کہ دینِ اسلام کی آج تکمیل ہو گئی مگر بعض اصحاب نے اس آیت کو نبی پاک ﷺ کے پردہ فرمانے کی طرف اشارہ سمجھا۔ اور آپ 81/ دنوں بعد پردہ فرما گئے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**

ایک واقعہ: ایک دفعہ مخزوم قبیلے کی ایک عورت ''فاطمہ'' نے چوری کی، اس عورت کی سفارش کرنے اسامہ بن زیدؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اسامہ بن زیدؓ آپ ﷺ کو بہت عزیز تھے نبی کریم ﷺ نے اسامہ بن زیدؓ کو مخاطب کر کے فرمایا'' کیا تم حدودِ خداوندی میں تجاوز کرنے کی سفارش کرتے ہو؟ اگر محمد کی سگی بیٹی ''فاطمہ'' بھی چوری کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹ دئے جاتے۔''

48. شبِ اسراء معراج

''وہ ذات پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی تا کہ ہم اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں (سورہ بنی اسرائیل۔ 1)

بیت المقدس میں واقع مسجد اقصیٰ جسے یہ شرف حاصل ہے کہ یہاں نبی آخری الزماں ﷺ کی امامت میں انبیاء کرام نے نماز ادا کی تھی اور آپ ﷺ یہیں سے آسمان کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

جہاں آپ ﷺ کا استقبال کیا گیا۔

چٹکتی ہیں کلیاں، مہکتا ہے گلشن، گلوں پر بھی دلکش نکھار آرہا ہے
بہاریں بھی صدقے ہوئی جارہی ہیں یہ کون آج روحِ بہار آرہا ہے
بجھاتا ہوا آگ آتش کدوں کی مٹاتا ہوا وہ بتوں کی خدائی
پہن کر کلیم آج وہ تاجِ رحمت شہنشاہِ عالی وقار آرہا ہے

یہ ملاقات 620ء محب اور محبوب کی خاص ملاقات تھی لہٰذا اس روداد محبت کو راز میں رکھا گیا۔ سورۃ النجم میں فقط اتنا فرمایا کہ وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے جو راز و پیار کی باتیں کرنا چاہیں وہ کرلیں۔ اصل بات یہ ہے کہ مومنوں کے لئے نماز کا تحفہ آسمان پر ملا اور اسے پڑھنے کا حکم زمین پر ہوا۔ آپ نے فرمایا ''نماز مومن کی معراج ہے''۔

.49 وصال 12؍ ربیع الاول 11؍ ہجری 632ء

آپ ﷺ شام، روم، اردن اور فلسطین تک اسلام کی تبلیغ کرنے کے لئے اسامہ بن زید کو امیر بنا کر بھیجنے کی تیاری میں تھے کہ اچانک طبیعت ناساز ہوگئی۔ 14؍ دن کی علالت کے بعد 63 سال کی عمر میں 12؍ ربیع الاول 11؍ ہجری مطابق 632ء میں آپؐ نے اس دارِ فانی کو الوداع کہا یعنی ظاہری زندگی سے پردہ فرمایا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

آپ کی رحلت کی خبر سن کر حضرت عمرؓ عشق نبی ﷺ میں تلوار کھینچ کر کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ ''منافقوں کا خیال ہے کہ آپ ﷺ فوت ہوگئے۔'' حضرت ابوبکرؓ سیدھے حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کے سرِ مبارک کو غور سے دیکھا اور کفن دفن کی تیاری مکمل کی۔ حضرت علیؓ نے غسل دیا۔ آپ ﷺ کے زمانے میں اسلام پورے عرب اور بحرین تک پہنچ چکا تھا اور حضرت ابوبکرؓ پہلے خلیفہ اسلام مقرر ہوئے۔

آپ نے ایک آسمانی تحفہ (قرآن مجید) زمین پر دیا جس کی چند باتیں پیش خدمت ہے۔

1- قرآن مجید:۔ نبی کریم ﷺ نے تمام عالم کے لیے جو آسمانی تحفہ قیامت تک کے لیے دیا وہ قرآن مجید ہے جب بھی، قرآن مجید کی کوئی سورۃ یا چند آیات نازل ہوتیں۔ نبی کریم ﷺ فوراً کاتب وحی کو طلب فرما کر ضبط تحریر کرنے کا حکم فرماتے، لکھاتے، بعد اسے سن کر صحیح فرمالیتے، اس ابتدائی دور میں کتابت قرآن کے لیے درخت کے پتوں، کھجور کی شاخوں اور بانس کے ٹکڑوں، اونٹ اور بکریوں کی

چوڑی ہڈیوں کو اور چمڑوں کو استعمال کیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ کے پردہ فرمانے کے وقت 22 صحابہؓ کرام حافظ قرآن ہو چکے تھے۔ اور کاتبین وحی کی تعداد بھی لگ بھگ اتنی ہی تھی یعنی مکمل قرآن تحریری شکل میں موجود تھا لیکن منتشر تھا، حضرت ابوبکرؓ نے اسے یکجا کیا پھر حضرت عثمان غنیؓ نے ایک رسم الخط پر قرآن کے کئی نسخے لکھوائے، تاکہ قرآن محفوظ رہے۔

کل بسم اللہ (سورۂ توبہ میں نہیں) 113

کل پارہ	30	کل سورہ	114
کل رکوع	540	کل سجدے	14
اللہ کا ذکر	2584	کل نبیوں کا ذکر	26
کل کلمات	86,430	کل لفظ	3,33,760

لہٰذا قیامت تک قرآن کریم میں زبر زیر تک کا بھی فرق نہیں پڑے گا۔ مولانا تابش فرماتے ہیں:

ایسی بھی ایک کتاب جہاں میں لکھی گئی
کاغذ زمین پر تھا قلم آسمان پر

اگر کوئی شخص خوش آواز ہو قرآن اچھا پڑھتا ہو تو اس سے قرآن مجید پڑھنے کی درخواست کرنا مسنون ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابن مسعودؓ سے قرآن سننے کی درخواست فرمائی تھی، ابوموسیٰ اشعریؓ بہت خوش آواز تھے آپ ﷺ نے ان کے قرآن مجید پڑھنے کی بہت تعریف فرمائی تھی حضرت فاروق اعظمؓ جب کبھی ابوموسیٰؓ کو دیکھتے تو فرماتے۔ اے ابوموسیٰؓ ہم کو اپنے پروردگار کی یاد دلاؤ تو وہ قرآن پڑھنا شروع کر دیتے۔ (دارمی)

2-وحدانیت: نبی کریم ﷺ کی مکی زندگی مکمل وحدانیت کی تبلیغ میں گزری۔ جس میں شرک کی سخت تردید کی گئی۔ جو پیشانی دیوتاؤں کے در پر، پہاڑوں کی چٹانوں پر، سمندر کے کناروں پر، چاند اور سورج کے طلوع و غروب ہونے پر جھکا کرتی تھی، آپ ﷺ نے ان سب پیشانیوں کو سمیٹ کر صرف ربّ العزت کے سامنے جھکنے کا سبق دیا۔

جب کچھ قومیں چاند اور سورج کی پوجا کرنے لگیں تو قرآن میں حکم صادر ہوا ''تمہارا رب وہی

ہے جس نے سورج کو روشنی بخشی اور چاند کو نورانی بنایا اور اس کی منزلیں مقرر کیں تا کہ تمہیں برسوں کی تعداد اور حساب معلوم ہو، اللہ نے انہیں ٹھیک ہی بنایا ہے۔'' (سورہ یونس: آیت 5)

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے — یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے
کیا غم ہے ہو جو ساری خدائی بھی مخالف — کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے

(مولانا محمد علی جوہر)

3- اتحاد:۔ نبی کریم ﷺ نے اتحاد کی تلقین فرمائی جیسا کہ حکم خداوندی ہے۔ ''تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو''۔ آگے حکم ہوا ''اور کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایت پانے کے باوجود اختلافات میں پڑ گئے۔ ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ (آل عمران 105-100)

قرآن نے امت مسلمہ کو نہایت شدت کے ساتھ تفرقہ و اختلافات سے خبردار کیا ہے اور اس جرم کا ارتکاب کرنے والوں کو سخت سزا کی وعید سنائی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ''حقیقت میں جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے تو اے نبیؐ، آپ کا ان سے کوئی رشتہ نہیں''۔ (انعام - 159)

احادیث میں ہے مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اہل ایمان کو اس کام سے روکا گیا ہے، جس کے نتیجے میں بغض، عداوت، اور تفرقہ پیدا ہوتا ہے چنانچہ رسول اللہ نے فرمایا۔

''تم پر تفرقہ سے بچنا اور جماعت سے جڑے رہنا فرض ہے کیونکہ اکیلے انسان کے ساتھ شیطان ہوتا ہے اور وہ دو سے دور بھاگتا ہے تو تم میں سے جو جنت کی خوشبو و روشنی چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ جماعت سے لازماً جڑ جائے۔'' (ترمذی)

4 معاملات:۔ ''امانت دار تاجر (روز قیامت) نبیوں اور صدیقوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا'' (ابن ماجہ)

آپ نے زندگی کے ہر شعبے میں معاملات صحیح رکھنے کی تاکید فرمائی، ایک روایت کے مطابق آپ نبی کریم ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ ''جابر رضی اللہ عنہ کو تول دو اور ذرا ڈنڈی جھکا کر''۔

سیدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اعرابی سے ایک اونٹنی عجوہ کھجوروں کے بدلے خریدی، آپؐ گھر آئے اور کھجور تلاش کیے مگر کھجور نہ ملے، آپؐ واپس آئے اور فرمایا ''ہم نے تم سے اونٹ لیا تھا مگر کھجور میسّر نہیں ہیں۔ لہذا تم اپنا اونٹ واپس لے لو'' اعرابی چیخ اٹھا، ہائے مجھ سے دھوکا ہوگیا ہے، لوگ اس کی طرف گئے اور کہا۔ خدا تجھے غارت کرے کیا رسول اللہ ﷺ نے تم سے دھوکا کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اسے معاف کردو حق دار کو سب کچھ کہنے کا حق ہے۔ آپ ﷺ نے تین بار اس سے معذرت کی لیکن اس نے قبول نہ کی جب آپ نے دیکھا کہ وہ بات نہیں مان رہا ہے تو آپ ﷺ نے کسی صحابی سے کہا کہ تم خویلہ بنت حکیم بن امیہؓ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو رسول اللہ ﷺ کہتے ہیں کہ اگر تمہارے پاس عجوہ کے کھجور ایک وسق کے برابر ہوں تو ہمیں ادھار دیدو، ہم جلدی ہی واپس کردیں گے۔ وہ شخص ان کے پاس گیا اور اس نے آکر کہا کہ وہ کہتی ہیں کہ ہاں میرے پاس موجود ہے۔ آپؐ نے اس اعرابی سے فرمایا جاؤ وہ تمہیں اس کی قیمت ادا کردیں گی'' چنانچہ وہ گیا اور اسے اونٹنی کی قیمت ادا کردی گئی۔ قیمت لینے کے بعد وہ اعرابی آپ ﷺ کے پاس سے گزرا اور کہنے لگا اللہ آپ ﷺ کو جزائے خیر دے۔ آپ نے مجھے پوری اور اچھی قیمت ادا کردی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے روز اللہ کے بہترین بندے وہ ہوں گے جو پورا اور اچھا ادا کرنے والے ہوں''۔

حضرت حمزہؓ کی زوجہ خویلہؓ روایت کرتی ہیں، رسول اللہ ﷺ پر کسی کا دو وسق کھجور قرض تھا آپ کا تعلق بنی سعدہ سے تھا، وہ آیا اور قرض طلب کیا۔ آپؐ نے حضرت بلالؓ کو فرمایا اس کا قرض چکا دو، انھوں نے ان کھجوروں کے بجائے دوسری قسم کے کھجور دینے چاہے مگر اس نے قبول نہیں کیے۔ حضرت بلالؓ نے کہا تم رسول اللہ ﷺ کی چیز مسترد کرتے ہو؟ آپؐ نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے مجھ سے بڑھکر عدل کی پاس داری کرنے والا کون ہے؟ پھر آپ کی آنکھوں میں آنسوں آگئے اور فرمایا: اللہ اس امت کو پاک نہ بنائے جو قوی سے ضعیف کا حق نہ لے سکے'' پھر فرمایا اے خویلہؓ ''اس کا قرض اتار دو کیونکہ جو قرض دار اپنے قرض خواہ کو خوش کرتا ہے اس کے لیے خشکی اور تری کے جانور دعائے رحمت کرتے ہیں''۔

5- **والدین:۔** ''اور ہم نے تاکید کرکے کہدیا کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا'' (سورۃ الاحقاف)

دوسری جگہ حکم خداوندی ہے۔ ''ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور اگر ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کی حد کو پہونچ جائیں تو تم ان کو اُف بھی نہ کہو اور نہ ان سے خفا ہو اور نہ ان کو جھڑکو۔ اور ان سے ادب، عزت اور نرم لہجے میں بات کرو۔ ان کے لئے اطاعت کا بازو محبت سے بچھا دو اور کہو اے پروردگار! تم ان پر ایسا ہی رحم فرما جس طرح انھوں نے میرے بچپن میں مجھے مہربانی سے پالا پوسا تھا۔'' (سورۃ بنی اسرائیل)

اسی طرح ایک حدیث کا مفہوم ہے ''تیری جنت اور دوزخ وہی دونوں (ماں باپ) ہیں'' (ابن ماجہ)

6- آپ ﷺ کا ذوقِ سخن:۔ عمرۃ القضا کے سال آپ ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے جس وقت حرم میں داخل ہوئے تو آگے آگے ابن رواحہؓ چلتے تھے اور شعر پڑھتے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا ابن رواحہ تم حرم شریف میں شعر پڑھتے ہو اور وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے سامنے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عمرؓ! اسے چھوڑ دو واقعی اِن لوگوں میں شعر کہنا تیر برسانے سے زیادہ کارگر ہوتا ہے''۔

آپ کے سامنے صحابہ شعر پڑھتے تو آپ کبھی چپ رہتے اور کبھی مسکراتے۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں جب مسجد کی تعمیر ہو رہی تھی تب عبداللہ بن رواحہؓ جو شاعر تھے۔ وہ بھی مزدوروں کے ساتھ شریک تھے اور جس طرح مزدور کام کرنے کے وقت تھکن مٹانے کو گاتے جاتے ہیں وہ یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے۔ ترجمہ:۔ وہ کامیاب ہے، جو مسجد تعمیر کرتا ہے اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے اور رات کو جاگتا رہتا ہے''۔ آنحضرت ﷺ ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے۔ (از سیرت النبیؐ اول علامہ شبلی بہ روایت وفاء الوفاء بحوالہ ابن ابی شیبہ)

بہت سے صحابہؓ اور اکابرین امت نے شعر کہے، جن میں سے دور اول حضرت علیؓ کا دیوان، حضرت حسانؓ کے بہت سے اشعار، حضرت کعب بن زبیر کا قصیدہ بانت سعاد جس پر حضور ﷺ نے اپنی چادر (بردہ) انعام میں مرحمت فرمائی تھی (بخاری و مسلم) اور جس کی وجہ سے یہ قصیدہ، قصیدہ بردہ کہلانے لگا۔ کافی مشہور ہیں۔

اور حضرت امام زین العابدینؓ کا وہ قصیدہ تو زبان زد خاص و عام ہے۔ جس کا مطلع ہے (ترجمہ) ''اے بادِ صبا! اگر کسی دن حرم کی طرف تیرا گزر ہو جائے، تو روضہ مُبارک تک میرا سلام پہنچا دینا۔ جہاں نبی کریم ﷺ آرام فرماتے ہیں۔''

(بحوالہ امام شرف الدین محمد بوصیری (المتوفی ۶۹۶ کا قصیدہ بھی اسی نام سے مشہور ہے)

7- عرب کی بے مثل شاعرہ حضرت خنساءؓ: جب اسلام کی آواز نجد میں پہونچی تو خنساء آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ پہنچی اور نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ آپؐ سے گفتگو کی، وہ بولتی گئی اور آنحضرت ﷺ سنتے رہے۔ حضور اُن کی ہر بات پر خوش ہوتے، اُنہیں داد دیتے اور اُن کے اندازِ

کلام کی تحسین فرماتے۔ بات چیت کے بعد اس نے اسلام قبول کرلیا اور واپس اپنے قبیلے میں چلی گئیں۔ اور وہاں کے لوگوں کو قبول اسلام کی ترغیب دی۔ خنساء کو اپنے بھائی صخر کی موت پر شدید صدمہ پہونچا وہ صخر کی قبر پر کھڑے ہوکر ایسے دل سوز مرثیے پڑھتیں کہ دنیا کی ہر شئے غم میں ڈوبی ہوئی محسوس ہوتی۔ مرثیے کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔ ''اے صخر! اگر تو نے میری آنکھوں کو رُلایا ہے تو کیا ہوا۔ ایک عرصہ دراز تک تو نے اُن کو ہنسایا بھی تو ہے۔'' (انقلاب 14/ ستمبر 2007)

8 معجزہ شق القمر: قرآن کریم کے سورہ قمر میں اس کا ذکر آیا ہے اور پھٹ گیا چاند ہجرت سے پہلے ایک شب ابو جہل اور ابولہب وغیرہ قریش آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ اس وقت جبل ابو قبیس (ایک پہاڑی جو مسجد حرام کے قریب تھی) پر تشریف فرما تھے۔ کہنے لگے کہ اے محمد اگر تو خدا کا پیغمبر ہے اور اپنے دعوے میں سچا ہے تو چاند کے دو ٹکڑے کردے۔ آپ نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی اور پھر چاند کی طرف انگلی مبارک سے اشارہ کیا۔ چاند اسی وقت دو ٹکڑوں میں بنٹ گیا۔ یہ معجزہ دیکھ کر وہ کہنے لگے واقعی یہ تو بہت بڑا جادوگر ہے۔

اس معجزہ کی شہادت ملبار کے راجہ چیرامل پیرومل سامری نے بھی دی ہے اور اس کا ذکر تاریخ فرشتہ اور ملبار مینول برٹش گورنمنٹ میں بھی درج ہے (سیرت رسول کریم 248)

9- خراج عقیدت: ویسے تو نبی کریم ﷺ کی شان میں تمام دنیا کے فلسفیوں (اعلیٰ دماغوں) نے خراج عقیدت پیش کیے ہیں جو اپنی اپنی زبانوں میں ہیں لیکن یہاں میں صرف فرانس کے نپولین بوناپارٹ (1769 تا 1821ء) جنہوں نے اپنی زندگی میں چالیس جنگیں جیت کر پورے یورپ کو ہلا دیا تھا۔ انھوں نے بھی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں انگلش زبان میں خراج عقیدت پیش کیا ہے جس کا اُردو ترجمہ پیشِ خدمت ہے۔ ''محمد ﷺ نے اہلِ عرب کو درسِ اتحاد دیا اور ان کے تنازعات ختم کیے تھوڑی ہی مدت میں آپ ﷺ کی امت نے نصف دنیا کو فتح کرلیا اور پندرہ سال کی قلیل مدت میں لوگوں کی کثیر تعداد نے جھوٹے دیوتاؤں کی پرستش سے توبہ کرلی اور مٹی کی بنی ہوئی دیویاں مٹی میں ملا دی گئیں۔ یہ حیرت انگیز کارنامے آپ ﷺ کی تعلیم کے تھے'' (نپولین بوناپارٹ)

مائیکل ہارٹ نے اپنی کتاب (The Hundred) یعنی سو شخصیات میں نبی کریم ﷺ کو اوّل

شخصیات میں جگہ دی ہے اور اُن کو عالمِ انسانیت کی تاریخ میں پہلا اور اکیلا نبی قرار دیا ہے جس نے صبر و ضبط اور ڈسپلن کا مظاہرہ کیا۔ (مائیکل ہارٹ)

50. اُمہات المؤمنین اور اولادِ رسول ﷺ

نکاح صرف ہمارے نبی ﷺ کی ہی سنت نہیں بلکہ تمام انبیاء کرام کی سنت ہے۔

”وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلاً وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجاً وَ ذُرِّيَّةً“۔

ترجمہ: ”اور بھیج چکے ہیں ہم کتنے رسول تجھ سے پہلے اور ہم نے دی تھیں ان کو بیویاں اور اولادیں۔“ (القران)

1. حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ

حضرت خدیجہؓ مکہ میں ایک بیوہ عورت تھیں۔ آپؐ تجارت کے لیے اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شام جایا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے مال سے تجارت 593ء میں کرنا شروع کی اور کافی منافع کمایا۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر 40 سال تھی۔ آپ ﷺ جن کی عمر اس وقت صرف 25 سال تھی اس وقت آپ ﷺ کا ان سے نکاح ہوا۔ جن سے حسب ذیل چھ اولادیں ہوئیں تھی۔ حضرت خدیجہؓ کا نکاح 594ء میں اور وفات 618ء میں ہوئی۔

1. حضرت قاسم بن محمد ﷺ: آپ کا کم سنی میں انتقال ہوا۔
2. حضرت عبداللہ بن محمد ﷺ: آپ کا بھی نو عمری میں انتقال ہوا، آپ کو طیب اور طاہر بھی کہتے ہیں۔
3. حضرت زینبؓ بنت محمد ﷺ (ابو العاص کی بیوی) ابو العاص جنہوں نے 6 ہجری میں مدینہ آکر اسلام قبول کیا۔ حضرت زینبؓ کی 30 سال کی عمر میں وفات ہوئی اور آپؓ جنت البقیع میں دفن ہیں۔
4. حضرت رقیہ بنت محمد ﷺ: (بیوی حضرت عثمان غنیؓ) آپؓ 603ء میں پیدا ہوئیں اور 626ء میں جنگ بدر کے بعد وفات پائیں۔

.5 حضرت ام کلثوم بنت محمد ﷺ: (بیوی حضرت عثمان غنیؓ) حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد آپ حضرت عثمان غنیؓ کی نکاح میں دے دی گئیں۔

.6 حضرت فاطمہؓ بنت محمد ﷺ: (بیوی حضرت علیؓ) آپ کا 622ء میں نکاح ہوا۔ پانچ اولادیں ہوئیں جن میں حضرت حسن اور حسین بھی شامل ہیں۔ آپ نے حضور ﷺ کے 6 ماہ کے بعد 11 ہجری 632ء میں وفات پائی۔ آپ کے نکاح میں 500 درہم چاندی یعنی 153.9 نیا تولہ (ایک کلو پانچ سو انتالیس گرام) چاندی مہر مقرر کی گئی تھی۔ آپ کی آرام گاہ جنت البقیع میں ہے۔

ایک حدیث میں حضور ﷺ نے نیک اور دیندار عورت ہی کو دنیا کی بہترین چیز بتایا ہے۔ ایک قول ہے "وہ شخص خوش نصیب ہے جس کو خوبصورت و خوب سیرت عورت نکاح میں ملی"۔

حُسن صورت چند روزہ حُسن سیرت مستقل
اُس سے خوش ہوتی ہیں آنکھیں اِس سے خوش ہوتا ہے دل

(مولانا اسعد اللہؒ ناظم مظاہر علوم سہارنپور)

نوٹ

مسئلہ .1 حضرت فاطمہؓ کی نکاح کے مہر کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

.2 نکاح اور مہر: کم سے کم مہر 30 گرام اور 620 ملی گرام یعنی 31 گرام چاندی شریعت کے مطابق ہونی چاہیئے۔ اس سے کم مہر میں نکاح تو ہو جائے گا مگر 31 گرام چاندی یا اُس کی قیمت ادا کرنی پڑیگی۔

.3 طلاق: بدرجۂ مجبوری میاں بیوی کے بالکل نبھاؤ نہ ہونے کی صورت میں دی جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، "حلال چیزوں میں کوئی چیز اللہ کے نزدیک اتنی بری نہیں، جتنی طلاق"۔

نوٹ:۔ باقی بیویوں کے لیے چارٹ دیکھیے۔

یہ جبر بھی دیکھا ہے تاریخ کی نظروں نے
لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

باب سوئم

مختصر اور جامع تاریخ

مسلمانوں کا شاندار ماضی

آدم علیہ السلام سے آزادیٔ ہند تک

(دورِ خلافت)

(1) خلفائے راشدین	11ھ سے 40ھ 632ء سے 660ء	29 سال	.... 29 سال
(2) خلفائے بنو امیہ	40ھ سے 132ھ 660ء سے 752ء	92 سال	.... 92 سال
(3) خلفائے عباسیہ (بغداد اور مصر)	132ھ سے 687ھ 752ء سے 1288ء	555 سال	.... 536 سال
(4) خلفائے عثمانیہ (ترکی)	687ھ سے 1342ھ 1288ء سے 1922ء	655 سال	.... 634 سال
کل دورۂ خلافت		1331 سال	1291 سال

عبدالجبار اجمیری

(خلفائے راشدین)

ہیں شمعیں ایک ہی مشعل کی بوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ
ہم مرتبہ ہیں یاران نبی، کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

51. پیشِ لفظ

ہر زندہ قوم تاریخ عالم کا عموماً اور اپنی قوم کا خصوصاً مطالعہ رکھتی ہے۔ اسی تاریخ کے ذریعہ قوموں کے عروج و زوال کا اصول معلوم کیا جاتا ہے۔ جس قوم کے مستقبل کو باعزت زندگی سے محروم کر دینا مقصود ہو اس کے حال کا رشتہ ماضی سے منقطع کر دیجئے تو پھر وہ قوم پستیوں تک جا پہونچے گی۔

تاریخ لکھنا کوئی یونان کے افسانے، مصر کی کہانیاں اور ہندوستان کی دیوی۔ دیوتاؤں کے قصے، مہابھارت کے افسانے، یونان اور روم کی روایات نہیں ہیں جن کی کوئی سند تاریخ کے صفحہ پر نہیں ملتی، بلکہ تاریخ اس حقیقت کا نام ہے جس میں دن اور برسوں کا مطالعہ کیا گیا ہو اور جو محفوظ ہو، لہٰذا اسلامی مورخوں نے بڑی سختی کے ساتھ ایسے افسانوں کو جانچ پڑتال کر کے تاریخ سے کاٹ کر پھینک دیا جن کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ تاریخِ ابنِ خلدون، تاریخِ اسلام۔ تاریخ فرشتہ کوئی پریوں کی کہانی یا دیوتاؤں کے افسانے نہیں ہیں، بلکہ دنیا کے تمام مورخوں کا قبول کیا ہوا سرمایہ ہے۔ جس میں سے میں نے بھی بڑی محنت سے مسلم تاریخ کے اہم واقعات کو مختصر مگر جامع انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے تا کہ اس جدید دور میں مسلم قوم کو اپنے اسلاف کی کچھ جانکاری حاصل ہو اور ہماری نوجوان نسل اس سے فیضیاب ہو سکے۔

نوٹ: دورِ خلافت کی معلومات خلفائے راشدین تک ہی محدود ہو کر رہ گئی ہیں۔ جب کہ خلافتِ اسلامیہ، پہلی جنگ عظیم کے بعد 1922ء تک ترکی حکومت کے زوال کے بعد ختم ہوئی ہے۔

عبد الجبار اجمیری

خلفائے راشدین 11 ہجری سے 40 رہجری مطابق 632ء سے 660ء

تاریخ نبی کریم ﷺ سے لیکر 40 رہجری 660ء تک حادثات وواقعات اور خلفائے راشدین کی تابناک زندگیاں مسلمانوں کے ولولہ انگیز کارنامے تھے۔

52. حضرت ابو بکرؓ 11 تا 13 رہجری (632ء تا 634ء)

اس وقت 21 رہزار مسلمانوں کو آپ نے ۱۱ رٹکڑیوں میں تقسیم کر دیا۔ پہلے اسامہ بن زیدؓ اور پھر خالد بن ولیدؓ کو امیر مقرر کیا گیا۔ شام اور عراق فتح کیے گئے۔ سوئی کا راستہ مشکل تھا۔ جسے خالد بن ولیدؓ نے رؤف بن عمرو کی مدد سے طے کیا اور قریش حوارین نے بصریٰ کو فتح کرتے ہوئے حمص اور دمشق کی قلعہ بندی کر دی۔ اس طرح اسلام روم تک جا پہونچا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ:۔ اسلام کی یہ فتح دیکھ کر رومی لشکر سے نکل کر ایک شخص جُرزہؓ باہر میدان میں آئے اور امیر خالد بن ولیدؓ سے پوچھنے لگے کہ کیا تمہارے نبی ﷺ نے کوئی تلوار تمہیں دی ہے جو آسمان سے اتری ہے اور جس سے تم ہر قوم پر فتحیاب ہوتے ہو اور تمہیں سیف اللہ کیوں کہا جاتا ہے؟ خالد بن ولیدؓ نے فرمایا: ”نہیں ہمارے نبی ﷺ پر آسمان سے کوئی تلوار نہیں اتری تھی۔ ہاں! پہلے میں نبی ﷺ کو جھٹلاتا تھا اور ان سے لڑتا تھا۔ جب میں ایمان لے آیا اور مسلمان ہو گیا تو نبی ﷺ نے میرے لئے فتحیاب ہونے کی دعا مانگی۔ تب سے مجھے سیف اللہ کہا جاتا ہے۔ جرزہؓ کا دل خالد بن ولیدؓ کے جواب سے بھر آیا اور اُس نے اسلام قبول کر لیا۔ ایران کو فتح کرنے سے پہلے خالد بن ولیدؓ نے ایرانی رئیسوں کے نام ایک خط میں لکھا تھا ”اب بہتر ہے کہ تم ہماری فرماں برداری قبول کر لو، تو ہم تمہیں معاف کر دیں گے۔ اور تمہارے علاقے چھوڑ دیں گے۔ ورنہ تم کو ایک ایسی قوم سے واسطہ پڑے گا، جو موت سے دوستی رکھتی ہے جیسے تم زندگی کو محبوب رکھتے ہو۔“

اسی وقت ایک قاصد مدینہ سے حضرت ابو بکرؓ کے انتقال اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بن جانے کی خبر لے آیا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ سے مشورہ کرکے حضرت عمر فاروقؓ کو خلیفہ مقرر کیا گیا ہے۔ جس کی عبارت حضرت عثمان غنیؓ سے لکھوائی گئی ۔ (تاریخ ابن خلدون)

بلالِ حبشیؓ:۔ حضرت بلالؓ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک محبوب صحابی تھے جن کی محبت نے ساری اسلامی دنیا کو اپنا اسیر بنا رکھا ہے۔ وہ اسلام کے پہلے مؤذن تھے جن کی صدا نے عربستان کی فضاؤں میں اللہ اکبر کی برتری اور بزرگی کا اعلان بکھیرا تھا۔ حبشہ (افریقہ) کے لوگ بھی بت پرست تھے۔ حبشہ کے ایک شخص رباح اور اس کی بیوی نے حمامہ کو غلام بنا کر حبشہ سے مکہ لے آئے۔ نبوت سے تقریباً تیس برس پہلے حمامہ کو مکہ میں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام بلالؓ رکھا۔ غلامی کرتے کرتے وہ جوان ہو گئے اور پھر امیہ بن خلف کے ہاتھ لگے۔ یہیں سے وہ تاریخ کی روشنی میں آتے ہیں اور یہیں سے اُن کی زندگی کو توحید کی روشنی ملی۔

امیہ ایک دولت مند شخص تھے۔ ان کے دس بارہ غلاموں میں بلالؓ ایک نئے غلام کی حیثیت سے شامل کر دیئے گئے۔ ابتدا میں بلالؓ کو گھریلو کام کاج اور پھر اونٹ چرانے پر مامور کیا گیا۔ اولادِ ابراہیمؑ نے جب آزری کا پیشہ اختیار کر کے پتھر کنکر تراش کر بت بنا لیے تو اولادِ ابراہیمؑ ہونے کی وجہ سے امیہ کا گھر بھی بتوں کا مندر بن گیا۔ امیہ نے بلالؓ کو مویشی چرانے کی خدمت سے ہٹا کر بت کدہ پر مامور کر دیا تا کہ وہ ان بتوں اور خداؤں کی گرد جھاڑے، صندل، اگربتی جلائے۔ امیہ نے اپنے خزانے بھی بلالؓ کی تحویل میں دے دیئے کیونکہ وہ بہت امانت دار تھے۔ اور کافروں میں غلام بلال کے کردار کی عظمت پر اعتماد تھا۔

حضرت بلالؓ کو براہِ راست خدمتِ رسالت میں حاضری کا موقع نہ ملا بلکہ اعلانِ توحید کے اولین ایّام میں حضرت ابوبکرؓ کی تبلیغ سے آپ نے ایمان قبول کیا۔ آں حضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو مسرت کا اظہار کیا اس وقت بلالؓ کی عمر صرف تیس برس تھی۔

جب بطحا کی گلی کوچوں میں ایک غلام کے اسلام لانے کی خبر عام ہوئی تو قریش میں چرچا ہونے لگا۔ امیہ جو مسلمانوں کا بدترین مخالف تھا کیسے برداشت کر لیتا کہ اس کا ادنیٰ اور حقیر حبشی غلام ایمان لانے کی جرأت کرے جب پورے مکہ میں اسلام کی مخالفت کا بازار گرم تھا۔ لہٰذا امیہ کی آنکھوں میں خون اُبل پڑا اور اس نے بلالؓ کا لباس نوچ ڈالا اور ان کے بدن پر نوکیلے کانٹے اتنے چبھے کہ بدن زار زار ہو اٹھا۔ گلے میں رسی باندھ کر مکہ کے لونڈوں کے حوالے کیا جو گلیوں میں گھماتے۔ ابوجہل

چیختا "محمد ﷺ کو برا کہو اور سزا سے چھوٹ جاؤ۔" لیکن حضرت بلالؓ کا ایک ہی جواب تھا۔ احد۔ احد۔ آپ نے ہر طرح کے ظلم برداشت کئے ایک روز حضرت ابوبکرؓ امیہ کی گلی سے گزر رہے تھے کہ بلالؓ پر ہونے والے ظلم کی آواز سنی۔ کسی نے بتلایا کہ امیہ اپنے غلام بلالؓ کو قبولِ اسلام کے جرم میں سزا دے رہا ہے۔ قرآن مجید میں اس واقعہ کو سورۃ اللیل کے عنوان سے مفصل بیان کیا گیا ہے۔ مفسرین اس سورہ کو سورۂ ابی بکرؓ کے نام سے بھی پکارتے ہیں۔ اس سورۂ میں امیہ کو جہنم میں ڈالے جانے کی خبر ملی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ امیہ سے بلالؓ کو خرید لیں لہٰذا حضرت ابوبکرؓ امیہ کے گھر گئے اور کہا کہ خدا سے ڈر اور بلال پر اتنا ظلم نہ کر تو امیہ بولا کہ اس بیچارے کو آپ ہی نے تو خراب کر رکھا ہے (سیرت ابن ہشام 153) نہ یہ آپ کے کہے سے ایمان لاتا نہ یہ مصیبت دیکھنی پڑتی اگر آپ کا اس کے لئے دل جلتا ہے تو آپ اسے خرید لیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، ہاں مجھے دیدے تو امیہ فوراً بولا تو لایئے! دو ہزار دینار۔ اور اُس بد بخت کو لے جایئے حضرت ابوبکرؓ نے دو ہزار دینار گن دیئے اور حضرت بلالؓ کو ظلم وستم سے رہائی دلوائی۔ امیہ نے قہقہہ لگا کر کہا، اس بھونڈے، کالے حبشی کو آپ نے اتنے دام میں خرید لیا، اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو اتنے دام کبھی نہیں دیتا۔ حضرت ابوبکرؓ نے چلتے چلتے کہا اگر تو یمن کی سلطنت کے برابر بھی قیمت مانگتا تو میں ادا کر دیتا، تجھے میری طلب کا اندازہ نہیں۔ جب حضرت بلالؓ کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا جیسا کہ قرآن مجید میں اُس کا ذکر ہے۔

ترجمہ: "تم میں ایک نفیس ترین رسول آیا جسے تمہاری تکلیف بہت گراں گذری وہ تمہاری بھلائی کا کس قدر دلدادہ اور مومنوں پر رحم و کرم فرمانے والا ہے"۔

حضرت بلالؓ کی آنکھیں رحم و کرم سے جھکی ہوئی تھیں آنحضرت ﷺ نے آگے بڑھ کر بلالؓ کو آغوش میں لپٹا لیا۔ شاید حیاتِ کائنات کا شباب یقیناً اسی ایک تبسم کا منتظر تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو اپنی غلامی میں لے لیا، جو وصال تک آپ ﷺ کی حضوری میں رہے اور ہجرت کے وقت مدینہ میں تشریف لے آیئے اور حضور ﷺ سے حکم ایک صحابی ابوبکیر کی صاحبزادی سے شادی کر لی۔

اذان کا آغاز:۔ دو ہجری میں مسجدِ نبوی تعمیر کی گئی۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے نمازیوں کو جمع کرنے کے لئے مشوورہ کیا۔ ہر صحابی نے اپنے اپنے خیال کے مطابق تجویز پیش کی، چند دنوں بعد

عبداللہ بن زیدؓ جو ایک معتبر صحابی تھے اُنہیں خواب میں اذان کے کلمات معلوم ہوئے وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو بلوایا اور کلمات یاد کروانے کے بعد اذان پڑھنے کا حکم دیا، حضرت بلالؓ نے تاریخ اسلام کی پہلی اذان مخصوص انداز میں پڑھی جوں ہی اذان کی دلکش صدا فضاء میں پھیلی، لوگ نیند سے بیدار ہوئے اور اذانوں کا سلسلہ شروع ہوا۔

ایک روز فجر کی اذان کے وقت آپ ﷺ معمول کے مطابق باہر تشریف نہیں لائے تو بلالؓ کی زبان سے بے ساختہ "اصلوٰۃ خیر اُمن النوم" نکل گیا (یعنی نماز نیند سے بہتر ہے)۔ یہ سنتے ہی آپ ﷺ مسجد کے سہن میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ نے ان کلمات کو فجر کی اذان میں بڑھانے کا حکم دیا، جب خانہ کعبہ 8 ہجری میں فتح کیا تو آپ ﷺ نے بلالؓ کو کعبہ کے اوپر چڑھ کر اذان پڑھنے کا حکم دیا، وہ حرم جو صدیوں سے صنم خانہ بنا ہوا تھا ایک عاشقِ رسول ﷺ کی صدائے توحید سے گونج اُٹھا۔

نبی کریم ﷺ وصال کے بعد حضرت بلال کا مدینے میں رہنا مشکل ہو گیا۔ لہٰذا وہ اسلامی لشکر کے ساتھ شام چلے گئے اور پھر وہاں سے دمشق۔ ایک رات آپ نے خواب دیکھا کہ سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ اے بلالؓ! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم ہماری زیارت کو آؤ۔ خواب دیکھتے ہی آپ مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ سارے مدینے میں خبر پھیل گئی کہ بلال آ گئے! بلال آ گئے!! لوگ مسجدِ نبوی کی طرف دوڑے۔ حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسنؓ بھی اپنے نانا کے غلام سے ملنے آئے۔ حضرت بلالؓ نے اُنہیں گلے سے لگایا۔ اور پیشانی چومیں، نماز کا وقت ہونے کو تھا، اہلِ مدینہ نے اور فرزندانِ رسول ﷺ نے بلالؓ سے اذان پڑھنے کو کہا۔ بلال اُٹھے اور سرمستی کے عالم میں اپنی زندگی کی آخری اذان کا آغاز کیا۔ فلک کے دریچے کھل گئے۔ فرشتوں نے جھانک کر دیکھا جب حضرت بلالؓ نے اذان میں محمد رّسول اللہ کی آواز دی تو پورے مدینہ میں کہرام مچ گیا، عورتیں روتی ہوئی گھروں سے نکل پڑی، یہ لمحہ پھر مدینہ میں قیامت تک نہیں آئے گا۔ جو بارِ نبی میں ایک دن آیا تھا۔

1. **حضرت ابوبکرؓ کی خصوصیات** :۔ ایک روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اطراف مدینہ میں رہنے والی ایک نابینا سن رسیدہ بڑھیا کی دیکھ بھال کے لئے جایا کرتے تھے۔ اس کے لئے پانی بھر کر لاتے اور دوسرے کام کر دیا کرتے۔ کچھ دنوں بعد دیکھا کہ کوئی دوسرا شخص ان سے پہلے آ کر سارے کام کر جاتا ہے

۔ بہت کوشش فرمائی کہ خود پہلے پہونچیں۔ مگر نہ ہو سکا۔ ایک بار گھات میں بیٹھے کہ دیکھیں کون آتا ہے۔ دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ جو ان سے پہلے آجاتے ہیں کیونکہ اب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہو چکے تھے۔

(ابن عساکر۔ تاریخ الخلفاء صفحہ ۸۰)

2- حضرت ابوبکرؓ کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ خلیفہ بننے کے بعد ایک صبح ہاتھوں میں کپڑے لے کر بازار کی طرف جا رہے تھے تو راستے میں حضرت عمرؓ ملے اور عرض کیا۔ اب آپ کے اوپر خلافت کی ذمہ داری آچکی ہے لہذا تجارت کی مشغولیت کے ساتھ خلافت کا کام کیسے سرانجام ہو سکے گا؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ پھر میرے اہل و عیال کی گزر بسر کا ذریعہ کیا ہوگا؟ حضرت عمرؓ نے کہا۔ اس کا انتظام حکومت کی طرف سے ہوگا۔ چلئے ابو عبیدہ ابن الجراحؓ آپ کے لئے وظیفہ مقرر کر دیں گے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے وظیفہ مقرر فرمایا۔

3- ایک بار حضرت ابوبکرؓ کی اہلیہ نے میٹھی چیز کی فرمائش کی۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا ہمارے پاس میٹھی چیز خریدنے کے لئے پیسے نہیں ہیں۔ اہلیہ نے کہا۔ میں چند دن کے اندر مصارف (خرچ) سے کچھ بچا کر جمع کرتی ہوں۔ جس سے اس کا انتظام ہو جائیگا۔ بہت دنوں کے بعد وہ تھوڑے سے پیسے جمع کر سکیں اور حضرت صدیق اکبرؓ کو بتایا کہ اب انتظام ہو گیا ہے۔ صدیق اکبرؓ نے وہ رقم ان سے لیکر پہلے تو اہلیہ کی فرمائش پوری کر دی اور اس کے بعد اپنے وظیفہ میں سے اتنی مقدار رقم کم کر دی۔ اور فرمایا اتنا ہم اپنے خرچ سے زیادہ لیا کرتے تھے۔

53. حضرت عمر فاروقؓ 13 تا 24/ ہجری 634ء تا 645ء

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں کو نہایت ہی شاندار فتوحات حاصل ہوئیں۔ آپ کے زمانے میں 1036/ شہر فتح ہوئے۔ چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ جس میں 9 سو جامع مسجدیں شامل ہیں۔ حمص، مسلمانوں کے زیر انتظام آگیا۔ شام، مصر اور ایران پر فوج کشی کر کے یہ دونوں ممالک مسلمانوں نے فتح کر لیے۔ آپ کی فتح کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے دور خلافت میں شہر، گاؤں اور قلعے ملا کر 36/ ہزار فتوحات حاصل ہوئے تھے۔ ان میں شام، ایران اور مصر جیسے تین بڑے ممالک حکومت اسلامیہ میں شامل ہو گئے۔ اس طرح عراق، خراسان، بلوچستان، فلسطین اور آرمینیا تک فتوحات فاروقی اسلام کا شاندار ماضی ہے۔

حضرت خالد بند ولیدؓ کی معزولی:۔ حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے حضرت خالد بن ولیدؓ کو برطرف کر دیا اور حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو امیر لشکر مقرر کر دیا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ خالد بن ولیدؓ کو نائب مقرر کیا گیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں بھی حضرت خالدؓ کو معزول کرنے کا مشورہ دیا تھا مگر وہ اُن کی خدمات کی بناء پر چشم پوشی کر جاتے اور کہتے ، میں اس تلوار کو نیام (میان) میں نہیں رکھ سکتا جسے خدا نے بے نیام کیا ہے۔ خالد بن ولید کو ہٹانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ عام مسلمانوں کو ایسا خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اسلام کی فتوحات کا دارومدار حضرت خالد بن ولیدؓ کی قوتِ بازو پر ہے۔ جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پسند نہیں کرتے تھے۔ دوسری وجہ ایک مورخ کے لفظوں میں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کے پاس بہت مالِ غنیمت جمع ہو گیا تھا اس لئے لوگ انعام کے لالچ میں اُن کے پاس آتے۔ آپ اُنہیں مایوس نہیں ہونے دیتے۔ آپ کا یہ عمل بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پسند نہیں آیا۔

1. **فتح دمشق:** ایک شام خالد بن ولیدؓ قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے تھے اور وہاں سے رسی ڈال کر اپنے ساتھیوں کو فصیل پر چڑھانے میں کامیاب ہو گئے۔ اور مقابلہ کرتے ہوئے آپ نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اس طرح دمشق فتح کیا گیا۔ ادھر حضرت ابوعبیدہؓ لشکر فارس کے ہاتھیوں پر حملہ کرتے تھے۔ آپ نے کئی ہاتھیوں کی سونڈ کاٹ ڈالی اس افراتفری میں ایک ہاتھی کا پاؤں آپ پر پڑا جس سے کچل کر آپ شہید ہو گئے۔

2. **ابو محجن:** حضرت عمر کے جاں بازوں میں مثنیٰؓ اور حضرت سعد بن ابی قاصؓ بھی تھے۔ ان کے زمانے میں ابو محجن ایک مشہور بہادر شاعر تھے۔ جو شراب پینے کے جرم میں قید میں تھے۔ اور قید خانے کی کھڑکی سے لڑائی کا منظر دیکھ رہے تھے۔ جب ان سے برداشت نہ ہو سکا، تو آپ نے سلمیٰ (حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی بیوی) سے کہا "تم مجھے خدا کے واسطے ایک بار چھوڑ دو، انشاء اللہ میں جنگ سے فتحیاب ہو کر قید خانہ میں واپس آجاؤں گا اور اگر شہید ہو گیا تو معاف کر دینا"، سلمیٰ نے ان کو آزاد کر دیا۔ ابو محجن اتنی تیزی سے لڑے کہ لوگ دیکھتے رہے۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے دور سے دیکھا کہ ایک شخص ابو محجن کی طرح لڑ رہا ہے، مگر وہ تو قید میں ہے۔ جب سعد بن ابی وقاصؓ گھر تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ سلمیٰ نے انہیں جہاد میں شرکت کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ یہ دیکھ کر سعد بن ابی وقاصؓ نے بھی انہیں آزاد کر دیا۔ اس کے بعد ابو محجن نے بھی شراب پینا چھوڑ دیا۔ مختصر یہ کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اسلام فارس اور قصرہ تک پہونچ گیا تھا۔ (تاریخ ابن خلدون)

3. جنگ قادسیہ 15 ہجری: یہ جنگ ایرانیوں کے خلاف لڑی جانے والی جنگ تھی۔ ایرانی جو ہاتھیوں سے جنگ لڑ رہے تھے انہوں نے ہاتھیوں کو جنگ میں آگے رکھا لیکن قعقاعؓ و عاصمؓ نے مل کر سفید ہاتھی جو تمام ہاتھیوں کا سردار تھا اُس پر حملہ کیا اور اسے مار ڈالا اس وجہ سے دوسرے ہاتھی جنگ سے بھاگنے شروع ہو گئے، رستم ایک زریں تخت پر بیٹھا اپنی فوج کو لڑا رہا تھا۔ تخت سے اُتر کر میدان جنگ میں خود لڑنے لگا جب زخمی ہوا تو بھاگا۔ حضرب ہلال بن علقمہؓ نے آگے بڑھ کر بھاگتے ہوئے پر برچھے سے وار کیا اور اس کا کام تمام کر دیا اس طرح ایرانی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ فارس کے لوگوں نے قادسیہ سے بھاگ کر بابل میں قیام کیا۔ سعد ابی وقاصؓ نے زہرہؓ کو مامور کر کے آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ زہرہؓ ایران کے کئی راستوں کو صاف کرتی ہوئی کوثیٰ کے مقام پر جا پہنچی۔ کوثیٰ ایک مشہور تاریخی مقام ہے۔ نمرود نے اسی مقام پر حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کو قید کیا تھا۔ وہاں ایرانیوں کا ایک مشہور رئیس شہریار تھا مگر شہریار جنگ میں مارا گیا۔ سابات نے زہرہؓ کو جزیہ دے کر صلح کر لی اور قصرہ کو شکست دے دی گئی اس طرح اسلام قصرہ تک پھیل گیا۔

4. فتح بیت المقدس :۔ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت 16 ھ میں بیت المقدس فتح کیا گیا تھا فتح کے بعد آپ نے اپنے رفقاء اور مجلس شوریٰ سے مشورہ کیا اور حضرت علیؓ کو اپنا نائب مقرر کر کے فلسطین کی طرف نہایت سادگی سے اپنے غلام کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ سواری کے لئے ایک اونٹ تھا اور آپؓ دو افراد تھے باری باری سے آپ دونوں ایک اونٹ پر سوار ہوتے، جب بیت المقدس کے قریب پہونچے تو باری غلام کی تھی آپؓ اس حال اور شان کے ساتھ فلسطین میں داخل ہوئے کہ پورے عالم اسلام کا سربراہ یا امیر ہونے کے باوجود غلام اونٹ پر سوار ہے اور آپ اس کی نکیل تھامے ہوئے ہیں، بیت المقدس کے متولی یہ منظر دیکھ کر باہر آئے اور بیت المقدس کی چابیاں آپ کے حوالے کر دیں۔

5. شہادت: مدینہ شریف میں مغیرہ بن شعبہ کا ایک غلام ابولؤلؤ رہتا تھا۔ وہ حضرت عمرؓ سے اپنے آقا کے بارے میں اپنی اجرت کی اکثر شکایت کیا کرتا تھا۔ آپ نے پوچھا تم کیا کام کرتے ہو؟ اس نے کہا نقاشی کا کام کرتا ہوں تو آپ نے نقاشی کے کام کی اجرت کو زیادہ نہیں بتلایا۔ اس پر وہ آپ سے ناراض ہو گیا۔ دوسرے دن نمازِ فجر کے وقت وہ مسجدِ نبوی میں خنجر لے کر پہلی صف میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ جب عمر

فاروقؓ نے نماز کی نیت باندھ لی تو ابولولو نے آپ پر ایک ساتھ 6 وار کیئے۔ فاروق اعظمؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو صف سے کھینچ کر امامت پر کھڑا کیا اور بے ہوش ہو گئے۔ ابولولو بھاگتے وقت گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتار ہونے پر اس نے خودکشی کر لی۔ جب حضرت عمر فاروقؓ کو ہوش آیا تو آپ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں بھیج کر حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت چاہی۔ اس غمناک عالم میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ ''یہ جگہ میں نے اپنے لئے تجویز کی تھی مگر میں حضرت عمر فاروقؓ کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں۔'' لہٰذا آپ کو حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں دفنایا گیا۔ نمازِ جنازہ حضرت صہیبؓ نے پڑھائی۔

6. خدمت خلق:۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہی بیت المال قائم کئے گئے نہریں کھودوائی گئیں اور جیل خانے بنوائے گئے۔ اس سے پہلے عرب میں جیل خانے کا نام ونشان نہیں تھا۔

1- جیل خانے:۔ حضرت عمرؓ نے اوّل مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم میں خریدا اور اس کو جیل خانے میں منتقل کیا۔ ابومحجن ثقفی بار بار شراب پیتے تھے اس لئے انھیں جیل خانے کی سزا دی گئی۔

2- بیت المال:۔ بیت المال کا محکمہ بھی حضرت عمرؓ کے زمانے میں قائم ہوا۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں سب سے اخیر رقم جو وصول ہوئی وہ بحرین کا خراج تھا جس کی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کل رقم ایک ہی جلسہ میں تقسیم کر دی۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنی خلافت میں کوئی خزانہ قائم نہیں کیا تھا آپؐ کی وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

تقریباً 15ھ میں ابوہریرہؓ کو حضرت عمرؓ نے بحرین کا عامل مقرر کیا۔ وہ ایک سال میں پانچ لاکھ کی رقم لائے۔ حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ کا اجلاس بلایا اور بیت المال قائم کیا۔ عبداللہ بن رقمؓ جو نہایت معزز صحابی تھے اور لکھنے پڑھنے میں کمال رکھتے تھے خزانہ کا افسر مقرر کیا۔ (علامہ شبلی نعمانی)

3- نہریں:۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں نہریں بھی کھدوائی گئیں جیسے کہ

1- نہر ابی موسیٰ:۔ یہ نہر ۹ میل لمبی تھی ایک دفعہ بصرہ کے لوگ جن میں حنیف بن قیس بھی شامل تھے حضرت عمرؓ کے پاس آئے کہ بصرہ میں پانی ۶ میل سے لانا پڑتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام تحریر فرمائی کہ بصرہ کے لوگوں کے لئے نہر کھدوائی جائے۔ لہذا یہ نہر انہیں کے نام سے مشہور ہے۔

2-**نہر معقل:**- یہ نہر بھی دجلہ سے کاٹ کر لائی گئی تھی اس کی تیاری کا اہتمام معقل بن یسارؓ نے کیا تھا جو ایک مقدس صحابی تھے اس لئے یہ نہر انھیں کے نام سے مشہور ہوئی۔

3-**نہر سعد:**- اس نہر کے لئے سعد بن عمرؓ کو مامور کیا گیا تھا۔

4-**نہر امیر المؤمنین:**- جب 18ھ میں تمام عرب میں قحط پڑا تو حضرت عمرؓ نے گورنر مصر حضرت عمرو بن عاصؓ کو لکھا کہ دریائے نیل کو اگر سمندر سے ملا دیا جائے تو عرب میں قحط و گرانی کا اندیشہ نہ ہوگا۔ لہذا حضرت عمروؓ نے قاہرہ سے دس بارہ میل تک یہ نہر تیار کرادی، اس کے ذریعہ جہاز دریائے نیل سے چل کر قلزم تک آنے لگے اور یہاں سے جدہ پہونچ کر لنگر کرنے لگے۔ یہ نہر تقریباً 69 میل لمبی تھی اور چھ مہینے میں بن کر تیار کی گئی۔ یہ نہر مدتوں تک جاری رہی اور اس کے ذریعہ مصر کی تجارت کو نہایت ترقی ملی۔

(عہد فاروقی (علامہ شبلی نعمانی)

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور میں مردم شماری اور پولیس محکمہ قائم کرنے کا رواج پیدا کیا۔ راتوں کو گشت کرنے، مسافروں کے لئے مسافر خانے بنوانے اور کنوئیں کھدوا کر خدمتِ خلق کا نیا کام انجام دیا۔ نمازِ تراویح با جماعت پڑھنے اور نمازِ جنازہ میں چار تکبیر کہنے کا طریقہ بھی آپؓ کے دور میں لاگو کیا گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے عورتوں پر عشقیہ شاعری لکھنے پر پابندی لگا دی تھی۔

ایک واقعہ: ایک رات دورانِ گشت حضرت عمر فاروقؓ نے کسی گھر سے بچوں کے رونے کی آواز سنی، معلوم ہوا کے تنگ دستی کے سبب بچے بھوک سے بلبلا رہے ہیں اور رو رہے ہیں۔ اُن کی ماں آگ پر کھانا پکانے کا جھوٹا بہانا کر کے اُنہیں سُلانے کی کوشش کر رہی ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ بہت شرمندہ ہوئے اور فوراً بیت المال سے راشن نکالا اور خود اپنی پیٹھ پر لاد کر اُن کی کفالت کی۔

اک ماں اُبالتی رہی پتھر تمام رات
بچے فریب کھا کے چٹائی پہ سو گئے

بادشاہ یا خلیفہ؟: ایک روز حضرت عمرؓ نے حضرت سلمانؓ سے دریافت کیا کہ ''میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ؟'' آپؓ نے جواب دیا کہ ''کسی مسلمان سے ایک سے کم و بیش وصول کر کے بیجا خرچ کریں تو آپ بادشاہ ہیں، ورنہ خلیفہ۔''

(تاریخ ابن خلدون)

54. حضرت عثمان غنی 24/ تا 35 ہجری 645ء تا 655ء

آپ کے زمانے میں فتوحات کا سلسلہ جاری رہا جس میں نمایاں فتح افریقہ کی فتح تھی۔ اس کے علاوہ جزیرۂ قبرص اور ایران کے باقی حصے آرمینیا حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں فتح ہوئے۔ آپ شرم وحیا کے پیکر تھے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جس طرح عثمانؓ خدا اور اس کے رسول سے حیا کرتے ہیں ویسے ہی فرشتے آپؓ سے حیا کرتے ہیں''۔ آپ جنگِ بدر میں شامل نہ ہو کر بھی شامل سمجھے گئے لہذا مالِ غنیمت میں بھی آپؓ کو حصہ دیا گیا کیوں کہ آپؓ اپنی بیوی اور نبی کریم ﷺ کی بیٹی حضرت رقیہؓ کی تیمارداری میں مشغول تھے۔ جنگِ بدر کی فتح کے موقع پر ہی حضرت رقیہؓ کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے اپنی دوسری بیٹی حضرت اُمِ کلثومؓ کی شادی حضرت عثمان غنیؓ سے کر دی۔ اس طرح دنیا میں صرف حضرت عثمان غنیؓ ہی ایسے خلیفہ ہوئے ہیں جن کے نکاح میں نبی کریم ﷺ کی دو بیٹیاں آئیں۔ حضرت رقیہؓ 2/ ہجری میں اور حضرت اُمِ کلثومؓ 9/ ہجری میں وفات پائیں۔ حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں ہی قرآن شریف کو ترتیب دیا گیا۔ حالانکہ حضرت ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں قرآن شریف حفاظ کرام سے جمع کیا گیا اور اس کو تحریری شکل دی گئی۔ اس کام میں حضرت عمرؓ نے بھی آپ کا ساتھ دیا تھا۔

حضرت عثمان غنیؓ صحابۂ کرام میں بہت مالدار تھے۔ مسجدِ نبوی کے بغل کی کچھ زمین آپ نے اپنی رقم سے خریدی اور مسجدِ نبوی میں وقف کر دی۔ ایک سال مدینہ میں جب قحط پڑا تو آپ نے محتاجوں کو مفت غلہ دیا۔ جب آپ مدینہ تشریف لائے تو وہاں پانی کی بہت تکلیف تھی آپ نے ایک یہودی سے 35/ ہزار درہم میں ایک کنواں خرید کر قوم کو وقف کر دیا۔ آپ نے مالداری پر کبھی فخر نہیں کیا، جنگِ تبوک کے موقع پر جنگ میں شرکت کے لئے آپ نے سو اونٹ، سو گھوڑے اور ایک ہزار دینار نقد پیش کئے تھے۔ جاہلیت کے زمانے میں آپ مکہ کے امیروں میں گنے جاتے تھے۔ پھر بھی آپؓ نے کبھی شراب نوشی نہیں کی۔ آپؓ بہت خوبصورت تھے اور داڑھی کو حنا سے رنگین رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ ہزمیؓ کا قول ہے کہ ''میں نے حضرت عثمان غنیؓ سے زیادہ خوبصورت کسی مرد یا عورت کو نہیں دیکھا''۔

1.شہادت: آپ کو مکان کی چھت پر بلوائیوں نے گھیر لیا تھا۔ سب سے پہلے محمد بن ابی بکر حضرت عثمان غنیؓ کے قریب پہونچے اور ان کی داڑھی پکڑ کر کہا" اے نعثل (لمبی داڑھی والے) خدا تجھ کو رسوا کرے، تجھ کو اس بڑھاپے میں بھی خلافت کی ہوس ہے؟" حضرت عثمان غنیؓ نے جواب دیا" اگر تمہارے باپ ہوتے تو میرے اس بڑھاپے کی قدر کرتے اور میری داڑھی کو اس طرح نہ پکڑتے" محمد بن ابی بکر نے یہ سن کر داڑھی چھوڑ دی اور واپس چلے گئے۔ مگر کنعانہ بن بشیر نے آتے ہی تلوار چلائی۔ آپ کی بیوی حضرت نائلہ نے تلوار روکنے کی کوشش کی جس سے ان کی انگلیاں کٹ کر گر گئیں اور دوسرے وار میں آپ نے جام شہادت نوش فرمالیا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) عمرو بن عمق نے آپ کو نیزے سے 9/زخم پہونچائے، عمرو بن حنابی نے آگے بڑھ کر ٹھوکریں ماریں اور وہ ہر ٹھوکر لگا کر کہتا تھا" کیوں تم نے میرے باپ کو قید کر رکھا تھا؟ جو بے چارہ قید میں ہی مر گیا"۔ جب بیوی نائلہ نے آوازیں دیں تو لوگ چھت پر سے اُترے جن میں سے کچھ لوگ حضرت عثمان غنیؓ کے غلاموں کے ہاتھوں مارے گئے۔ اس وقت حضرت عائشہؓ حج سے فارغ ہوئیں تھیں تب انہیں یہ خبر ملی۔

جب مسجدِ نبوی میں جمعہ کے دن نمازیوں کی کثرت ہونے لگی تو اذان کی آواز سب نمازیوں تک پہونچنی دشوار ہوگئی تو حضرت عثمان غنیؓ نے حکم دیا کہ مؤذن جمعہ کی نماز میں خطبہ کی اذان سے پہلے ایک اور اذان دیا کریں۔ اس طرح جمعہ کے دن دو اذانیں ہونے لگیں۔

(تاریخ اسلام 392)

حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں ہندوستان میں مہاراجہ ہرش وردھن کی حکومت تھی جس کی موت کے بعد راجپوتوں نے پورے ملک میں الگ الگ حکومتیں قائم کر لی تھیں۔

(تاریخ ابن خلدون)

55. حضرت علیؓ (36 تا 40 ہجری) 655 تا 660ء

صرف ایک جنگِ تبوک کو چھوڑ کر حضرت علیؓ بقیہ تمام غزوات میں شامل تھے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جنگِ تبوک کے موقع پر مدینہ میں انہیں قائم مقام مقرر فرمایا تھا۔ جنگِ اُحد میں آپؓ کے جسم پر 16/زخم آئے تھے۔ آپؓ نے قلعہ خیبر کا دروازہ اپنی پشت پر اٹھا لیا تھا جبکہ بہت سے لوگوں سے وہ ہلتا بھی

نہیں تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے ایک ہفتہ بعد خلافت کے لئے لوگوں نے آپ سے بیعت کی مگر انتشار ختم نہیں ہوا کیونکہ کچھ لوگ حضرت عثمان غنیؓ کے قاتلوں کو سزا دلوانے کی ضد پر اڑے ہوئے تھے۔ جن میں امیر معاویہؓ، طلحہؓ، زبیرؓ وغیرہ قصاص کے خواہاں تھے۔ جن میں امّ المومنین حضرت عائشہ بھی شامل تھیں۔ حضرت علیؓ سے 856 رحدیثیں مروی ہیں۔

1. جنگِ جمل: یہ جنگ عثمانؓ کے قاتلوں کو سزا دینے کی مانگ نہ پوری ہونے کی وجہ سے ہوئی۔ امّ المومنین حضرت عائشہ، حضرت طلحہؓ، زبیرؓ اور حضرت علیؓ کے بیچ ہوئی۔ دونوں جانب لشکر تیار کھڑے تھے۔ تین دن تک صلح نہ ہو سکی تو پھر حضرت علیؓ کا لشکر جنگِ جمل میں کود پڑا اور علیؓ کو عبداللہ بن صبا نے بتایا کہ حضرت عائشہؓ کے سپہ سالاروں نے حملہ کر دیا ہے۔ آخر جنگ نے زور پکڑا، امّ المومنین حضرت عائشہؓ ایک اونٹ پر سوار ہو کر جب میدانِ جنگ کی طرف چلیں کہ شائد صلح کی کوئی راہ نکل آئے۔ مگر لوگوں نے اُنہیں سپہ سالار سمجھ کر جنگ اور تیز کر دی۔ اس جنگ میں طلحہ کے پیر میں ایک تیر لگا اور وہ انتقال کر گئے۔ حضرت علیؓ خود میدانِ جنگ میں سپہ سالار بنے ہوئے تھے۔ حضرت عائشہؓ کے اونٹ پر آنے سے جنگ زیادہ بھڑک گئی تھی، حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ کو کوئی نقصان نہیں پہونچانا چاہتے تھے کیونکہ جنگ کے درمیان حضرت عائشہ کے اونٹ کی ٹانگیں کٹ جانے کی وجہ سے وہ گر گیا تھا۔ لٰہذا حضرت علیؓ نے ان کے بھائی محمد بن ابوبکرؓ سے کہا کہ تم اپنی بہن کی حفاظت کرو۔

حضرت علیؓ خود وہاں پہونچے اور حضرت عائشہ کو سلام عرض کر کے فرمایا ''اماں جان آپ کیسی ہیں؟ آپ کا مزاج تو بخیر ہے؟'' حضرت عائشہؓ نے جواب دیا ''خدا تعالیٰ آپ کی ہر غلطی معاف کرے'' اس کے بعد جنگ ختم ہو گئی اور سردارانِ لشکر نے ایک دوسرے کو سلام کیا۔ اس جنگ میں حضرت عائشہؓ کی طرف سے 30 ر ہزار جوان تھے جن میں سے 9 ر ہزار شہید ہو گئے اور حضرت علیؓ کے 20 ر ہزار جوانوں میں سے 1070 ر شہید ہو گئے۔ جنگِ جمل ختم ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے 36 ر ہجری میں امّ المومنین کو مکہ بھیج دیا۔ ان کے بھائی محمد بن ابوبکرؓ کے ہمراہ بصریٰ کی 40 ر عورتیں ان کی حفاظت کے لئے بھیجی گئیں۔

2. جنگِ صفین (حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ): جنگِ جمل کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ سے بیعت حاصل کرنے کے لئے شام کو قابو میں کرنا ضروری سمجھا اس لئے آپ نے کوفہ

کو دارالحکومت قرار دیا۔ اُدھر جنابِ معاویہؓ جامع مسجد دمشق کے منبر پر حضرتِ عثمانِ غنیؓ کا خون آلود پیراہن اور ان کی بیوی کی کٹی ہوئی انگلیاں رکھ کر شہادت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کرنے کے لئے لوگوں کو اکساتے۔ مصر کے گورنر عمر بن العاصؓ نے حضرت معاویہؓ کو دمشق جا کر سمجھایا کہ وہ منبر پر روزانہ ایسی حرکت نہ کیا کریں۔ گورنر مصر کا یہ مشورہ حضرت معاویہؓ نے مان لیا لیکن حضرت علیؓ کی بیعت واطاعت قبول نہیں کی۔ جب حضرت علیؓ نے کوفہ سے شام پر چڑھائی کردی تو امیر معاویہؓ کے لوگوں نے ساحلِ فرات پر پہونچ کر پانی پر قبضہ کرلیا۔ پھر حضرت عمرو بن العاصؓ کے سمجھانے پر انہوں نے پانی کا محاصرہ ختم کیا۔ امیر معاویہؓ اپنے آپ کو مکہ کا رئیس اور امیر عرب سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے بیعت سے انکار کر دیا اور نتیجتاً جنگ صفّین ہوئی۔ حضرت علیؓ کو مصروفِ جنگ دیکھ کر امیر معاویہؓ پریشان ہو گئے اور عمرو بن العاصؓ کے سمجھانے پر قرآن مجید کو بلند کر کے صلح کرنے اور قرآن کے فیصلے پر قائم رہنے کا اعادہ کر کے جنگ بندی کا اعلان کردیا گیا۔ عمر بن العاصؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ نے منبر پر فیصلہ سنایا جس میں دونوں یعنی حضرت علیؓ اور امیر معاویہ کو معطل کردیا گیا۔ مگر امیر معاویہؓ نے معطل ہونے سے انکار کردیا۔ آخر ایک سازش رچی گئی کہ تینوں سرداروں کو فجر کی نماز کے وقت قتل کردیا جائے۔ جس میں حضرت علیؓ (کوفہ) حضرت امیر معاویہؓ (دمشق) اور عمرو بن العاصؓ (مصر) کو قتل کرنا طے کیا گیا۔ اس سازش کے تحت فجر کی نماز میں حضرت علیؓ شہید کردیے گئے، امیر معاویہؓ کی ٹانگ زخمی ہوگئی اور مصر میں عمر بن العاصؓ بیماری کی وجہ سے فجر کی نماز میں شامل نہ ہوسکے، ان کی جگہ امامت کرنے والے خارج بن ابی تلکرؓ شہید کردئے گئے۔ اس طرح امیر معاویہؓ خلیفہ بن گئے۔ حضرت علیؓ کو شہید کرنے والے عبدالرحمان بن ملجم کے لئے حضرت علیؓ نے کہا تھا ''اگر میں مرجاؤں تو اس کو قتل کرنا، ورنہ نہیں'' حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ابنِ ملجم کو حضرت حسنؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور ان کے ایک ہی وار نے ابنِ ملجم کا کام تمام کردیا۔

3. حضرت علیؓ کا انصاف 1: (17 / اونٹ): ایک بار تین شخص حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کے پاس سترہ اونٹ تھے انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ ''حضرت! آپ ان اونٹوں کو ہمارے بیچ تقسیم کردیں، ہم میں سے ایک شخص آدھے کا، دوسرا شخص تہائی حصے کا اور میں یعنی تیسرا شخص نویں حصے کا حقدار ہے، اونٹ کاٹ کر تقسیم نہ کریں اور نہ کسی کو کچھ پیسے دلوائیں، کیوں کہ

ہمارے پاس کچھ نہیں ہے" بڑے بڑے دانشور جو آپ کے پاس تشریف فرما تھے کہنے لگے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پورے پورے اونٹ ہر شخص کو ملیں او وہ کاٹے بھی نہ جائیں؟ مگر حضرت علیؓ نے فوراً ان اونٹوں کو ایک قطار میں کھڑا کرنے کا حکم دیا اور اپنے خادم کو بلا کر کہا" ہمارا ایک اونٹ لاؤ اور قطار کی آخر میں کھڑا کردو" لہٰذا ایسا ہی کیا گیا۔ ان سترہ اونٹوں میں ایک اونٹ اور ملا کر کل اٹھارہ اونٹ ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا" میں نے تمہارے اونٹوں میں اضافہ کیا ہے کمی نہیں کی ہے" جو شخص آدھے کا حصہ دار تھا اس کو آپ نے اٹھارہ میں سے نو اونٹ دے دئے، اسکے بعد جو شخص تہائی کا حصہ دار تھا آپ نے اٹھارہ کا تیسرا حصہ یعنی چھ اونٹ اس کو دے دئے، اس کے بعد اٹھارہ کا نواحصہ یعنی دو اونٹ نویں حصہ والے کو دے دیئے۔ اس طرح 9/ 6/ اور 2 ملا کر کل 17/ اونٹ تقسیم کر دئے اور خادم کو بلا کر فرمایا" اٹھارواں اونٹ جہاں سے تم لائے تھے وہیں لے جا کر باندھ دو" اس طرح آپ کے فیصلے کو دیکھ کر حاضرین دنگ رہ گئے۔ (خطبات محرم)

2 آٹھ روٹیاں: ایک دفعہ دو شخص مل کر ایک ساتھ کھانا کھانے بیٹھے، ان میں سے ایک شخص کے پاس پانچ روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس صرف تین روٹیاں، اچانک ایک آدمی اور آ گیا جس کے پاس روٹیاں نہیں تھیں تینوں نے مل کر ساری روٹیاں کھالیں، تیسرے آدمی نے جاتے وقت روٹیوں کے عوض آٹھ درہم دیے ان آٹھ درہموں کی تقسیم پر ان دونوں آدمیوں میں جھگڑا ہو گیا کیوں کہ تین روٹی والا آدھا حصہ یعنی چار درہم مانگ رہا تھا جبکہ پانچ روٹی والا پانچ درہم۔ یہ جھگڑا جب حضرت علیؓ کے پاس پہونچا تو آپ نے تین روٹی والے کو 3/ درہم لینے کے لئے کہا، مگر اس نے انکار کر دیا، وہ حساب مانگ رہا تھا۔ لہٰذا حضرت علیؓ نے فرمایا" اگر کل آٹھ روٹیوں کے تین تین ٹکڑے کئے جائیں تو کل 24/ ٹکڑے ہوئے، آپ تین کھانے والے تھے لہٰذا ہر شخص نے آٹھ آٹھ ٹکڑے کھائے، تمہاری تین روٹیوں کے نو ٹکڑوں میں سے آٹھ ٹکڑے تو تم نے خود کھالئے اور صرف تمہاری روٹی کا ایک ٹکڑا آنے والے تیسرے شخص نے کھایا اس طرح تم صرف ایک درہم کے حقدار ہو"۔ وہ شخص خاموش ہو گیا اور ایک درہم لیکر چلا گیا۔ (خطبات محرم)

خلافت بنو امیہ 40/ تا 132/ ہجری مطابق 660ء تا 752ء

یہ 92/ برس کا زمانہ اسلامی تاریخ میں دورِ نبوی کے بعد سب سے درخشاں دور تھا۔

56. حضرت امیر معاویہؓ 40ء تا 60ء ہجری 660ء تا 680ء

حضرت امیر معاویہؓ نے مصر کی حکومت عمرو بن العاصؓ کو دیدی تھی اور اب تمام عالمِ اسلام کے خلیفہ ہونے پر سعد بن وقاصؓ کو مکہ کا اور مروان بن حکم کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا اور اس طرح حضرت امیر معاویہؓ تقریباً بیس سال تک تمام عالمِ اسلام کے خلیفہ کی حیثیت سے جانے گئے۔ تخت نشین ہوتے ہی انہوں نے بیعت کے لئے خطوط روانہ کئے اور مدینہ کے گورنر ولید بن عتبہ کو بیعت لینے کی تاکید کی۔

حضرت معاویہؓ سے 63ء احادیث نبوی مروی ہیں۔

57. یزید بن معاویہؓ اور شہادت امام حسینؓ (کربلا) 60ء تا 64ء ہجری مطابق 680ء تا 684ء

تمھارِ جاہ وجلال سے ہم نہیں ہیں مرعوب ہونے والے
قضا سے آنکھیں لڑاتے ہیں ہم ہماری تاریخ کربلا ہے

یزید نے پونے چار سال حکومت کی لیکن اس دوران کوئی فتح حاصل نہیں ہوئی البتہ کربلا کا درد ناک سانحہ اسی کے دورِ اقتدار میں پیش آیا۔ امیر معاویہ کے انتقال کے بعد شامیوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنا شروع کر دیا۔ حضرت حسینؓ نے ان کی بیعت سے انکار کیا اور مکہ معظمہ تشریف لے آئے جب اس کی اطلاع کوفیوں کو ملی تو انھوں نے اپنی محبت اور حمایت کا اظہار کر کے کوفہ سے خطوط و پیغامات بھیجنا شروع کر دئے اور حضرت حسینؓ کو کوفیوں نے دھوکے سے کوفہ بلالیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت حسینؓ نے ان کے سامنے تین شرطیں رکھیں۔ 1- یہ کہ ہمیں اپنے وطن واپس جانے دو۔ 2- ہمیں یزید کے پاس جانے دو تاکہ اس سے مل کر ہم خود اپنا معاملہ طے کرلیں گے۔ 3- یا تم ہمارے ساتھ یزید کے پاس چل کر بات چیت کرو۔ لیکن اہل کوفہ کی طرف سے تیر پھینکنا شروع کیا گیا اور لڑائی شروع ہوگئی۔ یزید نے عبداللہ بن زیاد کو دمشق کا گورنر بنایا اور خود دمشق کا خلیفہ بنا۔ یزید کی عملی زندگی غیر اسلامی اور قابلِ اعتراض تھی۔ اس نے مسجدِ نبوی اور بیت اللہ کی بے حرمتی کی اور ہزاروں صحابۂ کرام کو شہید کیا اور کروایا۔

عبداللہ بن زیاد:۔ یزید کا مقرر کردہ گورنر عبداللہ بن زیاد بہت طاقت ور تھا۔ اسی کی وجہ سے سانحۂ کربلا نے شدت اختیار کرلی اور حضرت امامِ حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کی زندگیوں کا قافیہ تنگ کر دیا گیا 7ء محرم کو دریائے فرات کا پانی حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں پر بند کر دیا گیا۔ اور اہل بیت رسولؐ

فرات کے پانی سے محروم کردئے گئے۔ آپ کے جسمِ اطہر پر کئی زخم آئے پھر بھی آپ کربلا میں فوج کا مقابلہ کرتے رہے۔ شمر جو عبداللہ بن زیاد کے حکم سے جنگِ کربلا میں حضرت امام حسینؓ کا پیچھا کر رہا تھا اس نے یا پھر اس کے کسی ساتھی نے جنگ میں امامِ حسینؓ کا سر قلم کردیا۔ اس طرح حضرت امام حسینؓ نے ہاتھ نہیں دیا اور سر دے دیا۔ اور ان کے جسم مبارک کو روند کر یزید کے پاس انعام واکرام پانے کے لئے پیش کیا۔ یہ سانحہ 10؍محرم الحرام بروز جمعہ 61ھ مطابق 681ء کو پیش آیا جب یزید نے آپ کا سرِ مبارک دیکھا تو عبداللہ بن زیاد کو بہت گالیاں دیں اور کہا کہ ”نالائقو! یہ میں نے کب کہا تھا کہ تم حسین بن علی کو قتل کردینا“ کہتے ہیں کہ اسے بھی بہت دکھ ہوا اور اس کے محل میں بھی کئی دنوں تک ماتم کا سا ماحول رہا۔ حضرت امامِ حسینؓ کا قبیلہ جو لٹ چکا تھا۔ یزید نے مالی امداد دیکر برباد ہوئے قافلے کو مدینہ روانہ کردیا۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ یہ سب شرارت یزید کی ہی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حج کے موقع پر اہلِ حجاز نے عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرنی شروع کردی تھی حصین بن نمیر لشکر شام کو لیکر مکہ کے قریب پہونچ گیا اور اس نے عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ یزید کی اطاعت قبول کرلو ورنہ مکہ پر حملہ ہوگا اور مکہ کا محاصرہ کرلیا یہ محاصرہ وسنگ باری 3؍ماہ تک یعنی ربیع الاول 64؍ہجری تک جاری رہی۔ شامیوں نے ہاتھ گولے پھینکے جس سے خانہ کعبہ کا غلاف جل گیا اور دیواریں شکستہ ہوگئیں اور چھت گر گئی اس وقت سب سے پہلے عبداللہ بن زبیرؓ کو معلوم ہوا کہ یزید کا انتقال ہوگیا ہے تب آپ نے بلند آواز سے کہا کہ بدبختو اب تم کیوں لڑتے ہو جب کہ یزید کا انتقال ہوگیا ہے۔ 10؍ربیع الاول 64؍ہجری میں مقام حوران 39؍سال کی عمر میں یزید کا انتقال ہوا تھا۔ اور اس نے تین سال آٹھ ماہ حکومت کی۔ (تاریخ اسلام صفحہ 82)

روئیں وہ جو قائل ہیں مماتِ شہداء کے
ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

58. مروان بن حکم 64؍تا65؍ہجری مطابق 684ءتا685ء

مروان بن حکم کو حضرت عثمان غنیؓ کے عہدِ خلافت میں وزارت کا عہدہ حاصل تھا اور حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں کئی بار مدینہ کی حکومت حاصل رہی۔ یزید کی موت کے بعد چھ سات مہینے تنہا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ہی خلیفہ رہے۔ ان کے علاوہ اور کوئی شخص اس قابل ہی نہیں تھا مگر مروان بن حکم اپنی کوشش میں کامیاب ہوکر ملکِ شام پر قابض ہوگیا ورنہ خلافتِ بنوامیہ بالکل ختم ہی ہوچکی تھی۔ لہٰذا

مروان بن حکم کو خلافتِ بنوامیہ کا بانی بھی کہا جا سکتا ہے۔ مروان کی پیدائش 2/ہجری میں ہوئی اور نبی کریم ﷺ نے مروان کے بارے میں فرمایا تھا "یہ گرگٹ کا بیٹا گرگٹ ہے" مروان بن حکم نے یزید کی بیوہ سے شادی کر لی تھی۔ وہ اپنے بیٹے خالد بن یزید کو خلیفہ بنانا چاہتی تھی اور مروان اسے راستے سے ہٹانا چاہتا تھا۔ جب خالد نے اپنی امی کو مروان کے ارادے کی خبر دی تو اس کی امّی نے رات کو سوتے وقت اپنی خادماؤں کے ذریعہ مروان بن حکم کا گلا گھونٹوا کر مروا ڈالا۔ یہ واقعہ 65/ہجری کا ہے۔ ادھر دمشق میں عبدالملک بن مروان کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کرنا شروع کر دیا اور عبدالملک بن مروان نے اپنے باپ کے قصاص میں خالد بن یزید کی ماں کا قتل کروا دیا۔ مروان بن حکم کی عمر 63/سال ہوئی اور دورِ خلافت ساڑھے نو ماہ رہی۔ (تاریخ اسلام صفحہ 101)

59. عبدالملک بن مروان 72/تا85 ہجری مطابق 692ء تا705ء

مدینہ میں کوئی جوان عبدالملک کی مانند چست، چالاک اور قرآن و احادیث سے واقفیت رکھنے والا عابد و زاہد نہیں تھا۔ کامیاب خلفاء میں عبدالملک بن مروان کا نام آتا ہے۔ عبدالملک جب تخت پر بیٹھا تو اس نے حجاج بن یوسف کو خلیفہ عبداللہ بن زبیر (60 سے 73ھ) سے مکہ میں جنگ کرنے کے لئے روانہ کیا مگر حجاج نے عبداللہ بن زبیرؓ کو کعبہ میں شہید کر دیا اور کعبہ کی چھت گر گئی۔ اس کے بعد حجاج بن یوسف کو مکہ اور مدینہ دونوں کا حکمراں بنا دیا گیا۔ عبدالملک بن مروان نے بادشاہِ روم کو خط لکھے۔ خط کی پیشانی پر کلمہ توحید اور درود شریف لکھ کر بھیجا۔ جس پر شاہِ روم جس کا سکّہ پورے خطۂ عرب، خصوصاً شام اور مصر میں چلتا تھا۔ بہت ناراض ہوا اور کہا کہ ہم ایسے سکّے رائج کریں گے جن پر تمہارے نبی کی توہین ہوگی۔

لہٰذا عبدالملک بن مروان نے پہلی بار مسلمانوں کا سکّہ ایجاد کیا جبکہ رومیوں کے سکّے خطۂ عرب میں چلتے تھے۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان خلفائے بنوامیہ میں بڑے باکمال خلیفہ تھے۔ اپنے دورِ خلافت میں عبدالملک نے اتحاد بین المسلمین کی تحریک چھیڑی۔ جو بڑی حد تک ان کے دور میں کامیاب رہی۔ عبدالملک نے حجاج بن یوسف کو مزید اختیارات دئے۔

ہجری 85/بمطابق 705ء میں عبدالملک بن مروان کا انتقال ہوا۔ عبدالملک کا دور 13/برس 3 ماہ اور 23/دنوں پر محیط رہا۔

1. حجاج بن یوسف: حجاج بن یوسف کو عراق کا حاکم مقرر کیا گیا تھا۔ وہ مشرقی ممالک کا سب سے بڑا وائسرائے تھا۔ حجاج بن یوسف نے 20 سال عراق پر حکومت کی۔

حجاج بن یوسف نے کعبۃ اللہ کو شہید کر کے اس کی تعمیر نو کرائی، اسے جب یہ معلوم ہوا کہ اسلام دور دور تک پھیل چکا ہے اور قرآن دیگر ممالک میں بھی پڑھا جانے لگا ہے تو اس نے علمائے دین اور حفاظِ قرآن اور قراء حضرات کو جمع کر کے قرآن شریف میں اعراب (زیر، زبر، پیش) لگوا دیئے تا کہ عرب کے علاوہ دیگر ممالک کے مسلمان قرآن کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھ سکیں۔ حجاج بن یوسف کو تاریخ نے بڑا ہی ظالم حکمراں قرار دیا ہے، اس نے مکہ اور مدینہ میں اصحابِ نبی ﷺ حضرت انسؓ جیسے جلیل القدر صحابی پر بھی مظالم ڈھائے، ان کی مشکیں کھنچوائیں، ان پر کوڑے لگوائے۔ کہتے ہیں قرآن پاک میں اعراب لگوانے کی خدمت کے علاوہ اس کا کوئی ایسا کارنامہ نہیں سامنے آیا جس سے تاریخ اُسے معتدل قرار دیتی۔

حجاج بن یوسف نے اپنی حکومت کی سرحدیں چین، روس اور بلخ و بخارا تک پہونچا دیں۔ حجاج بن یوسف نے ہی محمد بن قاسمؒ جیسے جانباز، دیندار اور عادل سپہ سالار کو ہندوستان کی طرف روانہ کیا تھا۔

60. ولید بن عبدالملک 86/ تا 96/ ہجری مطابق 705ء تا 715ء

یہ عبدالملک بن مروان کا بیٹا تھا۔ اپنے والد کی وفات کے بعد دمشق میں تخت نشیں ہوا اور جامع مسجد دمشق میں خطبہ دیا "لوگو! تم خلیفۂ وقت کی اطاعت کرو اور مسلمانوں میں اتحاد قائم رکھو، جو سرکشی کرے گا اس کا سر قلم کر دیا جائے گا اور جو خاموش رہے گا وہ اپنے مرض میں خود ہی ہلاک ہو جائیگا۔" اس کے بعد لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔

1. حجاج بن یوسف: ولید بن عبدالملک نے حجاج بن یوسف کے اختیارات بدستور قائم رکھے۔ اور آپ کے عہدِ حکومت میں سندھ، ترکستان، سمرقند، بخارا، اسپین، ملیشیا، کوچینگ، جیسے عظیم ممالک میں کچھ پر مکمل اور کچھ ممالک کے اکثر شہروں اور جزیروں کو سلطنت اسلامی میں شامل کر لیا تھا۔ حضرت عمرؓ کے بعد کسی خلیفہ کے دور میں اس قدر فتوحات نہیں ہوئے جتنے کہ ولید بن عبدالملک کے دورِ اقتدار میں نصیب ہوئے۔

2. موسیٰ بن نصیر: یہ مغربی ممالک کا وائسرائے اور افریقہ کا سب سے بڑا حاکم تھا۔ اُندلس کے کچھ لوگ موسیٰ کے پاس آئے اور اپنے ظالم بادشاہ کی شکایت کی۔ موسیٰ بن نصیر نے ولید بن ملک سے

اندلس پر فوج کشی کی اجازت چاہی اور اپنے آزاد کئے ہوئے غلام طارق بن زیاد کو چار کشتیوں میں سات ہزار سپاہیوں کے ساتھ اندلس کے ساحل کی طرف روانہ کر دیا۔ اسپین کا بادشاہ لرزیق تھا۔ اور اس کا سپہ سالار تدمیر تھا جو کہ ایک نہایت تجربہ کار اور مشہور سپہ سالار تھا اس نے ایک لاکھ لشکر جرار کے ساتھ مقابلہ کیا اور آٹھ روز تک جنگ جاری رہی آخر تدمیر نے شکست کھا کر اور ایک محفوظ مقام پر پہنچ کر بادشاہ لرزیق کو اطلاع دی کہ اے شہنشاہ! ہمارے ملک پر ایک غیر قوم نے حملہ کیا ہے میں نے ان لوگوں کا مقابلہ کیا اور پوری ہمت اور شجاعت سے کام لیا لیکن مجھ کو اپنی کوششوں میں ناکامی ہوئی اور میری فوج ان لوگوں کے مقابلے میں قائم نہ رہ سکی ضرورت ہے کہ آپ بنفس نفیس زبردست فوج اور طاقت کے ساتھ اس طرف متوجہ ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ حملہ آور لوگ کون ہیں کہاں سے آئے ہیں آیا آسمان سے اترے ہیں یا زمین سے نکل آئے ہیں۔ بالآخر بادشاہ لرزیق مارا گیا اور یہ جنگ 92/ ہجری بمطابق 711ء میں فتح ہوئی اور اسپین بھی اسلامی ریاست میں شامل ہو گیا نیز فرانس کے کچھ علاقے بھی فتح کر لئے گئے۔

(تاریخ اسلام صفحہ نمبر 34-35)

3. فاتح اسپین طارق بن زیادؒ :۔ اسی جنگ میں حضرت طارق بن زیاد نے دریا پار کر کے سب ہی کشتیاں جلا دی تھیں اور اپنی فوج کو مخاطب کر کے فرمایا تھا ”اسلامی سپاہیو! بڑھتے ہوئے قدم کو واپس لینا ہماری شان نہیں ہے، اس لئے ہم نے سبھی کشتیاں جلا دی ہیں، ہمیں فتحیاب ہونا ہے یا پھر جامِ شہادت نوش کر کے بارگاہِ خداوندی میں سرفراز ہونا ہے۔“

کشتیاں ہم نے جلا دی ہیں بھروسے پہ ترے ☆ اب یہاں سے نہیں ہم لوٹ کے جانے والے

طارق بن زیادؒ مسلمان جنرل تھے جنھوں نے اسپین (اندلس) فتح کر کے یوروپی سرزمین پر اسلام کا پرچم لہرایا۔ طارق کی فتح کے بعد اسپین میں اسلام پھیلا۔ اور اس عجیب کارنامے کی اہمیت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے کہ ان کے ساتھ کل ملا کر صرف 12 ہزار فوج تھی جب کہ دشمن کے پاس ایک لاکھ گھوڑسوار فوج تھی اور ملک کے 60 لاکھ عیسائی ان کی مدد کر رہے تھے۔ کہتے ہیں کہ دین داری کے معاملے میں طارق بن زیادؒ بالکل صحابہ کرامؓ کا نمونہ تھے۔ اور اسلام پھیلا کر دنیا کو توحید کے نور سے روشن کرنے کا جذبہ رکھتے تھے۔ مسلمانوں نے افریقہ میں اسلام پھیلانے کے بعد ان کی نظریں یوروپ کی

طرف پڑیں۔ چونکہ افریقہ سے یوروپ کے اندر داخل ہونے کا سب سے قریب کا دروازہ اسپین ہی تھا۔

مسجد قرطبہ اسپین کی تاریخی مسجد ہے جس کی تعمیر 787ء میں شروع ہوئی تھی اور مختلف خلفاء کے دور میں اس کی توسیع ہوئی۔ مگر 893ھ مطابق 1492ء کو اسپین میں صدیوں پر محیط مسلم اقتدار کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا اور ان کی آخری ریاست غرناطہ بھی عیسائیوں کے قبضے میں چلی گئی۔

4. محمد بن قاسم: آپ حجاج بن یوسف کے بھتیجے اور داماد تھے۔ کچھ مسلمان جزیرۂ سراندیپ میں سفر کرتے ہوئے مارے گئے۔ وہاں کا راجہ مسلمانوں کی فتوحات دیکھ کر فکرمند ہو رہا تھا۔ اس لئے اس نے وقت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے سراندیپ میں مارے گئے مسلمانوں کے یتیم بچوں اور بیواؤں کو حجاج بن یوسف اور خلیفہ ولید بن ملک کے پاس کچھ قیمتی تحائف کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ خوش ہو جائیں۔ یہ کشتیاں سراندیپ سے روانہ ہو کر فارس ہوتی ہوئی سندھ کے بندرگاہ دیبل میں پہونچ گئیں۔ یہاں سندھ کا راجہ داہر تھا۔ اس کے سپاہیوں نے ان کشتیوں کو لوٹ لیا۔ جب حجاج کو معلوم ہوا تو اس نے لٹیروں کو سزا دے کر کشتیوں کو سامان کے ساتھ اپنے پاس بھیجنے کو لکھا۔ لیکن راجہ داہر گھمنڈ میں تھا اور اس نے غلط جواب دیا۔

حجاج بن یوسف نے عبداللہ اسلمی کو سندھ کی طرف بھیجا مگر وہ راجہ داہر کی فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا۔ راجہ داہر اس وقت سندھ کا طاقتور راجہ تھا۔ دوسری بار حجاج بن یوسف نے بدیل غامی نامی ایک سردار کو داہر سے مقابلہ کے لئے روانہ کیا مگر وہ راجہ کی فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ اس کے بعد حجاج بن یوسف نے اپنے بھتیجے اور داماد محمد بن قاسم کو چھ ہزار فوج لے کر روانہ کیا۔ محمد بن قاسم کی عمر اس وقت 17 رسال کی تھی۔ محمد بن قاسم نے سب سے پہلے صوبۂ مکران جس پر سندھیوں نے قبضہ کر رکھا تھا فتح کر لیا۔ اس کے بعد دیبل (کراچی) میرون اور بُرہمن آباد کی طرف بڑھا۔ راجہ داہر کے پاس ایرانی لوگ ہی نہیں بلکہ بہت سے عرب لوگ بھی پناہ لئے ہوئے تھے جو خلیفۂ وقت سے بغاوت کر کے فرار تھے۔ راجہ داہر نے 20 رجون 712ء کو محمد بن قاسم کا مقابلہ کیا اور مارا گیا۔ اس طرح محمد بن قاسم نے پورا سندھ فتح کر لیا۔

محمد بن قاسم نے فتح کے بعد اسلامی رواداری اور اخلاص کا مظاہرہ کیا۔ رعایا پروری، صلہ رحمی اور اپنے عادلانہ صفت کی وجہ سے وہ سندھی قوم میں ایک ہیرو کے طور پر دیکھے جانے لگے۔ محمد بن قاسم نے اپنے دورِ خلافت میں جس مذہبی رواداری اور اخلاق کا مظاہرہ کیا تھا اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔

ہجری 94؍ تک محمد بن قاسم نے ملتان فتح کرتے ہوئے، کشمیر اور گجرات میں سورت اور تمام مغربی ہندوستان کو فتح کر لیا تھا۔ یہ کامیابی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانے کی ہے۔

61. سلیمان بن عبدالملک ہجری 96؍ تا 99؍ مطابق 716ء تا 719ء

یہ اپنے بھائی ولید سے چار سال چھوٹا تھا۔ ولید کی وفات کے بعد ہجری 96؍ مطابق 716ء میں سلیمان بن عبدالملک کے ہاتھ پر بیعت لی گئی اور وہ تختِ دمشق پر بیٹھا۔ حجاج بن یوسف اور قطیبہ، سلیمان کو ولی عہدی سے خارج کروانا چاہتے تھے مگر حجاج بن یوسف، سلیمان کے دورِ خلافت سے پہلے ہی فوت ہو چکا تھا۔ قطیبہ نے خراسان کی تمام فوج اور سرداروں کو جمع کر کے سلیمان بن عبدالملک کی خلافت سے انکار کر دیا۔ بغاوت کے جرم میں عوام نے قطیبہ کا سر قلم کر کے اس کی انگوٹھی سلیمان بن عبدالملک کے پاس بھیج دی۔ اس بغاوت میں قطیبہ کے بھائی، بھتیجے سمیت کل 11؍ افراد مارے گئے۔

محمد بن قاسم کا قتل

محمد بن قاسم کے قتل کے متعلق مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاریخ فرشتہ اور بھارت کا اتہاس ،بی، اے راجستھان میں چچ نامہ اور میر معصوم کے بیان کو مورخین قبول نہیں کرتے ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہے۔

1. **تاریخ فرشتہ:** تاریخ فرشتہ کے مطابق سندھ کے راجہ داہر کی دو لڑکیاں تھیں، جنہیں محمد بن قاسم نے راجہ داہر اور اس کی بیوی کے مارے جانے کے بعد دمشق میں خلیفہ ولید بن عبدالملک کے پاس بھیج دیا۔ بڑی لڑکی کا نام سرلا دیوی تھا اور چھوٹی کا نام پرمیلا دیوی۔ سرلا دیوی بہت ہی خوبصورت تھی۔ یہ ولید بن عبدالملک کو بہت پسند آئی۔ جب ولید نے اسے محل میں داخل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو سرلا نے کہا کہ میں آپ کے محل میں داخل ہونے کے قابل نہیں ہوں، کیوں کہ محمد بن قاسم تین راتیں میرے ساتھ گزار چکا ہے۔ کیا مسلمانوں میں یہی رواج ہے کہ پہلے تو کسی عورت پر نوکر ہاتھ صاف کریں اور بعد میں اسے خلیفہ کو تحفہ میں پیش کریں؟ یہ سن کر ولید کو بہت غصہ آیا اور اس نے اسی وقت محمد بن قاسم کو گرفتار کرنے کا حکم صادر کر دیا کہ اسے گائے کی کھال میں بند کر کے ہمارے پاس پیش کیا جائے۔ لہٰذا ایسا ہی کیا گیا جسکی وجہ سے محمد بن قاسم کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس کے بعد ولید بن عبدالملک نے سرلا دیوی سے کہا ”دیکھو ہم مجرموں کو ایسی ہی خطرناک سزا دیتے ہیں“۔ یہ دیکھ کر سرلا نے ولید سے کہا ”واہ! آپ بغیر

تحقیقات کے ہی فیصلہ کرتے ہیں۔ یہ آپ کے لئے درست نہیں ہے۔ آپ نے محمد بن قاسم کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کان سے بہرے ہیں اور صرف خدا کے بھروسے ہی حکومت کرتے ہیں، محمد بن قاسم نے میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا، اس نے مجھے بہن کی طرح رکھا تھا، مگر ہاں! اس نے ہماری ساری قوم کو تباہ اور برباد کر ڈالا اور میرے باپ کو مار ڈالا اس لئے آج میں نے اس سے بدلہ لے لیا اور آج میں بغیر جنگ کئے ہی جیت گئی"۔ یہ سن کر ولید ہکا بکا رہ گیا لیکن اب کیا ہو سکتا تھا جب چڑیا چگ گئی کھیت۔ آخر خلیفہ نے دونوں لڑکیوں کو گھوڑوں کی پونچھ سے بندھوا کر گھسیٹوایا اور مروا ڈالا۔ (تاریخ فرشتہ: صفحہ نمبر 890) (بھارت کا اتہاس، راجستھان 474)

2. صحیح واقعہ تاریخ اسلام: چونکہ سلیمان کی حجاج بن یوسف سے دشمنی تھی اس لئے اس نے حجاج بن یوسف کے داماد، بھتیجے اور سندھ کے ہیرو محمد بن قاسم کو بھی اپنا دشمن سمجھ لیا تھا، جب کہ اس میں محمد بن قاسم کا کوئی قصور نہیں تھا، وہ حجاج کی وفات کے بعد بھی فتوحات اور ملک داری میں مصروف تھا۔ سلیمان نے یزید بن ابی کو عداوت کی وجہ سے سندھ کا وائسرائے بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ محمد بن قاسم کو گرفتار کر کے بھیجو۔ خلیفہ کا حکم محمد بن قاسم نے منظور کر لیا، اگر وہ یہ حکم نہیں مانتے تو وہ سندھ کے ریگستان میں سلیمان بن ملک اور یزید بن ابی کبشہ کو دھول چٹا دیتے۔ آخر محمد بن قاسم کو گرفتار کر کے دمشق بھیج دیا گیا جہاں اسے قید کر کے جیل میں تکلیفیں دے دے کر مار ڈالا۔ (ہندوستان پر اسلامی حکومت 95.96) (تاریخ اسلام، 180)

محمد بن قاسم جب سندھ سے واپس بلا لئے گئے تو عوام میں بڑا رنج و غم کا ماحول تھا۔ محمد بن قاسم کے اخلاق نے رعایا پر اس قدر اثر مرتب کیا تھا کہ شہر کے کچھ ہندو اور بودھوں نے محمد بن قاسم کے بُت بنا لئے تھے اور اُس کی پوجا کرنے لگے تھے۔

نوٹ: چونکہ محمد بن قاسم کا قتل سلیمان بن ملک کے دور میں ہوا تھا اس لئے تاریخ فرشتہ اور بھارت کا اتہاس، بی، اے راجستھان کے مطابق ولید بن ملک کی بات میری اور دوسرے مؤرخین کی نظر میں مشکوک ہے۔

62. عمر بن محمد بن قاسم 739ء تا 745ء

عمر، محمد بن قاسم کا وہ لڑکا تھا جو راجہ داہر کی بیوی رانی لابی سے پیدا ہوا تھا محمد بن قاسم نے راجہ داہر کی موت کے بعد اس نے رانی لابی کو اپنے نکاح میں لے لیا تھا۔ اور جسے محمد بن قاسم ہندوستان سے جاتے

وقت سندھ میں چھوڑ گئے تھے۔ یہ لڑکا باپ کی طرح ہی بہادر تھا اور جب 17 رسال کا ہوا تو اس نے مسلمانوں میں ایک تازہ روح پھونکی اور باغیوں کو خلافتِ اسلامیہ کے ماتحت کر دیا۔

سندھ کے تمام راجہ اس کی عزت کرنے لگے تھے کیوں کہ وہ لوگ محمد بن قاسم کی بھی بڑی عزت کیا کرتے تھے اس لئے عمر بن محمد بن قاسم کو سندھ کی گورنری کا پروانہ دے دیا گیا۔ اس طرح چھ سال حکومت کرنے کے بعد 745ء میں فوت ہو گیا۔

63. حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ 98ر تا 101ر ہجری مطابق 718ء تا 721ء

آپ خلیفہ عبدالملک کے چچازاد بھائی تھے ان کے والد عبدالعزیز بن مروان (عبدالملک بن مروان کے بھائی) مصر کے حاکم تھے عمر بن عبدالعزیزؒ 42ر ہجری میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ صاحبہ حضرت عمر فاروق اعظم کی پوتی تھیں۔ ان کے والد عبدالعزیز بن مروان خلیفہ نہیں بن سکے کیوں کہ ان کے چہرے پر گھوڑے نے لات ماردی تھی اس لئے سلیمان بن عبدالملک ان کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔ ولی عہد کا تحریر نامہ انہیں کے نام سے تھا جو ان کے مرنے کے بعد پڑھا گیا۔ تب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنے۔ جب سلیمان بن عبدالملک کو لوگ دفن کر کے گھر لوٹ رہے تھے تو آپ کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھی۔ آپ کی ایسی حالت دیکھ کر ان کی بیوی نے جب خیرت پوچھی تو کہنے لگے ”اب خیرت کہاں ہے؟ میری گردن میں امتِ محمدی کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے“ آپ نے اپنی بیوی فاطمہ کو حکم دیا کہ ”تم اپنے تمام زیورات بیت المال میں جمع کروادو“ جس میں وہ قیمتی موتی بھی تھے جو ان کے باپ نے اپنی بیٹی کو دیئے تھے۔ لہٰذا ایسا ہی کیا گیا ان کی بیوی کے تمام زیورات موتیوں کے ساتھ بیت المال میں جمع کروادیئے گئے۔ اس وقت بنوامیہ میں حضرت علیؓ کو برا کہنے کا رواج تھا اور جمعہ کے روز خطبے میں حضرت علیؓ کی برائی کی جاتی تھی آپ نے حکم دیا کہ آج سے کوئی شخص علیؓ کی شان میں گستاخی نہ کرے۔

حجاج بن یوسف کو آپ بھی ظالم سمجھتے تھے، اس لئے اس کے نقشِ قدم پر چلنے والوں کو آپ نے معزول کر دیا۔ آپ نے حکم دیا ”جو لوگ نماز ادا کرتے ہوں ان کا جزیہ معاف کر دیا جائے“ لہٰذا لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے اور آپ کی حکومت سندھ، پنجاب، بلخ، بخارا، ترکستان اور چین سے لے کر مراقش واندلس (اسپین) اور فرانس تک پھیل چکی تھی۔ اتنی بڑی حکومت میں ایک سا سکون و

امن و امان تھا۔ ایک بار خراساں کے گورنر جراح بن عبداللہ حکمی نے آپ کو لکھا کہ ''مسلمانوں پر جزیہ معاف کرنے سے خزانہ کم ہوگیا ہے'' جس پر آپ نے حکم فرمایا کہ ''نبی کریم ﷺ نے اسلام کو پھیلانے کی تبلیغ کی ہے نہ کہ خزانہ بھرنے کی؟''

خراسان کے گورنر جراح بن عبداللہ حکمی کو نومسلموں کے نماز پڑھنے سے اطمینان نہیں ہوا۔ انہیں شک تھا کہ جزیہ معاف کروانے کی خاطر اکثر غیر مسلم نماز پڑھنے لگے ہیں لیکن وہ اسلام نہیں لائے ہیں، لہٰذا انہوں نے نومسلموں کا ختنہ کے ذریعہ امتحان لینا شروع کر دیا۔ جب یہ خبر خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز تک پہونچی تو انہوں نے جراح بن عبداللہ کو لکھ بھیجا ''نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دین کا داعی بنا کر بھیجا تھا، خاتن (ختنہ کرنے والا) بنا کر نہیں''۔

آپ کو لوگ خلفائے راشدین میں شمار کرتے ہیں، کیونکہ آپ فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے جو انصاف پر مبنی تھی۔ ایک بار آپ نے بنو امیہ کو جمع کر کے فرمایا ''آنحضرت ﷺ کے پاس ایک باغِ فدک تھا، جس کی آمدنی سے آپ بنو ہاشم کے بچوں کا پالن پوسن اور بیواؤں کا نکاح کروایا کرتے تھے۔ ایک بار حضرت فاطمہ زہرہؓ نے اس باغ کو آپ ﷺ سے مانگا تھا مگر آپ نے اسے دینے سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے تک وہ باغ اسی حالت میں رہا۔ آخر مروان نے اس پر قبضہ کر لیا، مروان سے منتقل ہوتے ہوئے وہ باغ مجھے ورثہ میں ملا ہے، اب یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ جس چیز کو نبی کریم ﷺ نے اپنی صاحبزادی خاتونِ جنت کو دینے سے انکار کر دیا ہو وہ مجھ پر کس طرح حلال ہوگا؟ لہٰذا میں تم سب کو گواہ بنا کر اس باغِ فدک کو اسی حالت میں چھوڑ دیتا ہوں جس حالت میں وہ پہلے تھا۔'' یہ کہہ کر آپ نے تمام رشتے داروں اور بنو امیہ سے وہ تمام جائیدادیں اور سامان واپس کرنے کو کہا جس پر انہوں نے ناجائز طور سے قبضہ کر لیا تھا۔ اس وجہ سے بنو امیہ آپ سے سخت ناراض ہو گئے لہٰذا ایک غلام کو ایک ہزار دینار دے کر آپ کو زہر دلوا دیا گیا۔ جب آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے غلام کو بلوایا اور اس سے ایک ہزار دینار واپس لے کر بیت المال میں جمع کروا دیئے اور غلام سے فرمایا ''تو کہیں بھاگ جا، پھر کبھی کسی کو اپنی صورت نہ دکھانا۔'' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو بعض محدثوں نے خلفاء راشدین کے پائے کا خلیفہ مانا ہے۔ ابوداؤد کے بیان کے مطابق سفیان ثوریؒ جیسے بزرگ آپ کو

پانچواں خلیفہ راشدین کہتے تھے۔

آپ کی وفات 101/ ہجری مطابق 721ء میں ہوئی۔ شیعہ، سنی مسلمانوں کے علاوہ آپ کی موت پر عیسائی اور یہودی بھی سوگوار پائے گئے۔ عبادت گاہوں میں وہ سر پیٹ پیٹ کر رو رہے تھے کہ آج دنیا سے انصاف اٹھ گیا۔ اس طرح آپ نے خلفائے راشدین کی طرح کام کیا اور حضرت صدیقِ اکبرؓ، فاروق اعظمؓ کی یاد تازہ کر دی۔ خلیفہ بننے کے بعد صرف ڈھائی سال کے عرصہ میں آپ اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ جسم کی ایک ایک ہڈی گنی جا سکتی تھی۔

یوسف بن مالک کا قول ہے کہ ہم آپ کو قبر میں رکھ کر مٹی برابر کر رہے تھے کہ آسمان سے ایک کاغذ کا ٹکڑا گرا جس میں تحریر تھا ”خدا تعالیٰ کی طرف سے عمر بن عبدالعزیز کو آتشِ دوزخ سے نجات دے دی گئی ہے۔“ واللہ اعلم

64. مروان بن محمد

یہ بنوامیہ کے آخری خلیفہ تھے، خلافت بنوامیہ کی تباہی و بربادی کا ذمہ دار انہیں کو سمجھا جاتا ہے۔ مروان کا باپ محمد بن مروان جزیرے کا گورنر تھا۔ اور مروان کی ماں ابراہیم اشتر کے قتل کے بعد محمد بن مروان کے پاس تھی۔ اسی کے بطن سے مروان پیدا ہوا تھا۔

عبدالعاص عبداللہ شفا کوفہ میں خلیفہ بن گئے اور دارالامارات میں داخل ہوئے اور وہاں جامع مسجد میں آ کر خطبہ دیا۔ نمازِ جمعہ پڑھائی اور لوگوں سے بیعت لی۔ جب مروان اپنے مکان سے باہر نکلا، تو ایک شخص نے اس پر وار کیا اور اس کا سر کاٹ کر عبداللہ شفا کے پاس بھیج دیا۔ اور اس طرح 132ھ، 752ء میں حکومت بنوامیہ ختم ہوئی۔

65. خلیفہ ہارون رشید 149ھ تا 193ھ مطابق 766ء تا 809ء

خلیفہ ہارون رشید خلافت عباسیہ کے اہم خلیفہ تھے۔ ان کے عہد میں خلافت عباسیہ سیاسی حیثیت سے عروج کو پہونچی اور بغداد علمی اور تمدنی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ آپ کا عہد روشن ترین عہد کہلانے کا مستحق ہے۔ ایران کی تواریخ اور افسانوں کو عربی میں منتقل کیا گیا ہے ان میں ”آئین نامہ“ ”مزدک نامہ“ ”خدائی نامہ“ اور ”بہرام نامہ“ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ہارون رشید خود ادیب، عالم اور شاعر تھے اور موسیقی سے بھی دلچسپی

رکھتے تھے۔ ان کی بیوی اُمّ جعفر (زبیدہ) بھی ایک مخیّر خاتون تھیں جنھوں نے نیکی اور رفاہ عام کے بہت سے کام انجام دیئے۔ ہارون رشید کا عہد فتوحات کے لحاظ سے نہایت ممتاز تھا۔

ایشاء کوچک پر حملہ:۔ یہاں پر عیسائیوں کی حکومت تھی۔ لیکن قسطنطنیہ کی ملکہ (آئیرن) خلیفہ ہارون رشید کو خراج عقیدت ادا کرتی تھی۔ رومیوں نے جب اس کو معزول کر کے نقفور (نیسی فورس) کو بادشاہ بنالیا تو اس نے عباسی خلیفہ کو لکھ بھیجا کہ ”مجھ سے پہلے جو ملکہ تھیں اس نے اپنی کمزوری کی بنا پر تمھیں رخ کی حیثیت دے رکھی تھی اور وہ خود پیادہ بن گئی تھی مگر اب حالات بدل چکے ہیں اسے مع تاوان واپس کرو اور اپنی جان کی ضمانت کے لیے زرفدیہ بھی روانہ کرو ورنہ تلوار سے اس کا فیصلہ ہوگا“

یہ خط پڑھ کر ہارون رشید غصے سے کانپنے لگے اور خط کی پشت پر اپنے ہاتھ سے جواب لکھ کر قاصد کو رخصت کر دیا ”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ امیر المومنین ہارون رشید کی طرف سے روم کے کتے نقفور کو معلوم ہو کہ میں نے تجھ کافر کے بچے کا خط پڑھا۔ تو اِس کا جواب اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔ اس کے سننے کی تجھے حاجت نہ رہے گی“۔

یہ جواب بھیج کر ہارون نے فوج کو کوچ کرنے کا حکم دے دیا اور ایشائے کوچک پر حملہ کر کے ہر قلعہ فتح کرلیا۔ نقفور نے عبرتناک شکست کھائی اور مجبور ہو کر معافی مانگی اور خراج کی ایک بڑی رقم پیش کر کے صلح کی درخواست کی جو قبول کرلی گئی۔

عباسی خلافت نومبر 749ء سے شروع ہوئی اور 1258ء تک بغداد ہی عباسی خلافت کا مرکز رہا۔ اس خاندان سے 37 افراد نے یکے بعد دیگرے حکومت کی۔ یہ خلافت تاتاریوں کے ہاتھوں تباہ ہوئی۔ عباسی خاندان کی خلافت مصر کے مملوک حکمرانوں نے قاہرہ میں قائم کردی۔ اس شاخ کے تمام خلفاء کی تعداد 18 تھی۔ 1514ء میں خلافت عثمانی ترکوں کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ گویا عباسیوں (بغداد و مصر) کی خلافت کا سلسلہ 765 برس تک جاری رہا۔ دوسرا خاندان اتنی لمبی مدت حکمران نہیں رہا۔ عباسیوں کے زمانے میں بغداد کی عظمت مقامات مقدسہ کو چھوڑ کر سب سے زیادہ تھی۔

فقہ کی کتابیں:۔ عباسیوں کے عہد میں حدیث کی 6 مشہور کتابیں تیار ہوئی اور اسلامی فقہ کے چاروں امام انھیں کے زمانے میں گزرے ہیں۔ جن کا ذکر کیا جاچکا ہے۔

اگر آج جالینوس، بقراط، ارسطو اور افلاطون وغیرہ کے نام زندہ ہیں تو یہ مسلمانوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے، جنھوں نے ان کے علوم محفوظ کئے ترجمے لکھے جن کے تقریباً 85 نام ہیں۔

66. صلاح الدین ایوبی 1138ء تا 1193ء

حضرت عمر فاروقؓ کے زمانۂ خلافت میں 16ھ مطابق 637ء کو بیت المقدس فتح کیا گیا تھا۔ اس کے بعد بیت المقدس 492ھ 1099ء میں عیسائیوں کے قبضے میں چلا گیا، عیسائیوں نے داخلہ بیت المقدس کے موقع پر فتح کے نشے میں سرشار ہو کر مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا اس کا ذکر ایک مشہور مسیحی مؤرخ ان الفاظ میں کرتا ہے ”بیت المقدس میں فاتحانہ داخلہ پر عیسائیوں نے ایسا قتل عام مچایا کہ ان کے گھوڑے جو مسجد میں داخل ہوئے گھٹنوں گھٹنوں خون کے چشمے میں ڈوبے ہوئے تھے، بچوں کی ٹانگیں پکڑ کر ان کو دیوار سے دے مارا گیا“۔

لہذا سلطان صلاح الدین ایوبی نے عہد کیا تھا کہ ”عیسائیوں نے جس طرح یروشلم مسلمانوں سے چھینا ہے اسی طرح میں اسے آزاد کرا کے دم لوں گا“۔

صلاح الدین ایوبی 1138ء میں تکریت کے قلعے میں پیدا ہوئے، دمشق پر جب سلطان نور الدین زنگی کا قبضہ ہوا تو صلاح الدین ایوبی کو اس کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ نور الدین جو ہر شناس بادشاہ تھا، اس نے فوراً اس لڑکے کی صلاحیتوں کو بھانپ لیا اور اس کی تربیت پر خاص توجہ دینے لگا۔

سلطان نور الدین نے اس کے چچا شیر کوہ کے ساتھ اس کو مصر کی مہم پر جانے کا حکم دیا چنانچہ بیت المقدس کا فرنگی بادشاہ ایمالرک ایک بڑے لشکر کے ساتھ مصر پہونچ گیا، حارم کے مقام پر گھمسان کی لڑائی ہوئی آخر فرنگی اپنے شامی علاقوں کو بچانے کے لئے بلبیس کا محاصرہ اٹھا کر مصر سے چلا گیا۔ اس کے بعد اپنے چچا شیر کوہ کے ساتھ صلاح الدین ایوبی نے بابین کو فتح کیا۔

1170ء میں سلطان نور الدین زنگی کی وفات ہوگئی اور صلاح الدین ایوبی کو مصر کی حکومت مل گئی جن میں مصر کے علاوہ نوبیا کا ایک حصہ، حجاز اور یمن بھی شامل ہیں۔

1. ایک برقعہ پوش لڑکی:۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے عزاز کا قلعہ جان پر کھیل کر فتح کیا تھا۔ ایک دن ایک چھوٹی برقع پوش لڑکی سیدھی صلاح الدین ایوبی کے پاس آئی اور نقاب الٹ کر کہنے لگی کہ

میں سلطان نورالدین زنگی کی بیٹی ہوں۔ مجھے عزاز کا قلعہ چاہیئے، سلطان ایوبی نے بلا تامل قلعہ اس کو بخش دیا اور شہزادی کو تحفہ دے کر عزّت کے ساتھ رخصت کیا۔

2 فتح بیت المقدس:۔ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت 16ھ مطابق 637ء کو بیت المقدس فتح کیا گیا تھا۔ جو 461 سال تک مسلمانوں نے قبضہ میں رہا۔ اس کے بعد 492ھ مطابق 1099ء میں بیت المقدس عیسائیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ اس کے 88 سال بعد یعنی 583ھ مطابق 1187ء کو صلاح الدین ایوبیؒ نے اس پر فتح حاصل کی۔ اس پر 780 سال تک یعنی 1967ء تک مسلمانوں کا قبضہ رہا۔ اس کے بعد اسرائیل کے قبضہ میں چلا گیا جو آج تک انہیں کے قبضہ میں ہے۔

.A قبلہءِ اول: قبلہ اول مسجد اقصیٰ اور قبلۃ الصخرا ان دونوں مقدس مقامات کا صحن ایک لاکھ چوبیس ہزار مربع میٹر ہے۔ سلطان ایوبی نے بیت المقدس کے بادشاہ بالڈون چہارم سے عارضی طور پر جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر لیا تا کہ اپنی فوج کو منظم اور مستحکم کر سکے۔

مشہور مؤرخ امیر علی لکھتے ہیں کہ اس وقت شہر میں ساٹھ ہزار فرنگی موجود تھے، شہر کی آبادی اس کے علاوہ تھی۔ فصیل پر جدھر نگاہ اٹھتی تیر اندازوں اور سپاہیوں کا ایک ہجوم نظر آتا تھا۔

.B نیک صلاح: اسقفِ اعظم کے علاوہ، ملکہ سُبل اور اس کی بہن ازابیل بھی یہیں موجود تھیں۔ شہر کے قریب پہونچ کر سلطان نے ممتاز امراء اور بااثر شہریوں کو طلب کیا اور ان سے کہا۔ ”تمہاری طرح میں بھی اس شہر کو ایک انتہائی مقدس مقام سمجھتا ہوں۔ نہیں چاہتا کہ اس میں خلق خدا کا خون بہا کر اس کی بے حرمتی کی جائے۔ میں اپنے خزانے سے تمہیں کثیر رقم دونگا اور کاشت کے لیے زمینیں بھی۔ تم لوگ فصیلیں خالی کردو“۔

یہ بڑی فیاضانہ پیشکش تھی مگر صلیبیوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کردیا انھیں یقین تھا کہ ان کے مذہبی پیشوا اور اولیاء اپنی روحانی قوت سے شہر کو بچالیں گے۔

یہ دیکھ کر سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو مشرقی جانب ایک بلند مقام پر جمع کیا یہ وہ جگہ تھی جہاں سے اٹھاسی برس پہلے صلیبیوں نے بیت المقدس پر حملہ کیا تھا۔ فصیلوں سے تیروں کی بارش شروع ہوگئی تھی، لیکن مجاہدین اسلام نے اس کی پرواہ نہ کی اور بڑھ کر فصیل پر نقب لگادی۔ پھر اس کی بنیادوں میں لٹھے رکھ کر انھیں آگ لگادی، لٹھوں کے جلتے ہی دیوار میں شگاف پڑ گیا اور مسلمان جانباز تیروں کی

بوچھاڑ میں شہر میں داخل ہو گئے۔

صلاح الدّین نے عیسائیوں کو ایسی شکست دی جس سے ان کی کمر ٹوٹ گئی۔ اسٹینلے لین پول Staneley lane poel اس کا نقشہ اس طرح پیش کرتا ہے۔

"ایک ایک مسلمان سپاہی تیس تیس عیسائیوں کو گرفتار کر کے خیمے کی رسّی میں باندھے لے جاتا دیکھا گیا۔ ٹوٹی ہوئی صلیبوں اور کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں میں مردوں کے ڈھیر اس طرح لگتے تھے جیسے پتھر پر پتھر پڑے ہوں اور کٹے ہوئے سر زمین پر اس طرح بکھرے پڑے تھے جیسے خربوزے کے کھیت میں خربوزے بکھرے پڑے نظر آتے ہیں"۔ (انسانی دنیا پر مسلمانوں کا عروج و زوال کا اثر۔ مولانا سید ابوالحسن ندویؒ)

C. **فتح کی خوشی:** یروشلم میں بھی دشمنوں نے جمعہ ہی کے دن 583ھ مطابق 1187ء کو ہتھیار ڈالے تھے۔ شہر میں ہزاروں مسلمان مسجد اقصیٰ کی صفائی اور تطہیر میں لگ گئے۔ جسے ٹیمپلروں نے محل میں تبدیل کر لیا تھا۔ صفائی کے بعد سلطان نے حلب سے لکڑی کا وہ تاج اور منقش منبر منگوایا جو سلطان نورالدین زنگی نے مسجد اقصیٰ کے لیے بنوایا تھا اور اسے نہایت احترام سے مسجد میں نصب کر دیا گیا۔

ہیرلڈ لیمب نے اٹھاسی (88) برس بعد مسجد اقصیٰ میں پڑھی جانے والی پہلی نماز کا نقشہ بہت ہی دلکش انداز میں کھینچا ہے۔

"نیلے آسمان تلے اذان گونجنے لگی۔ زرہ پوش شانہ بشانہ کھڑے ہو گئے یہ عالمگیر اخوت کا منظر تھا"

3. **سلطان کی رحم دلی:۔** اسقف اعظم اور دوسرے لوگوں نے خدا کے نام پر سلطان ایوبی سے رحم کی درخواست کی سلطان ایوبی نے فراخ دلی سے رحم کرتے ہوئے انھیں اپنا مال اور اسلحہ لے جانے کی اجازت دے دی اور انھیں بحفاظت بندرگاہوں تک پہونچانے کی ذمہ داری بھی قبول کر لی۔

جب ملکہ سُبل اپنے خدام کے ساتھ سلطان کو الوداع کہنے کے لئے آئی تو سلطان نے نہایت عزت و احترام کے ساتھ اس کو رخصت کیا۔ اس کے پیچھے پیچھے سینکڑوں عورتیں روتی سر پیٹتی روانہ ہوئیں تو سلطان کا دل پسیج گیا اور اس نے ماؤں کو ان کے بچے اور بیبیوں کو ان کے شوہروں کے حوالے کر دیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ بیواؤں اور یتیموں کو امداد بھی دی۔ مشہور مؤرخ امیر علی لکھتے ہیں کہ "تاریخ عالم کا ایک عظیم ترین اور انتہائی بہادر بادشاہ سلطان صلاح الدین ایوبی بیت المقدس فتح کرنے کے بعد اس نے

صلیبیوں کے ساتھ جس مہربانی کا برتاؤ کیا اس کی مثال تاریخ عالم میں مشکل سے ملے گی"۔

4. وفات:۔ آخر صلاح الدین ایوبیؒ 3/مارچ 1193ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔" اناللہ وانا الیہ راجعون
سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کا ذاتی اثاثہ سینتالیس 47 درہم، ایک شاہی اشرفی، ایک جنگی گھوڑا اور زرہ بکتر کے سوا کچھ نہ تھا اور اس کی یہی پونجی اس کی وفات کی خبر کے ساتھ بغداد میں خلیفۃ المسلمین کو پہونچا دی گئی۔

سلطان کو جامع دمشق کے پاس دفن کیا گیا، پھر اس کی تربت پر ایک شاندار مقبرہ تعمیر کیا گیا، جو مشرقِ وسطی کی ایک قابل دید عمارت اور زیارت گاہِ عام ہے۔ (صلاح الدین ایوبی۔ سید ذاکر اعجاز)

5 اسرائیل کا قبضہ: 7/جون 1967ء کو مصر، عراق، اردون اور شام کے اتحاد اور اسرائیل کے درمیان جنگ لڑی گئی۔ جس میں مصر کے صدر جمال ناصر کی غلط پالیسی سے چھ روز جنگ لڑنے کے بعد یروشلم میں داخل ہو گئی تھی اور مغربی بیت المقدس پر بھی اسرائیل فوج کا قبضہ ہو گیا تھا۔ عربوں نے اپنی تاریخ میں کبھی اتنی ذلت آمیز شکست نہیں کھائی ہو گی۔ اس جنگ میں عرب افواج کے 21 ہزار فوجی مارے گئے تھے۔ جب کہ اسرائیل کے صرف 779 فوجی مارے گے تھے۔ اس جنگ 1967ء کے نتیجے میں غزہ (فلسطین) اور جزیرہ نماء سینا (پہاڑ) کا 24 ہزار مربعہ میل یعنی (ایک لاکھ 8 ہزار مربعہ کلومیٹر) کا علاقہ اسرائیل کے قبضہ میں چلا گیا۔ سوئز نہر بند ہو گئی اور مصر جزیرہ نمائے سینا کے تیل کے چشموں سے محروم ہو گیا۔ اس جنگ سے مصری فوج کی عزت خاک میں مل گئی اور انہیں وردی پہن کر سڑکوں پر نکلنا مشکل ہو گیا۔ یورپ کے اخباروں نے عربوں کو ہی دوشی بتلایا جب کہ جنگ کا آغاز اسرائیل نے کیا تھا۔

6. ایک فتنہ:۔ صلاح الدین ایوبیؒ کے زمانے میں ایک فتنہ پرور گروہ پیدا ہوا تھا۔ اس گروہ کا سربراہ حسن بن سبا تھا جس کے پیروکار فدائین کہلاتے تھے۔ حسن بن سبا اس زمانے کی خلافت کا باغی تھا اور اس کا یہ گروہ تخریبی سرگرمیوں میں مصروف رہتا تھا۔ حسن بن سبا نے زمین پر ہی جنت بنائی تھی اور وہ اسلام کو نقصان پہنچا کر یہودیوں اور عیسائیوں کو ایجنٹ کی طرح فائدہ پہنچانے کا کام کرتا تھا۔ مگر وہ زیادہ دنوں تک اسلام کو نقصان نہ پہنچا سکا۔

7. ایک خبر:۔ ان دنوں امریکہ کی ریاست نیویارک میں اسی طرح کے ایک فتنے نے جنم لیا ہے یہودی اور عیسائیوں کے ایجنٹ کے طور پر لوگوں نے عورت کی امامت کا پاکھنڈ پھیلا رکھا ہے۔ جمعہ کے

دن نیویارک سٹی کے ایک گرجا گھر میں ایک عورت کی امامت میں نماز جمعہ ادا کی گئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا حسن بن صبا کا فدائین کا ٹولہ نام بدل کر پھر آ گیا ہے۔ اسلام نے پہلے بھی ایسے بہت سے فتنوں کا سر کچلا ہے یہ عورتوں کی امامت کا فتنہ بھی انشاء اللہ جلد از جلد اپنے انجام کو پہنچ جائے گا۔

(تجزیہ خبر شمیم خان اردو ٹائم 5 دسمبر 2006)

67. معتصم باللہ 656ھ تا 1258ء

خلافت بغداد کا آخری خلیفہ مستعصم باللہ تھا اس کا وزیر علقمی شیعہ تھا اس نے چنگیز خان کے پوتے ہلاکوں خاں جو تاتاریوں کا سردار اور خراساں کا بادشاہ تھا اس کو خط لکھ کر بلایا تاکہ عباسیوں کا نام و نشان گم کر کے بغدادا میں ایک شیعہ خلافت قائم کرے۔

1 ہلاکوں خاں: ہلاکوں خاں نے اپنے وزیر نصیر الدین طوسی سے مشورہ طلب کیا وہ بھی علقمی کی طرح شیعہ تھا اس نے کہا علم نجوم سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ بغداد پر آپ کا قبضہ ہو جائے گا چنانچہ ہلاکوں خاں نے ایک زبردست فوج لے کر بغداد پر حملہ کیا علقمی نے خلیفہ کو بے خبر رکھا اور ہلاکوں نے بغداد کا محاصرہ کر لیا۔ شہر کے شیعوں نے ہلاکوں خاں کے لشکر میں جا جا کر امن حاصل کیا۔ وزیر علقمی ہلاکوں خان کے پاس ہی رہا اور اپنی ہمدردی بتلاتا رہا۔ وزیر علقمی نے غداری کر کے خلیفہ کو ہلاکو خاں کے لشکر میں پہونچا دیا اب ہلاکو خاں خلیفہ سے جو حکم منواتا اسے ماننا پڑتا۔

2 ہلاکو خاں کا ظلم: ہلاکو خاں نے بغداد پر قبضہ کر کے فوج کو قتل عام کا حکم دے دیا۔ لہٰذا تاتاریوں نے مردوں، عورتوں اور بچوں کو جو سر پر قرآن شریف رکھ کر گھروں سے نکلے تھے۔ موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے اور ککڑی کی طرح لاکھوں لوگ مارے گئے۔ دریائے دجلہ کا پانی مقتولوں کے خون سے سرخ ہو گیا۔ تاریخ اسلام دو کے صفحہ 564 کے مطابق ایک کروڑ چھ لاکھ مسلمانوں کا قتل ہوا اور یہ تمام خونی نظارے خلیفہ مستعصم کو دیکھنے پڑے۔

3 خزانہ کی چابی:۔ ہلاکو خاں نے جب خلیفہ سے خزانہ کی چابیاں مانگی تو اتنی چابیاں پیش کی کہ پہچانی نہ گئی۔ لہٰذا تالے توڑے گئے جواہرات اور اشرفیوں کی تھیلیوں سے بھرے صندوق اور حوض نکلے۔ ہلاکو خاں نے خلیفہ کو بے آب دانہ نظر بند رکھا تھا۔ اور جب خلیفہ کو بھوک لگی اور کھانا مانگا تو ہلاکو خاں نے

حکم دیا کہ ایک طشتری جواہرات سے بھر کر خلیفہ کے سامنے لے جاؤ اور کہو کہ اسے کھاؤ۔ خلیفہ نے کہا میں ان کو کیسے کھا سکتا ہوں۔ ہلاکو خاں نے کہا کہ جس چیز کو تم کھا نہیں سکتے اس کو اپنے لاکھوں مسلمانوں کی جان بچانے کے لیے کیوں نہ خرچ کیا اور سپاہیوں کو کیوں نہ دیا اگر عوام میں خرچ کرتے تو آج اس قتل گری سے بچتے۔

4 شاہی کتب خانہ:۔ اس کے بعد ہلاکو خاں نے شاہی کتب خانے کی طرف نظر ڈالی جس میں بے شمار کتابوں کا ذخیرہ تھا اور یہ تمام کتابیں دریائے دجلہ میں پھنک دی گئیں۔ جس سے دجلہ میں ایک باندھ سا بندھ گیا اور دریا کا پانی جو مقتولوں کے خون سے سرخ ہو گیا تھا اب ان کتابوں کی سیاہی سے سیاہ ہو گیا۔ تمام شاہی محلات لوٹ لینے کے بعد مسمار کر دیے گیے۔ گویا قیامت صغرہ برپا ہو گئی تھی۔

وزیر علقمی بہت پریشان ہو رہا تھا جس نے بڑی بڑی چالیں چلی تھیں۔ وہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہلاکو خاں کی خدمت میں گڑگڑایا اور خوش آمدانہ التجائیں کیں مگر ہلاکو خاں نے اس طرح دھتکار کر دھکا مارا جس طرح کتے کو دھتکارا جاتا ہے۔ آخر چند دنوں بعد علقمی تاتاریوں کی جوتی سیدھی کرتے کرتے ہی مر گیا اور خلیفہ مستعصم باللہ کے قتل کے بعد خلفائے عباسیہ بغداد کی آخری خلافت ختم ہو گی اور اس کے ساڑھے تین سال تک کوئی خلیفہ نہ رہا۔ 659ھ، 1261ء سے خلفائے عباسیہ مصر کی ابتدا ہوئی۔

5 ہندوستان کی طرف:۔ ہلاکو خاں ہمیشہ ناصر الدین محمود اور سلطان بلبن کے حالات معلوم کرتا رہتا تھا۔ مگر اس کو کبھی یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ ہندوستان پر حملہ کرے۔ ہندوستان کے غلام بادشاہوں کا یہ کارنامہ عظیم الشان ہے کہ انہوں نے ہر مرتبہ تاتاریوں شکست دے کر بھگا دیا۔ اس زمانہ میں صرف ہندوستان ہی ایک ایسا ملک تھا جہاں ایک زبردست اسلامی سلطنت قائم تھی۔

6 ہلاکو خاں کی موت:۔ 663ھ، 1265ء میں ہلاکو خاں سکتہ کے مرض میں مبتلا ہو کر فوت ہو گیا۔ وہ آٹھ سال حکومت کر کے 48 سال کی عمر میں مرا۔ اسے دفن کرنے لیے قبر کے بجائے ایک تہہ خانہ تیار کیا گیا۔ اس میں ہلاکو خاں کی لاش کو رکھ کر چند جوان لڑکیوں کو خوب زیور اور لباس سے آراستہ پیراستہ کر کے خدمت گاری کے لیے اس تہہ خانہ میں داخل کیا گیا۔ تا کہ وہ ہلاکو خاں کی تنہائی کی ساتھی بنے۔ اس کے بعد تہہ خانہ کا منہ نہایت مضبوطی سے بند کر دیا گیا۔ ایک لاش کے ساتھ اس طرح چند بے

گناہ لڑکیوں کو بند کرنا ایک ایسی وحشیانہ رسم ہے، جس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ۔(تاریخ اسلام 370/3)

خلافت عثمانیہ ترکی:۔ 687ھ سے 1342ھ مطابق 1288ء سے 1922ء

نوٹ: یہاں خلافت عثمانیہ (ترکی) کے چند حکمرانوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ دور خلافت پہلی جنگ عظیم کے بعد 1922ء میں ختم ہو گئی۔

68. عثمان خاں: 1288ھ تا 1326ء

621ھ میں علاؤالدین سلجوقی کا دارالسلطنت شہر قونیہ تھا۔ 699ھ میں تمام سلجوقی ترکوں نے عثمان خاں کو قونیہ کے تخت پر بٹھا دیا۔ یہی پہلا سلطان ہے، جس کے نام سے اس خاندان میں سلطنت عثمانیہ قائم ہوئی ۔ عثمانی بادشاہوں نے بہت جلد تمام ایشیائے کوچک پر قبضہ کر کے قیصر روم کی حکومت کو ایشیاء سے نیست و نابود کر دیا۔ مجبوراً قیصر روم کو صلح کرنی پڑی۔ اس کے بعد وہ عیسائیوں کو شکست دے کر یورپ تک پہنچا۔

69. بایزید یلدرم: 791ھ سے 805ھ مطابق 1389ء سے 1402ء

792ھ میں آسٹریا، بلگیریا، بوسنیا، ہنگری وغیرہ عیسائی سلاطین نے مل کر زبردست عظیم الشان فوج کے ساتھ سلطنت عثمانیہ پر حملہ کر دیا۔ مگر عثمانی حکومت نے سب کو شکست دے کر پورے یورپ کو ہلا دیا۔ 791ھ میں بایزید یلدرم تخت نشین ہوا تھا۔ تب 799ھ میں پھر تمام یورپ نے مل کر جس میں فرانس، جرمنی وغیرہ کی فوج بھی شامل تھی، انہوں نے سلطنت عثمانیہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا ارادہ کر لیا تھا ۔ اس لڑائی میں بھی سلطان بایزید یلدرم یورپ کی تمام متفقہ افواج کو شکست دی ۔ اور بیس سے زیادہ عیسائی سردار قیدی بن کر سلطان کے سامنے پیش ہوئے، جو بادشاہ اور شہزادے تھے۔ سلطان نے صلاح الدین ایوبی کی طرح انہیں معاف کر دیا اس شکست نے تمام عیسائی دنیا میں خوف پیدا کر دیا۔ لہذا تمام عیسائی مذہبی جوش میں پھر جمع ہوئے، مگر سلطان نے ارادہ کیا کی پہلے قیصر روم کو سزا دے کر تمام یورپ کو فتح کرلے مگر اچانک تیمور نے حملہ کر دیا۔

1 تیمور کا حملہ جنگ انگورہ:۔ 20 جولائی 1402ء کو یہ جنگ شروع ہوئی ۔ اس جنگ انگورہ میں تیمور فتح یاب ہوا اور بایزید یلدرم گرفتار ہوا اور یورپ بربادی سے بچ گیا۔

2 تیمور کا ظلم :۔ انگورہ کی لڑائی میں بایزید یلدرم اور اس کا بیٹا موسیٰ بھی باپ کیساتھ ہو گیا تھا۔ تیمور نے سلطان کو ایک لوہے کے پنجرے میں بند کیا اور اس لڑائی کے بعد اسے اسی حالت میں اپنے ساتھ سفر میں لیے پھرا۔ سلطان بایزید بلدرم کو جو ایک عالی جاہ شہنشاہ تھا۔ اس طرح ذلت کے ساتھ قید کرنا اور اس کی مزاق اڑانا تیمور کے اخلاق پر ایک بدنما داغ ہے۔ جب یزید بلدرم نے نکوپولس کے میدان جنگ میں 25 شہزادوں کو گرفتار کیا تھا۔ تو ان سب کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ جاؤ اور دوبارہ میرے مقابلہ کے لیے تیاری کرو۔ مگر افسوس تیمور نے سلطان کو اس طرح لوہے کے پنجرے میں رکھا، جس طرح شیروں کو رکھا جاتا ہے۔ سلطان کو جنگ انگورہ میں جو ذلت سہنی پڑی وہ معمولی نہ تھی۔ اس سخت شدید قید میں رہ کر وہ آٹھ مہینے کے اندر ہی فوت ہو گیا اور بیٹے کو قید سے نکال کر میت اس کے حوالے کر دی۔

تبصرہ۔ تیمور ایک مسلمان تھا۔ قرآن حافظ اور فلسفہ جاننے کا دعویٰ بھی رکھتا تھا۔ اس کے باوجود وہ مسلمانوں سے ہی زیادہ لڑا۔ مسلمانوں کی اس سے بڑھ کر اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی تھی، کہ ان کی ایک عظیم الشان شہنشاہی مغرب میں اور ایک مشرق میں قائم ہو گئی تھی۔ مسلمانوں کا ایک شہنشاہ بایزید بلدرم مغرب میں فتوحات حاصل کرتا ہوا فرانس اور انگلستان تک پہونچنا چاہتا تھا اور دوسرا تیمور مشرق کی طرف چین اور بحرِ جاپان تک فتوحات حاصل کرتا ہوا چلا جاتا تو تمام دنیا کے فتح ہو جانے اور اسلام کے زیرِ سایہ آ جانے میں کوئی کلام نہ تھا کیونکہ مشرق میں کوئی تیمور کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اور مغرب میں کوئی طاقت بایزید یلدرم سے ٹکر نہیں لے سکتی تھی۔ مگر افسوس! انگورہ کے میدان میں ان دونوں مسلم شہنشاہوں کو ٹکرانا دنیا پر مسلم حکومت قائم کرنے میں ناکام رہا (تاریخ اسلام 3 / 471)

70. سلطان محمد خاں: 1413ء سے 1421ء

سلطان بایزید یلدرم کا بیٹا جنگ انگورہ کے وقت 27 سال کا تھا اس جنگ کے بعد وہ ایشیائے کوچک کے قصبہ میں خود مختار حاکم بنا سلطان محمد خاں اوّل سب سے پہلا ایسا عثمانی سلطان ہے۔ جس نے اپنے شاہی خزانہ سے ایک معقول رقم خانہ کعبہ اور مکہ معظمہ کے باشندوں کے لیے مخصوص کی وہ سالانہ برابر مکہ معظمہ پہونچ کر غریبوں میں تقسیم ہوتی اور خانہ کعبہ کی حفاظت و نگرانی کے کاموں میں صرف ہوتی تھی۔ اسی لیے عباسی خلیفہ معتضد باللہ مصر نے اس سلطان کو خادم الحرمین کا خطاب دیا تھا اور اسی خطاب نے

عثمانی خلفاؤں کو خلیفۃ المسلمین بنا کر چھوڑا۔

71. سلطان مراد خاں ثانی: 1421ء سے 1451ء

مراد خاں ثانی اٹھارہ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ جب ترکوں کو یورپ سے نکالنے کے لیے ہنگری کے بادشاہ نے عثمانی لشکر پر 847ھ مطابق 1445ء پر حملہ کیا اور سلطان مراد خاں کو جنگ میں للکارا تو سلطان کا ایک تیر اس کے گھوڑے کو لگا۔ شاہ ہنگری گرا اور اس کا سر قلم کر کے نیزے پر گھمایا گیا، تو عیسائیوں سے میدان خالی ہو گیا اور ہنگری کی تمام فوج ترکوں کے ہاتھوں ماری گئی۔ اس کے بعد عثمانی فوج نے سربیا، بوسنیا، کو فتح کر کے سلطنت عثمانیہ میں ملا لیا اور انہیں عیسائی مذہب کی چھوٹ دی اور کسی شخص کو جبراً مسلمان نہیں بنایا گیا۔ مگر ہاں! بہت سے عیسائی مسلمان ہو گئے۔ 1448ء میں عیسائیوں نے پھر سر اٹھایا مگر انہیں پھر بھی شکست کھانی پڑی۔

72. سلطان محمد خاں ثانی: (محمد فاتح) 855ھ سے 886ھ مطابق 1451ء سے 1481ء

قسطنطنیہ (استنبول) مسلمانوں کے زیر سایہ نہیں ہوا حالانکہ کئی بار کوشش کی گئی آخر سلطان محمد خاں نے قسطنطنیہ کو فتح کیا۔

1 فتح قسطنطنیہ (استنبول):۔ 857ھ مطابق 6/اپریل 1453ء کو سلطان محمد خاں اپنی فوجیں لیکر قلعہ قسطنطنیہ کے سامنے پہونچا اور اپنے جہازوں کو وہاں لے جا کر قسطنطنیہ کے بندرگاہ ''گولڈن ہارن'' کا محاصرہ کیا۔ ادھر عیسائی بھی اپنی پوری تیاری کے ساتھ جنگ میں کود پڑے۔ پوپ نکلسن پنجم اور بڑے پادری واعظ و نصیحت کر کے لوگوں کو جان دینے پر امادہ کر رہے تھے۔ 15/اپریل جنیوا کے چار جہاز غلہ اور گولا بارود کا سامان لے کر بندرگاہ میں داخل ہو گئے اور امداد پہونچانے لگے۔ مگر بندگاہ کے دونوں کناروں پر سلطان کے توپ خانوں کے سامنے وہ کچھ نہ کر سکے۔

857ھ 28 مئی 1453ء کو سلطان محمد خاں نے اعلان کر دیا کہ کل صبح ہر طرف سے آخری حملہ کیا جائے گا اور فوج کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت دے دی جائے گی۔ مگر اس شرط پر کہ وہ سرکاری عمارات، رعایا ضعیفوں اور بچوں کا ہاتھ نہ لگائیں۔ ادھر شہر کے اندر عیسائیوں کے سپہ سالار، فوج اور امراء لوگوں نے جلسہ کیا اور آخری دم تک لڑنے کی قسمیں کھا کھا کر بھروسہ دلایا۔

2 دعا اور فتح :۔ سلطان محمد خاں بھی نماز فجر سے فارغ ہو کر اور اپنے ساتھ لائے ہوئے علماء سے دعا کی فرمائش کر کے دس ہزار سوار لے کر حملہ آور ہوئے سلطان کے پیرومرشد جو ان کے ساتھ آئے تھے۔ انہوں نے ایک الگ عبادت گاہ قائم کی اور عبادت میں لگ گئے اور باہر ایک دربان کو بٹھا دیا۔ جنگ میں کئی مرتبہ عثمانی لشکر کے بہادر شہر کے برجوں اور قلعوں پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔ مگر اندر سے سپاہی، شہری، عورتیں اور بچے انہیں ڈھکیل دیتے تھے۔ ایک عجیب ہنگامہ برپا تھا۔ دوپہر کے قریب جنگ میں شدت پیدا ہو گئی۔ سلطان کو اندیشہ تھا کہ اگر آج شہر فتح نہ ہوا تو پھر اس کا فتح ہونا دشوار ہے۔ سلطان نے جب اپنے وزیر کو پیرومرشد کی خدمت میں پھر دعا کے لیے بھیجا، تو اچانک اسی وقت قلعہ کا وہ حصہ جو سلطان کے سامنے تھا خود بخود گر پڑا۔ اس کے گرنے سے خندق کا راستہ بن گیا اور سلطان کی فوج نے حملہ کر دیا۔ عیسائیوں کی لاشوں کے انبار لگ گئے۔ سلطان اسی راستے سے ''سینٹ آیا صوفیہ'' کے گرجہ گھر میں جا پہونچا اور گرجا گھر سے اللہ اکبر کی صدا گونج اُٹھی۔ نمازِ ظہر ادا کی گئی اور اللہ کا شکر ادا کیا گیا۔ اسی جگہ لاشوں کے درمیان سے عیسائی قیصر شاہی قسطنطنیہ کی لاش ملی اس کا سر کاٹ کر لوگ سلطان کی خدمت میں لیے گئے اس طرح قسطنطنیہ فتح ہوا۔

عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ قلعہ کی دیوار کا گرنا انہی بزرگوں کی دعا کا نتیجہ ہے۔ اس لیے مشہور ہے کہ قسطنطنیہ دعا کے ذریعہ فتح ہوا تھا۔ اب سلطان محمد خاں سلطان فاتح کے نام سے مشہور ہوئے۔ اس جنگ میں تقریباً چالیس ہزار عیسائی قتل اور ساٹھ ہزار گرفتار ہوئے۔

3 مذہبی آزادی :۔ سلطان نے تمام باشندوں کو امن و امان سے رہنے اور اپنے مکان جائداد پر قبضہ جمائے رکھنے کا حکم دیا۔ قسطنطنیہ کے عیسائی ''بشپ اعظم'' کو سلطان نے اپنے پاس بلا کر کہا کہ آپ بدستور چرچ کے پیشوا رہیں گے اور آپ کے مذہبی اختیارات میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی جائے گی۔

سلطان نے خود یونانی چرچ کی سرپرستی قبول کی۔ بشپ اعظم اور پادریوں کو وہ اختیارات دیئے، جو عیسائی سلطنت میں بھی انہیں حاصل نہیں تھے۔ عیسائیوں کو مکمل مذہبی آزادی دی۔ گرجوں اور چرچ کا خرچ پورا کرنے کے لیے انہیں بڑی بڑی جاگیریں عطا کی۔ سلطان نے گرفتار ہوئے سپاہیوں کو آزاد کیا اور شہر قسطنطنیہ کے ایک خاص محلہ میں آباد کیا۔ شہر کو رونق بخشنے کے لیے سلطان نے ایشیائے کوچک سے

پانچ ہزار مسلمان خاندان کو وہاں لا کر آباد کیا اور شہر کو رونق بخشی۔

73. سلطان سلیم: 918ھ سے 926ھ مطابق 1512ء سے 1520ء

سلطان سلیم نے مصر کے آخری سلطان ''طومان بے'' کو 1517ء میں قتل کر کے مصر پر قبضہ کر لیا۔ وہاں مصر کے موجودہ خلیفہ نے سلطان سلیم کو مسلمانوں کا خلیفہ بھی مان لیا اور تبرکات کے طور پر ایک تلوار ایک چادر پیش کی۔ یہ چیزیں عباسی خلیفہ نے سلطان سلیم کو دیکر اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اس طرح وہ مسلمانوں میں خلیفہ قائم ہو گئے۔ 1518ء میں سلطان سلیم نے مصر سے ایک ہزار اونٹ چاندی سونے سے لدے ہوئے لے کر روانہ ہوا اور آخری عباسی خلیفہ کو بھی اپنے ساتھ لے آیا۔

1 نماز جمعہ:۔ سلطان نے قاہرہ کو فتح کرنے کے بعد نماز جمعہ مصر کی جامع مسجد میں ادا کی۔ سلطان کے لیے پہلے سے ایک نہایت قیمتی قالین نماز کے لیے مسجد میں بچھا دیا گیا تھا۔ سلطان نے اس امتیازی مصلّے کو فوراً اٹھوانے کا حکم دیا اور عام نمازیوں کی طرح نماز ادا کی۔ ''ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز'' نماز کے بعد سلطان پر ایک ایسا اثر طاری ہوا کہ ان کے آنسوں سے زمین تر ہو گئی۔

سلطان سلیم نے عرب سرداروں کے دلوں پر اتنے احسان کیے، جس سے انہیں مکہ اور مدینہ کا شہنشاہ بھی سمجھا جانے لگا اور عرب سرداروں نے خود بخود پیغام بھیجے اور انہیں خادم الحرمین شریف کا خطاب عطا کیا۔

2 حکومت پر تبصرہ:۔ سلطان سلیم نے صرف آٹھ سال آٹھ ماہ اور آٹھ دن حکومت کی۔ مگر فتوحات اس قدر حاصل کیں جسے بڑے سے بڑا سلطان بھی حاصل نہیں کر سکتا۔

اس طرح سلطنت عثمانیہ کی حکومت بہت طاقتور حکومت تھی اور اس کا خلیفہ ''خلیفۃ المسلمین'' کہلاتا تھا۔ جس کا مسلم دنیا میں ایک خاص مقام تھا لیکن پہلی جنگ عظیم میں اس نے جرمنی اور اٹلی کا ساتھ دیا۔ نتیجتاً جرمنی کی ہار کے ساتھ خلافت اسلامیہ ختم ہو گئی۔

74. کل دورِ خلافت 11ھ تا 1342ھ ۔ 40ء سے 1922ء تک

خلافتِ اسلامی کا دور ۱۱ ہجری میں نبی کریم ﷺ کی رحلت کے بعد وجود میں آیا اور 1342 ہجری میں ختم ہوا، یعنی 1331 سال تک کا دورِ خلافتِ اسلامیہ کا دور کہلاتا ہے۔ جن میں خلافت عباسیہ بغداد، خلافت عباسیہ مصر اور خلافتِ عثمانیہ قسطنطنیہ ترکی بھی شامل ہیں۔ پہلی جنگِ عظیم 1914ء سے 1918ء تک ہوئی اور ترکی حکومت

کے زوال 2 مارچ 1922ء کے بعد حکومت خلافتِ اسلامیہ ختم ہوگئی اور آخری خلیفہ عبدالمجید عثمانی کو معزول کر دیا گیا اور اس کی پوری عمارت دھڑام سے نیچے گر گئی۔ 29 اکتوبر 1923ء کو مصطفیٰ کمال پاشا نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ نیا آئین بنا اور جمہوریت کے نام پر عربی زبان میں اذان دینے اور نماز پڑھنے تک پر پابندی عائد کر دی گئی۔ بہت سے علما کو پھانسی دی گئی اور عورتوں کے برقعہ پر اور ترکی ٹوپی تک پر پابندی عائد کر دی گئی۔

(پھاڑ ڈالی تُرکِ ناداں نے خلافت کی قبا) (تاریخ ابن خلدون)

75 ترکوں کا اخلاق اور کردار

پہلی جنگ عظیم تک پورا عرب ترکی حکومت کے ماتحت تھا اور مسلمانوں کے دونوں مقدس شہر مکہ اور مدینہ بھی اسی ترکی حکومت کے ماتحت تھے عثمانی ترکوں کی ایک ایسی خصوصیت تھی جس کی بنا پر عثمانیہ حکومت چھ سو سال سے زیادہ رہی اور جس کی مثال تاریخ اسلام میں دوسری جگہ نہیں ملتی۔

(1) اس حکومت میں بادشاہ اپنی من مانی نہیں کرتا بلکہ مشاورتی کمیٹی جس میں اعلیٰ سیاسی دماغ کے لوگ ہوتے تھے ان سے مشورہ کر کے کام انجام دیتا تھا۔

(2) عثمانی بادشاہوں کے پاس ایک مضبوط اور ترتیب یافتہ فوج تھی جو اپنے وقت کے جدید اسلحہ سے لیس تھی۔

(3) ان کا اخلاق اور اعلیٰ کردار تھا۔ وہ شراب، جوا اور بے حیائی کے کاموں سے بہت دور رہتے تھے۔ عیش و عشرت کی زندگی گزارنا بھی بُرا سمجھتے تھے۔ ترکوں کی ان خوبیوں کو تمام مورخین نے قبول کیا ہے۔ مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ ترکوں نے چھ سو سال سلطنت کے سایہ میں رہ کر بھی فضول شان و شوکت نہیں اپنائی۔ ایک انگریز تاریخ داں لکھتا ہے کہ ترکوں کا پانچ وقت نماز پڑھنا، صاف صفائی کا خیال رکھنا، کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا اور غریب سے غریب ترکی گھر کی صفائی دیکھ کر مجھے حیرت ہوتی ہے۔ ڈاکہ زنی، نقب زنی تو دور کی بات ہے وہ چھوٹی سی چیز کی چوری کرنا اور سڑکوں پر جھگڑا کرنا بھی بُرا سمجھتے ہیں۔ ایک انگریز رائٹر لارنیٹ لکھتا ہے کہ اگر کوئی شخص سڑک پر کسی عورت سے ملتا، تو تُرک اس کی طرف سے منہ پھیر لیتے تھے۔ وہ بے شرم عورتوں سے نفرت کرتے۔ اگر کسی عیسائی سے کسی ترکی کا جھگڑا ہو جاتا، تو عیسائی اپنی بیوی کو لڑنے کے لئے چھوڑ دیتا تو ترکی میدان چھوڑ کر بھاگ جاتا۔ کاش یہ سلسلہ آج بھی جاری رہتا۔ (ملت اسلامیہ کی تاریخ 2/460)

موتی سمجھ کر شانِ کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

(ڈاکٹر اقبال)

باب چہارم

مختصر اور جامع تاریخ

مسلمانوں کا شاندار ماضی

آدم علیہ السلام سے آزادیِ ہند تک

امامِ فقہ

(بزرگانِ دین)

شخصیات

عبدالجبّار اجمیری

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

(ڈاکٹر علامہ اقبال)

76. پیش لفظ

اسلام کی تبلیغ کے لئے ہر دور میں ایسے لوگ پیدا ہوئے ہیں۔ جنھوں نے تاریخ کے اوراق میں اسلام کی تصویر کو دھندلا نہیں ہونے دیا۔

حضرت جابر بن سمرہؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ”یہ دین برابر قائم رہے گا اور اسکے لئے اہلِ ایمان کا ایک طبقہ برابر لڑتا رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے۔“

چنانچہ اس کی صداقت تاریخ سے ثابت ہوتی ہے۔ ہندوستان میں تو کیا پوری دنیا میں تحریک اسلام ملے گی۔ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد خلفائے راشدین، بنوامیہ، ائمہ کرام، بزرگان دین اور مسلم سلاطین وغیرہ نے تحریکِ اسلام کو زندہ رکھا۔ اور اس کے شیدائیوں نے اسلام کی فلاح و بہبود کی خاطر طرح طرح کی اسلامی تحریکیں قائم کیں۔ ان میں اسلامی روح پھونکی اور کفر کی تیز آندھیوں میں بھی اسلام کی شمع کو جلائے رکھا۔ اور انھیں مختلف ناموں سے ایجاد کیا۔

تحریک اہل حدیث، تحریک جماعت اسلامی، تحریک اہل سنت والجماعت، تحریک اخوان المسلمین اور تحریک تبلیغ وغیرہ یہ سب تحریکیں اسلامی ہیں جو پوری دنیا میں کام کر رہی ہیں۔ انشاء اللہ اسی طرح کی اور بہت سی تحریکیں بنتی رہیں گی اور مجددِ اسلام پیدا ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔

اسلام کی تبلیغ کے لئے یہ تمام کوششیں اپنی جگہ حد درجہ مبارک باد کی مستحق ہیں لیکن غلطیوں اور خامیوں سے کوئی جماعت، گروہ یا فرد پاک نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ معصوم عن الخطاء تو صرف انبیاء کرام ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے ہم تمام کلمہ گو مسلک کی قدر کرتے ہیں۔ مگر افسوس

مسلک کے اختلاف نے دشمن بنا دیا
کچھ لوگ لڑ رہے ہیں نماز و اذان پر

جبکہ

ایسی بھی ایک کتاب جہاں میں لکھی گئی
کاغذ زمین پر تھا قلم آسمان پر

بہر حال جیسا کہ حدیث کا مفہوم ہے کہ یہ دین برابر قائم رہے گا اور اس کے لئے اہل ایمان کا ایک طبقہ برابر لڑتا رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔ (عبدالجبار اجمیری)

چند ساعت صحبتِ باااولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ہاتھوں میں چند سانسوں کے سکے لئے ہوئے
آئے ہیں ہم بھی گھومنے بازارِ زندگی

77ائمہ کرام

مسلمان چار اماموں کے مسلک کی تائید کرتے ہیں جو اس طرح ہے۔

1. **امام اعظم ابوحنیفہؒ**: آپ کی ولادت 80 ہجری مطابق 700ء میں ہوئی۔ آپ نے سات صحابہؓ کرامؓ کو دیکھا ہے۔ منقول ہے کہ امامِ اعظمؒ جب نبی کریم ﷺ کے روضہِ اطہر پر حاضری دیتے تو عرض کرتے السلام علیک یا سید المرسلین۔ گنبدِ خضرا سے جواب آتا وعلیک السلام یا امام المسلمین۔

روایت ہے کہ جب آپ آخری بار کعبہ کے طواف کے لئے گئے تو تمام رات یہ عالم رہا کہ ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر نصف قرآن اور باقی نصف قرآن دوسرے پاؤں پر کھڑے ہو کر پڑھا آخر میں عرض کیا کہ "ما عرفناکَ حق معرفتکَ ولکن عبدناک حق عبادتک" یعنی ہم نے تیری معرفت کا حق تو ادا نہیں کیا البتہ تیری عبادت کا حق ضرور ادا کر دیا ہے۔ غیب سے ہاتف نے اعلان کیا اے ابوحنیفہ تو نے معرفت کا حق بھی ادا کر دیا ہے اور عبادت کا حق بھی۔ لہٰذا میں نے تجھے اور تیرے پیروں کو بخش دیا۔

آپ کا وصال 150 ہجری مطابق 770ء میں ہوا تھا آپ نے 70 سال کی عمر پائی۔ بغداد شریف میں آپ کا مزار ہے۔

2. **حضرت امام مالکؒ**: آپ کا نام نامی مالک بن انس بن مالکؒ تھا۔ آپ بااعتبار ترتیب ائمہ اربعہ میں دوسرے جلیل القدر امام ہیں۔ علوم میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ آپ کا ولادت 96 ہجری مطابق 716ء میں ہوئی اور آپ نے 179 ہجری مطابق 799 میں وفات پائی۔ آپ فقہ کے امام ہیں آپ کا مزارِ عالیہ بقیع غرقد میں واقع ہے۔

3. **حضرت امام شافعیؒ**: آپ کی ولادت مقام غزّہ 150 ہجری مطابق 770ء میں ہوئی۔ آپ کا وصال جمعہ کے روز 204 ہجری مطابق 824ء میں ہوا۔ آپ کا مزارِ عالیہ مصر کے مضافات میں واقع ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ آپ نے سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا تھا۔ جب آپ کی عمر 15 سال کی ہوئی تو آپ منصبِ افتا پر فائز تھے۔

4. **حضرت امام احمد بن حنبلؒ**: آپ 164 ہجری مطابق 784ء میں بغداد میں تشریف لائے۔

آپ کا وصال 12 ربیع الاوّل 241 ہجری مطابق 861ء میں ہوا۔ آپ نے بغداد میں ہی سفر آخرت اختیار کیا آپ کی آخری خواب گاہ بھی بغداد میں ہی ہے۔ آپ نے 79 سال کی عمر پائی۔ آپ کا تعلق قریش سے ہے عراق روانگی سے پہلے آپ امام مالکؒ ہی سے کتاب علوم فرماتے تھے۔ منقول ہے کہ جب بغداد میں آپ کو مجبور کیا گیا کہ آپ قرآن حکیم کے مخلوق ہونے کے حق میں فتویٰ صادر کریں۔ آپ کو دربار میں طلب کیا گیا جہاں دروازے پر آپ کی ملاقات چوکیدار سے ہوئی اس نے بڑے کام کی بات کہی اور یہ کہ بہادری اور حوصلہ مندی سے کام لینا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے قدم میں لغزش آجائے میرا اپنا حال یہ ہے کہ جب میں چوری کے جرم میں ماخوذ ہوا تو مجھے ہزاروں عبرتناک سزائیں دی گئیں لیکن اس کے باوجود میں نے جرم کا اقرار نہیں کیا آخر وہ وقت آیا کہ مجھے رہائی نصیب ہوئی۔ آپ تو حق پر ہیں امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ اس چوکیدار کی نصیحت نے میری آنکھیں کھول دیں خلیفہ مامون کے مقرر کردہ آدمیوں نے ہزار درّے لگائے اور عقابین میں کھینچا اس وقت آپ کے پیر کھلے ہوئے تھے اور ہاتھ بندھے ہوئے اس موقعہ پر غیب سے دو ہاتھ برآمد ہوئے۔ جب حاضرین نے یہ کرامت اپنی آنکھوں سے دیکھی تو آپ کی رہائی کے احکام صادر کر دئے۔ نزع کے وقت آپ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ میرے سرہانے حاضرین میں ابلیس لعین بھی کھڑا ہے اور وہ یہ کہہ رہا ہے۔ "اے احمد بن حنبل! تو اپنا ایمان میرے ہاتھ سے بچا کر لے گیا" جب آپ کی روح پرواز کر گئی تو جنازے پر پرندے گرتے ہوئے دیکھے گئے جس سے متاثر ہو کر چالیس ہزار آتش پرستوں نے اسلام قبول کرلیا۔ (سفینۂ اولیاء صفحہ۔ 46 تا 50)

مصنف احمد بن حنبلؒ کا مشہور مجموعہ احادیث ہے جس میں تقریباً 30 ہزار حدیثیں ہیں۔

یہ چاروں فقہیں نبی کریم ﷺ کے بعد دو سو برسوں کے اندر اندر مرتب ہوئے تھے۔ ان میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں وہ بالکل قدرتی ہیں۔ ان کی تحقیق اور سمجھ میں تھوڑا بہت اختلاف ضرور ہوتا ہے لیکن چونکہ یہ سب حق پسند اور نیک نیت اور مسلمانوں کے خیر خواہ بزرگ تھے اس لئے تمام مسلمان ان چاروں فقہوں کو برحق مانتے ہیں۔ اس لئے اکثر علماء یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو ان چاروں میں سے کسی ایک کی پیروی کرنی چاہئے۔ اور جو لوگ علم نہ رکھتے ہوں انہیں جس عالم پر بھی اطمینان ہو اس کی پیروی کریں۔

اہل حدیث:۔ ان کے علاوہ علماء کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو یہ کہتا ہے کہ کسی خاص فقہ کی پیروی کرنے

کی ضرورت نہیں ہے علم رکھنے والے آدمی کو براہ راست قرآن وحدیث سے احکام معلوم کرتے ہوئے پیروی کرنی چاہیئے یہ لوگ اہل حدیث کہلاتے ہیں۔ (رسالہ دینیات مولانا ابوالاعلیٰ مودودی)

B بزرگان دین

78 حضرت شیخ جنید بغدادیؒ: (وفات 297ھ 917ء)

شیخ جنید بغدادیؒ کے والد محمد بن جنید آبگینہ فروش تھے۔ طریقت وحقیقت میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ حضرت جنید بغدادیؒ پورے 30 سال تک ایک پاؤں پر کھڑے رہ کر اللہ کے ذکر وفکر میں مشغول رہے تھے۔ یہاں تک کہ فجر کی نماز کا وقت آجاتا اور عشاء کے وضو سے نمازِ فجر ادا کرتے۔ وہ فرماتے تھے کہ تیس سال تک اللہ تعالیٰ نے حضرت جنید سے جنید کی زبان میں گفتگو کی اور کسی کو اس کا علم تک بھی نہیں ہوا اور فرمایا کہ ایک دن میرا دل پہلو سے غائب ہوگیا۔ میں نے اپنے رب سے عرض کیا، یا بارالٰہی! میرا دل لوٹا دے۔ جواب ملا کہ ہم اپنے جنید کے پاس تیرا دل لے گئے تھے، تاکہ تو ہمارے ساتھ رہے۔ تو پھر یہ کیوں مطالبہ کرتا ہے کہ تیرا دل کسی غیر سے رشتہ جوڑے (جنید کی یاد کو خدا نے اپنی یاد قرار دیا ہے) آپ ماہِ رجب 29 کو وفات پائی۔ آپ کا مزار بغداد میں ہے (سفینۃ الاولیاء، 53)

79 حضرت شیخ علی ہجویریؒ 455 ہجری، 1059ء

جلباب اور ہجویر غزنیں کے دو محلوں کے نام ہیں آپ کی والدہ کی قبر غزنی میں واقع ہے۔ آپ نے ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی جس کی محراب دوسری مساجد کی بنسبت جنوب کی طرف مائل تھی۔ اُس وقت کے علماء نے اس محراب کی سمت سے متعلق اعتراض کیا تھا چنانچہ ایک دن آپ نے سب کو جمع کیا، خود امامت کے فرائض سرانجام دیئے اور نماز کے بعد حاضرین سے مخاطب ہوکر دریافت فرمایا کہ دیکھئے کعبہ کس جہت میں ہے۔ دیکھا، تو تمام درمیانی حجابات مرتفع ہوگئے تھے اور کعبۂ مجازی نظر آرہا تھا۔ آپ کا مزار مسجد کے موافق سمت میں ہے آپ کے والد ماجد کی قبر بھی آپ کے ماموں تاج الاولیاءؒ کے مزار سے متصل غزنین میں ہے۔

آپ کی بہت سی تصانیف ہیں اُن میں کشف المحجوب زیادہ مشہور ہے اور اسی کتاب کی جامعیت

میں کسی کو بھی کلام نہیں ہے۔ یہ تصنیف درحقیقت ایک رہنمائے کامل کا درجہ رکھتی ہے۔ کتب تصوف میں اسے ایک مرشد کامل کی حیثیت حاصل ہے۔ فارسی زبان میں ایسی جامع و مانع کتاب آج تک تصنیف نہیں کی گئی ہے۔

آپ نے 455 ہجری مطابق 1059ء میں وفات پائی۔ مزار مبارک لاہور کے مغربی قلعہ میں واقع ہے ہر جمعرات کو آپ کے روضۂ انور پر ہزاروں آدمی حاضر ہوتے ہیں اور یہ بات مشہور ہے کہ جو شخص چالیس جمعراتیں یا چالیس دن کامل روضۂ کا طواف کرے اُس کی ہر حاجت پوری ہوتی ہے۔

(''سفینۃ الاولیا۔'' شہزادہ دارا شکوہ)

80. غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ 471ھ ا561ھ مطابق 1070ء تا 1160ء

شیخ بقا بن بطوؒ سے روایت ہے کہ ''ایک دن غوثِ اعظم حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے مزار پر حاضری کے لئے گئے، میں نے دیکھا کہ امام احمد بن حنبلؒ اپنے مزار سے باہر تشریف لے آئے ہیں اور غوثِ اعظم سے بغل گیر ہو رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے عبدالقادر! میں علم شریعت، علم حقیقت، اور علم طریقت میں تیرا دست نگر ہوں''۔

آپ کی 471 ہجری مطابق 1070ء میں جیلان میں ولادت ہوئی۔ جیلانی آپ اس لئے مشہور ہیں کہ آپ کی ولادت جیل میں ہوئی تھی جیل طبرستان کی پشت کی جانب ایک ملک کا نام ہے جسے جیلان، گیلان کہتے ہیں۔ آپ فرماتے تھے کہ ابتدائی جوانی میں جب کبھی مجھ پر نیند غالب آتی تو میرے کانوں میں آواز آتی، عبدالقادر! ہم نے تجھے سونے اور نیند لینے کے لئے پیدا نہیں کیا ہے جب میں مکتب کا رخ کرتا تو فرشتوں کی آوازیں میرے گوش گزار ہوتیں وہ کہتے کہ ہٹو اور ولی اللہ کے لئے راستہ چھوڑو۔ آپ نے سب سے پہلے قرآن حفظ کیا پھر فقہ وحدیث اور دینی علوم سے فراغت حاصل کی۔ پہلے سفر میں ساٹھ ڈاکوؤں نے آپ کے دست حق پر توبہ کی اور حلقۂ مریدین میں شامل ہوئے۔ آپ کے وصال کی تاریخ 8 یا 9 ربیع الآخر 561 ہجری مطابق 1160ء ہے ایک قول کے مطابق آپ کی عمر 90 سال 7 ماہ اور 9 دن ہے۔ ہندوستان میں آپ کا عرس 11 ربیع الآخر اور بعض 17 کو کرتے ہیں اور بغداد میں 17 ربیع الآخر کو عرس ہوتا ہے۔ مگر 9 ربیع الآخر کو صحیح تاریخ مانتے ہیں۔ (سفینۃ الاولیاء، صفحہ 47)

''جس نے مخلوق سے کچھ مانگا وہ خالق کے دروازے سے اندھا ہے''۔ (شیخ عبدالقادر جیلانی)

81 خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ 543ھ تا 632ھ مطابق 1146ء تا 1235ء

ولیوں اور اللہ کے دوستوں کے لئے قرآن میں حکم ہوا ہے ”یاد رکھو! کہ اللہ کے سچے دوستوں پر نہ تو کبھی مخلوقات کا خوف طاری ہوتا ہے اور نہ وہ کبھی رنجیدہ اور غمزدہ ہوتے ہیں۔“ (قرآن مجید)

چند ساعت صحبتِ با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

(اولیاء اللہ کے پاس تھوڑا وقت گذار لینا بہتر ہے اس سے کہ آدمی سو سال خلوصِ قلب کے ساتھ عبادت کرتا رہے)

ہم سے تابندہ ہوا جذبۂ ایمان یہاں
شاہِ اجمیر کی باقی ہے ابھی شان یہاں

ہندوستان میں صوفی سلسلوں کی ایک طویل فہرست ابوالفضل نے آئینہ اکبری میں دی ہے مگر ہندوستان میں چار سلسلے بہت مقبول ہیں ☆ قادری ☆ چشتی ☆ سہروردی ☆ نقش بندی، جب خواجہ معین الدین چشتیؒ، اجمیر تشریف لا رہے تھے، تو دورانِ سفر سبزوار پہنچے، جہاں کا حاکم یادگار محمد تھا۔ وہ شیعہ تھا۔ اگر کوئی شخص اپنے بیٹوں کا نام ابوبکر، عمر، یا عثمان رکھ لیتا تھا، تو وہ اسے قتل کروا دیتا۔ اس کا ایک خوبصورت باغ تھا۔ ایک دن وہ سیر وتفریح کے لئے باغ میں آیا۔ ایک درویش کو عبادت میں مصروف دیکھ کر غصے سے ان کی طرف بڑھا۔ حضرت کی نگاہ اس پر پڑی تو اس کے پاؤں میں حرکت طاری ہوگئی اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ خواجہ نے اس کے منہ پر پانی چھڑکا، جب وہ ہوش میں آیا تو اس کا غلط عقیدہ ختم ہو چکا تھا اور اس نے آپ کے قدموں میں سر رکھ دیا اور آپکا مرید ہو گیا۔

ایک بار آپ جنگل میں جا رہے تھے، وہاں آتش پرستوں کا ایک گروہ تھا، جو آتش پرستی میں مگن تھا۔ آپ نے جب اس سے آتش پرستی کے بارے میں پوچھا تو جواب ملا، کہ ہم لوگ آگ اس لئے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں جہنم میں نہ جلائے۔ آپ نے فرمایا کہ آگ کو جس نے پیدا کیا اس کو پوجا کرو۔ اگر تمہاری پوجا صحیح ہے تو تم آگ پر ہاتھ رکھ کر دیکھو کہ وہ تمہیں جلاتی ہے یا نہیں۔ تو کہنے لگے کہ آگ کا کام

تو جلانا ہی ہے، ہمارا ہاتھ جل جائیگا۔ آپ نے کہا کہ آگ کو پیدا کرنے والے کی پوجا کرو، جیسے کہ آگ مجھے تو کیا میرے جوتے کو بھی نہیں جلا سکتی۔ یہ کہ کر خواجہ صاحبؒ نے اپنی جوتی آگ میں پھینک دی۔ کافی دیر بعد دیکھا کہ جوتی کا آگ سے جلنا تو دور کی بات اس پر دھوئیں کا بھی اثر نہیں ہوا تھا یہ دیکھ کر سب آتش پرست مسلمان ہو گئے۔

آپ کے شاگرد شیخ حمید الدین، صوفی ناگوری اکثر ایک شعر پڑھا کرتے تھے جس کا مطلب ہے ''اے گرم دل ٹھنڈی سانسیں بھرنے کی عادت ڈال لے، آنکھیں سرخ کر لے، چہرہ زرد کر لے، اگر کوئی فریاد سننے والا نہ ہو تو پھر فریاد نہ کر''۔

خواجہ صاحبؒ نے پہلے کچھ شہروں میں قیام کیا۔ آپ 1172ء میں راجستھان کی طرف تشریف لائے اور اجمیر کو اپنی قیام گاہ بنایا۔ آپ کا بہت مشہور قول ہے ''جس میں تین خوبیاں ہوں گی اللہ اس کو عزیز رکھے گا۔''

.1۔ دریا کی سی سخاوت، 2، سورج کی عام شفقت (امیر۔ غریب سب کو بنا بھید بھاؤ روشنی اور حرارت پہنچاتا ہے)، 3۔ زمین کی سی تواضع (ہم اسے اپنے پیروں سے روندھتے ہیں مگر پھر بھی وہ ہمیں رزق دیتی ہے)۔ خواجہ نے یہ بھی فرمایا جسے نعمت ملی وہ سخاوت سے ملی اور جس نے بھی درویشی کے اعتراف میں قدم آگے بڑھایا۔ باطن کی صفائی سے بڑھایا۔ سلطان شہاب الدین غوری نے 1192ء میں ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر پرتھوی راج کو جو تین لاکھ فوج لے کر آیا تھا، شکست دے دی، جس سے 1191ء میں وہ ہار چکا تھا۔ اسی درمیان خواجہ نے 1172ء تا 1195ء تک اجمیر میں ہی قیام کیا۔ خواجہ نے اپنے خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو دلی میں بٹھایا۔ آپ ایک بار دہلی گئے ہوئے تھے۔ آپ دلی کے شیخ الاسلام نظام الدین صغراں سے ملنے تشریف لے گئے۔ مگر شیخ الاسلام نے آپ کا گرم جوشی سے استقبال نہیں کیا کیوں کہ انہیں آپ کے مرید خواجہ قطب الدین بختیار اکاکیؒ کی مقبولیت سے حسد تھا۔ اس لئے آپ نے غریب نواز سے شکایت کی کہ جب سے آپ نے قطب الدین بختیار کاکیؒ کو دلی میں بٹھا رکھا ہے، تب سے میری شیخ الاسلام کو کوئی مانتا ہی نہیں ہے۔ لہٰذا غریب نواز نے قطب الدین سے کہا

کہ تم میرے ساتھ اجمیر چلو کیوں کہ تمہاری وجہ سے شیخ الاسلام کو تکلیف ہو رہی ہے۔

جب قطب الدین بختیار کاکیؒ اپنے شیخ کے حکم پر ان کے ساتھ اجمیر جانے لگے تو ساری دلی انہیں الوداع کہنے کے لئے اُمڈ پڑی۔ اس غم میں دلی کے سلطان التمش بھی شامل تھے جو خود ایک درویش صفت بادشاہ تھے۔ اور درویشوں کے عقیدت مند تھے۔ اس طرح شاہ اور خلق خدا زار و قطار روتی ہوئی ان کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ اس جدائی کا منظر دیکھ کر حضرت غریب نواز نے فرمایا کہ ایک شخص کے لئے ہزاروں انسانوں کا دل دکھانا مناسب نہیں ہے، لہٰذا قطب الدین تم یہیں رہو۔ میں دلی کو تمہاری امان میں دیتا ہوں۔ اگلے سال یعنی 6/ رجب 632 ہجری کو 90 سال کی عمر میں آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ کی آخری آرام گاہ اجمیر ہی ہے۔ (تاریخ ابن خلدون)

آپ کا مقامِ ولادت اور وطن سبستان ہے۔ خراسان میں آپ کی تربیت ہوئی آپ کے والد ماجد غیاث الدین حسنؒ تھے جن کا شمار حسینی سادات میں ہوتا۔ آپ شیخ عثمان ہارونیؒ کے مرید صفا تھے۔ شیخ عثمان ہارونیؒ فرماتے ہیں کہ "ہمارے معین الدین خدا کے پیارے ہیں مجھے اپنے ایسے مرید پر سو ناز ہیں جو اپنے وقت کا قطب اور صاحب تصرف شیخ ہو، باشندگانِ ہند بالعموم آپ کے عقیدت کیش تھے ظاہری و باطنی علوم میں آپ یکتائے روزگار تھے آپ سے بے شمار خوارق و کرامات کا ظہور ہوا ہے۔ ابتداء میں آپ سمرقند اور بخارا میں تشریف لے گئے وہاں آپ نے حفظِ قرآن کی منزل طے کی۔ وہاں سے آپ نے عراق، عرب کا رخ کیا جب آپ نیشاپور کے قصبۂ ہارون پہنچے تو آپ نے شیخ عثمان ہارونیؒ کی خدمت میں حاضری دی اور پورے بیس سال تک آپ کی خدمت میں رہے۔ آپ بلخ سے لاہور تشریف لائے تھے۔ لاہور میں آپ کی ملاقات شیخ یعقوب زنجانیؒ سے ہوئی تھی اور لاہور سے دہلی کا سفر کیا۔ (سفینۃ الاولیا)

82. خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ 582ھ تا 633ھ مطابق 1185ء تا 1235ء

آپ کا مقامِ ولادت اوش فرغانہ کے مضافات میں ہے۔ آپ کو سماع سے خاص شغف تھا کیونکہ سلسلۂ چشتیہ میں اس کا عام رواج ہے اور اس سلسلہ کے پیرو بالعموم محافل سماع میں ذوق و شوق سے شریک ہوتے ہیں۔ سلسلۂ قادریہ میں اس کی اجازت نہیں حضرت جنید بغدادیؒ بھی سماع محفلوں

میں شریک نہیں ہوتے تھے۔

جب غریب نوازؒ دلی میں تھے تو خواجہ قطب الدینؒ کے ایک شاگرد شیخ فرید الدین شکر گنج خواجہ قطب الدین صاحب سے بیعت ہونا چاہتے تھے لہٰذا قطب الدین صاحب نے حضرت غریب نواز سے فرمایا کہ اسے باطنی نعمت سے سرفراز کیجئے تو بابا فرید ادب سے کھڑے ہو گئے۔ ان کے دائیں طرف غریب نوازؒ اور بائیں طرف خواجہ قطب الدین تھے۔ دستار کا ایک حصہ غریب نواز دیتے تھے اور دوسرا حضرت قطب الدین صاحب۔ اس طرح پیر و مرشد نے اور دادا پیر نے حضرت بابا فرید کی دستار بندی کی۔ جب خواجہ اجمیر کے لئے روانہ ہو گئے تو قطب الدین شیخ صاحب کی غزل سن کر محفل میں مست ہو گئے۔ تین دن اسی بے ہوشی میں رہ کر ربیع الاول 633 ہجری تا 1235ء میں انتقال کر گئے۔ شعر تھا ، کستگان خنجر تسلیم ، ہر زمانِ از غیب جانے دیگر ست۔ ہجری کے مطابق سلطان التمش کا اور 6 رر جب کو خواجہ غریب نواز کا بھی انتقال ہو گیا۔ سلطان التمش خواجہ کی دیکھ بھال کرتے تھے اور ہفتے میں دو بار آپ کی خدمت میں حاضر بھی ہوتے تھے۔ (تاریخ اسلام)

1. کاکیؒ:- آپ کاکی اس لئے مشہور ہیں کہ جب آپ دہلی میں تھے تو آپ کسی کا نذرانہ قبول نہیں فرماتے تھے اور ہمہ وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے آپ کے اہل و عیال بڑی عسرت اور تنگ دستی کے عالم میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اُس زمانے میں پڑوس کی ایک بقال عورت سے کچھ اُدھار لے گذر بسر کی سبیل نکالی جاتی تھی۔ ایک دن اُس بقال عورت نے آپ کی اہلیہ سے طنزاً یہ بات کہی کہ اگر میں تمہارے پڑوس میں نہ ہوتی تو تم سب کے سب بھوکوں مر جاتے۔ حضرت کی اہلیہ پر یہ بات بڑی شاق گذری اور اب اس نے یہ پختہ عہد کیا کہ آئندہ ہم اس سے قرض نہ لیں گے ایک دن اس واقعہ کا ذکر حضرت قطب الدینؒ کے سامنے بھی آیا۔ آپ نے فرمایا میں کسی سے قرض لینے کے حق میں نہیں ہوں۔ لہٰذا جب تمہیں کسی طرح کی ضرورت پیش آئے تو ہمارے حجرہ کے طاق میں ہاتھ ڈال کر پکی پکائی روٹی حاصل کر لیا کریں اور اسے اپنی ضرورت میں صرف کریں اور جسے چاہیں اس میں سے دیں چنانچہ اس کے بعد سے جب ضرورت پیش آتی تو اس طاق سے روٹی حاصل کی جاتی اس روٹی کو کاک کہتے ہیں اس نسبت سے

آپ کاکی کہلائے جاتے ہیں۔ جب حضرت معین الدین چشتیؒ اوش پہونچے تو حضرت قطب الدین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے دستِ مبارک پر بیعت فرمائی۔ حضرت معین الدین چشتیؒ آپ پر خصوصی توجہ فرماتے تھے۔ آپ حضرت خضر علیہ السلام کی صحبت میں رہتے جو اپنے وقت کے بڑے پائے کے قطب تھے صاحب کمالات اور باطنی بھی تھے اور حامل اوصاف عالیہ بھی۔ (سفینۃ الاولیا)

83. خواجہ فرید الدین شکر گنجؒ (569ھ تا 664ھ) 1171ء تا 1266ء

خواجہ فرید الدین شکر گنج کی پیدائش 569 ہجری میں ہوئی۔ آپ نے ملتان کا سفر کیا جو علم کا مرکز تھا۔ آپ نے 484 ہجری میں قطب الدین بختیار کاکیؒ کی زیارت کی اور بیعت فرمائی۔ ایک بار سلطان غیاث الدین بلبن کچھ نقد اور چار گاؤں کی جاگیر لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے نقد تو قبول کر لی مگر جاگیر ٹھکرادی اور سارا نقد لے کر درویشوں میں تقسیم کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب درویش لباس زیب تن کرتا ہے تو اس کا تصور یہ ہوتا ہے کہ میں کفن پہن رہا ہوں۔ آپ کی وفات 664 ہجری میں 95 سال کی عمر میں ہوئی اور آپ جودھن (پاک پٹن) میں دفن کئے گئے۔ بعد میں سلطان محمد تغلق نے آپ کے مزار پر گنبد تعمیر کروادیا۔

1. گنجِ شکر: آپ کا سلسلہ نسب حضرت فاروقِ اعظم سے ملتا ہے۔ شکر گنج کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے ایک دفعہ پورے ایک ہفتہ سے افطار نہیں کیا تھا اس وجہ سے آپ اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ چلنا پھرنا مشکل ہو گیا تھا پھر بھی آپ اپنے شیخ کی خدمت میں روانہ ہو گئے راستہ میں پھسلن تھی اچانک آپ کا پیر پھسل گیا اور آپ زمین پر گر گئے۔ زمین پر گرنے سے آپ کے منھ میں مٹی کا ڈھیلا آ گیا۔ مٹی کے ڈھیلے نے آپ کے منھ میں شکر گھول دی، وہاں سے اُٹھ کر آپ اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں پہونچے۔ انہوں نے فرمایا "مٹی کا جو ڈھیلا تمہارے منھ میں گھول گیا ہے اُس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں گنج شکر بنا دیا ہے تم ہمیشہ شیریں رہو گے۔" جب آپ پیر و مرشد کے پاس سے باہر آئے تو جو بھی آپ سے ملتا آپ کو گنج شکر کے لقب سے پکارتا۔ جب آپ خواجہ معین الدین چشتیؒ کی زیارت سے مشرف ہوئے تو

انہوں نے فرمایا ''قطب الدین نے ایک ایسے شاہباز کا شکار کیا ہے جس کی پرواز سدرۃ المنتہیٰ تک ہے جب اس کی شمع ولایت روشن ہوگی تو اندھیرے اجالوں میں تبدیل ہو جائیں گے۔'' (سفینۃ الاولیا)

84. خواجہ حضرت نظام الدین اولیاؒ (636ھ تا 725ھ) 1236ء تا 1325ء

آپ 636 ہجری میں بدائیوں میں پیدا ہوئے تھے۔ پانچ سال کی عمر میں باپ کا سایہ آپ کے سر سے اُٹھ گیا تھا۔ والدہ صاحبہ نے آپ کا پالن پوسن کیا۔ جس روز کھانے کے لئے کچھ نہیں ہوتا تو والدہ کہتی، آج ہم خدا کے مہمان ہیں۔ ایک دن کوئی خدا کا بندہ غلّہ دے گیا جس سے کئی دن گذرے۔ پھر والدہ نے کہا آج ہم خدا کے مہمان ہیں اُس دن مجھ میں سُرور پیدا ہوا جسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ آپ 16 سال کی عمر میں بدایوں سے دہلی آ گئے تھے۔ اُس وقت دلی پر سلطان ناصر الدین کی حکومت اور غیاث الدین بلبن کی وزارت تھی۔

آپ جس علمی مسئلہ میں بحث کرتے تو طلباء لاجواب ہو جاتے۔ لہٰذا آپ کو لوگ مولانا نظام الدین کے نام سے پکارنے لگے۔ ایک دن آپ کی والدہ نے آپ کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا، خدایا اس بچے کو تیرے سپرد کرتی ہوں اور وہ انتقال کر گئی۔ آپ نے ایک دن شیخ قطب الدین متوکل سے عرض کیا کہ دعا کیجئے کہ میں قاضی ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا قاضی مت ہو، کچھ اور ہو جاؤ۔ آپ نے لکھا ہے کہ ایک بار جب میں شیخ کبیرؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُنہوں نے میری بڑی خاطر کی اور مجھے چارپائی پر سونے کو کہا۔ میں نے اُن کے پاس زمین پر سوئے ہوئے کئی حافظِ قرآن اور عاشقِ خدا کو دیکھا اور دل میں چارپائی پر نہ سونے کی سوچی، مگر شیخ کے حکم کو ٹال نہ سکا اور چارپائی پر سو گیا۔ شیخ فرید الدین باباؒ سے بیعت ہوئے شیخ نے فرمایا کہ نظام تم کو مجھ سے کچھ کتابیں پڑھنی ہوگی۔ میں نے کتابیں پڑھی اور طریقت سیکھی۔ اس طرح حضرت نظام الدین کو کئی بار اجودھن میں شیخ کے پاس جانا پڑا۔ آپ کا دسترخوان شاہی تھا جو امیروں اور غریبوں کی ریکھاؤں میں کچھ فرق نہیں کرتا تھا۔

سلطان علاؤالدین خلجی:۔ جب علاؤالدین خلجی تخت پر بیٹھا تو اُسے خواجہ سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ مگر ایک بار بادشاہ نے اپنے لڑکے خضر خاں کو ایک پرچہ دے کر خواجہ کی خدمت میں بھیجا تو خواجہ نے

پرچہ پڑھے بغیر ہی یہ فرمایا کہ درویش کا بادشاہ سے کیا کام ہے۔ میں تو ایک فقیر ہوں۔ شہر کا ایک کونہ پکڑ رکھا ہے۔ اگر بادشاہ کو مجھ سے اعتراض ہے تو میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔ اللہ کی زمین بہت بڑی ہے۔ سلطان خلجی اس جواب سے بہت خوش ہوا اور فرمایا کچھ لوگ مجھے مردانِ خدا سے لڑوانا چاہتے ہیں تا کہ ملک تباہ ہو جائے۔ سلطان نے خواجہ سے معذرت طلب کی اور حاضر خدمت ہونے کی تمنا ظاہر کی۔ خواجہ نے ملنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میرے پاس حاضر ہونے کی ضرورت نہیں میں بس دعا کر دوں گا۔ پھر بھی بادشاہ کا ارادہ ملنے پر تھا خواجہ نے فرمایا فقیر کے گھر کے دو دروازے ہیں اگر بادشاہ ایک دروازے سے آئے گا تو فقیر دوسرے دروازے سے باہر نکل جائے گا۔ اس لئے آپ کی خدمت میں خلجی کو حاضر ہونے کی اجازت نہیں ملی۔ آپ کو کوئی اولاد نہیں تھی مگر روحانی سلسلہ پوری دنیا میں اور ہندوستان میں پھیلا ہوا ہے۔ جس سے لوگ فائدہ اُٹھاتے ہیں اور اُٹھاتے رہیں گے۔

آپ کو امیر خسرو سے اتنی محبت تھی۔ جتنی بلبل کو پھول سے اور پروانے کو شمع سے ہوتی ہے۔ خواجہ نے ایک بار فرمایا تھا کہ ایک آدمی نے مجھ سے کہا کہ آپ امیر خسرو کو جس نظر سے دیکھتے ہیں کاش ایک بار وہ نظر مجھ پر بھی ڈال دیجئے۔ میں نے دل میں کہا کہ پہلے وہ قابلیت تو پیدا کر۔

وفات:۔ آپ کی وفات 725 ہجری میں ہوئی۔ آپ کی نماز جنازہ شیخ الاسلام رکن الدین ملتانی نے پڑھائی۔ اور بعد نمازِ جنازہ فرمایا مجھے اب معلوم ہوا کہ آپ نے مجھے چار سال دلی میں اسی لئے روکے رکھا تھا کہ اس جنازہ کی نماز پڑھانے کا حق مجھے ہی ملے۔

(تاریخ ابن خلدون)

آپ کے مجالس میں وعظ و تلقین کے سلسلے بھی تھے اور سماع کا مشغل بھی، آپ مجلس سماع میں احتراماً سروقد کھڑے ہو جاتے تھے۔ آپ کے مریدین کی تعداد زیادہ ہے جن میں امیر خسرو دہلوی، حضرت نصیرالدین چراغ دہلوی، حضرت شیخ برہان الدین چشتی خاص ہیں۔

تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

(علامہ اقبال)

85. حضرت امیر خسرو دہلویؒ 653ھ تا 725ھ مطابق 1253ء تا 1325ء

امیر خسرو 1253ء میں اتر پردیش کے پٹیالی گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کی والدہ غیاث الدین بلبن کے وزیر دفاع عماد الملک کی بیٹی تھی۔ لہٰذا امیر خسرو کو شروع ہی سے بادشاہوں اور امراء کی صحبت نصیب ہوئی۔ امیر خسرو نے ہندوستان کے کئی بادشاہوں کا زمانہ دیکھا ہے آپ ہر رات جلال الدین خلجی کی محفل میں ایک نئی غزل پیش کرتے۔ ان محفلوں میں جب ساقی جام بھر دیتا اور حسینائیں رقص کرنے لگتیں تو امیر خسرو کی غزلیں آواز کی لہروں میں تیرنے لگتیں۔ ان محفلوں میں جن کا اس روئے زمین پر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ بے جان چیزوں میں جان پڑ جاتی۔ اور غم زدہ دل کھل اٹھتے۔

سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی کے خاص الخاص مرید تھے اور شیخ کے چہیتے اور لاڈلے تھے بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے تصانیف کی تعداد (نظم و نثر) 99 تک پہونچتی ہے آپ کے اشعار کی تعداد کم و بیش پانچ لاکھ ہے اور جو ہندی میں تصانیف ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں آپ کو شعر گوئی پر قدرت حاصل تھی آپ کے اشعار میں جو خوبی پائی جاتی ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ چونکہ آپ کے شیخ کو سماع کا بے حد ذوق تھا اس لئے آپ نے نئی نئی طرزیں اور دھنیں ایجاد کیں آپ خود گاتے اور سلطان المشائخ سنتے تھے۔

جب سلطان المشائخ نے رحلت فرمائی تو آپ دلی میں موجود نہیں تھے جب دلی آئے، معلوم ہوا تو سر کے بال منڈوائے اور پیر و مرشد کی مزار کے سامنے آ کھڑے ہوئے، عرض کیا ”سبحان اللہ! آفتاب زیر زمین ہے اور خسرو بالائے زمین۔ اپنا سر مزار پر دے ٹپکا، ہوش و حواس جاتے رہے۔ اس عالم میں چھ ماہ بعد 18/شوال 725 ہجری کو آپ نے رحلت فرمائی۔

(”سفینۃ الاولیاء“ 123 ”شہزادہ دارا شکوہ)

86. شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ (757ھ مطابق 1357ء)

آپ کے زمانہ میں سماع (محفلِ قوالی) کا رواج تھا۔ مگر آپ اسے پسند نہیں کرتے تھے۔ نہ محفل لگاتے تھے اور نہ قوالی پسند کرتے تھے۔ کیوں کہ آپ اسے سنت کے خلاف سمجھتے تھے، اور خلاف سنت کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ آپ نے 757ھ مطابق 1357ء میں وفات پائی آپ کا مزار نئی دلی کے باہر ہے۔

87. خواجہ برہان الدین چشتیؒ

آپ خواجہ نظام الدین اولیاء کے شاگردوں میں سے ہیں۔ سلطان علاؤ الدین کے جنوبی (دولت آباد) فتح کرنے کے بعد آپ نے جنوب میں تبلیغ کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ آپ کا مزار بھی دولت آباد جنوب میں ہے۔ (تاریخ ابن خلدون)

88. حضرت سید امیر کلالؒ (نقشبندی)

آپ نقشبندی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ حضرت خواجہ محمد شمشیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ کا انتقال صوفار (بلخ بخارا) میں ہوا، اس لئے آپ کا مزار بھی صوفار ہی میں ہے۔

(تاریخ ابن خلدون)

تیمور لنگ آپ کی خدمت میں:۔ تیمور 16 سال کی عمر میں سید امیر کلالؒ سے ملاقات کرنے کے لیے سمرقند پہونچا اور اپنے استاد عبداللہ قطب کا لکھا ہوا خط حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ امیر کلال لمبی سفید داڑھی والے بزرگ تھے اس وقت آپ کی عمر لگ بھگ 80 سال تھی۔ خط پڑھ کر آپ نے تیمور کو اپنے پاس بلایا اور کہنے لگے کہ عبداللہ قطب نے لکھا ہے، کہ تم حافظ قرآن بھی ہو اور تمہارے عرب کے اکثر شاعروں کے شعر بھی زبانی یاد ہیں۔ تیمور نے کہا جی ہاں! مجھے ایک بار پڑھنے یا سننے سے شعر یاد ہو جاتے ہیں۔

حضرت امیر کلال نے عشاء (عربی شاعر) کی ایک غزل عربی میں پڑھی۔ تیمور نے بنا جھجک وہ شعر دہرا دیے۔ محفل میں سب لوگ اسے حیرت سے دیکھنے لگے۔ پیر امیر کلالؒ بہت خوش ہوئے اور تیمور کے سر پر ہاتھ پھیرا، دعائیں دی اور کہا یہ بچہ ایک دن اس جگہ پہونچے گا جہاں کوئی نہیں پہونچ پائے گا۔ ان کی کہی ہوئی یہ بات 752ھ میں ایک دن حقیقت ہوئی۔

89. "شیخ علی مخدوم فقیہ مہائمیؒ" 776ھ تا 835ھ مطابق 1376ء تا 1435ء

سلطان فیروز شاہ تغلق کی سلطنت کے زمانے (1352ء تا 1389ء) میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ماہم کو راجہ بھیم کا دارالسلطنت بتایا گیا ہے۔ ماہم جو لبِ ساحل تھا چودھویں صدی عیسوی میں دور دور سے مسلمان آکر بسنا شروع ہو گئے تھے ممکن ہے کہ حضرت مخدومؒ کے آبأ واجداد بھی کوکن سے اسی زمانے میں یہاں آکر بسے ہوں۔

آپ کی ولادت باسعادت خاص ماہم میں جو سمندر کے کنارے واقع ہے۔ 10 محرم الحرام 776ھ مطابق 1376ء میں ہوئی آپ کا نام شیخ علی رکھا گیا بعد میں علم فقہ میں مہارت حاصل کی اس لئے فقیہ لقب پڑا اور والدہ صاحبہ کی خدمتوں کے صلے میں مخدوم خطاب ملا لہٰذا پورا نام شیخ علی مخدوم فقیہ مہائمی مشہور ہوا۔

سرکار مخدومؒ کے آبأ واجداد پہلے عرب میں واقع تھے مگر جب حجاج بن یوسف کا ظلم وستم حد سے زیادہ بڑھ گیا اور ہزاروں علماء ومشائخ کو اس نے شہید کروادیا تو آپ کے آبأ واجداد ترکِ وطن پر مجبور ہو گئے چنانچہ معہ اہل واعیال کشتیوں کے ذریعہ سمندری سفر طے کر کے ہندوستان پہنچے اور علاقہ کوکن میں سکونت اختیار کرلی بعد میں خاص قصبہَ ماہم میں آباد ہو گئے۔ آپ نے نو برس کی عمر میں علومِ شرعیہ یعنی قرآن وحدیث فقہ واصولِ فقہ حاصل کرلیا تھا۔

حضرت مخدومؒ روزانہ صبح دریا کے کنارے ہوا خوری کو جایا کرتے تھے ایک دن آپ نے ایک اونچے سے پتھر پر جو سمندر کے کنارے تھا ایک حسین وپُر نور بزرگ کو بیٹھا ہوا دیکھا آپ نے اُنہیں ادب سے سلام کیا پتھر پر بیٹھے ہوئے بزرگ نے سلام کا جواب بڑی نرمی سے دیا اور پیار سے قریب بلایا۔

حضرت مخدومؒ قریب گئے اور ادب سے کھڑے ہو گئے بزرگ نے فرمایا کہ شیخ علی ہم کو معلوم ہوا ہے کہ تمہیں علم وطریقت حاصل کرنے کا شوق ہے جس کے لئے تم عرب جانا چاہتے تھے حضرت نے متعجب ہو کر فرمایا آپ بجا فرماتے ہیں۔ اُن بزرگ نے فرمایا کہ تم روز فجر کے بعد یہیں چلے آیا کرو ہم تمہیں پڑھائیں گے تمہاری والدہ نے دعا کی تھی لہٰذا اب تمہیں انہیں چھوڑ کر کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

چنانچہ آپ روزانہ نمازِ فجر کے بعد سمندر کے کنارے پہنچ جاتے اور خضر علیہ السلام آپ کو علمِ معرفت و

حقیقت کے رموز سے آگاہ کرتے یعنی تعلیم دیتے۔

آپ کرامت کی وجہ سے دور دور تک مشہور ہوئے۔ آپ کے عہد میں فیروز شاہ تغلق، غیاث الدین تغلق وغیرہ چھ بادشاہ گزرے ہیں۔ ان بادشاہوں میں فیروز شاہ تغلق کا عہد نہایت خیر و برکت کا گزرا ہے علماء کرام اور اولیائے عظام کو دور دور سے بلا کر انہوں نے اپنے یہاں جمع کر کے دین کی تبلیغ کی تھی۔ ہندوستان میں آپ پہلے مفسر قرآن ہیں جنہوں نے عربی زبان میں تفسیر لکھی۔

آپ سات جمادی الاخر 835ھ کو بعد نمازِ عشاء اپنے رفیق اعلیٰ کو پیارے ہوگئے۔ آپ کے وصال سے آپ کی والدہ محترمہ کو اس قدر غم ہوا کہ چالیس دن بعد آپ بھی اپنے پیارے سے جاملیں اور آپ کے روضہ کے بائیں طرف سپردِ خاک کر دی گئیں جہاں آپ کا روضہ ہے وہیں بغل میں والدہ محترمہ کا روضہ بھی ہے۔ آپ کی خادمہ کنیز کا مزار بھی اندرونِ صحن مزار کے جنوبی سمت ہے۔

90 درگاہ حضرت حاجی علی بمبئیؒ

1431ء بمبئی سمندر کے اندر واقع حاجی علی کا مزار 1431ء میں بنایا گیا تھا۔ اس کے میناروں کی اونچائی پچاسی فٹ ہے۔ اب اس کی دوبارہ تعمیر میں پانچ کروڑ روپیہ خرچ ہونے کا امکان ہے۔

91. باباتاج الدین اولیاء (ناگپور):۔ 1861ء سے 1925ء

باباتاج الدینؒ کی پیدائش 21 جنوری 1861ء میں کامٹی ناگپور میں ہوئی۔ کامٹی ناگپور سے 15 کلومیٹر کی دوری پر ہے۔ آپ کی ایک سال کی عمر میں والد صاحب اور نو سال کی عمر میں والدہ صاحبہ کا انتقال ہوگیا تھا۔ اس لیے آپ کی پرورش آپ کی نانانی نے کی کامٹی کے اسلامی مدرسوں میں آپ نے تعلیم پائی۔ 15 سال کی عمر میں آپ نے اردو، فارسی، عربی اور انگریزی میں تعلیم حاصل کی۔

صوفی عبداللہ کی دعا:۔ ایک دن کامٹی کے مشہور صوفی عبداللہ شاہ مدرسہ میں تشریف لے آئے اور باباتاج الدین کو دیکھ کر مولانا سے کہنے لگے ”تو اسے کیا پڑھاتا ہے، یہ تو پہلے ہی سے پڑھا پڑھایا آیا ہے“ یہ کہہ کر صوفی صاحب نے اپنی جھولی سے ایک چھوہارا نکالا پہلے خود کھایا اور پھر بابا کو دیدیا۔ بابا نے بنا کسی جھجک کے چھوہارا کھالیا۔ تب صوفی صاحب نے انہیں تعلیم دی۔ بیٹا کم کھایا کر۔ کم سویا کر اور کم بولا کر۔

قرآن شریف اس طرح پڑھا کر جیسے رسول اکرم پڑھا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ چھوہارا کھانے کے بعد بابا کی آنکھوں میں آنسوں آگئے اور بابا تین دن تک بے قرار رہے۔

2 فوج میں بھرتی :۔ جب آپ بیس سال کے ہوئے، تو فوج میں بھرتی ہو گئے اور کئی باہری ممالک کا دورہ کیا۔ فرانس کے دورے کے بعد بابا نے ریجی مینٹ حیدر آباد میں ڈیرہ ڈالدیا۔ بابا فوج کے دوران نماز وقت پر ادا کیا کرتے تھے۔ فوجی آفس کے پاس ہی حضرت داؤدؒ کی درگاہ تھی۔ آپ وہیں عبادت کرتے اور ذکر الٰہی میں مشغول ہو جایا کرتے تھے۔ اور درگاہ پر ہی رات عبات میں گزار دیتے۔

3 نوکری چھوڑ دی :۔ ایک دن آپ اپنے افسر کے پاس تشریف لے گئے اور نوکری چھوڑ دینے کو کہا افسر نے جواب دیا، اے بے وقوف تیری نوکری میں ترقی ہونے والی ہے۔ بابا نے جواب دیا کہ مجھے تو ترقی مل چکی ہے۔ اب کون سی ترقی باقی رہ گئی ہے۔ یہ کہہ کر بابا نے اپنی وردی اتار دی اور نوکری چھوڑ کر باہر تشریف لے گئے۔ انہیں اپنے تن بدن کا کوئی ہوش نہیں تھا۔ جب ان کی نانی کو معلوم ہوا، تو وہ بابا کو کامٹی لے گئی اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔

4 پاگل خانہ :۔ ایک دن بابا بے ہوشی کے عالم میں عورتوں کی محفل میں چلے گئے۔ پولس نے انہیں پاگل قرار دے کر 23 اگست 1892ء کو پاگل خانہ بھیج دیا۔ اب لوگ بابا کو کبھی پاگل خانہ میں تو کبھی کامٹی کے کسی درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے دیکھتے تھے اور کبھی بازاروں میں گھومتے ہوئے۔ اب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ بابا پاگل نہیں ہے بلکہ اللہ کے عشق میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ آخر 16 سال بعد بابا پاگل خانہ سے 21 ستمبر 1908ء کو رہا ہوئے۔

5 واقی شریف :۔ بابا پٹیل کے کھیت میں ایک بڑی املی کے درخت کے نیچے بیٹھتے اور عبادت میں مشغول ہو جایا کرتے تھے۔ وہیں مسجد، مدرسہ، اسپتال اور عدالت قائم ہوئی۔ جس سے ساری مخلوق کو فیض پہونچا۔

6 قاتل کی رہائی :۔ ایک دفعہ بابا نے کہا تھا کہ بائیں ہاتھ سے سلام کر کے جانا اور نیاز کا کھانا کھلا دینا، اس لئے ایک قاتل کو رہائی مل گئی۔

7 بابا مکّہ میں :۔ ایک بار ایک حاجی صاحب نے بابا کو حج کے دوران مکہ میں دیکھا اور بات کرنی چاہی تو بابا نے فرمایا کہ یہاں نہیں واقی میں ملیں گے۔ جب وہ حاجی ناگپور سے واقی پہونچے۔ تو بابا کو دیکھ کر پہچان گئے اور بہت خوش ہوئے اور ان کی خدمت میں لگ گئے۔

9 ریت میں بچہ :۔ ایک بار بابا تاج الدین کدان ندی کے کنارے ریت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دو عورتیں آئیں اور کہنے لگیں کہ ہماری شادی ہوئے بہت وقت گزر چکا ہے، مگر ہم اولاد سے محروم ہیں۔ بابا نے ایک لڈو دونوں کو کھانے کے لیے دیا۔ شانتی نے تو لڈو کھالیا مگر سبدھرا نے نظر بچا کر اسے ندی کی ریت میں دبا دیا۔ نو دس ماہ بعد جب شانتی اپنے بچے کو لیکر بابا کے پاس آئی تو بابا نے انہیں دعائیں دی اور سبدھرا سے کہا تم اپنا بچا ریت سے نکالو۔ سبدھرا بہت شرمندہ ہوئی۔ پھر بابا نے اسے بھی دعائیں دی اور اس کے یہاں بھی بچہ پیدا ہوا اس طرح بابا کی بہت سی کرامات ظاہر ہیں (واللہ اعلم)۔

9 بابا تاج الدین اور اس کے عقیدت مند :۔ 1 مہاتما گاندھی ایک دفعہ ناگپور میں ایک بہت بڑا اجلاس ہوا اس میں مہاتما گاندھی تشریف لائے تھے اور بابا سے ملے۔ بابا نے کہا ہم نے 800 سو کو چھوڑا دیا۔ گاندھی جی ان کی بات سمجھ نہیں سکے۔ رات کو اجلاس سے 800 سو آدمی گاندھی جی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے مرید بن گئے۔ تب گاندھی جی کو بابا کی بات سمجھ میں آئی۔ گاندھی جی بابا کے پاس اکثر آیا جایا کرتے تھے۔

2 علی برادران :۔ مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی نے جب خلافت کمیٹی قائم کی تھی تب وہ ناگپور تشریف لائے۔ بابا نے ایک بار مولانا محمد علی کو بتلایا کہ ان کی آخری آرام گاہ لندن ہے اور یہی سچ ثاتب ہوا۔

3 نائب صدر جمہوریہ :۔ جسٹس ہدایت اللہ، مہاراجا اندور، بیگم بھوپال، جیون خاں اور ایڈوکیٹ موتی خاں مکرانہ وغیرہ بہت سے لوگ بابا کے عقیدت مند ہیں۔

4 وفات :۔ 17 اگست 1925ء کو رات سات بجے آپ دنیا سے رحلت فرما گئے۔ آپ کی عمر 66 سال 6 ماہ اور 21 دن تھی۔

92. حضرت امام غزالیؒ 450ھ تا 505ھ مطابق 1050 تا 1111ء

امام غزالی کی پیدائش طوس میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم طوس و نیشاپور میں ہوئی۔ نیشاپور کے خطیب اوقاف اسلامی کے ناظم مدرسہ نظامیہ کے صدر مدرس امام الحرمین تھے۔ علمی و دینی میدان میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ انھوں نے تعلیم و تدریس میں غزالی کو اپنا نائب بنالیا تھا۔ استاذ کے انتقال کے بعد آپ نیشاپور سے نکلے۔ اس وقت آپ 28 برس کے تھے یہاں سے امام نظام الملک کے دربار میں پہونچے وہ ان کے ساتھ بڑے اعزاز و اکرام سے پیش آئے۔ نظام الملک ان کی قابلیت وصلاحیت سے بڑا متاثر ہوا۔ اس نے انھیں مدرسہ نظامیہ کا ریکٹر بنادیا۔ مدرسہ نظامیہ اس دور میں عالم اسلام کی سب سے بڑی یونیورسٹی تھی۔ امام غزالی جلد ہی علمی حلقوں کے مرکز بن گئے۔ ان کا علمی شہرہ دور دور تک پھیل گیا۔ امام غزالی نے اپنے عہد کی اعلیٰ ترین تعلیم حاصل کی۔

عقلیات اور فلسفہ ان کی علمی زندگی کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ امام غزالیؒ نے اپنی کتاب ''المنقذ من الضلال'' میں بیان کرتے ہیں کہ۔ ''ایک روز میں بغداد چھوڑنے کا ارادہ باندھتا اور اگلے روز اسے توڑ دیتا۔ آخر کار آپ عزت اور شہرت کی زندگی کو لات مار کر بغداد سے نکل گئے۔ 11 برس تک دمشق، بیت المقدس، مکہ معظمہ مدینہ منورہ اور اپنے وطن میں زندگی گزاری جس سے ان کی بے اطمینانی کے کانٹے نکل گئے اور سکون قلب میسّر آیا۔''

امام غزالی گیارہ برس بعد پھر مدرسہ نظامیہ میں تشریف لائے مگر اس غزالی اور گیارہ برس پہلے کے غزالی میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔

جب امام غزالیؒ انتقال کر گئے تو انھیں لوگوں نے شہادت دی کہ'' امام غزالیؒ حجۃ الاسلام تھے۔ اور ان کی کتاب اس لائق ہے کہ آب زریں سے لکھی جائے۔'' ان کے چھوٹے بھائی احمد غزالی ان کی قابل رشک موت کی تصویر کشی کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''میرے بھائی دوشنبہ (4 جمادی الآخر 505ھ) کے دن صبح کے وقت بستر خواب سے اٹھے۔ وضو کیا۔ قبلہ رُو لیٹ گئے۔ لوگوں نے دیکھا کہ روح پرواز کر چکی تھی۔''

93 حضرت شیخ سعدیؒ ـ1190ء تا1292ء

شیخ سعدیؒ کا نام شرف الدین، لقب مصلح الدین اور تخلص سعدیؒ ہے چونکہ ان کے والد اتا بک سعد زنگی کے ملازم تھے۔ اور انھیں کے دور میں آپ نے شاعری شروع کی اسی نسبت سے آپ کا تخلص سعدیؒ تھا۔ ان کی تعلیم بغداد کے مشہور مدرسہ نظامیہ میں ہوئی۔ شیخ سعدیؒ کو سیاحت کا بے انتہاء شوق تھا۔ آپ دور دراز کے علاقوں اور ملکوں کی سیر و سیاحت کرتے ہوئے اور انسانیت کا درس دیتے ہوئے۔ ابوبکر سعد کی حکومت میں شیراز لوٹے۔ گوشہ نشینی اختیار کرنے کے بعد آپ نے اپنی عمر بھر کے تجربات اور مشاہدات کو گلستاں و بوستاں کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا، اُن کی یہ دونوں کتابیں شہرہ ٔ آفاق حیثیت کی حامل ہیں۔ اور خاص طور سے گلستاں جس کے اشعار کے پھول آج بھی تر و تازہ ہیں۔ بوستاں ان کی نظموں کے مجموعے کا نام ہے۔ گلستاں میں شیخ سعدیؒ نے حکایتوں میں نصیحتوں کا بیان کیا ہے۔ ان کا انتقال 102 برس کی عمر میں 1292ء میں شیراز میں ہوا تھا۔

حکایت: شیخ سعدیؒ کی ایک حکایت کے شعر کا مطلب یہاں بیان کیا جا رہا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اے شیخ سعدیؒ! شیراز کے رہنے والے تو کسی بدذات کو نصیحت مت کر یعنی علم کی بات مت بتا کیونکہ بدذات آدمی اگر علم میں کامل ہو جائے گا، تو سب سے پہلے وہ اپنے استاد کی ہی گردن کاٹے گا۔

94 حضرت مولانا رومؒ ـ604ھ تا672ھ مطابق 1207ء تا1275ء

آپ کا نام محمد جلال الدین رومی تھا۔ ان کا وطن بلخ تھا اور آپ یہیں پیدا ہوئے تھے مولانائے روم اپنے دور کے اکابر علماء میں سے تھے۔ فقہ اور مذاہب کے بہت بڑے عالم تھے۔ لیکن آپ ایک صوفی شاعر کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ شمس تبریز مولانا کے پیر و مرشد تھے۔ اس لیے آپ اکثر کہا کرتے تھے۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم ☆ تا غلامی شمس تبریزی نہ شد

مثنوی:۔ مولانا روم کی مثنوی کی شہرت سن کر شہنشاہ روم نے انھیں اپنے پاس بلا لیا تھا لہٰذا مولانا قونیہ چلے گئے تھے۔ اُن کی سب سے مشہور تصنیف ''مثنوی مولانائے روم'' ہے اس کے

علاوہ ان کی ایک کتاب ''فیہ مافیہ'' بھی ہے

مولانا روم کی مثنوی کو ہر زمانے میں مقبولیت حاصل رہی ہے۔ آج بھی لوگ مثنوی سنتے ہیں اور سر دُھنتے ہیں۔

(مولانا ''جامی'' کے زمانے سے اب تک لوگ مثنوی کو ''فارسی'' کا قرآن کہتے چلے آرہے ہیں۔ مولانا کی مثنوی کے متعلق یہ بتانا ضروری ہے کہ وہ دنیا کی بہترین اور مقبول ترین کتابوں میں سے ہے۔ اس میں تقریباً 25 ہزار اشعار ہیں جن کو 6 دفتروں میں تقسیم کیا گیا اور اس کے تراجم دنیا کی تقریباً ہر زبان میں ہو چکے ہیں۔ بہر حال مثنوی اپنے قسم کی پہلی کتاب ہے کہ جس میں مذہب، فلسفہ اور تصوف کو ایک ہی رنگ میں بطور حکایت پیش کیا گیا ہے۔

راقم الحروف کو بھی بچپن میں اپنے استاد حاجی عبدالحمید قاسمی صاحب (مدرسہ بارود گران) سے مولانائے روم کی مثنوی سننے کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔ جسے استاد وعظ فرماتے وقت بہترین ترنم سے سنایا کرتے تھے۔

ابتدائی دور میں مولانا کے مخالفین نے ان کی مثنوی پر کڑی نکتہ چینی کی لیکن ان کے زور بیاں کا فارسی شاعری میں کوئی جواب نہیں ہے۔ 1275ء میں مثنوی ختم کرنے کے بعد مولانا شدید بیماری پڑے اور انتقال فرما گئے۔ مولانا کے انتقال کے خبر سے قونیہ میں کہرام مچ گیا۔ بچہ بچہ رو رہا تھا۔ صبح جنازہ اٹھا تو طوفان امڈ پڑا۔ بچے، بوڑھے، جوان عیسائی اور یہودی تک جنازہ میں شامل تھے نماز جنازہ شیخ صدر الدین نے پڑھائی اور سلام پھیرتے ہی غش کھا کر گر پڑے۔

95 ابنِ خلدون - 1238ء تا 1314ء

ابن خلدون تیونس میں پیدا ہوئے تھے۔ ابن خلدون نہ صرف فنِ تاریخ کا موجد ہے بلکہ تاریخ ساز بھی ہے۔ اُن کی تصنیف ''تاریخ ابنِ خلدون'' شہرہ آفاق کا درجہ رکھتی ہے۔ وہ جب مصر پہنچے تو وہاں انھوں نے برسوں جامعہ ازہر میں فقہ مالکی کی تدریس کی۔ اور پھر انھیں مالکی مذہب کا قاضی مقرر کر دیا گیا۔ جسے انھوں نے بحسن خوبی انجام دیا۔ ایک عالم، قاضی، مدرس، مؤرخ اور ادیب کی حیثیت سے تمام عالم میں مشہور ہو گئے۔ بالآخر 1314ء میں 76 سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔

96 سیاح ابن بطوطہ 1304ء تا 1377ء

سیاح ابن بطوطہ طنجہ میں پیدا ہوا وہ مراکش کا رہنے والا تھا اسلامی تاریخ میں بہت سیاح گزرے ہیں مگر ان میں سب سے بڑا سیاح ابن بطوطہ ہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ابن بطوطہ نہ صرف یہ کہ سب سے بڑا مسلمان سیاح تھا۔ بلکہ موجود زمانے سے پہلے وہ دنیا کا سب سے بڑا سیاح تھا۔ اس نے دنیا کے جتنے بڑے حصے کی سیر کی، اس وقت تک کسی نے بھی سیر نہیں کی تھی۔ 1325ء میں وہ حج کے ارادے سے نکلا اور حج سے فارغ ہونے کے بعد عراق، مصر، شام، ایران اور افغانستان ہوتے ہوئے ہندوستان پہونچا اور تقریبا یہاں دس سال گزارے انھیں ہندوستان میں گنا اور آم بے حد پسند تھے گنے کو اس نے اپنے سفرنامے میں ''میٹھی لکڑی'' کے نام سے یاد کیا ہے۔ ابن بطوطہ کے سیاحتی اسفار 29 سالوں پر محیط ہیں سفر کی ابتداء انھوں نے تنہا ایک گدھے پر بیٹھ کر کی تھی۔ ابن بطوطہ اسلامی تہذیب کا ایک نمائندہ ہے جسے پوری دنیا نے تسلیم کیا ہے۔ اور انھیں اپنے دور کا سب سے بڑا سیاح قرار دیا ہے۔ (ملت اسلامی کی مختصر تاریخ ص 105)

97 مولانا جامی 1414ء تا 1492ء

مولانا جامی فارسی کے شاعر تھے۔ ان کا پورا نام نورالدین عبدالرحمٰن تھا۔ ان کی پیدائش ہرات ضلع جام میں ہوئی تھی۔ اسی نسبت سے انھیں جامی کہا جاتا ہے۔ دوران تعلیم وتصوف کی طرف مائل ہوگئے تھے اور اخیر عمر میں مجذوب ہوگئے اور لوگوں سے بولنا ترک کر دیا تھا۔ اسی حالت میں ہرات میں ان کا انتقال ہوا۔ '' خاتمۃ الحیات اور فرد نامہ سکندری'' ان کی مشہور تصانیف مثنوی ''یوسف زلیخا'' ''لیلی مجنوں'' ''فاتحۃ الشباب'' وغیرہ ہیں۔ آپ نے شیخ سعدیؒ کی گلستاں کے جواب میں ایک نثری کتاب ''بہارستان '' کے نام سے لکھی تھیں۔

98 حافظ شیرازیؒ 15ویں صدی

حافظ شیرازی والی شیراز کے دربار سے وابستہ رہے۔ کم سنی میں طبع آزمائی شروع کی تو لوگوں

نے مزاق اڑایا۔ آخر کار بلبل شیراز کے خطاب سے نوازے گئے۔ آپ نے فارسی زبان کی غزل گو شعراء میں بلند مقام حاصل کیا۔

آخری عمر کے دور میں آپ نے دکن جانے کا ارادہ کیا۔ جہاں بہمنی خاندان کی حکومت تھی مگر جب جہاز پر بیٹھے تو طوفان میں گھر کر انتقال کر گئے۔ اہل شیراز ان کے موت کا ایسا سوگ منایا جو کبھی چشم فلک نے نہ دیکھا تھا۔ پورا شہر جنازے میں شرکت کے لیے اپنے گھروں سے باہر نکل آیا تھا، مسجدوں کے میناروں پر سیاہ پرچم لہرادئے گئے ہر آنکھ اشک بار اور ہر زبان صدائے واویلا تھی آپ کا کلام ''دیوان حافظ'' کے نام سے آج بھی دستیاب ہے۔

حافظ شیرازی اور تیمور لنگ:۔ جب تیمور نے شیراز فتح کیا، تو حافظ شیرازی کو طلب کیا گیا۔ جو ایک عمر رسیدہ شخص تھے اور فارسی ادب کے نامور شاعر تھے۔ جن کی ایک آنکھ سے پانی بہہ رہا تھا۔ تیمور نے کچھ باتیں کی اور پوچھا اے عمر رسیدہ شاعر کیا تمہیں سمرقند و بخارا دیکھنے کی آرزو نہیں ہے۔ جس کا ذکر تم نے اپنے اشعار میں بار بار کیا ہے۔ حافظ شیرازی نے جواب دیا اے امیر والا! اب میں اتنا بوڑھا ہوگیا ہوں کہ اب وہاں نہیں پہونچ سکتا۔ ہاں! سمرقند بخارا دیکھنے کی ضرور میری آرزو ہے۔ تیمور نے پوچھا کہ کیا یہ شعر بھی آپ کا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ ''اگر ترک شیرازی ہمارا دل لبھا جائے، تو میں ان کے صرف ایک تل کے بدلے سمرقند بخارا بخش دوں'' آپ نے کہا ضرور یہ میرا ہی شعر ہے۔ تیمور نے کہا: واہ میں نے ہزاروں جانیں قربان کر کے اور خون کی ندیاں بہا کر سمرقند بخارا حاصل کیا ہے اور تم صرف ایک تل کے بدلے دونوں شہر سمرقند اور بخارا نچھاور کر رہے ہو۔ حافظ شیرازی نے اپنی شیروانی کے بٹن کھولے اور اندر پھٹا ہوا قمیص دکھاتے ہوئے کہا کہ سرکار یہ ہماری فراخ دلی اور بخشش کا ہی تو نتیجہ ہے کہ چیتھڑا نما قمیص پہنے ہوئے ہیں۔

99 شاہ ولی اللہ 1703ء تا 1763ء

جب اورنگ زیب عالمگیر کا 1707ء میں انتقال ہوا تو شاہ ولی اللہ کی عمر 4 سال تھی۔ اورنگ زیب کے انتقال کے بعد ہندوستان کا وقار گھٹنے لگا۔ اتنی بڑی حکومت کو سنبھالنا اُس کے لڑکوں کے بس کی

بات نہیں تھی۔ اور ہندوستان کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے شروع ہوگئے۔ مراٹھے ہندوستان کے بہت سے حصوں پر قابض ہوگئے اور دلی کے خواب دیکھنے لگے۔ اُس وقت شاہ ولی اللہ کا نام نمایاں طور سے نظر آتا تھا۔ کیوں کہ آپ مغلیہ دور کے مشہور عالم دین اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ اُس وقت ہندو بیوہ جن کی شادی بُری سمجھی جاتی تھی آپ نے بیواؤں کی شادی کرنے کی اجازت دی اور ہندو سماج میں اس رسم کو ختم کروادیا۔ مسلمانوں کے الگ الگ فرقوں کے نظریات مٹائے اور اُن میں مصالحت کروائی اور اُنہیں ایک کیا۔ آپ نے قرآن شریف کا فارسی میں ترجمہ کیا، تاکہ لوگوں کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ آپ نے امیروں اور بادشاہ ہی خاندان کے لوگوں سے کہا تھا" اے امیرو تمہیں اللہ کا ڈر نہیں لگتا۔ طاقتور کمزور کو کھائے جارہا ہے تمہارا سارا دھیان لذیذ کھانوں، حسین عورتوں، بہترین لباس اور شاندار محلوں پر لگا ہوا ہے"۔

آپ نے حدیث، فقہ اور تاریخ کی بہت سی کتابیں لکھیں۔ آپ کی تصوف کی کتابیں عالمِ اسلام کا بیش قیمت سرمایہ ہیں۔ آپ کی سب سے مشہور کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" ہے جو دنیا کی چند کتابوں میں مانی جاتی ہے۔ یہ کتاب ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔ آپ نے مسلم فرقوں میں یک جہتی پیدا کی۔ ہندوؤں کی بری رسم (ستی) کو ختم کرکے ہندوستان کے ٹکڑے ہونے سے بچانے میں اہم رول ادا کیا تھا۔ آپ کا انتقال 1763ء میں ہوا۔ (ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ)

100 اہلِ حدیث محمد بن عبدالوہابؒ 1115ھ تا 1206ھ مطابق 1703ء تا 1792ء

محمد بن عبدالوہاب عرب کے علاقے نجد میں پیدا ہوئے۔ 10 سال کی عمر میں قرآن حفظ کرلیا تھا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ جاکر قرآن اور حدیث کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ اس وقت لوگ بزرگوں کی قبروں پر جاکر ان سے مدد مانگا کرتے تھے۔ محمد بن عبدالوہاب ان بُرائیوں اور بدعتوں کو ختم کرنے کے لیے میدان میں اُترے۔ آپ نے خالص توحید کی دعوت دی۔ قبروں اور انسانوں سے مدد مانگنے اور مرادیں چاہنے سے روکا۔ تب سارے ملک میں ان کی مخالفت کا طوفان اٹھ گیا تھا۔ قبر پرستوں اور مجاوروں نے اس لئے مخالفت کی کہ ان کے ہاتھ سے روزی کمانے کا ایک ذریعہ ختم ہوگیا۔ جس سے وہ صدیوں سے فائدہ اٹھاتے رہے تھے۔ آپ وعظ و نصیحت اور تبلیغ کے ذریعہ مسلمانوں کو سنت کی طرف

رجوع کرتے تھے۔

سعودی عرب کے پہلے شاہ محمد بن سعود (1735ء تا 1765ء) نے جب ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی تو پھر یہ تحریک سارے نجد میں پھیل گئی۔

محمد بن عبدالوہاب نے پچاس سال تبلیغ واصلاح کا کام انجام دیا اور 1792ء میں وفات پائی۔ وہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ جن میں کتاب ''التوحید'' بہت اہم ہے

101 الطاف حسین حالیؒ پیدائش 1837ء

خواجہ الطاف حسین حالی اردو ادب کی نہایت اور بلند پایہ شخصیت ہیں۔ وہ علی گڈھ تحریک کے اہم ستون اور جدید شاعری کے معماروں میں سے ہیں۔ حالی پانی پت کے ایک معزز خاندان میں پیدا ہوئے۔ دلی میں آپ کی ملاقات مرزا غالب جیسے اساتذہ سے ہوئی۔ غالب سے انھوں نے اصلاح سخن لی۔ مشاعروں میں پڑھی جانے والی ان کی نظمیں ''برکھارُت'' ''نشاط امید'' ''مناظرہ'' اور ''حب الوطن'' بے حد مقبول ہوئیں۔

جب حالی صاحب کی ملاقات سرسید احمد خان سے ہوئی تو وہ ان کی اصلاحی تحریک میں شامل ہوگئے۔ 1879ء سرسید کی تحریک میں انھوں نے اپنی شہرہ آفاق نظم ''مدو جزر اسلام'' لکھی جو ''مسدس حالی'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کا ایک موضوع مسلمانوں کے عروج وزوال کا ہے۔ اردو میں نظموں میں جو مقبولیت اسے حاصل ہوئی وہ شاید ہی کسی اور کو حاصل ہوئی ہو۔ اس زمانے میں یہ نظم مدرسوں اور کالجوں کے نصاب میں داخل ہوئیں اور اس کے علاوہ گھر گھر پڑھی جاتی تھی۔ سرسیّد جیسی شخصیت اسے اپنے لیے توشہ آخرت سمجھتی تھی۔ ''مسدس حالی'' کے علاوہ مناجات، بیوہ، ''چپکی داد'' بھی ان کی بہترین تخلیقات ہیں۔

مسدس حالی کی نعت کے چند اشعار

''وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی برلانے والا''

مسلمانوں کی ادھوری تعلیم کے متعلق مولانا حالی فرماتے ہیں۔

نہ سرکار میں کام پانے کے قابل ☆ نہ دربار میں لب ہلانے کے قابل
نہ جنگل میں ریوڑ چرانے کے قابل ☆ نہ بازار میں بوجھ اٹھانے کے قابل
نہ پڑھتے تو سو طرح کھاتے کما کر ☆ وہ کھوئے گئے اور تعلیم پا کر

102 مولانا شبلی نعمانی 1857ء تا 1914ء

مولانا شبلیؒ اعظم گڑھ ضلع کے بندول گاؤں میں 1857ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے وکالت کا امتحان پاس کیا۔ مگر اس پیشے میں دل نہیں لگا۔ سر سید احمد خاں کے کہنے پر فارسی اور عربی کے پروفیسر بن گئے۔ اور ان کے قومی جذبہ سے بے حد متاثر ہو کر تاریخ رسالے اور قومی نظمیں لکھنا شروع کیں۔ آپ کا سب سے بڑا تاریخی کارنامہ قانون وقف علی الاولاد پاس کرانا تھا اور زبردست علمی کارنامہ دارالمصنفین کا قیام ہے۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد سیرۃ النبوی کی تصنیف شروع کی لیکن آپ کا 1914ء میں انتقال ہو گیا۔ دو جلدیں آپ نے اور باقی آپ کے شاگرد سید سلیمان ندوی نے مکمل کیں۔

103 محمد حاجی صابو صدیق، بمبئی 1885ء تا 1909ء

محمد کے والد حاجی صابو صدیق شکر کی تجارت کیا کرتے تھے۔ وہ افریقہ سے شکر منگواتے تھے، اور ہندوستان میں شکر کے اکیلے تاجر تھے۔ اس لئے اُس وقت اُن کا کاروبار کروڑوں روپیوں کا ہوتا تھا۔ اُن کا گھرانہ بہت دین دار تھا۔ حاجی صابو صدیق کے یہاں 1885ء میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام محمد رکھا گیا۔ دین دار ماحول میں پلنے کی وجہ سے محمد کو بچپن ہی سے مسلمانوں کی حالت پر ترس آتا تھا۔ جب وہ 20 ر سال کے ہوئے تو اُن کے والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اس وجہ سے کم عمر میں محمد کروڑوں کی جائیداد کے مالک بن گئے۔ اُن کے گھر کا ماحول اسلامی ہونے کی وجہ سے اُن میں نہ تو غرور تھا اور نہ وہ دولت پر اتراتے تھے۔ حاجیوں کے ٹھہرنے کے لئے اُس وقت بمبئی میں کوئی خاص جگہ نہیں تھی۔ اس لئے آپ نے پندرہ (15) لاکھ روپیوں کی رقم سے حاجی مسافر خانہ بنوایا۔ اور حاجیوں کی مدد کے لئے

وہیں ایک مسجد بھی تعمیر کی۔ اس کے بعد میونسپل بورڈ کو (9) لاکھ روپئے زچہ خانہ بنوانے کے لئے خیرات میں دیئے۔ اس کے بعد محمد کا دھیان مسلمانوں کی تعلیم کی طرف گیا۔

جس قوم کو تعلیم سے کچھ پیار نہیں ہے
اس دور میں جینے کی وہ حقدار نہیں ہے
(خورشید جھونجھوی)

لہٰذا اُنہوں نے تعلیم کے لئے ایک ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کھولنا چاہا اور 18 لاکھ روپیوں کی ایک بڑی رقم بینک میں جمع کروادی۔ مگر زندگی نے ساتھ نہیں دیا اور بمشکل 23 رسال کی عمر میں ہی وہ دُنیا چھوڑ کر چلے گئے۔ اُن کی موت کی وجہ سے محمد حاجی صابو صدیق انسٹی ٹیوٹ کا کام 18 سال بعد شروع ہوسکا۔ کیونکہ آپ نے رستم جی سولیسیٹر کے پاس اپنا وصیت نامہ جمع کروادیا تھا۔ 1906ء میں یہ 18 لاکھ روپیوں کی رقم ایک ٹرسٹ کے حوالے کردی گئی۔ آج یہ انسٹی ٹیوٹ پوری قوم کو تعلیم کی روشنی دے رہا ہے۔ آخر قوم کا دردمند محمد 23 رسال کی عمر 1909ء میں انتقال کرگیا۔ اُن کے بارے میں پیامِ سعیدی نے کیا خوب کہا ہے۔

جو انسانوں کے کام آئے وہ دولت زندہ رہتی ہے
سخی مر جاتے ہیں لیکن سخاوت زندہ رہتی ہے

104 اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا بریلویؒ 1272ھ تا 1340ھ بمطابق 1856ء 1921ء

حضرت مولانا احمد رضا صاحب کی ولادت بریلی کے محلّہ جسولی میں 1856ء کو ہوئی۔ آپ کے والد صاحب مولانا شاہ نقی علی تھے۔

آپ کا نام محمد رکھا گیا تھا مگر آپ کے دادا نے احمد رضا کہہ کر پکارا اور اسی نام سے آپ مشہور ہوئے۔ بچپن میں آپ کو ایک مولوی صاحب قرآن مجید پڑھانے آیا کرتے تھے ایک روز کا ذکر ہے کہ مولوی صاحب ایک آیتِ کریمہ پر آپ کو زبر پڑھاتے تھے مگر آپ کی زبان سے زیر نکلتا تھا یہ کیفیت جب آپ کے دادا نے دیکھی تو معلوم ہوا کہ کسی کاتب نے غلطی سے زیر کی جگہ زبر لکھ دیا تھا۔ یعنی جو اعلیٰ حضرت کی زبان سے نکلتا تھا وہ صحیح تھا یہ دیکھ کر مولوی صاحب نے تنہائی میں پوچھا، صاحبزادے! سچ بتاؤ تم انسان ہو یا جن؟ آپ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ میں انسان ہوں۔ آپ نے 1870ء میں اپنے والد

صاحب سے سند فراغت حاصل کی۔

خداداد علمیت :۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے اندازہ علوم جلیلہ سے نوازا تھا۔ آپ نے کم و بیش پچاس علوم میں قلم اٹھایا اور قابل قدر کتب تصنیف فرمائیں۔ علم توقیت میں اس قدر کمال حاصل تھا کہ دن کو سورج اور رات کو ستارے دیکھ کر گھڑی ملا لیتے۔ وقت بالکل صحیح ہوتا اور اس میں ایک منٹ کا بھی فرق نہیں ہوتا۔

ایک دفعہ علی گڈھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاء الدین ریاضی آپ کی خدمت میں ایک مسئلہ لے کر حاضر ہوئے جن کے پاس کئی غیر ملکی ڈگریاں اور تمغے تھے، اعلیٰ حضرت نے اسی وقت ان کا تشفی بخش جواب دے دیا۔ انھیں انتہائی حیرت ہوئی۔ کہنے لگے۔ میں اس مسئلہ کے لیے جرمن جانا چاہتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب آپ کی شخصیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ داڑھی رکھ لی اور صوم وصلوٰۃ کے پابند ہو گئے۔

صرف ایک ماہ میں حفظ قرآن :۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا حافظہ عطا فرمایا تھا کہ آپ روزانہ ایک پارہ یاد فرما لیا کرتے تھے یہاں تک کہ تیسویں روز تیسواں پارہ یاد فرما لیا تھا۔ آپ سراپا عشق رسولؐ کا نمونہ تھے۔ آپ نے قرآن مجید کا ترجمہ بھی کیا ہے جو کافی مشہور ہے۔ آپ کا مزار بریلی میں ہے اور یہ زیارت گاہ خاص و عام کے لئے آج بھی رونما ہے۔

105 حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ 1863ء تا 1943ء

آپ کی ذات محتاج تعارف نہیں۔ 1863ء میں آپ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے تھے۔ 1295ھ سے 1301ھ تک دار العلوم دیوبند میں رہ کر فراغت حاصل کی۔ مولانا سید احمد دہلویؒ اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن وغیرہ آپ کے اساتذہ ہیں۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکّی کے دست حق پر بیعت فرمائی۔ 15 ر سال کانپور میں درس و تدریس کا سلسلہ قائم رکھا۔ کثرت تصنیف میں چودھویں صدی ہجری میں آپ کا کوئی ہمسر نہیں، قرآن مجید کی تفسیر، (بیان القرآن) بہشتی زیور کے علاوہ مختلف موضوعات پر کثیر تصانیف آپ کی یادگار ہیں۔ آپ کے خلفاء کی تعداد 164 ہے۔ جن کے ذریعہ آپ کا فیض چاروں عالم میں پھیلا اور آج بھی جاری ہے۔ 20 جولائی 1943ء کی رات میں آپ نے اس دنیائے فانی کو الوداع کہا۔ تھانہ بھون قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں۔ اشرف السوانح)

106 حضرت مولانا الیاسؒ (بانیٔ تبلیغ جماعت) وفات 1942ء

مولانا کو قدرت نے ایک عظیم اہم کام کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ جسے تبلیغ و دعوت کی تحریک سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ امت کی اصلاح کے لیے بے چین رہتے تھے۔ اور ہر وقت یہی فکر رہتی۔ ساری ساری رات اسی فکر میں روتے اور کراہتے ہوئے گزر جاتی۔ آپ کے بارے میں مولانا ابوالحسن ندویؒ فرماتے ہیں کہ ''بعض اوقات مولانا ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپتے، آہیں بھرتے اور فرماتے میرے اللہ میں کیا کروں؟ کبھی کبھی دین کے اس درد اور فکر میں بستر پر کروٹیں بدلتے اور بے چینی کے سبب اٹھ اٹھ کر ٹہلنے لگتے تھے۔ بعض مرتبہ درد دل سے غالب کا یہ شعر پڑھتے۔

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا ☆ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

جب آپ دوسری مرتبہ 1344ھ مطابق 1926ء میں حج کو تشریف لے گئے اور مدینہ سے رخصتی کا وقت آیا تو آپ پر ایک حالت طاری ہوگئی اور وہ مدینہ سے جدا ہونا نہیں چاہتے تھے۔''

مولانا الیاسؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں مجھے ایک کام (تبلیغ) کے لئے ارشاد ہوا کہ ہم تم سے کام لیں گے 1927ء میں آپ نے مدینہ سے حرمین میں قیام فرمایا اور پانچ ماہ کے بعد کاندھلہ میں واپسی ہوئی۔ آپ کا قول تھا کہ جب تک لوگوں کو ان کے ماحول سے نکالا نہ جائے گا۔ اور اہل اللہ اور بزرگانِ دین کی مجالس میں پھرایا نہ جائے گا اور اس نقل و حرکت میں دین کے بنیادی عقائد اور فرائض، دین کی عمومی تعلیم کا عادی نہ بنایا جائے گا، تب تک دین کی طلب پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس لیے مولانا نے اپنے مشاغل سے نکلنے، گھروں کو چھوڑنے اور اخراجات سفر خود برداشت کرنے اور دین کو سیکھنے اور سکھانے اور جماعتیں بنا بنا کر گاؤں گاؤں، ملکوں ملکوں پھرنے کی دعوت شروع کر دی۔

میوات سے حضرت نظام الدین دہلی میں آنا اور یہاں سے میوات اور یوپی کو جماعتیں بنا کر روانہ شروع کیا۔ چنانچہ پہلی جماعت اپنے وطن کاندھلہ کو روانہ فرمائی۔ آخر دینی تعلیم کی تبلیغ کرتے ہوئے 1942ء میں آپ نے آخرت کا سفر کیا۔

107 علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ۔ 1304ھ تا 1369ھ مطابق 1885ء تا 1949ء

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ایک عظیم محدث، بلند پایہ مفسر تھے اور حدیث فقہ وعلوم میں امتیازی شان کے مالک تھے آپ 1885ء میں بریلی میں پیدا ہوئے۔

آپ کی پوری تعلیم دارالعلوم دیوبند میں ہوئی۔ 1354ھ تا 1362ھ تک دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم رہے۔ پہلے جمیعۃ علماء ہند کے سرگرم کارکن رہے اور وہاں دستور ساز کمیٹی کے صدر بھی بنے تھے۔ کراچی میں قیام کیا۔ 13/دسمبر 1949ء کو وفات ہوئی۔ اور کراچی میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ اعلیٰ درجہ کے مصنف اور بے مثال خطیب بھی تھے حضرت شیخ الہند کے ترجمہ قرآن پر فوائد تفسیر آپ کا لازوال علمی کارنامہ ہے۔ (حیاتِ عثمانی)

108 ڈاکٹر علامہ اقبال ۔ 1877ء تا 1938ء

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا (ڈاکٹر اقبال)

ڈاکٹر اقبال 9 نومبر 1877ء کو سیال کوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اسکاٹ مشن ہائی اسکول سیال کوٹ سے 1891ء میں میڈل اور 1893ء میں میٹرک امتیازی حیثیت سے پاس کیا اور تمغہ اور وظیفہ پایا۔ آپ نے انٹرمیڈیٹ 1895ء میں پاس کیا اور بی۔ اے میں داخلہ گورنمنٹ کالج لاہور میں لیا۔ اور 1897ء میں عربی میں امتیازی حیثیت سے پاس کیا اور تمغہ حاصل کیا۔ آپ نے طالب علم کے زمانے میں 1896ء میں پہلی بار مشاعرے میں شرکت کی۔

آپ نے 1899ء میں ایم۔ اے (فلسفہ) سے پاس کیا۔ پنجاب بھر میں اول آئے اور تمغہ اور انعامات حاصل کئے۔

اقبال کے والد شیخ نور محمد تھے۔ جن کا سلسلۂ نسب کشمیر برہمن سے ملتا ہے۔ جو علم اور عرفان میں بہت مشہور تھا۔ ان کی نظم "ہمالیہ" 1901ء میں شائع ہوئی تھی۔ ڈاکٹر اقبال نے اپنی قومی نظم

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا کی تخلیق 1904ء میں کی۔

آپ 1905ء میں انگلستان روانہ ہوئے اور آپ نے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری جرمنی سے 1907ء میں حاصل کی۔ اور لندن یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر کے فرائض 1903ء سے 1908ء تک انجام دیئے۔ آپ نے 1908ء میں ہی Development of melephyusics in persia کی اشاعت لندن میں کرنے کے بعد ہندوستان واپس آئے۔ اور 22 اکتوبر 1908ء میں لاہور میں بیرسٹری کی ابتداء کی۔

آپ نے شکوہ۔ انجمن حمایت الاسلام لاہور کے اجلاس میں 1911ء میں پڑھی۔ اور وہیں فلسفہ کے پروفیسر (گورنمنٹ کالج لاہور) میں متعین کر لئے گئے۔ آپ نے ''تاریخ ہند'' (مڈل درجوں کے لئے) 1913ء میں اور ''اسرارِ خودی'' 1915ء میں، ''رموزِ بے خودی'' 1918ء میں، ''پیام مشرق'' 1923ء میں، ''بانگِ درا'' 1924ء میں اور ''زبورِ عجم'' 1927ء میں لاہور اشاعت کیں۔

آپ نے مہاراجہ میسور کی ذاتی دعوت پر جنوری 1929ء کو حیدر آباد Reconstruction of Religions thoughts of Islam پر لیکچرز دئے۔

ڈاکٹر اقبال نے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ جلسہ کی صدارت الہ آباد میں 1930ء میں کی۔ آپ نے Reconstruction of Religions thoughts of Islam کی اشاعت لاہور میں 1931ء کی۔ اس کے بعد 1931ء میں فلسطین جا کر موتمر عالمِ اسلامی میں بھی شرکت کی تھی۔ اور دوسری گول میز کانفرنس لندن میں 7 ستمبر سے یکم دسمبر 1931ء میں شرکت کی۔ آپ نے 1932ء میں پیرس تشریف لے گئے اور نپولین بونا پارٹ کے مزار پر جا کر مشہور ریسرچ اسکالر Messigon سے ملاقات کی۔ اور پیرس کے برگساں سے ملاقات کر کے انھیں نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث سنائی ''لَا تَسَبُّوا لدَّھرَ اَنَّ الدَّھرَ ھُوَ اللہ '' زمانے کو برامت کہو کیونکہ زمانہ خود اللہ ہے۔ Don't Vellify time because times is God. تو برگساں حیران وششدر رہ گیا۔

آپ نے ''جاوید نامہ'' کی اشاعت 1932ء میں لاہور میں کی اور تیسری گول میز کانفرنس لندن میں شرکت کی اور 17 نومبر سے 22 دسمبر 1932ء تک وہیں قیام کیا۔ اس کے بعد روم (اٹلی) تشریف لے گئے۔ ہٹلر کے ساتھ مسولینی سے ملاقات کی۔ اور نظم ''دعا'' کی تخلیق اسپین میں 1932ء میں کی۔

اکتوبر 1933ء میں حکومت افغانستان کی دعوت پر افغانستان کا سفر کیا۔

آپ کو ڈاکٹر آف لٹریچر کی اعزازی ڈگری پنجاب یونیورسٹی لاہور نے 4 دسمبر 1933ء کو دی۔ اس کے بعد آپ نے ''بالِ جبریل'' 1935ء میں اور ''ضربِ کلیم'' اپریل 1936ء میں اشاعت کی۔ آپ سے جامع ازہر مصر کے علماء کی ملاقات 1937ء میں لاہور میں ہوئی۔ آپ کی ملاقات پنڈت جواہر لال نہروں سے لاہور میں جنوری 1938ء میں ہوئی۔ آپ کی وفات بھی لاہور میں ہی 21 اپریل 1938ء میں ہوئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ڈاکٹر اقبال نے رسالت کو وحدانیت سے اس طرح جوڑا ہے کہ نبی کریم ﷺ رب العزت کی اطاعت ہے۔ آپ کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

کی محمدؐ سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

محشر کے میدان میں عمل کی فوقیت کو سمجھاتے ہوئے ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں:

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل گر کوئی دفتر میں ہے

اقبال نے مغرب میں بھی مشرقی تہذیب اور اسلام کا پرچار کیا۔ اس مشرق کی بے عقلی اور حماقت سے شکایت ہے کہ وہ خود مغرب کی تقلید کے لئے آمادہ کیوں ہوگیا؟

یورپ کی غلامی پر رضا مند ہوا تو
مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے

--

خود راہ ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے
دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبیٰ بھی چھوڑ دے

کسانوں کی حالت پر

''جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی ☆ اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو''

ڈاکٹر اقبال جمہوریت کے اس نقطہ پر جس میں عالم، جاہل اور فقیر کو برابر کی رائے کے پہ حق دینے پر متفق نہیں تھے لہٰذا فرماتے ہیں۔

''جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں ☆ بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے''

ایک جگہ فرماتے ہیں:

''اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی ☆ تو اگر میرا نہیں بنتا، نہ بن، اپنا تو بن''
''پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات ☆ تو جھکا جب غیر کے آگے، نہ تن تیرا نہ من''

''اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتا ہی''

ڈاکٹر اقبال نے جہاد میں دی گئی اذان اور ملاّ کی اذان کو کرگس (گدھ) اور شاہین (باز) کے فرق سے اس طرح تعبیر کیا ہے۔

''پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضاء میں
کرگس کا جہاں اور، شاہیں کا جہاں اور
الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملا کی اذاں اور، مجاہد کی اذاں اور''

ڈاکٹر اقبال نے وطن کے ذرّے ذرّے سے محبت کرنے کا پیغام دیا لہٰذا فرماتے ہیں۔

''پتھر کی مورتوں کو سمجھا ہے تو خدا ہے
خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرّہ دیوتا ہے''

ایک دفعہ لاہور کے ایک مشاعرے میں علامہ اقبال نے ایک نظم پڑھی اور جب اس شعر پر پہنچے کہ

موتی سمجھ کر شانِ کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

مشاعرے میں موجود مرزا ارشد گورگانی جو ان دنوں چوٹی کے شاعر سمجھے جاتے تھے۔ عش عش کر اٹھے۔ اس وقت علامہ اقبال کی عمر صرف 23 سال تھی۔

109 انجمن اسلام بمبئی 1875ء

1875ء میں مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت نے انجمن اسلام کی بنیاد ڈالی اور مقصد تھا اخلاقی، سماجی اور تعلیمی میدانوں میں مسلمانوں کی ترقی و کامرانی۔ اس کے پہلے صدر قمر الدین طیب جی اور اولین

اعزازی سکریٹری منشی غلام محی الدین تھے۔ ممبئی کے مشہور تاجر اور کوکنی جماعت میں اعلیٰ مقام رکھنے والے بانی جامع مسجد محترم ناخدا محمد علی روگھے صاحب بھی اس کے صدر رہ چکے ہیں اس کے علاوہ عزت مآب جج بدرالدین طیب جی، سردار سر سلیمان قاسم میٹھا، اکبر پیر بھائی، ڈاکٹر اسحٰق جمخانہ والا اور موجودہ صدر جناب سمیع خطیب صاحب اس طرح آج تک اس کے انیس صدور ہوئے ہیں جن میں سب سے لمبا عرصہ تقریبا بائیس سال ڈاکٹر محمد اسحاق جمخانہ والا نے پایا ہے۔

انجمن اسلام کو انڈین کمپنیس ایکٹ 1913ء کے سیکشن 26 کے تحت رجسٹرڈ کروایا گیا مسلم قانون کے تحت اس کی تمام جائداد اور ملکیت کا (وقف کردہ) متولی (ٹرسٹی) مقرر کیا گیا اور اس کے عہدداران کو اس وقت کی حکومت ممبئی 16 اکتوبر 1946ء کو بطور لمیٹیڈ کمپنی بنام انجمن اسلام کام کرنے کی اجازت دی۔

10 مارچ 1953ء مرحوم خلیفہ ضیاء الدین صاحب کی کوششوں سے اس ادارے کو مسلم عوامی ٹرسٹ کے طور پر چیریٹی کمشنر آفس واقع ممبئی میں منظوری ملی اور اسے رجسٹر سے نمبر E.36 دیا گیا۔

انجمن اسلام کے میمورنڈم اولین مقصد میں مسلمانوں کے تعلیمی، سماجی، معاشی اور عام فلاح و بہبودی قاعدہ قانون کے مطابق کرنا درج ہے۔

آج انجمن اسلام کے ماتحت چلنے والی دوسری انجمنیں بڑی خیراتی اداروں کا مجمع ہو گیا ہے۔ جس میں فی الوقت 70 سے زیادہ ضمنی ادارے ہیں جو 26 چیریٹیس اور ٹرسٹ کا انتظام سنبھالے ہوئے ہیں۔ مکمل فہرست انجمن اسلام ممبئی سے معلوم کی جاسکتی ہے

110 ندوۃ العلماء 1894ء

ندوۃ العلماء 1894ء میں مولانا محمد علی مونگیری کے ہاتھوں قائم ہوا۔ جس کا مقصد علی گڈھ اور دیوبند کو ملانا اور دونوں کو ایک دوسرے کے قریب کرنا تھا۔

جدید و قدیم کا سنگم ہی اس کے قیام کا آئینہ تھا۔ جیسا کہ خود اس کے بانی مرحوم فرماتے ہیں کہ بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک جماعت علماء کی دنیا کے حالات و واقعات سے بھی باخبر ہو اس کو معلوم ہو کہ اصول سلطنت کیا ہیں اس سے کس قسم کا تعلق ہے۔ یہ خیال عام طور سے پھیلتا جارہا ہے کہ علماء حجروں میں معتکف ہیں۔ ان کو دنیا کے حال کی بالکل خبر نہیں۔ اس لیے دنیاوی معاملات میں ان کی ہدایت اور ان کا ارشاد بالکل ناقابل التفات ہے۔ (تجویز دار العلوم ندوۃ العلماء 31)

خود بانی تحریک نے نصاب کا مکمل خاکہ پیش کیا اور لکھا۔ ”ہمارے تعلیم یافتہ لڑکے ایسے مہذب اور پابند مذہب ہوں کہ دوسروں پر اپنا اثر ڈال سکیں۔ طالب علموں میں دلیری و بلند ہمتی فراخ دلی پیدا ہو“ وغیرہ وغیرہ۔

علامہ شبلی نعمانی نے دار العلوم کا جو خاکہ مرتب کیا تھا اس میں زیادہ زور علوم دینیہ پر اور علوم عصریہ پر تھا تا کہ دنیاوی حالات سے باخبر رہ سکیں۔

ناظم مولانا سید محمد علی، مولانا عبدالحیٔ اور مولانا عبداللطیف رحمانی نے بھی 28 رجب 1314ھ کو دار العلوم کے نصب العین میں اسی طرح کی مشترکہ وضاحت فرمائی ہے۔ دار العلوم کے قیام کے بعد 14 اکتوبر 1898ء کو جو جلسہ منعقد ہوا تھا اس میں اس کے چار مقاصد بتلائے گئے ہیں۔ 1 - علوم و فن کی تکمیل 2- علوم دینیہ 3- مسلمانوں میں اسلامی اخلاق و اطوار 5- طلبہ میں علوم نظر اور بلند ہمتی پیدا کرنا۔

اس ادارے کے بانیوں اور سرپرستوں میں مولانا محمد علی مونگیریؒ، علامہ شبلی نعمانی، مولانا شیروانی اور مولانا سید عبدالحیٔ وغیرہ ہیں۔ (سید مودودی کا عہد 102 سید نقی علی)

1920ء خلافت کمیٹی کا وفد لندن گیا جس میں سید سلیمان ندویؒ، عبدالباری فرنگی، مولانا کفایت اللہ، مولانا محمد علی جوہر، شوکت علی اور حکیم اجمل خاں تھے۔ وہاں برطانوی وزیر اعظم مسٹر اسکویتھ سے ملاقات ہوئی مگر وفد ناکام ہوا۔ جس سے خفا ہو کر ندوہ کو پانچ سو روپے (۵۰۰) سرکاری امداد ملتی تھی وہ سید سلیمان ندویؒ نے ٹھکرا دی۔ (مقتل سے منزل تک)

111 جامعہ ملیہ اسلامیہ کا قیام 29/ اکتوبر 1920ء

جب شیخ الہند ؒ کو معلوم ہوا کہ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے حریت پسند اپنا آزاد ادارہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو باوجود ضعیفی کے آپ نے فوراً علی گڈھ کا سفر کیا اور وہاں 29/ اکتوبر 1920ء کو جامعہ ملیہ کی بنیاد ڈالی۔ پہلے یہ جامعہ علی گڈھ میں قائم ہوا تھا، بعد میں اسے دہلی منتقل کر دیا گیا۔ اس وقت حضرت شیخ الہند کی طرف سے خطبۂ صدارت حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے پیش فرمایا تھا۔ جس میں کہا گیا تھا۔

”آپ میں سے جو حضرات محقق اور باخبر ہیں وہ جانتے ہیں کہ میرے بزرگوں نے کسی بھی اجنبی زبان سیکھنے یا دوسری قوموں کے علوم و فنون حاصل کرنے پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا ہے۔“

(اسیران مالٹا ص-75) (نقش حیات 2/256، علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے ص 214)

اخوان المسلمین 112
1928ء تا 1954ء

امام حسن البنّا 1906ء تا 1949ء

اخوان المسلمین دنیائے عرب میں عہد حاضر کی سب سے بڑی اسلامی تحریک ہے۔ 1928ء میں یہ تحریک وجود میں آئی۔ اس دن اسماعیلیہ کے معزز اور باشعور لوگوں کی ایک جماعت حسن البنّا کے گھر پر جمع ہوئی۔ اسلام اور مسلمانوں کی بقا کے لئے ہر ممکن قربانی دینے کے لئے اس جماعت کا وجود ہوا۔ حسن البنّا کی زبان سے اچانک یہ نام نکلا کہ ہم سب الاخوان المسلمین یعنی مسلمان بھائی ہیں

1928ء میں پانچ سال تک یہ جماعت اسماعیلیہ میں رہی اور اس کے بعد 1933ء میں قاہرہ تبدیل کردی گئی۔ 1953ء تک کی قلیل مدت میں اس تحریک نے جو کام انجام دئے وہ قابل ستائش ہیں۔ مگر 1953ء میں یہ شدید آزمائش سے دوچار ہوگئی۔ جو آج تک جاری ہے۔ اور اس میں فلسطین بھی شامل ہے جو اسرائیل کی بربریت میں گھرا ہوا ہے۔

تحریک سے پہلے کے حالات:۔ جب وطنی تحریک نے وطن پرستی کی آڑ میں ترکوں کی خلافت کو بہانہ بنا کر آوارہ خیالی اور مغرب پرستی کو ہوا دی تو اس تحریک کی ضرورت محسوس کی گئی۔ جیسے (ا) علی عبد الرزاق کی رسوائے زمانہ کتاب ”اسلام واصول الحکم“ (اسلام اور اصول حکمرانی) شائع ہوئی جس کا مرکزی موضوع تھا ”دین کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے“ اور خلافت کے ادارہ کو سیاسی اختیارات دینے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(2) طہٰ حسین کی کتاب فی الشعر الجاہلی جس میں خود قرآن کے بارے میں شکوک وشبہات اٹھائے گئے ہیں۔

(3) قاسم امین کی کتاب ”تحریر المرأۃ“ میں عورتوں کو مغرب کی عورتوں کی طرح آزادی حاصل ہے کہا گیا ہے۔

ان سب بالا تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام پر کس طرح حملے ہو رہے تھے۔ صرف مصر میں ہی نہیں۔ بلکہ اکثر عرب ملکوں میں فرعونیت ونمرودیت کا کلمہ پڑھا جا رہا تھا۔ دمشق یونیورسٹی میں اعلانیہ خدا کا جنازہ نکالا گیا اور کالجوں میں کھلم کھلا اسلام اور نبی پر نکتہ چینی ہونے لگی۔ ایسے میں امام حسن البنا کا اخوان المسلمین بنا کر ملت کو گمراہی سے بچانا یقیناً کار ثواب تھا۔ اخوان اور حسن البنّا نے انتخابات میں بھی حصہ لیا مگر مصری حکومت میں کسی بھی امیدوار کو کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔

15/ مئی 1948ء میں عرب لیگ کے زیر اہتمام فلسطین میں عرب فوجیں اتریں اور یہودیوں

کے خلاف اخوان کے رضا کاروں نے اس جنگ میں جواں مردی اور شجاعت کا کام انجام دیا ان کا مقصد تھا ''اللہ کی راہ میں شہادت ہماری بلند ترین تمنا ہے۔''

انور السادات نے (جو جمال عبد الناصر کے دست راست اور موجودہ صدر جمہوریہ تھے) اپنی ڈائری میں لکھا ہے۔

''اُن دنوں (یعنی جنگ فلسطین میں) جہاد و قتال کے لئے سب جماعتوں سے بڑھ کر جو جماعت بے تابی کا اظہار کر رہی تھی وہ اخوان المسلمین تھی۔ جس شام فلسطین کو روانگی تھی۔ حسن البنا اور شیخ آئے اور مجاہدین میں بڑا جوش پیدا کر دیا''

اخوان اور سزائے موت:۔ 26/اکتوبر 1954ء جب جمال عبد الناصر پر قاتلانہ حملہ ہوا جس کا الزام اخوان المسلمین پر لگایا گیا اور اس کے سات رہنماؤں کو عبد الناصر کے منصوبے کے تحت ججوں کے قلم پر سزائے موت دی گئی۔ ان میں ایک مرشدِ اعلیٰ بھی شامل تھے۔ باقی نمائندوں کو جیل میں ٹھونس دیا گیا۔

وزیر اعظم نقراشی پاشا نے 8/دسمبر 1948ء کو مارشل لاء لگا کر الاخوان کو خلافِ قانون قرار دیدیا۔ اور ہزاروں کو جیلوں میں بند کر کے ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے۔

12/فروری 1949ء کو حسن البنا کو جمعیت کے دفتر میں بلایا گیا اور پستول سے گولی مار دی گئی اور اس طرح حسن البنا شہید کر دیئے گئے۔ (صفحات مجبود 177)

113 جماعت اسلامی مولانا مودودی 1903 تا 1979ء

مولانا مودودی اورنگ آباد میں 1903ء کو پیدا ہوئے آپ کا خاندان علم و عرفان کا گہوارہ رہا ہے جس میں اہل اللہ اور صوفیا پیدا ہوئے ہیں۔ آپ نے نو سال کی عمر میں عربی ادب اور فقہ کا مطالعہ کیا 1914ء میں مدرسہ فوقانیہ اورنگ آباد سے مولوی کا امتحان پاس کیا۔

مولانا سید ابو اعلیٰ مودودی بیسویں صدی عیسوی کے معروف اسلامی اسکالر، رفیع الشان مفکر اور بلند پایہ مصنف تھے۔ انھوں نے تمام بندگانِ خدا تک اسلام کا سیدھا اور سچا پیغام پہچانے کے لئے اپنی زندگی وقف کردی اور اپنے نصب العین کو منظم انداز میں انجام دینے کے لئے ایک تحریک جماعت اسلامی کی بنیاد ڈالی جو 1941ء سے پوری یکسوئی اور دردمندی کے ساتھ اقامت دین کی راہ پر گامزن ہے۔ غلبہ اسلام کی سعی و کوشش میں ان پر طرح طرح کے مصائب آئے انھیں کئی بار جیل جانا پڑا۔ 1953ء میں ''ختم نبوت

”کے تعلق سے ایک کتابچہ لکھنے کے پاداش میں ان کے لئے پھانسی کی سزا تجویز ہوئی۔ لیکن کبھی بھی ان کے پائے استقامت میں تزلزل نہیں پیدا ہوا۔ پھانسی کی سزا بعد میں عمر قید میں تبدیل کردی گئی۔ مولانا نے تحریک اقامت دین کی دعوت کو عام کرنے کے لئے سو (100) سے زائد کتابیں لکھیں۔ جن میں تفہیم القرآن چھ جلد (6) ہی ان کی اہم تصنیف ہے۔ اس کا پینتالیس (45) زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

اسلام کی دلنشیں، مدلّل اور جامع انداز میں پیش کرنے کا جو خداداد صلاحیت مولانا مودودیؒ کو حاصل تھی وہ محتاجِ بیان نہیں۔ کتنے ہی بگڑے ہوئے افراد، بوڑھے، جوان، بچے مرد و عورت، سب ہی ان کی تحریروں سے متاثر ہو کر اپنے سینوں کو نور ایمان سے منور کر چکے ہیں۔

مولانا مودودی فرماتے ہیں کہ اقبال میرا روحانی سہارا ہے۔ اقبال نے تبلیغ میں تو اپنی ساری قوتیں اسلام کے لئے کھپائیں اور سارا زور لوگوں کو اس بات کی طرف بلانے کے لئے صرف کیا کہ تم فلسفۂ زندگی اور نظریۂ حیات کو اختیار کرو“۔

آپ نے نصب العین صاف بیان کیا کہ ”تنظیم جماعت اسلامی“ کے قیام کے بعد ہماری جدو جہد کا آخری مقصود انقلاب امامت ہے یعنی دنیا میں فساق و فجار کی امامت ختم ہو کر امامتِ صالحہ کا نظام قائم ہو۔ جماعتِ اسلامی کا نصب العین اور اس کی تمام سعی و جہد کا مقصود عملاً اقامت دین یعنی حکومت الٰہیہ، اسلامی نظام زندگی کا قیام اور حقیقتاً رضائے الٰہی اور فلاح اُخروی کا حصول ہے۔ (مولانا مودودی)

مولانا مودودی کے مشن کے متعلق کے ڈاکٹر طٰہٰ جابر کے تاثرات یہ تھے۔

> ”مولانا مودودی مزاج شناس رسول اللہ تھے انھوں نے دین کو اس شکل میں پیش کیا جس میں رسول اللہ نے پیش کیا تھا انھوں نے اپنی زندگی کلمہ اسلام کی سربلندی کے لئے صرف کی۔ جماعت اسلامی انھیں کے عظیم مقاصد کو آگے بڑھانے کا کام کر رہی ہے اگر یہ جماعت مولانا کے کام کو آگے بڑھا سکی تو تمام اسلام کے لئے خوشی کی بات ہوگی“۔

اے وطن ہم نے بنایا ہے یہاں تاج محل
ہم زمانے میں محبت کی سند رکھتے ہیں

باب پنجم

مختصر اور جامع تاریخ

مسلمانوں کا شاندار ماضی

آدم علیہ السلام سے آزادیِ ہند تک

(دورِ حکومت)

ہوتا نہ تھا فیصلہ ہمارے کیے بغیر
کتنے تھے معتبر ہم، ابھی کل کی بات ہے

عبدالجبّار اجمیری

بیتے ہوئے لمحوں کے ٹوٹے ہوئے رشتوں کو
کچھ یاد بھی رکھنا ہے کچھ بھول بھی جانا ہے

پیش لفظ 114

ہندوستان کی تاریخ میں کچھ ایسی غلطیاں پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے ہمیں کئی طرح کے اختلافات اور بے جا جانبداریاں دیکھنے کو ملتی ہیں مثال کے طور پر اگر سمراٹ اشوک کے بارے میں صرف اتنا ہی بتایا جائے کہ اُس نے گدّی حاصل کرنے کے لئے تقریباً اپنے سو (100) بھائیوں کو جان سے مار دیا تھا۔ جنگِ کلنگ میں اُس نے ایک لاکھ لوگوں کو قتل کر دیا تھا تو کوئی بھی سادہ لوح انسان اشوک کو ایک بُرا اور ظالم حکمراں کہے گا۔ لیکن تاریخ میں اشوک کے اچھے کاموں کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ جس کی بنیاد پر ہمیں اُسے ایک عظیم شہنشاہ، سمراٹ اشوک ماننا ہی پڑتا ہے۔

اسی طرح اورنگ زیب کے اچھے کاموں کے لئے بھی اُنہیں پہچانا جائے جس نے ہندوستان کو کابل سے کاویری تک پھیلایا، اس کے ایک ایک انگ کو جوڑا، سلائی اور کتابت کر کے روزی روٹی کمائی اور خزانے سے ایک دمڑی نہ لی اور پیوند لگا ہوا لباس اس لئے پہنا کہ عوام پر اس کا بوجھ نہ پڑے اس طرح جس نے پچاس سال حکومت کی جو انصاف پر مبنی تھی۔

ہمارے ہم وطن مؤرخ جناب جنن چندر (بمبئی) لکھتے ہیں کہ ہمارے مؤرخین نے اورنگ زیب کے متعلق واقعات کو ایسا مسخ کر دیا ہے کہ اس کی تمام خوبیاں برائیوں میں تبدیل ہو کر رہ گئی ہیں۔

ہندوستان کے پہلے راشٹرپتی جناب ڈاکٹر راجیندر پرشاد اپنی کتاب انڈیا ڈوائڈیڈ مطبوعہ 1947ء میں سلاطین ہند کے بارے میں یہ باور کراتے ہیں کہ ”عملی طور پر ایسی بہت سی مثالیں ملیں گی کہ مسلمان بادشاہوں نے مندروں اور مٹھوں کے لئے جائیدادیں وقف کیں۔ اور عبادت گزار پنڈتوں کو جاگیریں عطا کیں۔

حکومت میں گدّی حاصل کرنے کے لئے کوئی بھی چال غلط نہیں سمجھی جاتی ہے باغی کو غدار کہا جاتا ہے۔ جس کا مذہب اور رشتے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ باغی صرف باغی ہوتا ہے۔ مثل مشہور ہے۔

”جو مارے اُس کی تلوار اور جو غالب ہو اُسی کا ملک“

عبدالجبار اجمیری

115 ہندوستان میں اسلام کی آمد 26 تا 93 ہجری 647ء تا 712ء

حضرت عثمان غنیؓ کے خلافت کے وقت میں ہندوستان میں مہاراجہ ہرش وردھن کی حکومت تھی۔ اس کی موت کے بعد یہ حکومت راجپوتوں میں بٹ گئی اور تمام ہندوستان پر راجپوتوں کی الگ الگ حکومتیں قائم ہوگئیں۔ راجپوتوں نے خود کو چاند، سورج اور اگنی دیوتا کی اولاد کہنا شروع کر دیا تھا۔ سندھ میں اسلام کے پھیلنے سے بہت سے جاٹ مسلمان ہو گئے تھے۔ جب ایران فتح ہوا تو بہت سے جاٹوں کی تعداد مسلمانوں کے ہاتھ آئی، وہ مسلمان ہو گئے انہیں نو مسلم جٹ کہتے تھے۔ حضرت علیؓ کے زمانے میں بصرہ کے خزانے کا محافظ دستہ اسی قوم جٹ (جاٹ) سے تعلق رکھتا تھا۔

سب سے پہلے نبی کریم ﷺ کے زمانۂ حیات میں ہی عربوں کی تجارت کے ذریعہ اسلام ہندوستان میں آچکا تھا اور ملبار کا راجہ زمورن سامری اسلام قبول کر چکا تھا۔ اس راجہ نے نبی کریم ﷺ کا معجزۂ شق القمر (چاند کے ٹکڑے) کا واقعہ اپنی ریاست کی سرکاری روزنامچہ میں درج کروا دیا تھا کیونکہ وہ ایسے واقعات روزنامچے میں درج کراتا رہتا تھا۔ بعد میں جب اس نے تحقیق کی تو وہ فوراً مسلمان ہو گیا۔ اس نے ریاست کو ولی عہد کے سپرد کر کے بادبانی جہاز سے رسول اللہ کی زیارت کرنے کے لئے عرب روانہ ہو گیا۔ مگر بدقسمتی سے وہ راستے میں ہی فوت ہو گیا اور یمن میں دفن کر دیا گیا۔ اس نے لکھا تھا کہ فلاں تاریخ کو چاند دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر مل گیا۔ اسلام عرب، روم، ایران اور ترکستان تک پھیل چکا تھا۔ زمورن سامری نے اپنی قوم کے سرداروں سے ڈر کر اسلام کو چھپانے کے لئے مسلمانوں کو اظہار کرنے سے منع کر دیا تھا۔ کہتے ہیں اس کے علاوہ اسی نسل کے دوسرے راجہ چیرامل، پیرومل سامری نے بھی مذہب اسلام قبول کر لیا تھا۔

1. محمد بن قاسم: کچھ تاریخ دانوں کا خیال ہے کہ محمد بن قاسم 93 ہجری 712ء میں پہلی بار سندھ کے راستے سے ہندوستان میں داخل ہوا تھا۔ جسے حجاج بن یوسف نے سندھ کا راجہ داہر پر حملہ کرنے اور حکومت کرنے کے لئے بھیجا تھا جس میں راجہ داہر مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا۔ راجہ داہر کے بیٹے راجہ

جے سنگھ نے بخوشی اسلام قبول کر لیا تھا اور باقی تمام راجہ جو راجہ جے سنگھ کے رشتہ دار تھے مسلمان ہو گئے تھے اور لاکھوں غیر مسلم سندھیوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس لئے ان کی ریاستوں کو انہیں کے پاس چھوڑ دیا گیا تھا۔ سندھ میں ہندوؤں اور بودھوں کو اپنے مذہب کی پوری آزادی تھی۔ جس طرح سے وہ چاہیں پوجا پاٹھ کر سکتے تھے سندھ کی اسلامی حکومت نے کئی مندروں کی مرمت سرکاری خزانے سے محمد بن قاسم کے دور میں ہی کرائی تھی۔

2. خواجہ معین الدین چشتیؒ: اسلام ہندوستان میں عربوں کی تجارت کے ذریعے یا محمد بن قاسم کے ذریعے آ چکا تھا۔ ہندوستان میں راجستھان ایک ایسا صوبہ ہے جہاں اندھ وشواس زیادہ پھیلا ہوا تھا، وہاں کچرے کے ڈھیر سے لیکر پیپل کے پیڑ تک کی پوجا کی جاتی تھی۔

ستی پرتھا کا بھی رواج یہاں زیادہ تھا اور ستی مندروں کی بھی یہاں کوئی کمی نہیں تھی۔ اس اندھ وشواس کو دور کرنے اور ان میں وحدانیت پیدا کرنے کے لئے خواجہ معین الدین چشتیؒ مدینے سے اجمیر 1172ء میں تشریف لائے۔ راستے میں آپ تبلیغ کرتے ہوئے اور کرامات دکھلاتے ہوئے اجمیر پہنچے اور 1195ء تک وہیں قیام فرمایا۔ جس کا ذکر آگے کیا گیا ہے۔ آپ نے سبھی جاتیوں کو اسلام کی دعوت دی۔ آپ نے اپنے خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو دہلی میں تبلیغ کرنے کے لئے بھیجا۔ ہزاروں ہندوؤں، مسلمانوں کو آپ نے فیض پہنچایا اور بغیر بھید بھاؤ کے انسانیت کا سبق دیا جو انصاف پر مبنی تھا۔ اس طرح درویشوں کی شکل میں اسلام ہندوستان میں داخل ہوا۔

غزنوی خاندان

116 امیر ناصر الدین سبکتگین 367 تا 387 ہجری 977ء تا 997ء

تاریخ فرشتہ کے مطابق ناصر الدین سبکتگین کو ایک سوداگر نصر حاجی ترکستان سے بخارا لایا تھا اور الپتگین کو بیچ دیا تھا۔ بعد میں الپتگین نے اپنی لڑکی سے اس کی شادی کر دی۔ ناصر الدین 367 ہجری 977ء میں غزنی کے تخت پر بیٹھا۔ اس نے افغانی سپاہیوں کی ایک بڑی طاقت فراہم کر لی اور سبستان کو

بھی اپنی غزنوی حکومت میں ملا لیا۔ اس نے ہرات، نشاپور اور بخارا بھی حاصل کر لئے ان میں اس کا لڑکا محمود غزنوی بھی شامل تھا۔ جان الحکایات میں لکھا ہے کہ ایک بار ناصر الدین گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل میں شکار کے لئے جا رہا تھا اس نے ایک ہرنی دیکھی جو جنگل میں اپنے بچے کے ساتھ چر رہی تھی۔ اس نے گھوڑا دوڑا کر ہرنی کے بچے کو پکڑ لیا اور گھوڑے کی زین سے باندھ کر شہر کی طرف روانہ ہوا جب اس نے مڑ کر دیکھا تو ہرنی دھیرے دھیرے اس کے پیچھے چلی آ رہی تھی۔ اس کی صورت سے پریشانی اور رنج کا اظہار ہو رہا تھا۔ گویا وہ اپنے بچے کی رہائی کی بھیک مانگ رہی تھی۔ ناصر الدین کو اس بے زبان پر رحم آ گیا اور اس نے بچے کو چھوڑ دیا۔ ہرنی بہت خوش ہو گئی اور اپنے بچے کو لیکر جنگل کی طرف روانہ ہو گئی۔

اسی رات ناصر الدین نے خواب دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا" کہ اے ناصر الدین تو نے ایک بے زبان جانور پر رحم فرمایا ہے، وہ خدا کے دربار میں بہت مقبول ہوا ہے۔ لہٰذا تو کبھی رحم کو اپنے ہاتھ سے جانے نہ دینا۔ یہی طریقہ دین اور دنیا کا سرمایہ ہے۔"

1. راجہ جے پال کا غزنوی پر پہلا حملہ 374 ہجری 984ء: راجہ جے پال نے غزنوی پر حملہ کیا تو اس کے پاس بے شمار پیدل سوار اور ہاتھی تھے۔ اتنا بڑا لشکر تھا کہ اس سے بڑی سے بڑی حکومت کو ہرایا جا سکتا تھا جب کہ غزنوی کے پاس صرف چوتھائی فوج تھی۔ دونوں میں خطرناک جنگ ہوئی۔ اچانک طوفان اور برف باری ہونے لگی۔ راجہ جے پال کے ہاتھی گھوڑے برف باری میں مرنے لگے۔ غزنوی کے لوگ برف باری کے عادی تھے اس لئے ان پر کوئی اثر نہیں ہوا مگر راجہ کی فوج ختم ہو گئی اور راجہ جے پال بری طرح ہار گیا۔ جے پال نے اپنی جان بخشی کی درخواست دی اور بے اندازہ زر و جواہرات، دس لاکھ درہم نقد، پچاس ہاتھی اور کئی شہر دیکر اپنی جان کی بھیک مانگی۔ ہرنی پر رحم کرنے کی طرح ناصر الدین نے راجہ جے پال پر بھی رحم کیا اور اسے اپنی اطاعت کا حکم دیا۔

2. راجہ جے پال کا دوسرا حملہ 376 ہجری/986ء: راجہ جے پال نے ہندوستان کے تمام راجاؤں کو خط لکھا کہ ناصر الدین پنجاب پر حملہ کر کے ہماری ہندو حکومتوں کو ختم کر دیگا۔ اس لئے تمام راجاؤں کا فرض ہے کہ وہ بیرونی حملے سے بچنے کے لئے اکٹھا ہو جائیں۔ لہٰذا دہلی، اجمیر، قنوج اور گجرات

کے راجہ اس مذہبی جنگ میں کود پڑے۔ سارے راجاؤں نے خزانے کے منہ کھول دیئے اور اپنے بہترین لشکر راجہ کے حوالے کر دیئے جن میں تین لاکھ پیادے سوار تھے اور بہت سے جنگی ہاتھی بھی تھے۔ جب ناصرالدین کو معلوم ہوا کہ راجہ کا لشکر سندھ پر حملہ کر کے غزنی کی طرف بڑھ رہا ہے تو دونوں لشکروں میں زبردست لڑائی ہوئی اور راجہ شکست کھا کر میدان سے بھاگ گیا۔ اس جنگ میں راجہ جے پال اس قدر سامان چھوڑ کر بھاگا کہ ناصرالدین کے سارے اخراجات وصول ہو گئے۔ اس شکست میں سبھی ہندو راجاؤں کی ہار تھی۔

ناصرالدین 997ء میں 56 سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ اس کے بعد ان کا چھوٹا بیٹا اسماعیل جانشین ہوا۔ اس پر دونوں بھائیوں میں جنگ ہوئی۔ اسماعیل کی شکست ہوئی پھر بھی محمود نے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔

117 سلطان محمود غزنوی 388 تا 421 ہجری مطابق 998ء تا 1030ء

محمود غزنوی 388 ہجری 998ء میں تخت نشین ہوا اس نے افغانستان، خراسان، ترکستان، آذربائیجان، عراق، شام، حجاز اور ایشیاء تک اپنی حکومت پھیلا لی تھی۔ محمود غزنوی نے ہندوستان پر کل 17/ حملے کئے اور ان سب میں کامیابی حاصل کی تھی، جن کا مختصر احوال مندرجہ ذیل ہے۔ جنگ اور جہاد کرنے میں اسے مہارت حاصل تھی۔ اس نے ہندوستان میں حکومت قائم نہیں کی اور غزنی لوٹ گیا۔

3. راجہ جے پال کا غزنی پر تیسرا حملہ 391 ہجری 1001ء: راجہ جے پال محمود غزنوی کے باپ کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ اسے اُمید تھی کہ نوعمر محمود غزنوی کو وہ نیچا دکھا کر ہندوستان کے راجاؤں میں اپنی کھوئی ہوئی عزت کو دوبارہ حاصل کر لے گا۔ لہٰذا وہ 1001ء میں بارہ ہزار سوار، تین ہزار پیادے، تین سو ہاتھی لے کر محمود غزنوی سے مقابلے کے لئے روانہ ہو گیا اور سندھ کا دریا پار کیا۔ پیشاور کے قریب دونوں میں جنگ ہوئی۔ محمود کے لشکر کی تعداد صرف دس ہزار تھی پھر بھی راجہ جے پال کی فوج اس کا مقابلہ نہ کر سکی اور جے پال پانچ ہزار لاشیں چھوڑ کر اور پندرہ سرداروں کو گرفتار کروا کر لاہور بھاگ گیا۔

راجہ جے پال نے پھر درخواست کر کے محمود کو بھروسہ دلایا اور پنجاب کو غزنی کا ہی صوبہ سمجھنے کی

یقین دہانی کرا کر اپنی غلطی کی معافی مانگی۔ محمود نے اسے معاف کر دیا۔ راجہ جے پال نے اپنا تاج و تخت اپنے بیٹے آنند پال کے سپرد کر دیا اور تین بار معافی مانگنے کی شرم سے اس نے جلتی ہوئی آگ میں کود کر خود کشی کر لی۔ (تین بار ہارنے والے راجہ کو اس وقت کے رسم و رواج کے مطابق خود کشی کرنی پڑتی تھی۔)

4. بھاتنیہ پر حملہ 395 ہجری 1005ء: راجہ وجے رائے نے بڑی ہمت سے محمود کا مقابلہ کیا لیکن اسے شکست ہوئی اور گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتار ہوتے ہی اس نے اپنے سینے میں خنجر مار کر خود کشی کر لی۔

5. آنند پال کا پہلا حملہ 396ہجری مطابق 1006ء: محمود نے درّہ خیبر کے راستے سے آنند پال (ملتان) پر حملہ کیا۔ کیونکہ آنند پال نے اپنے باپ اور خود کو محمود کی ماتحتی میں کام کرنے کے تمام عہد ناموں کو ٹھکرا دیا تھا اور وہ جنگ کے لئے تیار ہو گیا۔ آنند پال کی فوج محمود کی فوج کے سامنے نہ ٹک سکی اور ہار گئی۔ آنند پال کشمیر بھاگ گیا۔

6. ریاست بھاتنیہ پر دوسرا حملہ: جب محمود غزنوی نے حملہ کیا تو معلوم ہوا کہ نومسلم سکھپال جسے محمود نے ریاست بھاتنیہ کا حاکم بنایا تھا۔ وہ اپنے ماموں آنند پال کے بہکاوے میں آ کر باغی ہو گیا تھا۔ محمود کے اچانک حملے سے ڈر گیا اور بنا مقابلہ کئے خود کو محمود کے حوالے کر دیا۔ محمود نے اس کے سرداروں پر تلوار کا استعمال کیا اور اسے گرفتار کر کے غزنی لے گیا اور نظر بند کر دیا۔

7. آنند پال کا دوسرا حملہ: آنند پال نے ہندوستان کے تمام راجاؤں اور پنڈتوں کو محمود کے خلاف بھڑکا کر ایک عظیم الشان لشکر تیار کر لیا۔ محمود یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا، جہاں تک اس کی آنکھوں نے دیکھا وہاں تک ہندوستان کی فوجوں کا لشکر موجیں مارتا دکھائی دے رہا تھا۔ محمود نے پہلے کھائیاں کھدوائیں اور پھر ٹڈی دل پر حملہ کر دیا۔ اس جنگ میں کئی راجاؤں نے آنند پال کا ساتھ دیا آنند پال کے ہاتھی کو جب محمود کی فوج نے گھیر لیا، تو اس نے اپنے ہاتھی کو واپس موڑ لیا۔ جس کی وجہ سے آنند پال کی فوج نے یہ سمجھا کہ انہیں شکست ہو گئی ہے۔ ٹڈی دل میدانِ جنگ سے جان بچا کر بھاگ گیا اور میدان خالی ہو گیا۔ آنند پال نگرکوٹ کی طرف بھاگ گیا۔

8. نگرکوٹ پر حملہ: محمود نے نگرکوٹ کو گھیر لیا اور قلعے پر قبضہ کر لیا۔ نگرکوٹ میں ایک بہت بڑا

مندر تھا۔ پجاریوں نے اپنی جان بچانے کے لئے محمود کو خزانے کا پتہ بتا دیا اور جب اس خزانے کو کھولا گیا، تو محمود دنگ رہ گیا کیونکہ اس کی آنکھوں نے اتنی بڑی دولت کبھی نہیں دیکھی تھی اور کبھی اس کا خیال بھی نہیں کیا تھا۔ خزانہ اونٹوں پر لاد کر غزنی پہنچا دیا گیا۔ اچانک نگر کوٹ کے راجہ اور آنند پال کا پیغام محمود کو ملا کہ جس طرح آپ نے اس سے پہلے میری اور میرے باپ کی خطاؤں کو بار بار معاف کیا ہے ویسے ہی ایک بار اور معاف کر دیں تو میں زندگی بھر آپ کا احسان مانوں گا اور نادم رہوں گا۔ لہذا محمود غزنوی نے اُسے پھر معاف کر دیا۔ اور نگر کوٹ اور پنجاب کو غزنی کے تحت حکومت کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

جب نگر کوٹ کے خزانے کا معائنہ غیر ملکی سفیروں نے کیا تو وہ بھی دنگ رہ گئے کیوں کہ اتنی بڑی دولت ایران اور روم کے بادشاہوں کے پاس بھی نہیں تھی۔

9. محمود کا غور اور ملتان پر حملہ: غور کا راجہ محمد بن سوری شکست کھانے کے بعد گرفتار ہوا اور اس نے خود کشی کر لی۔

10. محمود کا نارائن پر حملہ: نارائن پر محمود نے 1011ء میں حملہ کر کے بے شمار دولت اور بے شمار ہاتھی حاصل کیے تھے۔

11. تھانیسر پر حملہ 1012ء: مہاراجہ تھانیسر راجہ جے پال اور آنند پال سے مل کر محمود کو پریشان کر رہا تھا۔ لہذا 1012ء میں محمود نے تھانیسر پر حملہ کیا۔ راجہ وہاں سے بھاگ گیا۔ تھانیسر کے پنڈتوں اور مذہبی پیشواؤں نے محمود کو بت خانے تک پہنچا دیا جہاں ”سوم جگ نام“ کا دیوتا بِراجمان تھا۔ اس بت خانے میں محمود کو بہت مال اور ایک نایاب یاقوت ملا جس کا وزن ساٹھ تولا تھا۔ محمود ”سوم جگ“ کو لیکر غزنی چلا گیا۔

12. محمود کا پنجاب پر حملہ 405 ہجری 1014ء: آنند پال مرتے دم تک محمود کا فرماں بردار رہا مگر اس کا بیٹا جے پال ثانی تخت پر بیٹھا تو اس نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ راجہ کو شکست ہوئی اور وہ جان بچا کر بھاگ گیا۔ محمود سے اس نے بعد میں درخواست کی کہ میرا قصور معاف کر دیجئے۔ محمود نے اسے معاف کر دیا اور پنجاب کی سندھ حکومت اسے دے دی۔

13. محمود کا کشمیر پر حملہ 406 ہجری مطابق 1016ء: کشمیر کے راجہ نے فوراً محمود غزنوی کی ماتحتی قبول کر لی۔

14. قنوج اور متھرا پر حملہ: قنوج کے راجہ قنورائے نے جب محمود کا لشکر دیکھا تو وہ دنگ رہ گیا اور اس نے ماتحتی منظور کر لی۔ قنورائے نے اپنے بیٹوں اور رشتے داروں کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ رومال سے باندھ لئے اور گلے میں دوپٹہ ڈال کر اور سر منڈوا کر محمود کے سامنے مجرم بن کر کھڑا ہو گیا۔ محمود کو راجہ کی یہ انکساری و عاجزی بہت پسند آئی۔ لہٰذا محمود نے خود اس کے ہاتھ کھولے اور اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اور اسے معاف کر دیا۔

15. کالنجر پر حملہ: کالنجر کے راجہ نندہ نے محمود کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ اس کے ساتھ اور بھی راجہ۔ مہاراجہ مل گئے تھے۔ صرف قنوج کے راجہ قنورائے نے ان کا ساتھ نہیں دیا تھا کیوں کہ اس نے ماتحتی قبول کر لی تھی۔ راجہ کے پاس 63/ ہزار سوار، 45 ہزار پیادے، 640/ جنگی ہاتھی تھے مگر محمود کا لشکر دیکھ کر راجہ جنگ کا سارا سامان میدان میں چھوڑ کر بھاگ گیا۔

16. کالنجر پر دوسرا حملہ: 1020ء میں جب کالنجر پر دوبارہ حملہ کیا گیا تو گوالیار کا راجہ بیچ میں آ گیا اور محمود کا مقابلہ نہ کر سکا۔ بہت سے زر و جواہرات اور ہاتھی پیش کر کے اس نے معافی طلب کی۔ محمود نے راجہ نندہ کو بھی معاف کر دیا اور اسے حکومت کرنے کا پروانہ دے دیا۔

17. سومناتھ کے مندر پر حملہ 416/ ہجری مطابق 1025ء: سومناتھ کا مندر کاٹھیاواڑ گجرات میں تھا۔ یہ ایک عظیم الشان مندر تھا۔ اس کے در و دیوار میں بے پناہ جوہرات جڑے ہوئے تھے اور 56/ ستون جواہرات کے لگے ہوئے تھے۔ مندر کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک سونے کی ایک زنجیر لٹکی ہوئی تھی جس میں سیکڑوں گھنٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ اس سونے کی زنجیر کا وزن 200/ من تھا۔ پوجا پاٹھ کے وقت اس زنجیر کو ہلایا جاتا تھا۔ جس سے گھنٹیوں کی آوازیں دور دور تک سنی جاتیں اور لوگ سمجھ جاتے کہ مندر میں پوجا ہو رہی ہے۔

اس مندر کے خرچ کے لئے دو سو گاؤں وقف تھے۔ 150/ راجہ مہاراجہ اس مندر کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ چار ہزار پنڈے اور پجاری ہر وقت مندر میں رہتے تھے۔ پانچ سو جوان اور خوبصورت لڑکیاں اس مندر

کی خدمت کے لئے داسیاں بنی ہوئی تھیں۔ اس مندر میں اتنے جواہرات تھے جتنے شائد کسی بڑی سی بڑی سلطنت کے خزانے میں بھی نہیں ہونگے۔ اس کی حفاظت کے لئے دس ہزار راجپوتوں کی فوج ہر وقت تیار رہتی تھی۔ سورج گرہن یا چاند گرہن ہوتا تو اس مندر میں لگ بھگ دو ڈھائی لاکھ لوگ جمع ہو جاتے تھے جو مرادیں مانگتے اور نذرانے چڑھاتے تھے۔ تین سونائی سر مونڈنے میں مشغول رہتے تھے۔

سومناتھ کی مورتی ایک خاص مقام پر رکھی ہوئی تھی۔ جہاں کی قندیلوں میں جواہرات جڑھے ہوئے تھے جس سے بہت روشنی ہوتی تھی۔ سومناتھ کی لمبائی پانچ گز تھی۔ جس میں دو گز زمین کے اندر اور تین گز زمین سے اوپر نظر آتی تھی۔ یہ مورتی پتھر کی بنی ہوئی تھی۔ جب محمود غزنوی مورتی کے پاس پہنچا تو بہت سے راجہ مہاراجہ جو اس کی پوجا کیا کرتے تھے۔ اپیل کرنے لگے کہ آپ کو جو بھی مال و دولت چاہیئے ہم آپ کو دینے کے لئے تیار ہیں لیکن آپ ہمارے دیوتا کو ہاتھ نہ لگائیں۔ محمود غزنوی نے جواب دیا ''میں بُت شکن ہوں۔ بُت فروش نہیں''۔ ڈاکٹر علامہ اقبال نے کہا ہے کہ:

قوم اپنی جو زر و مالِ جہاں پر مرتی
بُت فروشی کے عوض بُت شکنی کیوں کرتی

یہ کہکر محمود نے بت پر زرہ سے ایک زوردار وار کیا اور اس کا منہ توڑ ڈالا۔ محمود کے حکم سے اس بت میں سے دو ٹکڑے الگ کئے گئے اور غزنی بھجوا دیئے گئے۔ ان میں سے ایک ٹکڑا غزنی کی مسجد کے دروازے پر اور دوسرا ایوانِ سلطنت کے صحن میں قائم کیا گیا۔ جو آج تک قائم ہیں محمود نے ہندوستان پر حملوں کے دوران پہلے کبھی کسی بھی بت کو نہیں توڑا تھا، لیکن نگر کوٹ کی فتح کے بعد پجاریوں اور پنڈتوں نے ہی انہیں بتوں تک پہونچا دیا تھا۔ محمود کی فوج میں مسلمانوں کے علاوہ ہندو سپاہیوں کی بھی ایک بڑی تعداد شامل تھی۔ جب مورتی کو توڑ دیا گیا تو اس مورتی کے پیٹ سے بے شمار جواہرات اور اعلیٰ درجے کے موتی نکالے گئے۔ جن کی قیمت پنڈتوں اور راجاؤں کی پیش کردہ قیمت سے (100) سو گناہ زیادہ تھی۔ محمود کو اتنی بڑی دولت کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ 421 /ہجری مطابق 1030ء میں محمود کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اُس کا بیٹا مسعود تخت پر بیٹھا اور آخر کار یہ حکومت 1185ء میں ختم ہو گئی۔ (تاریخ فرشتہ صفحہ 133)

غوری خاندان

118 سلطان غیاث الدین وشہاب الدین غوری 571 تا 602 ہجری مطابق 1175 تا 1206ء

جب شہاب الدین غوری کا بڑا بھائی غیاث الدین غوری تخت پر بیٹھا تو وہ ابوالعاص شیس (سپہ سالار) کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا۔ اس لئے شہاب الدین اپنے بڑے بھائی کے پاس فیروز آباد پہنچا اور دونوں بھائیوں نے مل کر دربار میں شیس کا سر قلم کروا دیا اور اس طرح غوری حکومت کے سارے فتنے دب گئے۔ دونوں بھائی ایک ہی ملک کے ایک ہی وقت کے دونوں بادشاہ تھے۔ ان دونوں بھائیوں میں ساری عمر ایسا اتفاق رہا جس کی مثال تاریخ میں مشکل سے ملتی ہے۔ غیاث الدین غوری 28/ سال حکومت کرنے کے بعد 63/ سال کی عمر میں 1203ء میں فوت ہو گیا۔

شہاب الدین کے زمانے میں غیر مسلموں نے کثرت سے اسلام قبول کیا۔ دریائے جہلم اور سندھ کے درمیان کھوکھر نامی ایک قوم آباد تھی ان کے یہاں ایک مسلمان قید میں تھا یہ مسلمان اُن لوگوں کو اسلام کی خوبیاں بیان کرتا رہتا تھا جسے وہ لوگ بڑی دلچسپی سے سُنتے تھے ایک دن اُن کے سردار نے کہا کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو تمہارا بادشاہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ مسلمان قیدی نے جواب دیا۔ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو میں یقین دلاتا ہوں کہ بادشاہ تمہارے ساتھ بڑا اچھا سلوک کرے گا۔ کھوکھروں کے سردار نے جب یہ بات سنی تو وہ ایمان لے آئے، قیدی مسلمان نے ایک خط کے ذریعہ اپنی گفتگو کی اطلاع سلطان شہاب الدین کو دی۔ شہاب الدین نے اُس کے جواب میں سردار کو انعام واکرام دیا اور اس علاقہ کی جاگیر اُس کو دے دی۔ اس کے بعد اُس کی قوم نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ (ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ 292)

شہاب الدین نے ہندوستان پر پہلا حملہ 1175ء میں کیا تھا۔ اس وقت راٹھور خاندان کا راجہ جے چند قنوج پر حکومت کر رہا تھا اور وہ خود کو ہندوستان کا سب سے بڑا راجہ تصور کرتا تھا۔ اسی زمانے میں دلی اور اجمیر کے راجہ پرتھوی راج کا بھی بڑا دور دورہ تھا اور اس کا بھی یہی دعویٰ تھا، اس لئے دونوں میں ان بن رہتی تھی۔

قنوج کے راجہ جے چند نے جب اپنی راجکماری سنگیتا کا سوئمبر رچا تو اس نے راجہ پرتھوی راج کی شکل کا بت بنا کر دروازے پر دربان کی جگہ کھڑا کر دیا۔ پرتھوی راج کو سنگیتا سے بہت محبت تھی۔ اس لئے اچانک پرتھوی راج سوئمبر میں آیا اور بھرے دربار میں سے سنگیتا کو اُٹھا کر گھوڑے پر سوار کر کے لے گیا اور لوگ دیکھتے ہی رہ گئے۔

.1 پرتھوی راج سے پہلی جنگ: جب پرتھوی راج کو سلطان شہاب الدین کے حملے کا علم ہوا تو اس نے اپنے بھائی کھانڈے رائے اور کئی راجاؤں کے ہمراہ دو لاکھ سپاہی اور بے شمار ہاتھی جنگ کے لئے بھیج دیئے۔ شہاب الدین کے پاس صرف تین ہزار سپاہی تھے جو کسی بھی طرح پرتھوی راج کے بے پناہ لشکر سے ٹکر نہیں لے سکتے تھے۔ پھر بھی دونوں کا ترائین کے میدان میں 1191ء میں مقابلہ ہوا۔ جنگ میں سلطان نے ایک ایسا تیر مارا کہ کھانڈے رائے کے دانت جھڑ گئے اور جواب میں کھانڈے رائے کی تلوار سلطان پر ایسی پڑی کی وہ زخمی ہو گیا اور گھوڑے سے گرنے ہی والا تھا کہ ایک غلام بختیار خلجی نے اسے بچا کر لاہور پہنچا دیا۔ جہاں سے وہ بعد میں غزنی پہنچ گیا۔ اس طرح شہاب الدین غوری 1191ء میں پرتھوی راج سے شکست کھا گیا۔ اس کے بعد شہاب الدین نے خواجہ معین الدین چشتیؒ کا دامن پکڑا اور 1192ء میں پرتھوی راج کو شکست دی۔

.2 پرتھوی راج سے دوسری جنگ 588ھ مطابق ا1192ء: پرتھوی راج نے 150/ راجہ مہاراجاؤں کو جمع کر لیا اور پنڈتوں، برہمنوں کے ذریعہ ہندوؤں میں مذہب کے نام پر جوش پیدا کر دیا اور تمام راجاؤں کی فوج جمع کر کے تین لاکھ سوار، تین ہزار ہاتھی اور بے شمار پیادوں کی فوج لیکر ترائین کے میدان میں مقابلے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ تمام راجاؤں کو اپنی فتح کا پورا یقین تھا۔ شہاب الدین غوری کے لشکر کی کل تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی جس میں اسی ہزار پیادے اور چالیس ہزار سوار تھے۔ شہاب الدین نے 150/ راجاؤں کی لمبی فوج دیکھ کر اپنی فوج کو پانچ حصوں میں بانٹ دیا۔ ایک ایک فوج تین تین گھنٹے لڑتی تھی۔ آخر میں شہاب الدین نے اپنی پانچویں فوج لیکر راجاؤں کی فوج پر طوفانی حملہ کر دیا۔ جس سے بہت سے فوجی مارے گئے سارا میدان لاشوں سے بھرا پڑا تھا۔ پرتھوی راج گرفتار کر لیا گیا اور

قتل کر دیا گیا۔ کھانڈے رائے بھی بھاگتا ہوا مارا گیا۔

اس طرح اجمیر، دہلی اور دوسرے تمام شہروں پر شہاب الدین نے قبضہ کر لیا۔ 599ہجری میں غیاث الدین کا انتقال ہو گیا اور 1206ء میں شہاب الدین نے قطب الدین غلام کو ہندوستان کا وائسرائے بنایا اور خود غزنی لوٹ گیا۔ راستے میں ملاحدہ (ایک قبیلے) نے اس کا قتل کر دیا گیا (تکملہ بدایونی) جسے غزنی لے جا کر دفن کیا گیا۔ اس کو صرف ایک لڑکی تھی۔ بھاٹوں اور کویوں نے سلطان کے قتل پر طرح طرح کے دوہے اور افسانے بنا ڈالے۔ چار بانس چالیس گز..............مت چوکے چوہان۔

غلام خاندان 603 تا 688 ہجری مطابق 1206ء تا 1290ء

نوٹ:۔۔۔غلام خاندان نے تقریباً 84 سال تک ہندوستان پر حکومت کی۔

119 قطب الدین ایبک 603 تا 607 ہجری مطابق 1206ء 1210ء

قطب الدین ایبک ایک ترک غلام تھا۔ اس کی صورت و شکل اچھی نہیں تھی۔ اس لئے جب شہاب الدین غوری نے بہت سے غلام خریدے تو ایبک کو اس کی بدصورتی کی وجہ سے نہیں خریدا۔ ایبک نے اس پر سلطان سے کہا کہ آپ نے جب بہت سے غلام خریدے ہیں، وہاں مجھ کو بھی خدا کے واسطے خرید لیجئے۔ سلطان اس جواب سے بہت خوش ہوا اور قطب الدین ایبک کو بھی خرید لیا۔

قطب الدین ایبک نے 1192ء سے 1206ء تک وائسرائے کی حیثیت سے حکومت کی اور 1206ء میں تخت نشین ہوا۔ وہ اپنے دور کا حوصلہ مند اور لائق بادشاہ تھا۔ وہ دہلی میں ایک مسجد قوت الاسلام بنانا چاہتا تھا۔ جس کے مینار ہی ابھی تیار ہوئے تھے کہ انتقال کر گیا۔ اس مینار کو قطب مینار کہتے ہیں۔ اس میں صرف ایک مینار 1194ء میں تیار کیا گیا جو 238 فٹ بلند ہے اور دنیا کا سب سے بلند ترین مینار ہے۔

بہار کی فتح: سلطان قطب الدین ایبک نے محمد بختیار خلجی کی ہمت بڑھائی جو ایک بہادر سپہ سالار تھا۔ اس نے بہار پر قبضہ کر لیا۔ بہاری ہندوؤں کی بہت سی مذہبی کتابیں اور بے شمار مال غنیمت لے کر اس نے

دہلی کے بادشاہ قطب الدین کی خدمت میں پیش کیا۔ بادشاہ نے اس کی ایسی میزبانی کی کہ بہت سے لوگ اس سے جلنے لگے۔ اس کے حاسدوں نے ایک بار بادشاہ سے کہا کہ حضور! محمد بختیار کا دعویٰ ہے کہ وہ کسی بھی بہادر سپاہی سے اور مست ہاتھی سے بھی لڑ سکتا ہے۔ وہ اپنے آپ پر جواں مردی کا دعویٰ کرتا ہے۔

ایک دن تمام خاندانِ سلطنت اور رعایا کے بیچ اس کے حاسدین نے ایک مست ہاتھی پیش کیا اور کہا کہ پورے ملک میں کوئی بھی مرد اس ہاتھی سے مقابلہ نہیں کرسکتا ہے۔ جب بادشاہ نے بختیار کو اشارہ کرکے کہا تو وہ تیار ہوگیا اور میدان میں ہاتھی سے مقابلہ کرنے لگا۔ ہاتھی کے دونوں دانتوں کے بیچ سونڈھ پر بختیار نے گرز سے ایک ایسی چوٹ لگائی کہ ہاتھی چنگھاڑتا ہوا بھاگ کھڑا ہوا۔

بختیار کی اس بہادری سے لوگ بہت خوش ہوئے اور بادشاہ نے بہت سے انعام اور تحفے دے کر اس کی قدردانی کی۔ مگر بختیار نے سبھی انعامات غریبوں میں بانٹ دیئے یہ اس کی فراخ دلی کا ثبوت تھا۔ قطب الدین 1210ء میں چوگان کھیلتا ہوا گھوڑے سے گر کر انتقال کر گیا۔ (تاریخ فرشتہ)

قطب الدین ایبک ایک عادل بادشاہ تھا اس کی شجاعت کی وجہ سے لوگ اسے "لکھ بخش" کہتے تھے۔ ایک مؤرخ نے قطب الدین کے بارے میں لکھا ہے کہ "وہ جتنا بدصورت تھا اتنی ہی حکومت خوبصورت کرتا تھا"۔ اس کے حاسد اسے غلاموں کا غلام کہتے تھے۔

120 سلطان شمس الدین التمش 607 تا 632 ہجری مطابق 1211ء تا 1235ء

سلطان التمش ایک ولی صفت بادشاہ تھا۔ وہ 1211ء میں دلی کی گدی پر بیٹھا۔ التمش کو حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح اس کے بھائیوں نے کسی بت فروش کو بیچ دیا تھا۔ سلطان قطب الدین نے اسے ڈھائی ہزار روپیوں میں خرید لیا اور اسے اپنے بیٹے کی طرح پڑھایا لکھایا اور جنگ کی تربیت دی۔ جب وہ بہت قابل ہوگیا تو اسے آزاد کردیا اور اپنی لڑکی سے اس کی شادی کردی۔ التمش نے اپنے دورِ حکومت میں کراچی اور سندھ کو اپنے قبضے میں کرلیا۔ آپ نے راجپوتوں کا قلعہ رنتھم بور بھی فتح کیا۔

جس زمانے میں التمش بخارہ میں غلام تھا اس وقت اس کے مالک نے ایک سکہ دے کر اسے انگور لانے کو بھیجا۔ راستے میں اس سے سکہ کہیں گم ہوگیا۔ التمش ایک جگہ بیٹھ گیا اور رونے لگا۔ کہتے ہیں

اتنے میں ایک فقیر آیا۔ اس نے التمش کو انگور خرید کر دیئے اور کہا کہ "اگر خدا کبھی تجھے بادشاہ بنا دے تو تو بھی فقیروں اور حاجت مندوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنا جیسا اس وقت تیرے ساتھ کیا گیا ہے۔"

کہتے ہیں ایک دفعہ التمش کے مالک نے درویشوں کی ایک محفل سجائی تھی۔ اس محفل میں قاضی حکم الدین ناگوری صدر تھے۔ التمش تمام رات شمع ہاتھ میں لے کر کھڑا رہا۔ درویشوں کی اس محفل سے التمش کے دن پھر گئے۔ وہ پہلے خار تھا اب کندن بن گیا۔ پہلے غلام تھا اب آقا بن گیا۔

سلطان التمش ایک درویش صفت بادشاہ تھا۔ وہ خواجہ غریب نواز اجمیریؒ اور ان کے مرید خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی بہت قدر اور عزت کرتا تھا۔ وہ ان کی دیکھ بھال اور لنگر کی برکت میں یقین رکھتا تھا۔ سلطان التمش خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خدمت میں ہفتے میں دو بار حاضر ہوتا تھا۔ التمش کے زمانے میں سید نور الدین شیخ الاسلام تھے انہوں نے بادشاہ کے فرائض بھی بیان کیے تھے کہ "اگر بادشاہ روزانہ ہزار رکعت نماز پڑھے۔ تمام عمر روزے رکھے مگر اگر وہ انصاف اور عدل سے کام نہ لے تو اس کی جگہ دوزخ ہے۔" یہ درویش 1235ء میں دنیا چھوڑ کر چلا گیا۔

التمش کے دربار میں ایک بڑی تعداد ہندوؤں کی بھی تھی، اور اس کی نظر میں ہندو مسلم اور شاہی خاندان کے لوگوں میں کچھ فرق نہیں تھا۔ اس کی عورت ترکی کنیز تھی جس کی کوکھ سے رکن الدین پیدا ہوا تھا۔ وہ باپ کے مرنے پر سات ماہ تخت پر بیٹھا۔ مگر وہ شرابی تھا۔ اس کی ماں کنیز حکومت کرنے لگی تھی۔ سب سے پہلے اس نے التمش کی دوسری بیویوں (اپنی سوتنوں) اور ان کی اولادوں کا قتل کروایا۔ التمش کے ایک چھوٹے بیٹے کو پہلے اندھا کر دیا اور پھر اس کو قتل کروا دیا۔

جب رضیہ سلطانہ تخت پر بیٹھی تو سب سے پہلے اس نے اپنی سوتیلی ماں کنیز کو گرفتار کر قتل کروایا جو پوری حکومت کی مالکن بنی ہوئی تھی۔ (تاریخ فرشتہ) (ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ)

121 چنگیز خاں کا حملہ انتقال 1227ء

چین کی منگولیائی تحریک کی ابتداء 1204ء میں ہوئی تھی اُس وقت چنگیز خاں کی عمر 42 رسال تھی۔ لکھنے پڑھنے کے لئے اُس کے پاس وقت ہی کہاں تھا۔ 8 سو پرانی روایتوں کے مطابق کہ "چنگیز

خاں الفاظ سے اتنا ہی واقف تھا جتنا اپنے گھوڑے سے'' آکسفورڈ یونیورسٹی کے ایک جین کے ماہر کی رائے ہے کہ ''انسانی تاریخ میں چنگیز خاں نے جتنی عورتوں سے رشتہ قائم کیا اتنا شاید ہی کسی نے کیا ہوگا''۔ اس نے تمام قبائل کو یکجا کر کے دو لاکھ سے زائد فوج تیار کی تھی۔ اس فوج سے ایشیا کے تمام بڑے شہروں میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ چنگیز خاں نے سپہ سالاروں کو حکم دے رکھا تھا کہ لوٹ کا مال تو وہ لے جائیں مگر عورتیں اسی کے پاس چھوڑ دیں۔ اس کی حکومت پورے یورپ تک جا پہونچی تھی۔

(شیلف تحریر شاہد نعیم، انقلاب 5رجون 2005)

اُس نے اسلامی حکومت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور لاکھوں مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ اس کا کوئی مذہب نہیں تھا۔ وہ نسلِ انسانی کا دشمن تھا۔ 1221ء میں اس نے ملتان اور سندھ میں آکر خوب لوٹ مچائی اور ایک طوفان برپا کر دیا۔ اس کا پہلا حملہ التمش کے دور میں ہوا۔ ہزاروں ہندو مسلمانوں کو لونڈی اور غلام بنایا۔

چنگیز خاں ترکستان، افغانستان اور شمالی ایران فتح کرنے اور وہاں کے شہروں کو تباہ و برباد کر دینے کے بعد 1223ء میں منگولیا واپس چلا گیا۔

پاسباں مل گیا کعبہ کو صنم خانے سے:۔ چنگیز خاں نے مرنے سے پہلے اپنی سلطنت کو اپنے چار بیٹوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ جن میں منگولیا کے علاوہ چین، جنوبی روس اور ترکستان و ایران تک کے علاقے شامل تھے۔ ترکستان میں چنگیز خاں کے لڑکے چغتائی خاں کی بادشاہت (1227ء تا 1366ء) تک رہی۔ چغتائی خاں کے پڑپوتے نے بادشاہ بننے کے دو سال بعد اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور اس نے اپنا نام غیاث الدین رکھا تھا۔ مورخین اس بات سے متفق ہیں کہ چنگیز خاں کی موت 65رسال کی عمر میں خطۂ سیشیا میں لڑتے ہوئے 1227ء میں ہوئی تھی۔ (ملت اسلام کی مختصر تاریخ صفحہ 14-11)

122 رضیہ سلطانہ 633تا637ہجری 1236ءتا1240ء

633ہجری میں التمش کی بڑی بیٹی رضیہ سلطانہ کو تخت بٹھایا گیا۔ رضیہ سلطانہ ایک تعلیم یافتہ مدبر اور نہایت ہی حسین لڑکی تھی۔ وہ ایک اچھی گھوڑ سہ سوار سپہ سالار تھی۔ ہر امیر آدمی اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ آخر کار سلطانہ نے ملک یعقوت سے شادی کر لی جس سے امراء ناخوش تھے۔ جب ملک یعقوت کو

یہ خوبصورت عورت مل گئی تو اس نے رضیہ سلطانہ کے ساتھ مل کر دلی پر حملہ کر دیا۔ سلطانہ کا بھائی بہرام شاہ کے ساتھ مقابلہ ہوا۔ اس میں ملک یعقوت کو شکست ہوئی۔ جان بچا کر بھاگتے وقت ان دونوں کو 637 ہجری مطابق 1240ء میں قتل کر دیا گیا۔

123 سلطان ناصر الدین محمود 644 تا 664 ہجری مطابق 1246ء تا 1266ء

تاریخ کے صفحوں میں سلطان ناصر الدین محمود کا انصاف اور رعایا دوستی کی بہت شہرت ہوئی ہے۔ اس نے ہندو راجاؤں کو 1237ء میں شکست دی۔ آپ نے 1248ء میں قلعہ رنتھم بور پر حملہ کیا اور بغاوت دبا دی۔ محمود کا دور حکومت بغاوتوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے اودھ اور کلینجر کی بغاوت کو ختم کیا۔ غیروں کی بغاوت کے علاوہ خود سلطان کی ماں ملکہ جہاں بڑھاپے میں قتلغ خاں سے نکاح کر کے اسے سلطان کا مخالف بنا دیا تھا۔ لہٰذا قتلغ خاں نے ضلع دہرادون کے علاقے پر قبضہ کر لیا اور پہاڑی ہندوؤں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ سلطان نے 1257ء میں حملہ کر کے اسے فتح کیا اور قتلغ خاں بھاگ گیا۔ جب میواتیوں نے اپنے ساتھ راجپوتوں اور راجاؤں کو ملا کر بغاوت کر دی تو سلطان نے غیاث الدین بلبن کو بھیجا جس نے اس بغاوت کو ایسا کچلا کہ پھر کبھی سر اُٹھا نہ سکی۔

1. سلطان کی سادہ زندگی: سلطان ناصر الدین، محمود حالانکہ ہندوستان کا بادشاہ تھا مگر زندگی سادہ گزارتا تھا۔ وہ خود قرآن لکھتا تھا اور اسی کے ہدیہ سے زندگی بسر کرتا تھا۔ اس کی صرف ایک بیوی تھی جو خود کھانا پکاتی تھی۔ ایک بار اس نے بادشاہ سے اپنی مدد کے لئے ایک خادمہ رکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ سلطان نے آمدنی کم ہونے سے معذرت چاہی اور کہا کہ خزانہ کا مال سب رعایا کا ہے۔ اس میں سے میں ایک کوڑی بھی خرچ نہیں کر سکتا۔ سلطان ناصر الدین ایک عبادت گذار اور درویش صفت بادشاہ تھا۔ یہ نیک دل بادشاہ 21 رسال حکومت کرنے کے بعد 1266ء میں دنیا کو خیر آباد کہہ گیا۔

2. ہلاکو خان کا سفیر 658 ہجری مطابق 1260ء تا 1265ء: 658 ہجری میں چنگیز خان کا پوتا ہلاکو خان نے اپنا ایک سفیر سلطان کی خدمت میں دلی بھیجا۔ سلطان نے اُس کا شاندار استقبال کیا۔ جس میں ڈھائی لاکھ فوج، 2 ہزار ہاتھی اور گھوڑے تھے۔ سلطان کی بے پناہ فوج اور دربار کی شان وشوکت دیکھ

وہ ایسا متاثر ہوا کہ ادھر آنے کا نام ہی بھول گیا۔ کیونکہ بادشاہ کا محل جو سونے چاندی کے سامان سے سجایا گیا تھا۔ شاہی خاندان کے لوگ اور 25 شہزادے جو چنگیز خان کی وجہ سے اپنے وطن سے فرار ہو گئے تھے ہندوستان میں پناہ لئے ہوئے تھے وہ ادب کے ساتھ تخت کے سامنے کھڑے تھے۔

سلطان کی بے اندازہ فوج اور دربار کی شان و شوکت دیکھ کر یہ سفیر اتنا مرعوب ہوا کہ واپس جانے کے بعد اس نے ہندوستان پر حملہ کرنے کا خیال ہی نہیں کیا۔ (ہندوستان پر اسلامی حکومت صفحہ 226)

ہلاکو خاں منگول کا ظالم اور جابر حکمراں تھا اس نے ایران اور عراق پر شدید حملے کئے اور زبردست تباہی مچادی۔ مسجدوں، اسکولوں، مدرسوں اور لائبریریوں کو تباہ کرڈالا۔ کتابوں کو جلاڈالا، لاشوں کے انبار لگادیئے اور مسلمانوں کا بہت بڑا علمی اثاثہ تباہ و برباد کرڈالا۔ آخر 1265ء میں انتقال کر گیا۔

ہلاکوں خاں کے بعد اس کے کئی جانشین گزرے۔ انھیں میں سے غازان خان (1295ء تا1304ء) تھا اس نے اپنی فوج کے ساتھ اسلام قبول کرلیا تھا۔ شہر تبریز اور سلطانیہ علم کے مرکز بن کر ابھرے۔ اس کے عہد میں ایران اور عراق پھر علم کی روشنی سے جگمگانے لگے۔

124 سلطان غیاث الدین بلبن :۔ 664ھ تا685ھ مطابق 1266ء تا1287ء

سلطان ناصر الدین محمود کے چونکہ کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس لئے اُمرائے وزیر سلطنت نے غیاث الدین بلبن کو 1266ء میں تخت پر بٹھادیا۔ وہ اس کا مستحق بھی تھا کیونکہ اُس میں بے نظیر قابلیت بھی تھی جو اُس کی وزارت سے بالکل عیاں ہوچکی تھی۔

جمال الدین بصری نے اسے مغلوں سے خرید کر سلطان شمس الدین التمش کی نذر کردیا۔ سلطان اس پر بے حد مہربان تھا۔ التمش کی وفات کے وقت چالیس غلام بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ انہیں میں سے ایک بلبن بھی تھا۔

کردار کی بلندی:۔ قطب الدین ایبک سے لیکر سلطان ناصر الدین محمود کے عہد حکومت تک ہندوؤں کا اثر واقتدار اتنا بڑھ گیا تھا کہ وہ اُمرائے چہلگانی کے ساتھ ملکر بغاوتیں کرنے لگے۔ سلطان بلبن نے

سب سے پہلے ان بغاوتوں کا خاتمہ کیا۔ اس کے رعب واثر سے باہری طاقتیں ڈرتی تھیں۔ میواتیوں کو شکست دینے کے بعد ساری بغاوتیں دب گئیں۔ اور لوگوں نے امن وامان کا دور دیکھا۔ بلبن فقیر دوست اور علماء کا قدر دان تھا۔ حضرت امیر خسرو اور خواجہ حسن ایک زمانہ تک اس کے دربار کی رونق رہ چکے ہیں۔

تاریخ فرشتہ کے مطابق اس کے زمانہ میں ایک رئیس فخرو رہتا تھا۔ اس نے ایک عرصہ تک سلطان بلبن کی خدمت کی مگر بلبن نے اس سے بات تک نہیں کی۔ ایک دفعہ فخرو نے درباریوں کی معرفت سلطان سے کہلوایا کہ اگر بادشاہ اس سے بات چیت کرے تو وہ ایک بہت بڑی دولت بادشاہ کو نذرانہ کے طور پر پیش کر سکتا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ حالانکہ فخرو ایک بہت بڑا دولت مند ہے مگر وہ ایک بازارو شخص ہے اور بازاریوں کا سردار ہے۔ ایسے شخص سے بادشاہ کا بات کرنا اس کے رعب ووقار کے خلاف ہے۔ اس سے رعایا کے دلوں میں بادشاہ کا احترام نہیں رہتا۔

بلبن انصاف کی نظر میں:۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ ملک نائک جو بدایوں کا صوبیدار تھا اس نے ایک فراش کو اس قدر مارا اور درّے لگائے کہ وہ بیچارہ مر گیا۔ بلبن نے سارا واقعہ سننے کے بعد حکم دیا کہ ملک نائک کو بھی اتنے ہی درّے لگائے جائیں کہ وہ بھی مر جائے۔ لہٰذا حکم کے مطابق درّے لگائے گئے اور لاش دروازے پر لٹکا دی گئی۔

ایک بار ہیبت خاں نے جو اودھ کا حاکم تھا سرمستی کے عالم میں ایک شخص کو ختم کر دیا۔ مقتول کی بیوی بلبن کے پاس فریاد لے کر آئی۔ بلبن نے پانچ سو درّے لگانے کا حکم دیا۔ درّے لگانے کے بعد ہیبت خاں کو بیوہ کے سپرد کر دیا اور فرمایا کہ یہ پہلے میرا غلام تھا اب تمہارا غلام ہے تم جو چاہو کرو۔ آخر کار منت سماجت کر کے بیوہ کو تیس ہزار روپے بطور ہرجانہ ادا کیا اور اپنی جان بچائی۔ اس سزا کے بعد ہیبت خاں پھر کبھی گھر سے باہر نہیں نکلا۔

سلطان بلبن کے دربار کی شان وشوکت محمود غزنوی کے دربار کی شان وشوکت سے کہیں زیادہ تھی۔ اس کے دربار میں پندرہ شہزادے الگ الگ ملکوں سے چنگیز خان کی بدمعاشی سے تنگ آ کر پناہ لئے ہوئے تھے۔ جنہیں امراء میں بڑی عزت ووقار سے رکھا گیا تھا۔ جب کوئی حکمراں کسی مصیبت کی

وجہ سے بلبن کے پاس آجاتا تو وہ اس آئے ہوئے مہمان کی آمد سے بہت خوش ہوتا اور اللہ کی بارگاہ میں سجدۂ شکر ادا کرتا۔

غیاث الدین بلبن کا زمانہ بہتر خوشحالی کا زمانہ تھا۔ اس کے عہد حکومت میں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ، شیخ فرید الدین بابا شکر گنجؒ، حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ جیسے بزرگ اور درویش سرزمین ہندوستان کو سیراب کئے ہوئے تھے۔

مغلوں کا حملہ:۔ مغلوں نے جوھرات، قندھار پر حکومت قائم کرنے کے بعد ملتان کی طرف رُخ کیا۔ سلطان بلبن کا بیٹا خان شہید (محمد سلطان) جس نے بہت سے مغلوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ مگر موقع پاکر مغل اس وقت خان شہید پر ٹوٹ پڑے جب وہ دریا کے کنارے نمازِ ظہر پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ ادا کر رہا تھا۔ اچانک ایک تیر خان شہید کو لگا اور وہ انتقال کر گئے۔ مغلوں نے اس کے سامان اور گھوڑوں پر قبضہ کر لیا اور کچھ سپاہیوں کو گرفتار کر کے لے گئے۔

غیاث الدین بلبن کو اپنے بیٹے کی موت کا بہت غم ہوا۔ وہ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر اس کی یاد میں روتا تھا۔ اس واقعہ سے اس کا دل ٹوٹ گیا اور اس صدمہ کے بعد وہ زیادہ مدّت تک زندہ نہ رہ سکا۔ چنانچہ 685ھ مطابق 1287ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔

جبکہ سلطان بلبن فقیر دوست، علماء کا قدردان اور غریبوں کا مسیحا تھا۔

خلجی خاندان

نوٹ:۔۔۔ خلجی خاندان میں پانچ بادشاہ ہوئے۔ جن میں دو اہم بادشاہوں کا ذکر کیا جارہا ہے۔

125 سلطان جلال الدین خلجی (688ھ تا 694ھ) 1290ء تا 1296ء

1290ء میں جلال الدین خلجی دلی کے تخت پر بیٹھا (چھ سال) وہ طاقت سے لوگوں پر قابو پانے کے بجائے احسان کے ذریعہ دشمنوں کو دوست بنانے کا اُصول مانتا تھا، کیوں کہ اُس کے سینہ میں ایک درد بھرا دل تھا۔

سید مولا: اُس زمانہ میں سید مولہ ایک مشہور بزرگ تھے، جن کا مقام دلی میں تھا جن کے لنگر سے ہزاروں لوگوں کو کھانا ملتا تھا۔ لنگر کا خرچ بھی ہزاروں روپئے روزانہ کا تھا۔ جب کہ بظاہر کچھ آمدنی کا ذریعہ بھی نہیں تھا۔ تمام دلی کے باشندے اور سلطنت کے لوگ اُن کے عقیدت مند تھے۔ شاہی خاندان کے لوگوں نے سید مولہ پر بادشاہ کو قتل کروانے کا جھوٹا الزام لگایا۔ جب بادشاہ نے خود سید مولہ سے پوچھا تو اُنہوں نے صاف انکار کر دیا۔ پھر بھی بادشاہ کے بیٹے ارکلی خاں نے سے سید مولہ کو ہاتھی سے کچلوا کر مروا ڈالا۔

اس واقعہ (ہجری 690 سن 1292ء) کے بعد دلی میں ایسا قحط پڑا کہ ہزاروں لوگ تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ اور ہزاروں لوگوں نے جمنا میں ڈوب کر خود کشی کر لی۔ اس کے بعد بادشاہ کا بڑا بیٹا اختیار الدین سخت بیمار پڑا اور مر گیا۔ پوری دلی کے لوگ اس ساری مصیبت کی وجہ سید مولا کا قتل ہی سمجھتے تھے۔

بادشاہ کے بھتیجے علاؤالدین خلجی نے دولت آباد (شمال) پر 1294ء میں حملہ کر دیا تھا۔ وہاں کے راجہ نے سمجھوتا کر کے علاؤالدین کو 600 من سونا، دو من لعل (یاقوت)، ایک ہزار من چاندی، چار ہزار ریشمی کپڑوں کے تھان اور بے اندازہ غلّہ نذرانے کے طور پر دیا۔ علاؤالدین نے اپنے چچا بادشاہ کو بلوانے کے لئے اپنے بھائی الماس بیگ کو بھیجا جیسے ہی سلطان جلال الدین کشتی سے اُترا ویسے ہی علاؤالدین کے آدمیوں نے تلوار سے بادشاہ کو ختم کر دیا۔

یہ واقع 1296ء کا ہے۔ یہی دن حضرت علی کے شہید ہونے کی تاریخ کے دن سے بھی ملتا ہے۔ اور جس طرح کربلا میں حضرت حسینؓ کا سر کاٹ کر نیزے پر گھمایا گیا تھا ویسے ہی سلطان جلال الدین کا سر کاٹ کر نیزے پر گھمایا گیا۔

126 سلطان علاؤالدین خلجی (694ھ تا 714ھ 1296ء تا 1316ء

سلطان علاؤالدین خلجی 22 جولائی 1296ء کو دلی کے تخت پر بیٹھا۔ وہ بہت ہی دھوم دھام سے بادشاہ بنا اور سب سے پہلے اُس نے اپنے چچا جلال الدین کے خاندان پر ظلم کرنا شروع کیا۔ جلال الدین کے بیٹوں کو ملتان سے گرفتار کرا اُنہیں اندھا کر دیا اور ارکلی خاں کے دو بیٹوں کو قتل کروا دیا۔ سلطان کے

دامادوں کی آنکھیں نکلوا کر قلعہ میں قید کر دیا اور اپنی ساس ملکہ جہاں کو دوسری عورتوں کے ساتھ دلی میں قید کیا۔ اس طرح جلال الدین کے خاندان کو نیست و نابود کر دیا اُس کے بعد گجرات و سوستان کو فتح کرنے کے لئے 1298ء کو اپنے بھائی ارکلی خاں اور نصرت کو بھیجا۔ وہاں کا راجہ کرن رائے بھاگ گیا اور اُس نے دیوگیر کے راجا رام دیو کے یہاں پناہ لی۔

علاؤ الدین خلجی مشکل سے دستخط کرنا جانتا تھا مگر اپنی فتح سے مغرور ہو گیا۔ لہذا بادشاہ کے ساتھ ساتھ پیغمبری کے خواب بھی دیکھنے لگا اور وہ نیا مذہب بھی شروع کرنا چاہتا تھا۔

اُس نے 1307ء میں دیوگیری پر حملہ کیا مگر راجہ رام دیو نے کوئی مقابلہ نہیں کیا۔ اس لئے سلطان نے راجہ رام دیو کی بڑی عزت کی۔ یہ وہی راجہ تھا جس کی بے پناہ دولت سلطان کو ملی تھی۔ سلطان نے راجہ اور اُس کے بیٹوں کو بڑی عزت کے ساتھ دیوگیر واپس دے دیا۔ سن 1300ء میں قلعہ رنتھمبور کو فتح کرنے کے لئے سلطان روانہ ہوا۔ راجہ ہمیر دیو اور اُس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا نصرت خاں کا انتقال ایک پتھر سے زخمی ہونے سے ہو گیا۔ قلعہ فتح ہونے کے بعد سلطان کی نظر راجہ کے ایک ساتھی محمد شاہ پر پڑی۔ جو بُری طرح زخمی ہو گیا تھا۔ بادشاہ نے اُسے پہچان لیا اور قریب جا کر کہا کہ اگر میں تیرا علاج کروا کر تجھے تندرست کرا دوں تو اس احسان کے بدلے تو مجھے کیا دیگا؟ محمد شاہ نے جواب دیا میں تندرست ہو کر تجھے قتل کر دوں گا اور راجہ ہمیر دیو کے بیٹے کو ہندوستان کا بادشاہ بنا دوں گا۔ یہ جواب سلطان کے منہ پر گویا ایک طمانچہ تھا، اس لئے بادشاہ نے محمد شاہ کو ہاتھی کے پیروں سے کچلوا دیا۔

1. **چتوڑ پر حملہ اور پدمنی کی کہانی:** چتوڑ کا قلعہ بھی ایک مشہور قلعہ تھا اور اُس پر قبضہ کرنا بہت مشکل کام تھا سلطان نے 1304ء میں اس قلعہ پر حملہ کیا اور چھ ماہ بعد اُسے فتح کر کے راجہ کو گرفتار کر لیا مگر رانی پدمنی اُس علاقہ سے فرار ہو گئی۔ سلطان راجہ رتن سین کو لے کر دلی آ گیا اور اُسے قید کر لیا۔ سلطان کا بیٹا خضر خاں شراب اور عیش میں ملوث ہو گیا تھا اس وجہ سے چتوڑ گڑھ کا انتظام نہ کر سکا۔ باغی راجپوتوں نے چتوڑ گڑھ کے جنگلوں میں اپنا مرکز قائم کر لیا اور رانی پدمنی کو اُس کا حاکم بنا لیا۔ جب سلطان کو معلوم ہوا تو اُس نے راجہ رتن سین کے بھانجے سے جو سلطان کا مصاحب بن چکا تھا مشورہ لیا بھانجے نے اس معاملے میں راجہ کو استعمال کرنے کی رائے دی۔ لہذا سلطان نے راجہ سے پدمنی کو اپنے پاس بلوانے کو

کہا۔ راجہ نے ایک خاص خط اور ایک خاص پیغام پدمنی تک پہنچا دیا اب راجپوتوں نے ایک چال چلی اور رانی پدمنی کو راجہ کے پاس بھیجنے کے بہانے پالکیوں میں راجپوتوں کو بٹھا کر بھیج دیا اور حفاظتی دستے کے طور پر خود سپاہیوں کو گھوڑوں پر سوار کر کے پالکیوں کے ساتھ روانہ کر دیا اور خبر پھیلا دی کہ رانی پدمنی راجہ سے ملنے دلی جا رہی ہیں۔ یہ جلوس دلی کے باہر آ کر رک گیا اور راجہ نے رانی کا استقبال کرنے کے لئے سلطان سے اجازت چاہی۔ سلطان نے راجہ کو چند محافظوں کے ساتھ رانی کا استقبال کرنے کے لئے بھیج دیا۔ جیسے ہی راجہ پالکیوں کے پاس پہنچا تو پالکیوں سے سپاہی کود پڑے۔ پہلے تو اُنہوں نے محافظوں کا کام تمام کیا اور پھر راجہ رتن سین کو گھوڑے پر بٹھا کر فرار ہو گئے اور حفاظت سے خفیہ جگہ پہنچ گئے۔ اُس کے بعد راجہ اور رانی کہاں غائب ہو گئے یہ تاریخ کے صفحوں پر پھر کبھی نہیں آیا۔

افسانہ نگاروں نے علاؤالدین اور رانی پدمنی کے عشق کے کئی قصے بنا ڈالے ہیں۔

2۔ ملکہ کنولا دیوی: گجرات اور سنتان کی فتح کے بعد نصرت خان اور علگ خاں مال غنیمت اور لونڈی غلاموں کو لے کر دلی پہنچے اور اُنہیں سلطان کی خدمت میں پیش کیا۔ سلطان کی نظر جب کنولا دیوی پر پڑی تو وہ اُس کے عشق میں لٹو ہو گیا کیوں کہ اُس کا حسن چلمن سے جھلک رہا تھا۔

وہ اپنے چہرے میں سو آفتاب رکھتے ہیں
اسی لئے تو رُخ پر نقاب رکھتے ہیں

آخر سلطان نے اُسے مسلمان بنا کر اُس سے نکاح کر لیا اور اُسے ملکہ کا خطاب دیا۔ کچھ دنوں بعد نو مسلم ملکہ کنولا دیوی کی فرمائش پر سلطان نے اُس کی لڑکی دیول دیوی کو تلاش کرنے کا حکم دیا جو کہ کنولا دیوی کے پچھلے شوہر راجہ کرن سے تھی۔ دکن میں بہت تلاش کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ اپنے باپ راجہ کرن کے ساتھ بلقانہ (ریاست دیوگیری) میں رہتی ہے۔ راجہ کرن کسی بھی طرح اپنی لڑکی کو دینا نہیں چاہتا تھا۔ وہ دیوگیری کے راج کمار سے اُس کی شادی کروانا چاہتا تھا۔ اس لئے اُس نے دیوگیری کی جانب لڑکی کو بھیج دیا لیکن اتفاق سے لڑکی سلطان کے سپاہیوں کے ہاتھ لگ گئی اور اُنہوں نے اسے دلی بھیج دیا۔ ولی عہد سلطان جعفر خان نے جب دیول دیوی کو دیکھا تو وہ بھی اُس کے عشق میں ڈوب گیا جس طرح اُس کا باپ کنولا دیوی کے عشق میں ڈوبا تھا۔ لہذا دونوں کی شادی کر دی گئی۔

3. ملک کافور: 1315ء میں جب علاؤالدین بیمار پڑا، تو یہ حسین غلام فوراً دلی پہنچ گیا اور دن رات بادشاہ کی خدمت کر کے ولی عہد خضر خان اور شادی خان کو قید کر لیا۔ اچانک بادشاہ کا 1316ء میں انتقال ہو گیا۔ اُس کے چھوٹے بیٹے شہاب الدین جس کی عمر چھ سال تھی، اُس کو تخت پر بٹھا کر خود حکومت کرنے لگا اور قید کیے ہوئے خضر خان اور شادی خان کی آنکھیں نکلوا دی۔

علاؤالدین کے خاندان کا ایک لڑکا مبارک خان جس کی عمر سترہ اٹھارہ سال تھی جو قید میں تھا۔ اُس کو ختم کرنے کے لئے ملک کافور نے حکم دیا۔ مگر سپاہیوں کو اُس بچے پر رحم آ گیا اور اُسے چھوڑ دیا اور ملک کافور کو ہی قتل کر دیا۔ اور مبارک خاں کو تخت پر بٹھا دیا۔

ملک کافور نے سلطان کو جو مالِ غنیمت پیش کیا تھا۔ جس میں 312 ہاتھی، 20 ہزار گھوڑے، 96 من سونا تھا۔ اس کے علاوہ بے شمار اشرفیاں اور موتیوں کے صندوق تھے۔

3. آبائیوں کا قتل: یہ ایک گروہ دلی میں آ گیا تھا۔ جس کا دستور اور رواج تھا کہ وہ سال میں ایک بار جشن کرتا تھا۔ جس میں تمام محرمات (عورتیں) یعنی ماں،، بہن، بیٹی وغیرہ کو حلال سمجھا جاتا تھا۔ علاؤالدین نے اس گروہ کو قتل کر کے اس کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ اُس کے زمانہ میں 84 چھوٹی بڑی جنگیں لڑی گئی ہیں وہ شائد پہلا بادشاہ تھا جس نے ہاتھی پر سواری کی۔

4. بزرگانِ دین: سلطان علاؤالدین نے ایک بار نظام الدین اولیاء کی خدمت میں ایک قاضی کو بھیجا اور وارنگل (تیلگانہ) کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے وارنگل کی فتح کا اشارہ کیا۔ اُس دن سے بادشاہ ولیوں کا قائل ہو گیا۔ اُن کے وقت کے علمائے کرام کی ایک لمبی فہرست ہے۔ جس میں تقریباً 46 علمائے باکمال کا نام درج ہے۔

خلجی حکومت میں پانچ بادشاہ ہوئے مگر اُن میں جلال الدین اور علاؤالدین خلجی انہیں دو بادشاہوں کا عہد حکومت خاص ہے۔ اس طرح خلجی خاندان 1321ء میں ختم ہو گیا۔ (تاریخ فرشتہ)

تغلق خاندان (721ھ تا 817ھ) 1321ء تا 1414ء

127 غیاث الدین تغلق (721ھ تا 725ھ) 1321ء تا 1325ء

غیاث الدین تغلق 1321ء میں دلی کے تخت پر بیٹھا اور خلجی خاندان کے تمام افراد جو زندہ بچ گئے تھے۔ اُن سب کے شاہانہ وظیفے مقرر کر دیئے تا کہ وہ آرام کی زندگی بسر کر سکیں۔ ایک ہفتہ کے اندر اُس نے تمام انتظامی خرابیوں کو دور کر دیا۔ غیاث الدین پنجاب کی ایک جاٹنی کے بدن سے پیدا ہوا تھا، جس سے اُس کے باپ نے نکاح کر لیا تھا۔ بادشاہ نے کاشت کاری (کھیتی) اور رعایا کے ساتھ اولاد جیسا سلوک کرنے، علماء اور اہلِ فن کو نوازنے، ہندوؤں سے کم جزیہ وصول کرنے جیسے اہم کاموں میں خصوصیت حاصل کی۔

جب بادشاہ بنگال فتح کر کے دلی آئے تو اُس کے لڑکے جونا خان نے بادشاہ کا استقبال کرنے کے لئے ایک چوبی محل بنوایا۔ جب بادشاہ اور اُس کا چھوٹا لڑکا اُس چوبی محل میں ہاتھیوں کے کرتب دیکھ رہے تھے۔ تو اچانک محل کی چھت گر گئی اور 1325ء میں بادشاہ فوت ہو گیا۔ مشہور سیاح ابنِ بطوطہ کی رائے تھی کہ جونا خان نے جان بوجھ کر یہ چوبی محل ایسا ہی بنوایا تھا کہ ہاتھیوں کی ضرب کے ساتھ اُس کی چھت گر جائے۔

شاہوں کی دعا ہے کہ وارث کوئی پیدا ہو
شہزادوں کو شاہوں کے مرنے پر خوشی ہوگی

128 سلطان محمد شاہ تغلق (725ھ تا 752ھ) 1325ء تا 1352ء

جونا خان نے اپنا نام بدل کر محمد شاہ رکھ لیا اور 1325ء میں باپ کو مروانے کے بعد تخت پر بیٹھا۔ یہ ایک بیوقوف بادشاہ تھا، ساتھ میں ظالم بھی تھا اور جابر بھی۔ معمولی غلطیوں پر بھی ہاتھیوں سے کچلوا دیتا تھا اور کبھی زندہ لوگوں کی کھال اُتروا کر بھوسہ بھروا دیتا تھا۔ ہر روز سیکڑوں قیدی اُس کے پاس لائے جاتے تھے اور ہر روز قتل کیے جاتے تھے۔ وہ اپنے رشتہ داروں کو بھی سخت تکلیفیں دیتا تھا۔ اُس نے اپنے

ایک بھائی مسعود کو قتل کروا کر اُس کی لاش بازار میں پھینکوا دی۔ اُس کا ظلم اتنا تھا کہ کوئی ہفتہ مشکل سے گذرتا، جب اُس نے کسی مولوی، مفتی، قاضی یا صوفی کو قتل نہیں کیا ہوگا۔ انسان کو مارنے کا اُسے کوئی افسوس نہیں ہوتا تھا، جیسے کوئی چیونٹی مرگئی ہو۔ وہ ایک سرپھرا بادشاہ تھا۔ وہ ایک دن میں اتنا خرچ کر دیتا تھا جتنا دوسرے بادشاہ ایک سال میں خرچ کرتے ہیں۔

محمد شاہ تغلق عجیب وغریب فطرت کا بادشاہ تھا۔ اُس میں خوبیاں بھی تھی اور برائیاں بھی۔ وہ عالم بھی تھا اور جاہل بھی۔ ایسے سرپھرے انسان کی مثال ہندوستان کی تاریخ میں کہیں بھی نہیں ملتی ہے۔

1. دلی ویران: ایک بار بادشاہ نے دلی کو خالی کر کے دولت آباد کو آباد کرنے کا حکم دیا۔ سرکاری فرمان تھا کہ تین دن میں دلی خالی کردو۔ ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ اس حکم کے بعد دلی خالی ہوگئی۔ کچھ اپاہج اور مجبور لوگ رہ گئے تھے۔ تین دن بعد اُنہیں گرفتار کرلیا گیا اور اپاہج کو بارود سے اُڑا دیا گیا اور آندھے کے لئے حکم ہوا کہ اُس کی ٹانگ باندھ دی جائے اور اُسے گھسیٹ کر دولت آباد لے جایا جائے۔ حکم کی تعمیل ہوئی آندھے کو گھسیٹنے سے اُس کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے اور صرف ایک ٹانگ جو رسّی سے بندھی ہوئی تھی وہ دولت آباد پہنچ سکی۔

جب سلطان نے اپنے محل کی چھت پر جا کر دیکھا تو ساری دلی میں دھواں اُٹھ رہا تھا اور روشنی غائب تھی، تو کہنے لگا اب میرے کلیجے میں ٹھنڈک پڑی ہے۔

2. خوبیاں: وہ ایک اچھا سپہ سالار تھا اس وجہ سے اُس نے 27 سال تک حکومت کی۔ فیاضی میں حاتم ثانی تھا۔ اُس نے ہزاروں مسافر خانے بنوائے، ڈاک کا انتظام بہتر کیا وہ پانچوں وقت کا پکا نمازی تھا۔ پکا روزہ دار تھا۔ اُس نے شراب اور نشیلی چیزوں کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا۔ عربی اور فارسی کا عالم تھا اور فارسی کا شاعر بھی تھا۔ اُسے ہزاروں اشعار یاد تھے مریضوں کا علاج بھی کرتا تھا وہ ایسے متضاد صفتوں کا مالک تھا۔ جو ایک انسان میں مشکل سے ملتی ہیں۔ گویا یہ ایک عجوبہ انسان تھا۔

سلطان کے متعلق مؤرخوں کے خیالات

1- **مشہور سیاح ابن بطوطہ:۔** ابن بطوطہ جب ہندوستان آیا تب یہاں سلطان محمد شاہ تغلق کی

حکومت تھی۔ وہ ایک طرف سلطان کی سخت گیری کا ذکر کرتا ہے تو دوسری طرف اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے کہ ”ایک ہندو امیر نے سلطان پر دعویٰ کیا کہ اس کے بھائی کو سلطان نے بلا سبب مار ڈالا ہے، قاضی نے سلطان کو اپنے عدالت میں طلب کیا، وہ بغیر کسی پندار کے قاضی کی عدالت میں گیا اور وہاں جا کر اس سے سلام و تعظیم کی۔ اور قاضی کے سامنے ملزم کی حیثیت سے کھڑا ہوا، قاضی نے حکم دیا کہ سلطان مدعی کو راضی کرے ورنہ قصاص کا حکم دیا جائے گا، سلطان نے مدعی کو راضی کیا تو اس کو چھٹکارا ملا۔

2-**ابن بطوطہ :۔** سلطان نے مسافر خانے بنوائے جن میں ہندو ہو یا مسلمان۔ آرام کیا کرتے تھے ۔ ہر گھر کے پاس ایک کنواں تھا۔ جس پر ایک ہندو پانی پلاتا تھا۔ ہندوؤں کو کٹورے میں اور مسلمان کو اوک سے۔ جب وہ اشارے سے منع کرتے تو بند کر دیتا۔

(روزنامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ از رئیس احمد جعفری 705،603)

3- **ڈاکٹر تاراچند :۔** مشہور مورخ تاراچند نے سلطان محمد شاہ تغلق کے بارے میں لکھا ہے۔ ”وہ اپنے مذہب کی پوری طرح پیروی کرتا اور اس کی خانگی زندگی بے عیب تھی۔ وہ متعصب ہرگز نہیں تھا۔ ہندوؤں کے ساتھ اس نے رواداری کا سلوک کیا اور ان کی معاشرتی زندگی کی اصلاح کرنے کی کوشش کی۔ اس نے ستی کی رسم کو موقوف کرنا چاہا۔ ایک ہندو کو اس نے سندھ کا گورنر مقرر کیا اور دوسروں کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔ (مختصر تاریخ اہل ہند از ڈاکٹر تاراچند۔ انگریزی)

4-**پرتگالی مصنف نونیز :۔** سلطان محمد شاہ تغلق نے گجرات کی مہم کے زمانے میں ایک شوالہ بھی بنوایا تھا۔ (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات)

5-**ضیاء الدین برنی :۔** برنی کے مطابق سلطان نے دیوگیر کا نائب وزیر دھارا کو اور دیوانی وزارت کے عہدے پر پیرامالی کو مقرر کیا تھا۔

6-**پروفیسر ایشوری پرساد :۔** مشہور مورخ ایشوری پرساد نے سلطان محمد تغلق کے عہد پر تبصرہ کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے کہ ”سلطان نے ہندوؤں کے خلاف کوئی نازیبہ روش نہیں اختیار کی تھی بلکہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور ان کو عہدے دیئے۔ اس نے ستی کی رسم پر بھی روک لگائی جو اس کی روشن خیالی کی دلیل ہے“۔

129 سلطان فیروز شاہ تغلق (752ھ تا 789ھ) 1352ء تا 1387ء

سلطان فیروز شاہ نے 1352ء میں تاج اپنے سر پر رکھا۔ 21 دن تک دلی میں بادشاہ کی آمد پر جشن منایا گیا۔ یہ ایک نیک دل انسان تھا پہلے تو اُس نے بادشاہت سے انکار کر دیا، مگر اُمراء کے زور دینے پر راضی ہو گیا اور سارے شہر میں خوشی منائی گئی۔

فیروز شاہ سلطان غیاث الدین کے چھوٹے بھائی کا لڑکا تھا جو ایک نو مسلم راجپوت بی بی نائلہ کے تن سے پیدا ہوا تھا۔ غیاث الدین کو اس بھتیجے سے اور بھتیجے کو چاچا سے بہت محبت تھی، کیوں کہ غیاث الدین نے اُسے پالا پوسا تھا۔ جب بادشاہ دلی پہنچا تو بغاوت کے جرم میں خواجہ جہاں نے معافی مانگنی چاہی۔ معافی مانگنے کے لئے اُس نے اپنی پگڑی گلے میں ڈال رکھی تھی اور سر مُنڈوایا ہوا تھا اور ننگی تلوار گلے میں ڈالے کھڑا تھا۔ بادشاہ نے اُسے معاف کر دینا چاہا مگر شیر خان نے اُسے قتل کر دیا۔ فیروز شاہ کو انسانی خون بہانے سے نفرت تھی۔

1. جنگ سے نفرت: فیروز شاہ کہتا تھا کہ حکومت کو وسیع کرنے سے کہیں زیادہ بہتر یہ ہے کہ جو حکومت قبضہ میں ہو اس کا انتظام بہتر سے بہتر کرنے کی کوشش کی جائے اور وہ ساری عمر اسی اُصول پر پابند رہا رعایا خوش حال رہے اور ملک میں جنگ اور خون ریزی نہ ہو۔ وہ لوگوں کی آہ و بکا کی آوازیں سنتا تو اُس کا دل خوفِ خدا سے لرزنے لگتا تھا۔ وہ بنی نوع انسان کا بہت بڑا ہمدرد تھا، بادشاہ نے افسروں، عہدہ داروں کو تنخواہ کے ساتھ زمین اور جاگیریں بھی عطا کیں۔ اُس کے قانون شرعی اسلام کے مطابق تھے۔

2. شہر بسانے کا شوق: فیروز شاہ تغلق نے بہت شہر بسائے جیسے فیروز آباد، فتح آباد، جونپور اور حصار وغیرہ اور اس نے بہت راجپوت خاندان والوں کو مسلمان بنا کر بڑے بڑے عہدے اور بڑی بڑی جاگیریں عطا کیں جو آگے چل کر خود مختار بادشاہ اور حاکم بنے، جیسے احمد آباد گجرات کا احمد شاہ کا خاندان راجپوت تھا اور وہ فیروز تغلق کے زمانہ میں مسلمان ہوئے تھے۔ فیروز شاہ نے ایک عجائب گھر بھی قائم کیا تھا جس میں ایک بونے آدمی کا سر تین آدمیوں کے سر کے برابر تھا۔ دو۔ داڑھی والی عورتیں بھی تھیں۔ ایک دراز قد کا آدمی تھا جس کا قد دو آدمیوں کے برابر تھا۔ ایک لال چونچ کا سیاہ کوا تھا۔ ایک پانچ پاؤں کی گائے اور تین ٹانگ کی بکری تھی۔

3 **قائم خانی:** فتح پور اور جھونجھونوں کے نوابوں کا خاندان چوہان تھا۔ کرم چند "ددریوا" کے راجہ موٹے راؤ چوہان کا بڑا لڑکا تھا جب وہ مسلمان ہو گیا تو فیروز شاہ نے اس کے نام کرم کی نسبت سے قائم رکھا اور وہ کرم چند چوہان سے قائم خاں چوہان بن گیا۔ قائم خاں کے پوتے نواب فتح خاں نے فتح پور کی بنیاد ڈالی تھی۔

("قائم راسا" جان کوئی نعمت خاں کی تصنیف)

4. **شاندار حکومت:** بادشاہ ہر وقت رعایا کا خیال رکھتا تھا اور اُس نے ایسے قانون رد کر دیئے جن سے رعایا کو تکلیف پہنچتی تھی۔ جب کوئی افسر یا ملازم مر جاتا تو وہ اُس کی جگہ اُس کے کسی بھی فرد یا رشتہ دار کو کام دیتا تھا۔ بیکار آدمیوں کے لئے اُس نے محکمہ قائم کیے، نیز کارخانے لگائے۔ غریب لڑکیوں کی شادی کا دفتر قائم کیا۔ شفاء خانے اور خیرات خانے بھی قائم کیے۔ آخر یہ تغلق حکومت 1414ء میں ختم ہو گئی۔

130 امیر تیمور (لنگ) کا حملہ (800ھ تا 801ھ) 1398ء تا 1399ء

تیمور لنگ کی سلطنت دریائے ولگا سے دریائے گنگا تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ 12 ہزار فوج لے کر ہندوستان کی جانب روانہ ہوا اور سندھ سے ملتان پہنچا۔ اُس نے ملتان کے باشندوں پر دو لاکھ روپے جرمانہ کیا۔ جب جرمانہ پورا وصول نہ ہوا تو اُس نے شہر کو اچھی طرح سے لوٹا اور آگ لگا دی۔ اس کے بعد تیمور پاک پٹن کی طرف بڑھا۔ تاکہ حضرت شیخ فریدالدین شکر گنج کے دربار پر حاضری دے اور فتح کا سلسلہ شروع کرے۔ جیسے ہی تیمور پاک پٹن کی طرف آیا، لوگ خوف کے مارے بھاگ گئے۔ اس طرح لوٹتا اور تلوار سے قتل کرتا ہوا دلی پہنچا اور جب اُس کا لشکر جہاں نما کے پاس آیا تو حکم دیا کہ اُسے مسمار کر دو۔ جہاں نما فیروز شاہ کی بنائی ہوئی ایک خوبصورت عمارت تھی۔ جو دلی سے پانچ میل کے فاصلے پر تھی۔ چنانچہ عمارت کو مسمار کر دیا گیا اور گاؤں میں آگ لگا دی گئی۔

اس کے بعد قلعہ لونی کی جانب بڑھا۔ اس قلعہ کا حاکم میمون راجپوت تھا۔ اس نے سب سے پہلے اپنی بیوی اور بچے کو ایک مکان میں بند کر دیا اور پھر اُس میں آگ لگا دی تاکہ کوئی راجپوت تیمور کے ہاتھ نہ آئے۔ اس کے بعد اُس نے تیمور کا مقابلہ کیا اور مارا گیا۔ تیمور نے لونی فتح کیا، لوٹا اور آگ لگا دی۔ تیمور جب دلی کی طرف بڑھا تو اقبال ملو نے مقابلہ کیا۔ مگر اُس کی فوج تیمور کی فوج کے سامنے

نہ ٹک سکی اور اقبال ملو فرار ہو گیا۔ اب تیمور کیمپ میں گیا تو ایک لاکھ ہندوستانی غلام اُس کے قبضہ میں آ گئے ۔ اب فرمان تھا کہ اگر ذرا بھی تیموری لشکر میں کمی آ جائے گی تو یہ غلام مل کر تباہی مچا دیں گے۔ لہٰذا اُن سب کو یعنی ایک لاکھ ہندوستانی غلاموں کو صبح سے دوپہر تک قتل کر دیا گیا۔ اس طرح بے گناہوں کا خون بہایا گیا۔ آخر کار تغلق خاندان کا آخری بادشاہ محمد شاہ کو شکست ہوئی بادشاہ گجرات بھاگ گیا۔ اور اقبال ملو نے بلند شہر میں جا کر پناہ لی۔

دلی کی تباہی و بربادی کی داستان امیر تیمور نے جعفر نامہِ تیموری میں لکھتا ہے کہ دلی کی لوٹ کا یہ حال تھا کہ لشکر کے لوگ 150 مرد وزن اور بچوں سے کم پکڑ کر اور غلام بنا کر نہیں لاتے تھے۔ لوٹ کے مال میں طرح طرح کے جواہرات، موتی، یاقوت، الماس، قیمتی کپڑے، سونے چاندی کے برتن اور اشرفیاں بے حد اور بے حساب ہوتی تھیں۔ لوٹ میں جو عورتیں ہاتھ لگی اُن کے ہاتھ پاؤں سونے چاندی کے کنگنوں پازیبوں سے سجے ہوئے تھے اور اُن کی انگلیاں قیمتی انگوٹھیوں اور چھلوں سے لدی ہوئی تھی۔ چار پانچ روز تک اس قتل و خون و غارت گیری کے بعد امیر تیمور محل سے باہر نکلا تو شہر تمام غارت گیری سے خاموش ہو چکا تھا اور دلی اُجڑ چکی تھی۔ شہر کو لوٹ کر اور آگ لگا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا گیا تھا۔ ایک مصنف نے لکھا تھا۔ ”تیمور نے دلی کی ایسی حالت کر دی تھی کہ اب کسی بھی پرندے میں یہ ہمت نہیں تھی کہ وہ اپنا پر ہلا سکے۔“

پندرہ دن دلی میں رُکنے کے بعد 1399ء میں وہ میرٹھ پہنچا اور الیاس افغان جو قلعہ میرٹھ کا حاکم تھا اُس کو شکست دے کر لوٹ مار اور ویران کرتا ہوا اپنے وطن واپس لوٹ گیا۔

امیر تیمور کی خصوصیات:۔ تیمور عالم، مولویوں اور شاعروں کی عزت کیا کرتا تھا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے تلوار اور قلم چلانے میں ماہر تھا۔ دشمن پر جنگ کے دوران دونوں ہاتھوں سے ایک ساتھ تلوار کا استعمال کیا کرتا تھا۔ تیمور سید امیر کلالؒ اور فارسی کے مشہور شاعر حافظ شیرازی سے بھی ملاقات کر چکا تھا۔ جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

عیسائی پیشواء:۔ سلطانیہ کے عیسائی پیشوا ”سقفِ اعظم“ جب تیمور کی حضوری میں پیش ہوا تو تیمور

نے اس کی بہت عزت کی اور بہترین کھانا کھلایا مگر کھانا کھانے کے بعد مسیحی پیشوا نے تیمور سے کہا اے تیمور! تو جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اور خدا پر یقین رکھتا ہے تو پھر خدا کے بندوں کا قتل عام کیوں کرتا ہے۔ تیمور نے جواب دیا جو مسلمان ہو کر پھر جاتا ہے میں اسے قتل کروا دیتا ہوں۔ تو اے مسیحی پیشوا! جا اور خدا کا شکر ادا کر کہ تیرا تعلق علماء کی جماعت سے ہے، ورنہ میری آنکھوں کے سامنے تیری زندہ کھال اتار دی جاتی۔ لہٰذا تیری خطا سے چشم پوشی کرتا ہوں۔ بعد میں اسقفِ اعظم نے تیمور سے معافی مانگی لہٰذا اسے سمرقند جانے کی اجازت دے دی گئی۔

ظالم حکمراں:۔ تاشقند کی لڑائی 768ھ میں تیمور کا بایاں پاؤں زخمی ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے تیمور کو تیمور لنگ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ تیمور نے تاشقند میں قتل عام کروایا۔ وہ اپنی سرگزشت میں خود لکھتا ہے کہ مجھ جیسا شخص جو حافظ قرآن بھی ہے اور فقیہ ہونے کا دعویٰ بھی کرتا ہے۔ پھر اتنی جانوں کا قتل کیوں کرواتا ہے۔ مگر جان لو! کہ حکومت کرنے کے کچھ اصول بھی ہوتے ہیں۔ تاکہ لوگ حاکم سے ڈرتے رہیں۔ میں نے سمرقند میں خوبصورت مساجد کی بنیاد رکھی اور بخارا اور تاشقند کو بھی خوبصورت بنایا۔

131 سید خاندان (817ھ تا 855ھ) 1414ء تا 1451ء

سید خاندان نے لگ بھگ 36 سال حکومت کی۔ اُن کی حکومت بہت کمزور حکومت رہی۔ اس حکومت کا بانی خضر خاں تھا جو تمام عمر بغاوتوں کو مٹانے میں ہی لگا رہا۔

لودھی خاندان (855ھ تا 933ھ) 1451ء تا 1526ء

132 بہلول لودھی (855ھ تا 894ھ) 1451ء تا 1488ء

بہلول لودھی کا باپ اس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی مر گیا تھا۔ جس کا نام ملک کالا تھا۔ اُس کی بیوی پر مکان کی چھت گر گئی تھی، اس لئے اُس کی موت ہو گئی۔ مگر بچہ پیٹ چاک کر کے نکال لیا گیا۔ جس کا نام بہلول لودی تھا۔ اس نے 38 سال حکومت کی تھی۔ اس کی حکومت شملہ، جمنا اور ہمالیہ تک تھی، مشرق میں بہار تک، مغرب میں پنجاب اور ملتان تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ اس خاندان کا پہلا بادشاہ تھا۔ جس نے ایک مضبوط حکومت قائم کی تھی۔

133 سکندر لودھی (894ھ تا 923ھ) سن 1488ء تا 1517ء

اس کی ماں بی بی زیبا ایک سنار کی بیٹی تھی۔ سکندر لودھی کی حکومت میں ہندوؤں نے بھی فارسی پڑھی۔ آپ نے آگرہ کی بنیاد 911 ہجری 1505ء میں رکھی۔ آپ کا انتقال بھی آگرہ ہی میں 1517ء میں ہوا۔ آپ نے 29 سال تک حکومت کی اور اُس کو بہت وسیع کیا۔ سکندر لودھی کے زمانہ میں کبیر داس نے اپنا ایک گرنتھ لکھا تھا اور وہ 1518ء میں گورکھ پور کے قریب مگھ میں فوت ہوا۔ اسی زمانہ میں 1516ء میں جیب گھڑی ایجاد ہوئی تھی۔

134 ابراہیم لودھی (923ھ تا 933ھ) سن 1517ء تا 1526ء

یہ آگرہ میں تخت پر بیٹھا۔ گوالیر پر حملہ کر کے فتح حاصل کر لی، اور اُس نے چھوٹے بھائی جلال الدین کو قید کیا اور پھر اُسے قتل کرا دیا گیا۔ سکندر لودھی کے زمانے کے جو حکمرانِ سلطنت تھے اُنہیں دھوکے سے بلا کر ایک مکان میں بند کر دیا، اور پھر اُسے بارود سے اُڑا دیا۔ ایک بار ابراہیم لودھی کا چچازاد بھائی قید سے بھاگ کر بابر کے پاس پہنچا اور اُس نے ابراہیم لودھی کے ظلم کو بتلایا اور کہا کہ اس نے تمام حکمرانِ سلطنت کو بنا کسی وجہ کے قتل کروایا اور تمام خاندان کو تباہ و برباد کر دیا۔ اس لئے آپ مہربانی کر کے تشریف لائیں۔ اسی طرح چتوڑ کے راجہ رانا سانگا نے بھی بابر کو ہندوستان میں آنے کی دعوت دی۔ اور کہا کہ راجپوتوں کا ہر بچہ آپ کا ساتھ دے گا۔ بابر نے 1526ء میں پانی پت کے میدان میں آ کر ابراہیم لودی کی ایک لاکھ فوج کا مقابلہ کیا۔ اور ابراہیم لودھی مارا گیا۔ جب کہ بابر کے پاس صرف دس ہزار فوج تھی اور توپ خانے بھی تھے۔ لودھی حکومت نہ جاتی اگر ابراہیم لودھی جیسا ظالم بادشاہ پیدا نہ ہوا ہوتا۔

مغل خاندان (پہلا دور) 933ھ تا 947ھ، 1526ء تا 1540ء

135 شہنشاہ ظہیر الدین بابر (933ھ تا 937ھ) 1526ء، 1530ء

یہ تیمور کا پوتا تھا۔ تیمور کے مرنے کے بعد اس کی حکومت چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ گئی تھی

۔ باپ کے مرنے کے بعد 899ھ مطابق 1493ء میں 12 سال کی عمر میں بمقام اندرجان حکومتِ فرغانہ کے تخت پر بیٹھا، اُس میں تاشقند بھی شامل ہے۔

بابر نے ابراہیم لودھی کو 933ھ 1526ء میں پانی پت کے میدان میں شکست دے کر دلی پر فتح حاصل کی اور اُس کے بعد آگرہ کو فتح کیا اور ابراہیم لودھی کا خزانہ لوٹا۔ لوٹے ہوئے خزانہ کا مال فوج کے ہر سپاہی کو، خراساں اور سمرقند۔ کے اُمراء میں اور عام جنتا میں بانٹا گیا اور کوئی فرد اس سے محروم نہیں رہا۔

ابراہیم لودھی کی ماں نے شاہی باورچیوں سے ساز باز کر کے بابر کو کھانے میں زہر دے دیا۔ بابر کو اُلٹی پر اُلٹی ہونے لگی۔ زہر دینے کی اس سازش میں دو مرد اور دو عورتیں تھی۔ بابر نے چاروں کو قتل کروا دیا۔ بابر بچ گیا اور اُس نے ابراہیم لودھی کی ماں کی تمام جاگیر اور جائیداد ضبط کر لی اور اُسے قید میں ڈال دیا۔

.1 رانا سانگا سے جنگ: چتوڑ کا راجہ رانا سانگا چاہتا تھا کہ اب بابر کابل چلا جائے اور ہندوستان میں راجپوتوں کی حکومت قائم ہو جائے اس لئے یہ جنگ 933ھ 1526ء میں ہوئی۔ اور جنگ میں رانا سانگا فرار ہو گیا۔

.2 میوات اور چندیری کی جنگ: یہاں الیاس خان نے میواتی راجاؤں سے ساز باز کر کے فتنہ پھیلا رکھا تھا۔ الیاس خان کو گرفتار کر لیا گیا اور بابر نے اُس کی کھال کھنچوا دی۔ اس کے بعد 934ھ 1527ء میں چندیری پر فتح حاصل کر لی گئی۔

.3 شیر شاہ بابر کی دعوت میں: بابر کے زمانے میں شیر شاہ مغلوں کی فوج میں سردار ہو گیا تھا اُسے ایک دفعہ بادشاہ بابر کی دعوت میں شامل ہونے کا موقع ملا۔ اُس دعوت میں بھنی ہوئی مرغی کو شیر شاہ نے خوب مزے لے لے کر کھانا شروع کیا اور وہ چاقو سے کاٹ کاٹ کر بے تکلف کھانے لگا۔ اچانک بابر کی نظر شیر شاہ پر پڑی تو وہ اسے دیکھتے ہی رہ گیا۔ اُس نے اپنے وزیر سے کہا کہ دیکھو تم اس سردار سے ہوشیار رہنا اور ہمیشہ اس پر نظر رکھنا۔ مجھے اس کی نظر سے بادشاہی کے آثار ٹپکتے دکھائی دیتے ہیں۔ میں نے بہت سے رئیس اور امیر دیکھے ہیں مگر مجھے اس جیسا رعب کہیں نظر نہیں آیا۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے ابھی گرفتار کر لیا جائے مگر وزیر نے جواب دیا، حضور اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ دیکھ کر شیر شاہ سمجھ گیا اور وہ موقع پا کر وہاں سے کھسک گیا۔

بابر رعایا کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتا تھا۔ رعایا بھی اُسے اپنے باپ کی طرح ہی سمجھتی تھی۔ کیوں کہ بابر میں حکومت کرنے کی جتنی خوبیاں تھی وہ کسی ایک بادشاہ میں مشکل سے ملتی ہیں۔

4. ہمایوں کی خطرناک بیماری: بابر کا لڑکا ہمایوں 936ھ 1529ء میں ایسا بیمار پڑا کہ اس کے بچنے کی کوئی اُمید ہی نہیں رہی۔ لہذا بابر نے خود کو صدقہ کر دیا اور اپنے رب سے رو رو کر اُس کی تندرستی کی دُعا مانگی۔ کہتے ہیں کہ اُس کی دعا قبول ہوئی، اور اُس دن سے ہمایوں ٹھیک ہوتا گیا اور بابر بیمار ہوتا گیا۔ بابر نے ہمایوں کو نصیحت کی اور اپنا ولی عہد قائم کیا اور 26 ستمبر 1530ء جمنا کے کنارے آگرہ کے باغ میں انتقال کر گیا۔ جنازہ آگرہ سے کابل لایا گیا اور وہیں دفن کیا گیا۔ شہنشاہ جہانگیر نے اپنے دور حکومت میں بابر کی قبر پر ایک نہایت ہی شاندار مقبرہ بنا دیا۔ جو دنیا کی بے مثال عمارتوں میں گنا جاتا ہے۔

136 شہنشاہ ہمایوں (937ھ تا 947ھ) 1530ء تا 1540ء

تخت پر بیٹھنے کے وقت ہمایوں کی عمر 24 سال تھی اور وہ 1530ء میں گدی پر بیٹھا۔ شیر خان افغانی دن بہ دن اُس کے لئے خطرہ بنتے جا رہا تھا اور 1536ء میں اُس نے بہار اور جونپور پر اپنا قبضہ کر لیا تھا۔

ہمایوں چنار گڑھ میں رہا اور مشکل سے 1537ء میں قلعہ چنار گڑھ فتح کیا گیا اور دونوں میں صلح ہوئی۔ بنگال اور بہار کے سارے ملک شیر خان کو دے دیئے۔ اس کے علاوہ شیر خان کو قلعہ چنار بھی دے دیا گیا اور شیر خان نے ہمایوں کو اپنا بادشاہ مان لیا۔

راکھی کی لاج:۔ جب ہمایوں بنگال کے باغی پٹھانوں سے لڑنے بہار گیا تھا۔ تب بہادر شاہ گجراتی نے چتوڑ کے قلعے پر حملہ کر دیا۔ جب رانا سانگا کی رانی کرناوتی اپنے راج پوت سرداروں سے مشورہ کر رہی تھی۔ تب تمام سردار خاموش اور ڈرے ہوئے تھے۔ رانی بولی۔ ''ٹھہرو! پہلے سردار فتح خاں کو آنے دو اس کے بعد ہی فیصلہ کیا جائے گا''۔ اچانک سردار فتح خاں وہاں آپہنچا۔ وہ بولا ''راج ماتا۔ بہادر شاہ گجراتی کی فوج کا ہم مقابلہ نہیں کر سکیں گے''۔ مجمع میں سناٹا چھا گیا۔ رانی گہری سوچ میں پڑ گئی اور مایوس ہو گئی۔ سردار فتح خاں پھر بولا ''راج ماتا ایک راستہ ہے'' سب کی نظریں فتح خاں کی طرف اٹھ گئی۔ فتح خاں چتوڑ کا پرانا مسلمان سردار تھا جس کی وفاداری اور بہادری پر پورے چتوڑ کو ناز تھا۔

’’راج ماتا۔ آپ نے گزشتہ سال ہمایوں کے ہاتھ پر راکھی باندھی تھی اور اسے اپنا بھائی بنایا تھا۔ ہمایوں بہادر باپ کا بیٹا ہے۔ وعدے کا پکا ہے۔ وہ اپنی بہن کی مدد کو ضرور آئے گا۔‘‘ راج پروہت، پنڈت ہنومان فوراً بولے۔ ’’فتح خاں۔ کیا تم بھول گئے، ہمارے چاچا رانا سانگا نے ہمایوں کے باپ بابر سے جنگ کی تھی۔ پھر ہمایوں ہندو رانی کی مدد کیسے کرے گا‘‘؟ رانی نے پروہت کو خاموش کر دیا اور فتح خاں سے بولی۔ ’’فتح خاں تم ہمارا پیغام لے کر ہمارے بھائی ہمایوں کے پاس جاؤ۔ کہو تمھاری بہن مصیبت میں ہے۔ اپنی بہن کی لاج رکھو۔ چتوڑ کو بچانے آؤ‘‘ لہٰذا فتح خاں ایک تیز رفتار گھوڑے پر چتوڑ سے نکلا اور آگرہ پہنچا۔ ہمایوں بہار کے باغی پٹھانوں سے لڑ رہا تھا۔ فتح خاں بھی آگرہ سے بہار پہنچا اور ہمایوں کی خدمت میں حاضر ہو کر رانی کا پیغام سنایا۔

کہ! ’’بھائی ہمایوں۔ گجراتی کا لشکر چتوڑ تک آ پہنچا ہے۔ میں بڑی مصیبت میں ہوں۔ تم میرے بھائی ہو۔ راکھی کا حق ادا کرو اور چتوڑ کو بچانے آؤ۔ میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔‘‘ رانی کرناوتی کا پیغام سن کر ہمایوں گہری سوچ میں پڑ گیا۔ پھر مسکرایا اور اس نے اپنے گلے میں سے موتیوں کا ایک قیمتی ہار نکال کر فتح خاں کے ہاتھ پر رکھ دیا اور بولا۔ ’’یہ تحفہ ہماری چھوٹی بہن کو دے دینا اور کہنا کہ ہم آ رہے ہیں۔ انشاء اللہ چتوڑ ہماری بہن کے پاس ہی رہے گا۔‘‘ ہمایوں نے فتح خاں کو گلے لگایا اور واپس بھیج دیا۔ اور لشکر کو واپسی کا حکم دیا۔ راستہ بہت طویل تھا مگر ہمایوں کا لشکر طوفان کی طرح چتوڑ کی طرف آ پہنچا۔ تب تک بہادر شاہ گجراتی نے چتوڑ پر حملہ کر دیا تھا اور تیس ہزار راجپوت سپاہی مارے جا چکے تھے۔ ہمایوں نے گجراتی کے پایہ تخت مالوہ پر حملہ کر دیا۔ یہ خبر ملتے ہی گجراتی چتوڑ کی مہم چھوڑ کر مالوہ پہنچا۔ مگر شکست کھا کر بھاگ گیا۔ مالوہ پر ہمایوں کا قبضہ ہو گیا اور چتوڑ بچ گیا۔

جب ہمایوں چتوڑ آیا تو رانی کرناوتی جو بھائی کا انتظار کر رہی تھی۔ دونوں ہاتھ جوڑ کر قدموں میں گرنے لگی۔ مگر ہمایوں نے اسے تھام لیا۔ اور رانی کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دیں۔ رانی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ بولی۔ ’’ہماری قوم تمہارے اس احسان کو کبھی فراموش نہ کرے گی۔‘‘ اچانک رانی نے ہمایوں کے ہاتھ پر جب زخم دیکھا تو فوراً اپنی اوڑھنی سے ایک ٹکڑا پھاڑا اور اسے آنسوؤں سے بھگو کر

ہمایوں کے ہاتھ کے زخم پر باندھ دیا۔ ہمایوں نے رانی کا ہاتھ تھام کر کہا۔ ''اے ہماری بہن۔ ہماری نسلیں اس رشتے کو ہمیشہ یاد رکھیں گی۔ آج سے دلی اور چتوڑ کا رشتہ کبھی نہ ٹوٹے گا۔'' بہن کی مدد کے بعد جب ہمایوں آگرہ جانے لگا تو اس نے مالوہ بھی رانی کرناوتی کو تحفہ میں دے دیا۔ یہ تھی مسلمانوں کی رواداری، محبت و قربانی کی مثال جو تاریخ میں ہمیشہ یاد رہے گی۔ (جناب آصف فہمی دین و دنیا)

کاش حکومتِ ہند کرناوتی ایکسپریس کا نام ہمایوں کرناوتی ایکسپریس رکھ دیتی تو بھائی بہن کی محبت اور راکھی کی لاج رہ جاتی ہے۔

1539ء میں شیر خان نے ہمایوں پر گنگا کے کنارے پوری طاقت سے حملہ کر دیا۔ ہمایوں لڑتے وقت چاروں طرف سے گھر گیا اور اُس نے جان بچانے کے لئے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا تا کہ گنگا کے اُس پار پہنچ جائے۔ پانی زیادہ تھا، گھوڑا نیچے سے نکل گیا اور بادشاہ ڈبکیاں کھانے لگا۔ اچانک ایک سقّہ (بہشتی) نے اُسے دیکھ لیا اُس نے اپنی مشک میں ہوا بھر لی اور بادشاہ کو سوار کر کے اُس کی جان بچائی اور دریا پار کر لیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے سقّہ سے اُس کا نام پوچھا تو اُس نے جواب دیا کہ حضور میرا نام نظام ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ تم نظام نہیں بلکہ نظام الدین اولیاء ہو۔ تم نے میری جان بچائی ہے، میں جب بھی گدی پر بیٹھوں گا تجھے منہ مانگا انعام دوں گا۔ اس کے بعد بڑی مشکل سے بادشاہ آگرہ پہنچ گیا۔

1. ایک دن کا بادشاہ: نظام سقّہ جس نے بادشاہ کی جان بچائی تھی۔ بادشاہ نے اپنے وعدے کے مطابق نظام کو ایک دن کے لئے آگرہ کے تخت پر بٹھا دیا۔ اور اُسے حکمرانی کے سارے اختیارات دے دئے۔ نظام نے ایک دن کی بادشاہت کے اندر اپنی برادری کے لوگوں کو کافی انعامات دیئے۔ اُس نے مشک کترا کر چمڑے کے سکّے ایجاد کئے اور سکّوں پر اپنا نام اور سلطنت کا نام کھدوایا۔ یہ واقعہ 27 جون 1539ء کا ہے۔

اس واقعے سے بادشاہ کے سارے خاندان کو بہت دکھ ہوا۔ اُدھر شیر خان دلی پر قابض ہو گیا۔ مگر مغلوں کی حکومت لاہور سے کابل اور قندھار تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہاں امرکوٹ میں ہمایوں کے ایک لڑکا اکبر 15 اکتوبر 1542ء میں پیدا ہوا۔ اُس کی ماں حمیدہ بیگم بلا کی خوبصورت اور حسین تھی۔

مرزا عسکری ایک سال کی عمر کے بچے اکبر کو 1543ء میں قندھار لے گیا اور اپنی بیگم سلطانہ کے سپرد کر دیا۔ جس کو بیگم نے اپنی اولاد کی طرح پالا۔ اس کے بعد ہمایوں ہندوستان چھوڑ کر 1543ء میں ایران چلا گیا۔

پٹھان حکومت (947ھ تا 965ھ) سن 1540ء تا 1557ء

137 شیر شاہ سوری (947ھ تا 952ھ) سن 1540ء تا 1545ء

شیر شاہ کا باپ ایک حسین لونڈی کی محبت میں گرفتار ہو گیا تھا۔ اس وجہ سے نہ تو وہ شیر شاہ کو اور نہ اُس کی ماں کو پوچھتا تھا۔ اس لئے شیر خان باپ سے ناراض ہو کر جمال خان جو جونپور کا حاکم تھا اُس کے پاس چلا گیا اور وہاں اُس نے فارسی عربی اور فلسفہ اور تاریخ پڑھی اور اس میں کافی کامیابی حاصل کی۔ اس وجہ سے وہ پٹھانوں میں عالم اور فاضل سمجھا جانے لگا۔

1. شیر شاہ کا ویگر کے قلعہ پر قبضہ: یہ قلعہ تاج خان کی بیوہ لاڈو بیگم کے قبضے میں تھا۔ جب اُس کے سوتیلے بیٹے ناراض ہو گئے تو اُس نے شیر شاہ سے نکاح کر لیا۔ اس طرح یہ قلعہ بھی شیر شاہ کو مل گیا۔ بیگم نے شیر شاہ کو 150 من قیمتی جواہرات، 7 من موتی، 150 من سونا اور بہت سی قیمتی چیزیں دے دی۔ اس طرح شیر شاہ کو قلعہ، خزانہ اور فوجی طاقت مل گئی۔ اس کے علاوہ سلطان بہلول لودھی کے بھانجے کی بیٹی بی بی فتح ملکہ، جس کے پاس بے اندازہ زر و جواہرات تھے۔ وہ بھی اپنا سارا خزانہ لے کر شیر شاہ کی پناہ میں آ گئی۔ اب شیر شاہ ایک طاقت ور بادشاہ بن گیا تھا اور جب ہمایوں اُس کے مقابلے میں آیا تو اُسے دوبارہ بھاگنا پڑا، شیر شاہ نے مالواڑ، چتوڑ اور کالنجر پر بھی قبضہ کر لیا۔

2. کالنجر پر حملہ: کالنجر کے قلعہ پر 952ھ 1545ء میں جب شیر شاہ کے حکم سے آگ کے گولے مارے جا رہے تھے۔ تب اُن میں اچانک ایک جلتا ہوا آگ کا گولہ دیوار سے ٹکرا کر اُلٹا گرا اور جہاں دوسرے آگ کے گولے رکھے ہوئے تھے اُن سب میں آگ لگ گئی۔ جس کی لپیٹ میں آنے والے بہت سے لوگوں کے ساتھ شیر شاہ بھی آگ سے جل گیا۔ آخر شام تک قلعہ تو فتح کر لیا گیا مگر بادشاہ زخموں کی تاب نہ لا کر 22 مئی 1545ء کو انتقال کر گیا۔

3. حکومت پر ایک نظر: شیر شاہ کو جنگ کا نقشہ بنانے میں کمال حاصل تھا۔ اُس پر ہندوستان فخر کر سکتا ہے۔ وہ رعایا کا بہت خیال رکھتا تھا۔ کسانوں پر بہت مہربان تھا۔ ایک دفعہ ایک سپاہی نے ایک کسان کی کھیتی میں سے چند گیہوں کی بالیں توڑ لیں۔ بادشاہ نے اُس سپاہی کے کان میں وہ بالیں ڈال کر فوج میں گشت کروایا، تاکہ کوئی سپاہی کسی پر زیادتی نہ کرے۔ کسی حاکم کو زیادہ دنوں تک ایک جگہ نہیں رہنے دیتا تھا۔ تاکہ رشوت اور بدنظمی نہ بڑھے۔ گناہ گاروں کو وہ سخت سزا دیتا تھا۔ جس علاقے میں چوری یا قتل ہوا ہو اُس کی مکمل ذمہ داری وہاں کے حاکم پر ہوتی تھی۔ ایک مورخ نے شیر شاہ سوری کی بے خوف حکومت کے بارے میں لکھا ہے کہ "اگر کوئی بڑھیا سونے کا تھال بیچ سڑک پر رکھ کر سو جاتی تو کسی چور یا ڈاکو میں اتنی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ اُس تھالی کو چھو سکے"۔ انصاف کی نظر میں وہ اپنے بیٹے اور ایک معمولی انسان کو برابر سمجھتا تھا۔

ایک دفعہ اُس کا لڑکا عادل خاں ہاتھی پر سوار ہو کر آگرہ کے کسی راستے سے گزر رہا تھا۔ سامنے ایک کچے مکان میں ایک بقال کی بیوی برہنہ ہو کر نہا رہی تھی۔ جب شہزادے کی نظر اُس پر پڑی تو اُس نے ایک پان کا بیڑا پھینک کر مارا۔ بقال جب گھر آیا تو اُس کی عورت نے اُسے یہ واقعہ بتلایا۔ بقال وہ بیڑا لے کر شاہ کے دربار میں پہنچا اور ساری حقیقت بیان کر دی۔ شیر شاہ نے عادل کی بیوی کو بھی اسی طرح نہانے کا حکم دیا۔ وزیر اور شاہی محل کی عورتوں نے بادشاہ سے عادل کا قصور معاف کرنے کو کہا، مگر بادشاہ نے انصاف کا دامن نہیں چھوڑا۔ آخر بقال نے خود بادشاہ سے عادل کو معاف کرنے کی سفارش کی۔ تب اُسے معاف کیا گیا۔

4 فلاحی کام: اُس نے جنتا کے لئے سڑکیں بنوائی۔ ایک سڑک پیشاور سے بنگال تک تو دوسری آگرہ سے برہان پور تک۔ اسی طرح آگرہ سے جودھپور اور چتوڑ گڑھ تک، لاہور سے ملتان تک کی سڑکیں اُسی کی یاد تازہ کرتی ہیں اتنا ہی نہیں سڑکوں کے کنارے سایہ دار درخت بھی لگوائے۔ مسافروں کے لئے 1700 سرائیں اور مسافر خانے بنوائے جہاں ہندوؤں کے لئے برہمنوں کو سرکاری نوکری دے کر مسافر خانوں پر قائم کئے گئے۔ جو مسافروں کے لئے پانی گرم کرتے، رسوئی بناتے اور بچھونا بچھا

کر مسافروں کی خدمت کرتے تھے۔ دروازے پر پانی کی سبیل لگی رہتی تھی، جہاں ہندو مسلم سماج کے مطابق اُن کی خدمت کی جاتی تھی۔ یہ سارا خرچ شاہی حکومت کی طرف سے کیا جاتا تھا۔ ایک انگریز مسٹر ڈبلیو کروکس نے یہ کہہ کر شیر شاہ پر کوئی احسان نہیں کیا کہ ''اس نے اپنے پانچ سالہ دورِ حکومت کے مختصر عرصہ میں وسیع اصلاحات کیں وہ اس کی انتظامی لیاقت کا حیرت ناک ثبوت ہے۔'' اس سلسلہ میں کین کا یہ قول نقل کیا جاتا ہے کہ ''کسی حکومت نے حتیٰ کہ برطانوی حکومت نے بھی اس قدر فہم و فراست کا ثبوت نہ دیا تھا جتنا کہ اُس پٹھان نے دیا''۔ لہٰذا کوئی مورخ شیر شاہ کے اس حق سے انکار نہیں کر سکتا کہ وہ اکبر سے پہلے کے سارے مسلمان حکمرانوں میں سب سے معروف روشن خیال اور بہادر تھا۔ اُس کے زمانے میں ہندو مسلم ایکتا ہندوستان کے کونے کونے میں نظر آتی تھی۔ آخر پانچ سال حکومت کرنے کے بعد غریبوں کا یہ مسیحا 1545ء میں اس دنیا سے کوچ کر گیا۔

138 اسلام شاہ سوری 1545ء تا 1554ء

اسلام شاہ 26ر مئی 1545ء کو تخت پر بیٹھا۔ وہ اپنے باپ کا ایک لائق جانشین تھا۔ ادب کا شائق اور ادیبوں کا مربّی تھا۔ اس نے ادبی حلقوں میں ایک بلند مقام پیدا کر لیا تھا۔ وہ مسخروں، ڈومنوں اور رقاصوں کی صحبت پسند نہیں کرتا تھا۔ اس میں بہت سی خامیاں بھی تھی اس نے نیازی خاندان کی عورتوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ وحشیانہ اور شرم انگیز تھا۔ اسلام شاہ کو 1553ء میں ناسور ہو گیا تھا۔ بہترین طبی علاج کروانے کے باوجود مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی اور 1554ء میں ہی گوالیار میں فوت ہو گیا۔

139 محمد شاہ عادل (952ھ تا 962ھ) 1554ء تا 1555ء

محمد شاہ 1553ء میں تخت پر بیٹھا۔ وہ بالکل جاہل کمینہ، عیاش قسم کا شخص تھا۔ اُس نے تخت پر بیٹھتے ہی فضول خرچی میں اور عیاشی میں سارا خزانہ برباد کر دیا۔ آخر وہ 1555ء میں مارا گیا اور پٹھان حکومت دم توڑتے ہوئے 1555ء میں ختم ہو گئی۔

مغل خاندان کا دوسرا دور

140 شہنشاہ ہمایوں (962ھ تا 963ھ) 1555ء تا 1556ء

جیسا کہ ہمایوں شیر شاہ سے ہار کر 1540ء میں ہندوستان چھوڑ کر ایران چلا گیا تھا۔ وہ دوبارہ 1555ء میں ہندوستان کا بادشاہ بنا۔ ایک دن اچانک بادشاہ دلی کے شاہی کتب خانے کی سیڑھیوں سے 20 ر جنوری 1556ء کو گرا اور گرتے ہی انتقال کر گیا۔ مگر مغل حکومت دوبارہ قائم کر گیا۔

141 شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر (964ھ تا 1014ھ) سن 1556ء تا 1605ء

اچانک بادشاہ ہمایوں کے مرنے پر اکبر پونے چودہ سال کی عمر میں 1556ء میں تخت پر بیٹھا۔ اُس وقت ہیمو بقال نے دلی کا سارا علاقہ فتح کر لیا تھا اور اب اکبر اور بیرم خان کا مقابلہ کرنے کے لئے وہ پانی پت کے میدان میں پہنچا مگر ہار گیا اور اکبر نے دلی آگرہ، لکھنؤ اور بہت سے علاقے جیت لئے۔ اس جیت میں بیرم خان کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ کچھ سالوں بعد اکبر نے بیرم خان کو 1560ء میں نکال دیا اور حکومت کی تمام باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔

اکبر نے رنتھمبور کا قلعہ بھی فتح کر لیا اور اس کے بعد خواجہ غریب نوازؒ اجمیر کی زیارت کی۔ پھر شیخ سلیم چشتی کی زیارت کے لئے آگرہ سے فتح پور سیکری گیا۔ وہاں سیکری میں 975ھ مطابق 1567ء میں سلیم پیدا ہوا۔ اُس وقت اکبر نے گنگا جمنا کے بیچ ایک قلعہ اور ایک شہر 1583ء میں بسانے کا حکم دیا۔ جسے آج الہ آباد کہتے ہیں۔

اکبر ہندو مسلم اور راجپوتوں میں دھرم کے نام پر کوئی بھید بھاؤ نہیں رکھتا تھا۔ اُس کے زمانے میں سنت تلسی داس نے کئی گرنتھ لکھے جو ہماری مشترکہ تہذیب اور میل جول کی نشانی ہے۔ مذہب کی آزادی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اکبر اگر مسلمان بادشاہ تھا تو جودھا بائی راجپوت دھرم پر قائم تھی۔ محل کا ایک حصہ مسلمان تھا تو دوسرے حصہ میں پوجا پاٹ کی جاتی تھی۔

تاج بی بی فتح پور کے پانچویں نواب دیوان فدن خان کی بیٹی تھی۔ فدن خان نے اپنی بیٹی اکبر سے بیاہ دی تھی۔ یہ بہت ہی ادب نواز اور ایک اچھی شاعرہ تھیں، اُن کا یہ دوہا کافی مشہور اور مقبول ہوا۔ تاج بی بی کا مقبرہ آج بھی آگرہ میں موجود ہے۔

کا گا سب تن کھائیوں چن چن کھائیو مانس
دو نینا مت کھائیو پیا دیکھن کی آس

1. رانی روپمتی: مالواہ پر اکبر کی نظر تھی۔ مالواہ کا راجہ باج بہادر گانا بجانے سے بہت دلچسپی رکھتا تھا۔ اُس کے دربار میں بہت سی عورتیں گانے بجانے والی تھیں۔ وہ اُنہیں میں مست رہتا تھا۔ اور حکومت کے کاموں کی اُسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔

ایک گانے والی خوبصورت عورت جس کا نام روپمتی تھا۔ وہ باج بہادر کی آنکھوں میں بسی ہوئی تھی۔ یہ عورت سنگیت میں بھی اُتنا ہی کمال رکھتی تھی۔ جتنی کہ وہ اپنے حسن میں۔ باج بہادر کو اس نے اپنے پیار میں پھنسا لیا تھا۔ اور وہ روپمتی کے عشق میں دیوانہ ہو گیا تھا۔ روپمتی بھی اب اُسے دل سے چاہنے لگی تھی اور اب اُس سے سچی محبت کرنے لگی تھی۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے ایک لحہ کے لئے بھی جدا نہیں ہوتے تھے۔ دونوں کے عشق کے چرچے چاروں طرف پھیل چکے تھے۔

اکبر نے 968ھ 1560ء میں اُدھم خاں کو مالواہ فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ باج بہادر تو روپمتی کے عشق میں گم تھا، اُسے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ اکبر بادشاہ کا ارادہ کیا ہے؟ جب مغلوں کا لشکر مالواہ پہنچ گیا، تو باج بہادر عورتوں کی محفل سے اُٹھا اور بغیر تیاری کے دشمن کی طرف روانہ ہوا۔ جو سارنگ پور سے ایک کوس کے فاصلے پر آ چکا تھا۔ باج بہادر مغلوں کا مقابلہ نہ کر سکا اور مالواہ کے دور دراز علاقوں میں گم ہو گیا۔ باج بہادر کی پوری زندگی کا سرمایہ (دھن دولت) یہی گانے بجانے والی عورتیں تھی۔ اس لئے اُس نے اپنے آدمیوں کا جتھا (گروہ) اُن عورتوں پر قائم کر دیا اور حکم دیا کہ مغلوں سے اگر ہماری ہار ہو جائے تو تم ان تمام گانے بجانے والی عورتوں کو قتل کر دینا۔

جب باج بہادر ہار گیا تو عورتوں پر قائم کئے ہوئے جتھے نے اُن پر تلوار چلانی شروع کر دی۔ کچھ عورتیں قتل کر دی گئیں، کچھ زخمی ہو گئیں اور کچھ موقع پا کر بھاگ گئیں۔ مغل سپہ سالار اُدھم خاں جب شہر میں داخل ہوا تو اُس نے تمام عورتوں کو اپنی پناہ میں لے لیا اور معلوم کیا کہ روپمتی کہاں ہے۔ اُدھم خاں، روپمتی کے چرچے پہلے ہی سُن چکا تھا۔ روپمتی اپنی سہیلیوں ں کے ساتھ ایک محل میں زخمی حالت میں پڑی تھی۔ اُدھم خاں نے روپمتی کو سبز باغ دکھایا اور پیغام بھیجا کہ تم اپنا علاج اچھی طرح کرواؤ۔ جب تم ٹھیک ہو جاؤ گی تو میں تمہیں باج بہادر کے پاس پہنچا دوں گا۔ روپمتی نے اپنا علاج کروایا اور کچھ دنوں بعد اُس کے زخم اچھے ہو گئے اور وہ بالکل تندرست ہو گئی۔ تب اُس نے اُدھم خاں کو سماچار بھیجا کہ

اب میں بالکل ٹھیک ہوگئی ہوں۔ آپ نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا آپ مہربانی کرکے اپنا وعدہ نبھائیں۔ میں زندگی بھر آپ کا احسان مانوں گی اور بھگوان سے آپ کے لئے دعا مانگتی رہوں گی۔ مگر اُدھم خاں کے سر پر ہوس کا بھوت سوار تھا۔ اُس نے جواب بھیجا کہ باج بہادر بادشاہ اکبر کا باغی ہے اگر وہ شاہی دربار میں حاضر ہوکر بادشاہ سے معافی مانگ لے تو میں فوراً تجھے اُس کے پاس بھجوادوں گا۔ مگر اب میں مجبور ہوں۔ اس کے بعد اُدھم خاں نے اپنے ایک رازدار کو آدھی رات کے وقت روپمتی کے پاس بھیجا۔ وہ سمجھ گئی کہ اُدھم خاں کی نیت صحیح نہیں ہے۔ اگر میں اُس سے ملنے سے انکار کروں گی تو وہ زبردستی مجھے حاصل کرے گا۔ اور اگر میں اُس سے ملوں گی تو میرے سچے پیار کی آبرو چلی جائے گی اور عشق بدنام ہوگا۔ یہ سب کچھ سوچ کر روپمتی نے اُس کے آدمی سے کہلوایا کہ میں تو آپ کی ایک کنیز ہوں آپ جو کچھ مجھے کہیں گے، میں وہ ہی کروں گی۔ اگر آپ برائے مہربانی میرے پاس تشریف لائیں تو میری عزت بڑھے گی اور میرا پیار رسوائیوں سے بچے گا۔ اُدھم خاں یہ سماچار سُن کر بہت خوش ہوا مگر اُسے ڈر بھی تھا کہ کہیں بادشاہ کو اس کا علم نہ ہو جائے اس لئے اُس نے اپنا حلیہ بدل کر اور صرف اپنے دو تین خاص آدمیوں کو لے کر روپمتی کے مکان پر پہنچا۔ روپمتی سنگار کئے ہوئے خوبصورت پلنگ پر سو رہی تھی۔ خوشبو سے مکان مہک رہا تھا۔ اُدھم خاں نے پلنگ پر بیٹھ کر اُس کے چہرے سے چادر ہٹائی تو اُس کے گلے میں پھولوں کی مالا مہک رہی تھی اور سنگار چہرے کی رونق بڑھا رہا تھا۔ اُدھم خاں نے اُس کے جسم کو بہت غور سے دیکھا۔ بستر پر صرف خوبصورت جسم تھا مگر رُوح آسمان میں پرواز کر چکی تھی۔

روپمتی کی یہ حالت دیکھ کر اُدھم خاں بہت حیران ہوا جب اُس نے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ باج بہادر کو یاد کر کے وہ بہت دیر تک روتی رہی تھی۔ اس رنج میں اُس نے کافور اور روغن کنج کھا لیا تھا اور پلنگ پر جا کر سو گئی تھی۔ اسی دوران اُدھم خاں کو معلوم ہوا کہ بادشاہ اکبر نے اُسے ہٹا دیا ہے اور اُس کی جگہ پیر محمد خاں شیروانی کو مالوہ کا حاکم بنا کر بھیجا ہے۔ (تاریخ فرشتہ)

2. میواڑ اور مہارانا پرتاپ: مہارانا پرتاپ کے والد رانا اودے سنگھ فروری 1572ء میں 18؍رانیوں اور چوبیس بچوں کو چھوڑ کر فوت ہوگیا۔ اُس نے اپنے سب سے بڑے لڑکے رانا پرتاپ سنگھ کو نظرانداز کر کے اپنے سب سے چہیتے بیٹے جگمل کو تخت کا وارث مقرر کیا لیکن رانا پرتاپ کے

ماموں، راجہ جالور اور گوالیار کے سرکردہ سرداروں نے مل کر جگمل کو تخت سے اُتار دیا اور رانا پرتاپ سنگھ کو میواڑ کا راجہ بنا دیا۔ جگمل میواڑ چھوڑ کر اکبر کے دربار میں پہنچ گیا۔ شہنشاہ نے اُس پر مہربانی کی اور اُس کو جاگیر عطا کر دی۔

شہنشاہ اکبر نے 1573ء میں گجرات سے راجا مان سنگھ کو پرتاپ سنگھ سے بات چیت کرنے کے لئے میواڑ بھیجا رانا نے راجہ مان سنگھ کا اچھی طرح استقبال کیا اور اکبر نے جو خلعت روانہ کیا تھا اُس کو قبول کیا مگر راجا مان سنگھ کی اس تجویز پر متفق نہ تھا کہ وہ خود جا کر دربار میں حلفِ وفاداری اُٹھائے۔

1574ء میں جودھپور کے راجہ چندر سین نے بغاوت کر دی۔ اکبر نے یہ سمجھا کہ یہ بغاوت اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ مارچ 1576ء میں شہنشاہ اکبر اجمیر پہنچا۔ اس نے مان سنگھ کو ایک گھوڑا اور پانچ ہزار عمدہ سواروں کے ساتھ رانا پرتاپ کے مقابلے کے لئے روانہ کر دیا۔ اکبر کو مان سنگھ کی کامیابی پر کوئی شک نہ تھا لہذا خود پائے تخت کی جانب واپس ہوا۔ مان سنگھ ہلدی گھاٹی میں پہونچ گیا یہیں سے رانا پرتاپ نے 16/ جون 1576ء میں مان سنگھ کو للکارا۔ جگن ناتھ اور آصف خاں کو جو مغل فوج کے ہراوّل دستے کی قیادت کر رہے تھے۔ اُن کو مہارانا پرتاپ کے حکیم سور افغان نے مار بھگایا اور مغلوں کے بائیں بازو کو بھی پیچھے دھکیل دیا گیا اور دایاں بازو بھی زیادہ کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ مختصر یہ کہ رانا پرتاپ کی افواج مغلوں پر حاوی رہی۔ بڑی خون ریز جنگ ہوئی۔ راجا رام شاہ جو کہ میواڑ کی فوج کے دائیں دستے کی قیادت کر رہا تھا مع اپنے بیٹے کے مارا گیا اس لڑائی کا سب سے دلچسپ پہلو ہاتھیوں کی لڑائی تھی اس مقابلے میں بھی رانا کے ہاتھی ہی غالب رہے۔

مغلوں کی فوج میں سیّدوں نے بڑی خدمات انجام دیں اگر یہ لوگ بہادری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ نہ کرتے تو مغل فوج پہلے ہی حملے میں تتر بتر ہو جاتی۔ راجا مان سنگھ نے بھی ناقابلِ بیان ثابت قدمی کا اظہار کیا رانا پرتاپ مان سنگھ کا مدِ مقابل ہوا اور دونوں نے دادِ شجاعت دی۔ حالانکہ پرتاپ کا جسم تیروں سے چھلنی ہو گیا تھا لیکن اس کے باوجود قریب تھا کہ وہ راجا مان سنگھ پر غلبہ حاصل کرے کہ اُسی دوران مغل ہراوّل دستہ جو کہ ابتداء میں پسپا ہو گیا تھا۔ دوبارہ میدان جنگ میں لوٹ آیا۔ اسی کے ساتھ

ساتھ یہ افواہ بھی گرم ہوگئی کہ خود اکبر بھی مزید فوجی امداد لے کر پہنچ گیا ہے اسی افواہ سے رانا کی کوشش سست پڑ گئیں اور وہ پہاڑیوں میں پناہ گزیں ہو گیا۔

اس جنگ میں تقریباً دونوں فریقین کے پانچ پانچ سو آدمی مارے گئے ۔ رانا پرتاپ میواڑ کی اندرونی پہاڑیوں میں چلا گیا حالانکہ اکبر نے اسے تلاش کرنا چاہا مگر وہ پہاڑوں میں غائب ہو گیا اس نے روکھی سوکھی کھائی مگر پھر بھی اکبر کی ماتحتی قبول نہیں کی۔

کہتے ہیں کہ رانا پرتاپ کے پاس ایک چیتک نام کا گھوڑا تھا جو جنگ میں اُس کا ساتھی تھا۔ ایک ہندی شاعر نے رانا پرتاپ کے بارے میں لکھا ہے۔

”جب یاد کروں ہلدی گھاٹی نینا میں رکت اُتر آوے
سُکھ دکھ رو ساتھی چیتک ڑو سوتی سی ہوک جگا جاوے“

مہارانا پرتاپ نے 24 سال حکومت کی اور اُس نے اپنے خاندان کی قدیم روایات کی حفاظت میں زندگی کا زیادہ حصہ صرف کیا اور زبردست سختیوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنے کے بعد 51 ر سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔ (آر بی ترپاٹھی کی کتاب مغلیہ سلطنت کا عروج وزوال۔ صفحہ 264-263)

3. اکبر اور مذہب: اکبر کے دربار میں ترکی سنی اور شیعہ جیسے عالم موجود تھے ۔ عبداللطیف قزوینی کو لوگ ایران میں سنی اور ہندوستان میں شیعہ سمجھتے تھے اُس نے اکبر کے دل و دماغ کو صوفیانہ طرز زندگی سے روشناس کرایا اور اس کے ذہن کو مولانا روم اور حافظ شیرازی کے اشعار و غزلیات سے مالا مال کر دیا۔

اکبر چشتیہ مسلک اور شیخ سلیم کا بہت زیادہ معتقد تھا۔ 1575ء میں اکبر نے عبادت خانے کی عمارت کی تعمیر کا حکم دیا اس عمارت کے چار حصے تھے ایک حصے میں سیّد دوسرے میں اکبر کے دربار کے مشہور و معروف علماء وعقلاء بیٹھا کرتے تھے۔ 1578ء میں اکبر نے عبادت خانے کے دروازے عیسائیوں، ہندوؤں، جینیوں، صابیوں اور دہریوں کے لئے بھی کھول دیئے ان لوگوں کی آمد کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان موضوعات پر بھی بحث و مباحثہ ہونے لگا اور وحی قرآن حضرت محمد ﷺ کی رسالت قیامت ، وحدت الٰہی کا تصور ایسے مسائل تھے جن پر تقریباً سارے مسلم فرقے ہم خیال تھے لیکن اب یہ

موضوعات بھی عبادت خانے میں تنقید کا نشانہ بن گئے۔ اور عبادت خانہ فرقوں کا اکھاڑہ بن کر رہ گیا۔ کبھی کبھی تو فریقین غصّے سے مغلوب ہو جاتے اور ایک دوسرے کو دھمکاتے اور نوبت یہاں تک آ جاتی کہ اگر شہنشاہ موجود نہ ہوتے تو وہ مار پیٹ پر اتر آتے۔ وہ سب مذہب سے اچھائیاں تلاش کر کے ایک نیا مذہب ''دین الٰہی'' بنانا چاہتا تھا مگر ناکام رہا۔

اکبر ہر روز صبح اپنے محل کے جھروکے سے درشن دیا کرتا۔ لوگ جھروکے کے نیچے بڑی تعداد میں محض اپنے بادشاہ کے درشن کرنے کے لئے جمع ہو جاتے۔ اس طریقے کو ہندو خاص طور سے پسند کرتے تھے کیوں کہ ان کا عقیدہ تھا کہ بادشاہ وِشنو کا اَوتار ہوتا ہے۔ بعض ہندو تو درشن کئے بغیر نہ کچھ کھاتے اور نہ کچھ پیتے۔

وفات:۔ اکبر (1014ھ 1605ء) میں ایسا بیمار پڑا کہ اُس کی زندگی کی کوئی اُمید باقی نہیں رہی۔ اکبر نے مُلاں صدر جہاں کو بلوایا اور غیر مذہبی خیالات سے توبہ کی۔ کلمہ پڑھا اور 50 سال حکومت کرنے کے بعد 63 سال کی عمر میں سن 1605ء میں انتقال کر گیا۔ اکبر کی حکومت افغانستان سے لے کر ہندوستان کی تمام سرحدوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ اُس کے دروازے پر 5 ہزار ہاتھی کھڑے رہتے تھے۔ (صفحہ نمبر 306)

142 شہنشاہ نورالدین جہانگیر (1014ھ تا 1037ھ) 1605ء تا 1627ء

اکبر کے انتقال کے بعد اُس کا لڑکا جہانگیر آگرہ میں 38 سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ بادشاہ بنتے ہی اُس نے رعایا کو انصاف دینے کے لئے شاہی قلعہ کی دیوار کے نیچے ایک سونے کی زنجیر لٹکا دی تا کہ فریادی خود بادشاہ سے فریاد کر سکے اور اُسے انصاف مل سکے اور یہ کون جانتا تھا کہ باپ اکبر کے زمانے میں شراب میں مست رہنے والا شہزادہ بادشاہ بنتے ہی ہندوستان میں ایسے قانون بنا کر حکم دیگا کہ دُنیا دیکھتی رہ جائے گی۔ اُس نے شراب اور نشے کی تمام چیزوں پر پابندی لگا دی اور حکومت کے کام میں لگ گیا۔ جہانگیر نے مہارانا پرتاب کے بیٹے امر سنگھ کی بغاوت کا مقابلہ کیا۔

نور جہاں کے شوہر شیر افگن کا قتل:۔ کچھ مورخوں کا خیال ہے کہ جہانگیر نے نور جہاں کو پانے کے

لئے شیر افگن کا قتل کروادیا تھا جب کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ لہذا حقائق پیش خدمت ہے۔

جب راجا مان سنگھ جو بنگال کا صوبے دار تھا افغانوں پر قابو نہ پا سکا تو بادشاہ نے اپنے رضاعی بھائی قطب الدین کو بنگال کا صوبے دار بنا کر بھیجا اور راجا مان سنگھ کو وہاں سے ہٹا کر بہار کا صوبے دار بنا دیا، شیر افگن بھی وہیں اعلیٰ عہدہ داروں میں تھا، اس کو راج محل میں طلب کرنے کا حکم دیا گیا مگر شیر افگن نے مصروفیت کا بہانہ بنا کر راج محل جانے سے انکار کر دیا تو قطب الدین نے اسے حراست میں لینے کا حکم دے دیا اس پر وہ بے قابو ہو گیا اور شیر افگن نے اپنی تلوار سے قطب الدین کا کام تمام کر دیا۔ اور شاہی سپاہیوں سے لڑتا رہا آخر زخمی ہو کر زمین پر گرا اور شاہی سپاہیوں نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

مشہور مورخ ڈاکٹر ایشوری پرساد نے بھی پوری بحث کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ”جہاں گیر کے بارے میں کوئی بھی مستند ثبوت نہیں ملتا ہے جس کی وجہ سے اسے شیر افگن کا قاتل قرار دیا جا سکے“۔

نور جہاں سے شادی:۔ جب اُسے خبر ملی کے مہر النساء کا شوہر شیر افگن قتل کر دیا گیا ہے تو اُسے مہر النساء کا خیال آیا۔ مہر النساء جہانگیر کے بچپن کی ساتھی تھی۔ یہ دونوں جب جوان ہوئے تو وہ ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے۔ لیکن مہر النساء کا باپ غیاث الدین بیگ جو کہ مغلوں کا ایک معمولی نوکر تھا۔ اس وجہ سے بادشاہ کا باپ اکبر اُس کی لڑکی سے جہانگیر (سلیم) کی شادی نہیں کروانا چاہتا تھا۔ حالانکہ مہر النساء ایک بہت ہی خوبصورت اور سمجھ دار لڑکی تھی۔ مگر اکبر نے شیر افگن سے مہر النساء کی شادی کروادی۔

اب جب کہ مہر النساء کا شوہر مارا جا چکا ہے، جہانگیر نے اپنی پرانی محبت کا واسطہ دے کر مہر النساء کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔ مہر انساء پہلے تو شادی کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئی مگر کچھ وقت گزر جانے کے بعد دونوں کا نکاح 1611ء میں ہو گیا۔ جہانگیر نے اُس کی خوبصورتی کو دیکھ کر اُسے نور جہاں کا لقب مارچ 1611ء میں دیا۔ اور شری نگر کا شالیمار گارڈن 1616ء میں اس کی محبت میں تعمیر کروایا۔ نور جہاں کے ملکہ بن جانے سے جہانگیر کی کئی پریشانیاں بڑھ گئیں۔ کیوں کہ اب نور جہاں پردے کے پیچھے سے حکومت کرنے لگی تھی۔ اُس نے بہت سے افسروں کو بدل دیا اور اپنی مرضی کے مطابق افسر قائم کر دیئے۔ جہانگیر کا بڑا لڑکا جس کا نام خرم (شاہ جہاں) تھا اور چھوٹے لڑکے کا نام شہریار تھا۔ نور جہاں کے پہلے شوہر شیر افگن سے ایک لڑکی لاڈلی بیگم تھی۔ نور جہاں نے جہانگیر کو راضی

کر کے اُس کی شادی چھوٹے لڑکے شہر یار سے کروادی۔ اب نور جہاں اپنے داماد یعنی شہر یار کو ولی عہد (بادشاہ) بنانا چاہتی تھی جب کہ بڑا لڑکا خرم (شاہ جہاں) تھا۔ شاہ جہاں کا سُسر آصف خاں اپنے داماد کو بادشاہ بنانا چاہتا تھا۔ اس لئے دونوں کے درمیان ولی عہد کے مسئلہ پر سرد جنگ جاری تھی۔

جہانگیر کا انصاف کرنے کا طریقہ اور سونے کی زنجیر، مغلوں میں فریادی کی فریاد سننے کا ایک بہترین ذریعہ تھا۔ جہانگیر اندرونی جھگڑوں سے تنگ آکر اپنی تندرستی ٹھیک کرنے کے لئے کشمیر چلا گیا۔ مگر وہاں اُس کی طبیعت اور بھی زیادہ خراب ہوگئی۔ اس وجہ سے کشمیر سے واپس لاہور آتے وقت راستے میں ہی (1037 ھ) 1627ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔ اُس کی لاش ہاتھی سے لاہور لائی گئی اور نور جہاں کے باغ میں دفنا دی گئی۔ جہانگیر کے انتقال کے بعد نور جہاں اور آصف خاں میں گدی کے لئے کافی تکرار ہوئی اور آخر شاہ جہاں کو ہی بادشاہت ملی۔

نور جہاں: جہانگیر کی وفات کے بعد نور جہاں 18 سال تک زندہ رہیں، لیکن اس نے کسی خوشی کی تقریب میں شرکت نہیں کی اور نہ کبھی رنگین کپڑے پہنے۔ آخر 72/ سال کی عمر میں انتقال کر گئیں اور لاہور میں ہی جہانگیر کے مقبرے کے پاس دفن ہوئیں۔ ان کے مزار پر فارسی میں ایک شعر لکھا ہوا ہے۔ اسے خود نور جہاں نے پسند کیا تھا۔

بر مزارِ ما غریباں نے چراغ نے گلے   نے پر پروانہ شوز و نے صدائے بلبلے

(ہم غریبوں کے مزار پر نہ تو کوئی چراغ ہی ہے اور نہ پھول ہیں، یہی وجہ ہے کہ نہ تو اس پر کوئی پروانہ جلتا ہے اور نہ بلبل کی آواز سنائی دیتی ہے۔

143 شہنشاہ شاہ جہاں (1037 ھ تا 1068) 1627ء تا 1658ء

محمد شہاب الدین شاہ جہاں 1627ء میں دلی کے تخت پر بیٹھا۔ شاہ جہاں عہد امن و امان اور خوش حالی کا عہد کہلاتا ہے۔ مؤرخین نے شاہ جہاں کے دور کو سلاطین تیموری کا عہد زرّیں کہا ہے۔

.1 تاج محل: شمال کے باغی حکمرانوں کو ختم کرنے کے لئے بادشاہ خود برہان پور جا کر رہنے لگا۔ وہاں اُس کی محبوب بیوی ممتاز محل کے ایک بچی پیدا ہوئی۔ ممتاز نے بچی کو جنم دیا مگر خود انتقال کر گئی۔ جس سے شاہ جہاں کو بہت صدمہ ہوا۔ لاش کو برہان پور سے آگرہ لایا گیا اور جمنا کے کنارے دفن کیا گیا۔ شاہ

جہاں ممتاز کے مرنے سے بہت دکھی تھا۔ اُس نے اُس کی قبر پر ایک شاندار مقبرہ بنوایا۔ جو تاج محل کے نام سے دنیا میں جانا جاتا ہے۔ اور جس کا شمار دنیا کے عجائبات میں شمار کیا جاتا ہے۔ تاج محل کے بنانے میں تقریباً 22 سال لگے اور 22 کروڑ روپیوں سے زیادہ خرچ ہوا۔ تاج محل دُنیا کے 7 عجائبات میں شامل کیا گیا ہے۔ 2004ء میں آگرہ کے تاریخی قلعے میں تاج اُتسوَ منایا گیا۔ یوپی کے وزیر حمید خاں نے کبوتر اُڑا کر اس کا افتتاح کیا تب ایک انگریز جارج پیٹر ٹورسٹ اپنے گائیڈ سے کہہ رہا تھا کہ، کیا ہم تاج کو لندن میں لے جاسکتے ہیں؟ کیوں کہ یہاں اس کی قدر نہیں ہوتی۔ جارج پیٹر برطانیہ کی ایک یونیورسٹی میں تاریخ کے پروفیسر ہیں۔

☆ ایک روسی صحافی الیکٹروپائیوف جب ہندوستان آیا اور تاج محل دیکھ کر واپس گیا تو اُس نے لکھا تھا کہ ''ہندوستان میں غریبی اور تاج محل کے سوا کچھ نہیں ہے۔''

☆ امریکہ کے صدر جان ایف کینڈی کی بیگم جب آگرہ پہنچی اور تاج محل کو دیکھا تو اچانک بول پڑی کہ ''اگر کینڈی میرے مرنے پر ایسا ہی تاج محل بنوانے کا وعدہ کریں تو میں ابھی مرنے کو تیار ہوں۔''

☆ امریکی صدر بل کلنٹن نے تاج محل دیکھ کر کہا تھا کہ ''دُنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جنہوں نے تاج محل دیکھا ہے دوسرے وہ جنہوں نے تاج محل نہیں دیکھا۔''

☆ ایک زمانے میں برطانیہ کی ملکہ الیزبیتھ نے افسوس جتاتے ہوئے کہا تھا کہ ''کاش میں برمیگھم پیلیس میں رہنے کے بجائے تاج محل میں رہتی۔''

☆ تاج محل کو کسی نے موتی کہا تو کسی نے آنسو کی ایک بوند۔ رابندر ناتھ ٹیگور نے کہا ''ممتاز کی موت پر شاہجہاں کی آنکھ سے جو پہلا آنسو ٹپکا وہ تاج محل کی شکل اختیار کر گیا۔

2 تعمیرات:۔ تاج محل کے علاوہ شاہ جہاں کو عمارتیں بنانے کا اور بھی بہت شوق تھا۔ اس نے دہلی کے تاریخی لال قلعہ کا سنگِ بنیاد 1639ء میں رکھا تھا۔ وہ ایک نیک اور مذہبی بادشاہ تھا اس لئے اُس نے دلی کی جامع مسجد 1656ء میں، آگرہ کے قلعہ میں موتی مسجد، ٹھٹھ کی شاہ جہاں مسجد 1647ء میں اور تاج المساجد بھوپال میں بنوائی۔ اس کے علاوہ شاہ جہاں نے ایک شاندار تخت بھی بنوایا تھا جسے تختِ

طاؤس کہتے ہیں اس تخت کی شکل مور پرندے سے ملتی تھی جس میں سونے اور ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے جس پر ایک کروڑ دینار خرچ ہوئے تھے۔ یہ تمام عمارتیں مسلم کلچر کی داستاں سناتی ہیں۔ ماجد دیوبندی نے کہا ہے۔

"دو چار اُمیدوں کے دیئے اب بھی ہیں روشن
ماضی کی حویلی ابھی ویران نہیں ہے"

تاج محل اور ہمارے بیش قیمت اوقاف سے ناجائز قبضے کے خاتمے کے بعد اور بہتر انتظام کرنے سے سالانہ تقریباً 16/ ہزار کروڑ روپیوں تک کی آمدنی ہوسکتی ہے۔ جو مسلم قوم کی کفالت کے لئے کافی ہے صرف تاج محل کے دیدار سے غیر ملکی سیاحوں سے 10/ کروڑ روپیہ سالانہ آمدنی ہوتی ہے۔

تعمیرات کے میدان میں شاہ جہاں اندلس کے عبدالرحمٰن، ترکی کے سلیمان اعظم اور ایران کے عباس اعظم سے کم نہیں ہیں۔

3 وفات :۔ 1657ء میں شاہ جہاں پیشاب بند ہونے سے بیماری میں مبتلا ہوگیا۔ ولی عہد دارا شکوہ نے سمجھا کہ باپ کا آخری وقت آگیا ہے۔ لہٰذا اُس نے حکومت کے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ اور شاہی محل کی ناکہ بندی کردی۔ کسی کو بھی بادشاہ کے پاس آنے اور ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس کی ناکہ بندی کا یہ نتیجہ نکلا کہ بھی نے یہ سمجھ لیا کہ بادشاہ مر چکا ہے۔ بادشاہ کے مرنے کی خبر سارے ملک میں پھیل گئی۔ حکومت حاصل کرنے کے لئے دوسرے لڑکے شاہ شجاع، شہزادہ اورنگ زیب اور مُراد اپنے اپنے لشکر لے کر آگرہ کی طرف دوڑ پڑے یہ دیکھ کر دارا شکوہ نے باپ کی مرضی کے بغیر بھائیوں کے خلاف جنگ شروع کردی۔ شاہ شجاع تو مقابلے کی تاب نہ لاکر واپس بنگال چلا گیا۔ لیکن شہزادہ اورنگ زیب اور مُراد دونوں کی ملی ہوئی فوج نے آگرہ پر قبضہ کرلیا اور دارا شکوہ فرار ہوگیا۔ اورنگ زیب نے بادشاہ کے آرام کا پورا دھیان رکھ کر اُسے آگرہ میں نظر بند کردیا۔ جہاں ایک چھوٹی سی مسجد بنا دی گئی۔ مسجد میں عبادت کرنا اور وہیں سے تاج محل کو دیکھ کر پرانی یادوں میں رنگ بھرتے بھرتے شاہ جہاں 22 جون 1666ء میں انتقال کرگیا۔ شاہ جہاں نے اپنی زندگی میں ہی ممتاز کے پاس تاج محل میں دفن ہونے کے لئے اپنی قبر خود تعمیر کروائی تھی۔

دنیا کے سات عجائبات میں سب سے زیادہ خوبصورت اور زندہ عمارت تاج محل ہی ہے جو محبت کی ایک تصویر ہے۔ شکیل بدایونی نے محبت کرنے والوں سے کہا تھا۔

اک شہنشاہ نے بنوا کے حسیں تاج محل
ساری دُنیا کو محبت کی نشانی دی ہے

تاج محل کو اقوام متحدہ کی طرف سے ایک تاریخی یادگار قرار دیا گیا ہے۔ ہندوستان میں آنے والے غیر ملکی سیاحوں میں سب سے زیادہ مقبول یہی عمارت ہے اس سے ہر سال ملک میں کروڑوں روپیوں کی آمدنی ہوتی ہے گویا شاہ جہاں کی قبر کی مٹی کی خوشبو پورے ملک میں پھیلی ہوئی ہے۔

دل سے نکلے گی نہ مر کر بھی وطن کی خوشبو
میری مٹی سے بھی خوشبوئے وطن آئیگی

عدالت نے 22 سال بعد تاج کو رات میں دیکھنے کی اجازت دی کیونکہ تاج کو رات میں دیکھنے کا مزہ کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ تاج محل عشق مجازی کے ساتھ عشق حقیقی کا مرکز بھی ہے۔ خاموش غازی پوری نے کہا تھا کہ۔

جب شہنشاہ بھی ہو، عشق بھی ہو، دولت بھی ہو
تب کہیں جا کے کوئی تاج محل بنتا ہے

ایک مورخ نے کہا تھا کہ مجھ سے پوچھا جائے کہ مغلیہ حکومت نے ہندوستان کو کیا دیا تو میں بے تکلف کہوں گا کہ ''غالب، اردو اور تاج محل''۔

اے وطن ہم نے بنایا ہے یہاں تاج محل
ہم زمانے میں محبت کی سند رکھتے ہیں

باقی عجائب گھروں میں چین کی دیوار اور پیسا کی جُھکی ہوئی میناروں (17 فٹ) کو دیکھ کر دل و دماغ پر اُداسی چھا جاتی ہے یہ تاج محل کی چمک کے آگے بجھے ہوئے چراغ کی طرح ہیں۔

تاج محل سے پوچھ کے دیکھو کیسی تھی ممتاز محل   شاہجہاں کا لہجہ بن کر پتھر پتھر بولے گا

آج کا انسان چاند پر جا سکتا ہے۔ مریخ (تارا) پر قدم رکھ سکتا ہے، مگر دوسرا تاج محل نہیں بنا سکتا۔ حکومت کو تاج محل میں مغلوں کی تصویر نظر آتی ہے۔ مسلم تہذیب دکھائی دیتی ہے مگر کاش اُسے اس میں ہندوستان کی عظمت بھی نظر آئے۔

4 دنیا کے سات عجائبات

1- **اہرام مصر:۔** یہ دنیا کا پہلا عجوبہ مانا جاتا ہے۔ یہ اہرام مقبرہ کی شکل کے ہیں، اہرام مصر کی دیواریں 20 لاکھ پتھروں کی مدد سے بنائی گئی ہیں اور ہر پتھر کا وزن 2 ٹن ہے۔

2- **دیوار چین:۔** یہ دیوار چین دنیا کی سب سے لمبی دیوار ہے اسے چین کے بادشاہ شی ہوانگ تی نے تعمیر کروایا تھا۔ یہ دیوار تقریباً 50 ہزار کلومیٹر لمبی ہے۔

3- **ابوالہول کا مجسمہ:۔** یہ مجسمہ مصر میں موجود ہے اس کا سر ایک حسین عورت کا اور دھڑ ایک شیرنی کا ہے۔

4- **روم کا محل:۔** یہ دنیا کا سب سے بڑا محل ہے جو لاتعداد کمروں پر مشتمل ہے اس محل کی خاص بات یہ ہے کہ اس محل میں دن کے وقت اونچی آواز سے پکارا جائے تو اس کی گونج پانچ مرتبہ اور رات کے وقت بارہ مرتبہ سنائی دیتی ہے۔

5- **پیسا کا مینار:۔** یہ مینار آٹھ منزلہ ہے اور اس کی اونچائی 55.86 میٹر ہے اور یہ مینار ایک طرف 17 فٹ جھکا ہوا ہے۔ یہ مینار 1173ء میں تعمیر ہونا شروع ہوا تھا۔ اس کی آٹھ منزلیں ہیں جو 1350ء میں مکمل ہوئی۔

6- **تاج محل:۔** تاج محل کا ڈیزائن عیسٰی محمد آفندی نے تیار کیا تھا۔ تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

7- **ایفل ٹاور:۔** فرانس کے شہر پیرس میں واقع ہے یہ مینار 1889ء میں انقلاب فرانس کے صد سالہ تقریبات کے موقع پر بنایا گیا تھا۔ اس کا وزن 7 ہزار 3 سو ٹن ہے اس میں 1 ہزار 6 سو پینسٹھ سیڑھیاں ہیں۔

نوٹ:۔ پرتگال کی راجدھانی کزبن میں جدید دنیا کے 7 عجوبوں کے لئے 07/07/07 کو دس کروڑ کی ووٹنگ ہوئی جس میں تاج محل سرفہرست رہا۔

144 اورنگ زیب عالمگیر (1067ھ تا 1117ھ)، 1658ء تا 1707ء

شاہ جہاں کے چار لڑکے تھے جن میں داراشکوہ سب سے بڑا اور ولی عہد تھا۔ دوسرے لڑکے کا نام شہزادہ شجاع تھا۔ تیسرا لڑکا اورنگ زیب تھا اور چوتھا لڑکا شہزادہ مراد تھا۔ جب 1657ء میں شاہ جہاں بیماری میں مبتلا ہوا تو اس نے امراء و درباریوں کو جمع کر کے ان کی موجودگی میں دارا کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ مگر بادشاہ کے مرنے کی افواہ پورے ملک میں پھیل گئی۔ سب سے پہلے مراد اور شاہ شجاع نے شاہ جہاں کی موت کی جھوٹی خبر پر یقین کیا اور وقت ضائع کئے بغیر اپنے قانونی حکمران ہونے اور اقتدار

اپنے ہاتھوں میں لے لینے کا اعلان کر دیا۔ تاج پوشی کی رسومات ادا کیں اور اپنے نام کا خطبہ پڑھوا کر سکے بھی جاری کروا دیئے۔

جب راجپوتانے کے تینوں حکمراں اورنگ زیب سے مل گئے تھے یعنی جسونت سنگھ مارواڑ کا حکمران تسلیم کر لیا گیا تھا اور رانا راج سنگھ اودے پور کا راجا تھا جو پہلے سے اورنگ زیب کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا چکا تھا۔ دارا نے رانا راج سنگھ سے مدد چاہی اور فریاد کر کے یہ بات یاد دلائی کہ جب رانا سے شاہ جہاں ناراض ہو گیا تھا تو دارا نے کس طرح اُس کی طرف داری کی تھی لیکن رانا کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔

اورنگ زیب کے مقابلے میں دارا کی فوج بہت کم تھی اس لئے وہ کھلے میدان میں جنگ نہیں کر سکتا تھا اس وجہ سے اس نے اجمیر کے قریب دیوارائے گھاٹی میں ڈیرے ڈال دئے۔ تین دن کی جنگ کے بعد دارا بھاگ کر 1659ء میں احمد آباد پہنچا مگر وہاں کے صوبے داروں کو اورنگ زیب نے گرفتار کر لیا تھا۔ اس لئے اسے وہاں بھی داخلہ نہ ملا۔ مئی 1659ء میں دارا سندھ کے راستے سے قندھار ہوتے ہوئے ایران بھاگ جانا چاہتا تھا مگر بدقسمتی سے اس کی بیوی نادرہ بیگم بیمار ہو گئی اور 6/جون 1659ء کو فوت ہو گئی اور یہ وصیت کر گئی کہ اس کو سرزمین ہند میں دفن کیا جائے لہٰذا دارا نے جسدِ خاکی کے محافظوں کے دستے کے ساتھ اسے لاہور بھیج دیا۔ دارا ایک قیدی کی حیثیت سے اگست 1659ء میں دلی لایا گیا۔ اور پھر قید میں ڈال دیا گیا۔ عوام نے دارا سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ وہ روئے آہیں بھری اور غداروں کو گالیاں دیں۔ آخر یہ مسئلہ اراکین شریعت کے سامنے پیش کیا گیا اور اُنہوں نے ''امن وامان کے برباد کنندہ'' دارا کو مذہب اور مقدس قانون کی حفاظت کی خاطر ''سزائے موت'' تجویز کی۔ جب دارا کو اس فیصلے کا علم ہوا تو اس نے اورنگ زیب سے بڑی عاجزی کے ساتھ رحم اور جاں بخشی کی درخواست کی اور یہ وعدہ کیا کہ اپنی زندگی کے بقیہ ایّام گوشہ نشینی میں گزارے گا لیکن یہ سب کچھ بے کار ثابت ہوا اور 30/اگست 1659ء کو شاہ جہاں کا محبوب اور سب سے بڑا لڑکا جلاّدوں کے حوالے کر دیا گیا۔ اور پھر ہمایوں کے مقبرہ میں بغیر کسی رسوم کی ادائیگی کے دفن کر دیا گیا۔ اپنے وصیت نامہ نمبر 10 میں اورنگ زیب نے لکھا ہے کہ اگر شہنشاہ شاہ جہاں نے دارا شکوہ کے ساتھ تعلق خاص کا برتاؤ نہ کیا ہوتا تو اس کے معاملات اس درجہ خراب نہ ہوتے۔

(وصیت نامہ اورنگ زیب 59)

1. مراٹھے: بہمنی سلطنت سے پانچ ریاستیں ابھری ان میں دو ریاستیں کافی عرصہ تک قائم رہیں جن میں بیجاپور عادل شاہی حکومت 1489ء میں قائم ہوئی اور دوسری گولکنڈہ 1512ء میں قطب شاہی سلطنت کے کام سے قائم ہوئیں۔ جب احمد نگر کا زوال ہوا تو مراٹھا خاندان نے بیجاپور حکومت میں اہم منصب حاصل کی ان میں سب سے اہم شیواجی کا باپ شاہ جی بھونسلے تھا۔ شاہ جی بھونسلے کے علاوہ بھی بہت سے مراٹھا سردار تھے۔ جاولی کے مورے۔ مڑول کے گھوڑ پڑے۔ شرکے۔ موہتے ۔گھاٹگے۔ مہاڈک یہ سب عادل شاہی حکومت میں افسر تھے۔ بیجاپور کے بانی کو اُن سے ایک ایسی موانست تھی کہ اس نے ایک مراٹھا مکندراؤ کی بہن تویو جی خانم سے شادی کرلی تھی۔

2 شیواجی اور افضل خاں:۔ جب 1646ء میں شیواجی نے تورنہ، رائے گڈھ، پورندر کے قلعوں پر قبضہ کرلیا جو بیجاپور ضلع میں پڑتے تھے۔ بیجاپور کے سلطان عادل شاہ نے شیواجی کے والد شاہ جی کو قید کروا لیا۔ اس سے شیواجی کافی الجھن میں پڑگئے، انھوں نے دلی کے شہنشاہ شاہ جہاں سے اپنے والد کو چھوڑانے کے لیے اپیل کی۔ لہذا شاہ جہاں نے سلطان عادل شاہ کو ایک خط لکھ کر انھیں قید سے آزاد کروا دیا۔ اس سے متاثر ہوکر چھ سال شیواجی نے کوئی لوٹ مار اور قلعہ فتح نہیں کیا، پھر جب شیواجی دوبارہ ایسی حرکت کرنے لگا تو عادل شاہ نے 1659ء میں افضل خان کو شیواجی کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجا افضل خان نے پرتاپ گڈھ قلعے کو گھیر لیا، لہذا شیواجی نے صلح کرنے کا پیغام بھیجا اور ایک خفیہ جگہ پر ملنے کا وعدہ کیا۔ ملاقات کے وقت جب دونوں گلے ملنے لگے تو شیواجی نے شیر کے پنجے سے 20 نومبر 1659ء کو افضل خاں کا کام تمام کردیا۔ (راجستھان سرکاری بھارت کا اتہاس ایوم سنکرتی جماعت 12 ص 72.73)

پورندر کی صلح:۔ یہ خبر سن کر اورنگ زیب کو بہت غصہ آیا اور اُس نے دلیر خان اور جے سنگھ کو بھیجا۔ اُنہوں نے پورندر کو گھیر لیا۔ اور شیواجی کو مجبور ہوکر جے سنگھ سے 1665ء میں صلح کرنی پڑی۔ صلح کے مطابق بادشاہ کو 23 قلعے لوٹا دیئے اور 4 لاکھ (ہن) یعنی سونے کے سکے اور مال گذاری کا علاقہ مغلوں کو دینا پڑا۔

22 مئی 1666ء کو شیواجی کو مغل دربار میں لایا گیا اور قید کرلیا گیا۔ مگر شیواجی نے بیماری کا بہانہ بنا کر سادھوؤں اور مولویوں کو مٹھائی تقسیم کرنے کی اجازت لی۔ اور خود اپنے لڑکے سمبھاجی کو ساتھ لے کر مٹھائی کے ٹوکروں میں چھپ کر جیل سے فرار ہوگئے۔ (مہاراشٹرا جماعت ۴)

3. بیجاپور اور شیواجی: عادل شاہ کے بعد دوسرے بیجاپوری سرداروں نے بیجاپور کا استحصال کیا وہاں کی گدی کے سرپرست مسعود نے مغلوں کے خلاف مرہٹوں سے مدد مانگی لہذا شیواجی دس ہزار گھوڑ سوار مرہٹے اور دو سو بیلوں پر سامان لاد کر بیجاپور پہنچا۔ مغل سردار دلیر خاں بیجاپور کے علاقوں کو فتح کرتے ہوئے بیجاپور کے قلعہ تک جا پہنچا۔ اور تقریباً دو ماہ تک پڑاؤ ڈالے رہا مگر کامیابی نہیں ملی۔ لہذا شہزادہ اعظم کی سربراہی میں مغلوں نے ایک بڑی فوج بھیجی جس نے بیجاپور کا محاصرہ کرلیا اور 12/ستمبر 1680ء کو بیجاپور مغلوں کے تحت ہوگیا۔ اور 3/اپریل 1680ء میں شیواجی کا انتقال ہوگیا۔ بیجاپور کی شاندار مسجد کا شاندار باب الداخلہ اورنگ زیب عالم گیر نے تعمیر کروایا تھا جب کہ مسجد عادل شاہ نے تعمیر کروائی تھی۔

4. گولکنڈہ: صرف گولکنڈہ کا چھٹا سلطان عبداللہ قطب شاہ 21/اپریل 1672ء میں فوت ہوگیا۔ اُس کی صرف تین لڑکیاں تھیں۔ اور تیسرا داماد ابوالحسن تھا۔ جو دن رات عیاشی میں مشغول رہتا تھا۔ اورنگ زیب نے شہزادہ عالم کی سربراہی میں حیدرآباد پر حملہ کرنے کے لئے فوج روانہ کی۔ 18/اکتوبر 1685ء کو ابوالحسن نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اور صلح کرلی۔ مگر مغلوں کے خلاف اُس کی نقل وحرکت جاری تھی لہذا 7/فروری 1687ء کو اورنگ زیب نے گولکنڈہ کی گھیرابندی کرادی اور 8 ماہ تک محاصرہ کرنے کے بعد 21/دسمبر 1687ء میں گولکنڈہ کے قلعہ پر مغلوں کا قبضہ ہوگیا۔ اور ابوالحسن قید کرلیا گیا۔ وہاں کے قلعہ سے سونے چاندی کے برتن، جواہرات اور زیورات کے علاوہ سات کروڑ روپیہ نقد مغلوں کو حاصل ہوئے۔ مغلوں کو اس مفتوحہ ریاست کی آمدنی دو کروڑ ستیاسی لاکھ روپیہ تھی۔

(ڈاکٹر اوم پرکاش کی کتاب: اورنگ زیب صفحہ 731)

5. سمبھاجی: بیجاپور اور گولکنڈہ کے زوال کے بعد شیواجی کا لڑکا سنبھاجی اپنے نواح میں اور اپنے داخلی حریفوں سے نمٹنے میں مصروف رہا 1689ء میں اپنے ایک خفیہ اڈے سنگ میشور پر اچانک مغلوں کے حملہ سے سمبھاجی حیران رہ گیا اُسے پکڑ کر اورنگ زیب کے سامنے لایا گیا اور 21/مارچ 1689ء کو قتل کر دیا گیا۔ سمبھاجی کے لڑکے ساہو کو اور اس کی ماں کو قید کردیا گیا۔ اس کے بعد شیواجی کے لڑکے اور سمبھاجی کے چھوٹے بھائی راجہ رام کی حکومت تو قائم ہوئی۔ مگر راجدھانی پر مغلوں کا حملہ ہوگیا اور راجہ رام وہاں

سے بھاگ گیا۔ اور اُس نے جنجی میں پناہ لی۔ اور وہاں سے اُس نے مغلوں کے خلاف جنگ جاری رکھی 1698ء میں جنجی کا زوال ہو گیا لیکن راجہ رام وہاں سے نکل کر بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔

1703ء میں اورنگ زیب نے مراٹھوں سے بات چیت شروع کر دی سمبھاجی کے لڑکے اور اس کی ماں کو ستارا میں قید کیا گیا۔ اور اورنگ زیب اُسے رہا کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ ساہو کے ساتھ اورنگ زیب نے اچھا سلوک کیا اور جوان ہونے پر اس کی شادی نامور مرہٹہ گھرانوں کی دو لڑکیوں کے ساتھ کر دی گئی۔ شیواجی کی ریاست اور دکن میں "سر دیش مکھی" کا اختیار ساہو کو دے دیئے گئے۔ 1706ء میں اورنگ زیب کو یقین ہو گیا کہ مرہٹوں کے تمام قلعوں پر قبضہ کرنا مشکل ہے لیکن پھر بھی جنگ جاری رہی۔ اور 1707ء میں اورنگ زیب کا انتقال ہو گیا۔ اور مراٹھوں کو دم لینے کا موقع مل گیا۔

6. سکھوں سے تعلق: اورنگ زیب کے زمانے میں مرہٹوں سکھوں اور جاٹوں کی بغاوتیں ہوئی لیکن کسی طرح کا فرقہ وارانہ فساد نہیں ہوا۔ میاں میر بھی ایک مسلمان تھا جس کے ہاتھوں امرتسر کے گرودوارہ کا سنگِ بنیاد رکھا گیا تھا۔ بابا فریدؒ وہ مسلمان تھا جن کی نظموں کو گرو ارجن سنگھ نے گرو گرنتھ صاحب میں شامل کیا تھا۔ بہادر شاہ مسلمان تھا لیکن اس کی دی ہوئی تلوار "ذوالفقار" آج بھی آنند پور صاحب میں موجود ہے۔

7. جزیہ: امام ابو حنیفہؒ کے مطابق مسلم حکومت میں غیر مسلم لوگوں کی حفاظت سماجی اقتصادی، مذہبی اور سیاسی اور ان کے تحفظ کی گارنٹی سب مسلم حکومت کے ذمہ ہو گی۔ تو اس کے بدلے میں حکومت ان سے محصول لے گی جس کو جزیہ کہتے ہیں اورنگ زیب نے یہ سب تحفظ غیر مسلموں کو دیا اس لئے اس نے جزیہ وصول کیا۔

8. مورخوں کا خیال: سر جادو ناتھ سرکار، آشر وادی لال، ایشوری پرساد، شری رام شرما، آر۔ سی مجمدار اور وی۔ ایس اسمتھ جیسے مورخوں نے بھی کچھ کتابیں لکھی ہیں لیکن اورنگ زیب پر لکھتے وقت اُنہوں نے جانبدارانہ رویہ جانے یا انجانے میں کچھ اس طرح کیا ہے کہ پڑھنے والوں نے اُسے کٹر مسلمان ہندو دشمن اور ظالم بادشاہ ہی سمجھا ہے۔ جب کہ دوسرے مورخین جن میں ہربنس مکھیا، ستیش

چندر، اطہر علی، عرفان حبیب، ایس نورالحسن شامل ہیں۔ ایک نیک مورخ ڈاکٹر اوم پرکاش پرساد شعبۂ تاریخ پٹنہ یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں۔ اُنہوں نے اپنی کتاب ''اورنگ زیب'' میں بہت سے مستند حوالوں سے اورنگ زیب کے رُخ پر رہبری کی ہے۔

جواہر لال یونیورسٹی کے سابق پروفیسر مشہور مؤرخ ہربنس مکھیا نے لکھا ہے کہ اورنگ زیب نے برہمنوں اور مندروں کو دان دیئے تھے جن کی مختصر تفصیل ڈاکٹر کے کے دت کے ذریعہ لکھی گئی ''سم فرانس سنڈس اینڈ پرواناز'' نامی تحریر میں پائی جاتی ہے۔

اطہر علی نے ہندوؤں کے سب سے بڑے حمایتی کہلائے جانے والے بادشاہ اکبر کے بارے میں لکھا ہے کہ ''اُنہوں نے بھی اپنے عہد میں ہندوؤں کو اتنا نہیں نوازا تھا جتنا کہ اورنگ زیب نے۔ کیونکہ حکومتی عہدوں پر جتنی تعداد میں اورنگ زیب نے ہندوؤں کو مقرر کیا تھا اتنی تعداد میں اکبر نے بھی ہندوؤں کو مقرر نہیں کیا تھا۔''

رُومیلا تھاپڑ نے اپنی کتاب ''مدھیہ کالین بھارت'' میں مغلیہ سلطنت کے زوال کی ذمہ داری اورنگ زیب کے جانشینوں کی مانی ہے۔''

شاہ جہاں نے اورنگ زیب کو 1647ء میں بلخ بخارا اور بدخشاں کی صوبہ داری سونپی تھی تب دشمن کا اورنگ زیب مقابلہ کرتا رہا۔ نماز کا وقت ہونے پر میدان جنگ میں ہی چادر بچھا کر وہ جب نماز پڑھنے لگا تو بخارا کی فوج یہ دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ وہاں کا طاقتور حکمراں عبدالعزیز چلاّ اُٹھا۔ ''لڑائی بند کرو''۔ ایسے آدمی سے لڑنا اپنی ہی تباہی کو دعوت دینا ہے جو شخص خدا سے ڈرتا ہو کسی دوسرے سے نہیں ڈر سکتا۔''

مندروں کو لوٹنے کا کام مسلمانوں سے زیادہ ہندو حکمرانوں نے کیا ہے۔ جیسے کشمیر کے ہرش نامی حکمراں نے ''مندر لوٹ'' محکمہ قائم کیا تھا جس کا کام مندروں کو لوٹنا ہی تھا۔ مندروں کو لوٹ کر جتنا مال ملتا اُس میں سے آدھا لٹیروں کو انعام کے طور پر تقسیم کیا جاتا۔ دیو مندروں کے پوجا وغیرہ کے انتظام کے سلسلے میں دیئے گئے گاؤں کو بھی ہرش نے اپنے تحت میں لے لیا تھا۔ پرمار حکمراں سُوبھٹ ورمن (1193ء، 1230ء) نے گجرات پر حملہ کر کے ڈبھوئی اور کھمبات کے کتنے ہی جین مندروں کو لوٹا

تھا۔ حکومت کے خلاف کوئی بھی مندر یا مسجد آڑے آتی تو اورنگ زیب اسے تڑوا دیتا تھا۔ جس طرح اُس نے متھر ا اور بنارس کے مندروں کو نیست و نابود کروایا تو گولکنڈہ کی مسجد کو بھی برباد کروا ڈالا۔

بی۔ این پانڈے نے لکھا ہے کہ اورنگ زیب کی حکومت کی پالیسی کی وجہ سے ہندو مندروں اور مٹھوں کے لئے وظیفے مقرر کئے گئے تھے۔ الہ آباد میں واقع سومیشور ناتھ مہادیو کے مندر، بنارس میں کاشی وشوناتھ کے مندر، چتر کوٹ کے بالاجی مندر، گوہاٹی میں واقع اُومانند، شترونجی میں جین مندر اور شمالی ہند میں واقع بے شمار مندروں اور گردواروں کے لئے اورنگ زیب نے جاگیریں وقف کی تھی۔

(''اورنگ زیب'' صفحہ نمبر 17)

سیتارام ناتھ اور بی این پانڈے لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ کچھ کی آٹھ مہارانیاں کاشی وشوناتھ مندر میں درشن کرنے گئیں اُن میں سے ایک حسین رانی کو مہنتوں نے اغوا کرلیا۔ کچھ کے راجہ نے اس واقعہ کی اطلاع اورنگ زیب کو پہنچائی پہلے تو اورنگ زیب نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ ہندوؤں کا آپسی معاملہ ہے جب راجہ نے کافی منت سماجت کی تو اورنگ زیب نے کچھ ہندو سپاہیوں کو واقعہ کی چھان بین کرنے بھیجا مگر سپاہیوں کو مہنت کے آدمیوں نے ڈانٹا اور مار پیٹ کر کے بھگا دیا مغل فوجیوں نے جب دوسری دفعہ مقابلہ کیا تو مندر تباہ ہوگیا۔ فوجی جب مندر کے اندر داخل ہوئے تو بڑے دیوتا کے پیچھے ایک سرنگ کا پتہ چلا جس سے کافی بدبو آرہی تھی۔ دو تین دن کی محنت کے بعد ایک لاش برہنہ حالت میں سڑی ہوئی پائی گئی جس کی اجتماعی آبروریزی کی گئی تھی۔ بڑے پجاری وغیرہ کو گرفتار کیا گیا اور اسے سخت سزا دی گئی۔

(اورنگ زیب صفحہ 31)

9. رعایا پرور: اورنگ زیب سرکاری آمدنی کو اپنے ذاتی خرچ میں نہیں لاتا تھا کیونکہ وہ رعایا کا مال سمجھا جاتا تھا جسے اپنے عیش و آرام اور کمروں کی تعمیر پر خرچ کرنا برا سمجھتا تھا۔ جیسے ایک دفعہ بادشاہ شاہ جہاں جمنا کے دوسرے کنارے پر تاج محل کے سامنے اس نمونے کا ایک اور مقبرہ بنانا چاہتا تھا اس کی تعمیر کا کام بھی شروع ہوگیا تھا دونوں مقبروں کو ملانے کے لیے ایک پل تعمیر کیا جارہا تھا۔ جس میں دونوں طرف کی جالیاں چاندی کی بنوائی گئی تھیں۔ اورنگ زیب جب بادشاہ بنا تو حکم دیا کہ سرکاری روپیہ ان بیکار چیزوں پر خرچ نہیں کیا جائے لہٰذا اس چاندی کو گلا کر اس کے سرکاری سکے بنوائے گئے اور اس رقم سے سڑکیں اور پل بنوا کر مسافروں کے آرام کا کام انجام دیا گیا۔

10. اصلاحات:۔ بادشاہت میں جو خرابیاں ہوتی ہیں وہ یہ کہ ان کے شاہی خاندان کے لوگ ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد ہوتے ہیں۔ وہ چاہیں جس کو لوٹ لیں اور چاہیں جس کو قتل کر ڈالیں۔ چونکہ وہ بادشاہ کے رشتہ دار ہوتے ہیں اس لئے کوئی ان سے باز پرس نہیں کر سکتا۔ اورنگ زیب نے ایسی حرکت کرنے والوں کو سختی سے روک دیا۔ شہزادہ یا صوبے دار یا کوئی بڑا عہدہ دار کوئی قتل کر دیتا یا کسی اور گناہ کا حق دار ہوتا تو عدالت کے ذریعہ انصاف کیا جاتا جس میں امیر و غریب کا امتیاز نہیں ہوتا تھا۔ یہاں تک بادشاہ نے خود پورے ملک میں اعلان کرا دیا تھا کہ اگر کوئی بادشاہ کی کسی غلطی پر مقدمہ چلانا چاہے تو وہ عدالت میں مقدمہ داخل کر سکتا ہے۔ اورنگ زیب نے درباریوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ رنگ دار اور ہیرے جواہر جڑے ہوئے لباس نہ پہنا کریں۔ کیونکہ اس سے زنانہ پن ظاہر ہوتا ہے۔ (ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ دوم ص 300)

اورنگ زیب نے حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کے دو سال بعد ایک دینیات کا دفتر کھولا۔ جو عوام کو دین کی باتیں بتلاتا تھا۔ بدکاری اور نشہ بازی کی روک تھام کے لئے اُس نے سخت قانون جاری کر دیئے۔ تجارت کرنے پر ٹیکس بالکل ہٹا دیا گیا۔ اناج کے بیج مفت بانٹے گئے، تاکہ کھیتی میں فصل اچھی ہو، گانے بجانے پر پابندی لگا دی گئی۔

وہ ایک بہت بڑا سپہ سالار اور تلوار چلانے میں ماہر تھا۔ اُس نے بہار، آسام، تبت اور چٹگاؤں تک اپنی حکومت پھیلا دی تھی۔ اورنگ زیب کی حکومت اتنی بڑی تھی کہ اُس سے پہلے کسی بھی بادشاہ کو اتنی بڑی حکومت نہیں ملی تھی۔ اورنگ زیب نے غریبوں اور لولے لنگڑوں اور اندھوں کے لئے مسافر خانے بنوائے جہاں اُن کو مفت کھانا دیا جاتا تھا۔ اورنگ زیب نے لاہور میں بادشاہ مسجد 1675ء میں بنوائی تھی جو دنیا کی سب سے بڑی مسجد گنی جاتی ہے۔

اورنگ زیب مغل خاندان کے بادشاہوں میں سب سے زیادہ پڑھا لکھا بادشاہ تھا۔ وہ قرآن کا حافظ بھی تھا۔ تمام گھر کے خرچ اور کپڑے وغیرہ وہ خود قرآن لکھ کر اُس کے ہدیہ سے چلاتا تھا۔ خزانے سے ایک دمڑی بھی اپنے خاندان پر خرچ کرنا گناہ سمجھتا تھا۔ عربی، فارسی، ترکی اور ہندی چاروں زبانوں کا ماہر تھا۔ دن رات میں صرف وہ تین گھنٹے سوتا تھا۔ باقی وقت رعایا کی بھلائی کے کاموں میں اور نماز پڑھنے اور عبادت کرنے میں گذار دیتا تھا۔

ایک مؤرخ نے اورنگ زیب کے بارے میں لکھا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں علاؤالدین خلجی، فیروز شاہ اور شیر شاہ سوری نے عوام کے بہت کام کیئے۔ مگر اُن میں ایسا کوئی بھی بادشاہ نہیں تھا جس نے پیوند لگا ہوا لباس اس لئے پہنا ہو کہ عوام پر اس کا بوجھ نہ پڑے اور جس نے روکھی سوکھی روٹی اس لئے کھائی ہو کہ عوام کو دو وقت کا کھانا پیٹ بھر کر نصیب ہو۔ (ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ''ثروت صولت'')

آپ کے عہد حکومت کا ایک عظیم علمی کارنامہ ''فتاویٰ ہندیہ'' (عالمگیر) کی ترتیب و تدوین ہے۔ جس پر اس زمانے میں دو لاکھ روپے صرف ہوئے تھے۔ (تحریک آزادیٔ ہند صفحہ 134)

11 وصیت نامہ نمبر 3: ''جب میں مرجاؤں تو میری سلائی کی ہوئی ٹوپیوں کی قیمت میں سے چار روپیہ دو آنہ نوکرانی بیگا کے پاس سے لیکر میرے کفن کا کپڑا خریدنا۔ میرے اپنے خرچ کی تھیلی میں قرآن نقل کرنے کی محنت سے حاصل ہوئے تین سو پچاس روپئے ہیں۔ چونکہ قرآن کی نقل کے ذریعہ کمایا ہوا پیسہ شیعہ فرقہ کے نزدیک ناجائز سمجھا جاتا ہے اس لئے اس سے کفن نہیں خریدا جائے اور نہ ہی دوسری ضرورتوں پر خرچ کیا جائے۔ (''اورنگ زیب'' صفحہ نمبر 11)

145 بہادر شاہ اوّل 1707ء تا 1712ء

21/فروری 1707ء میں احمد نگر میں اورنگ زیب کی وفات کے بعد اُس کے تینوں بیٹوں میں جنگ ہوئی اور بڑا لڑکا معظم شاہ، بہادر شاہ اول کے نام سے تخت پر بیٹھا۔ اُس نے شاہی اُمرا اور نوکروں پر کروڑوں روپئے خرچ کر دئے۔ چار سال بعد 712ء میں اُن کا انتقال ہوگیا۔ وہ ایک کمزور بادشاہ تھا۔ اس لئے تاریخ میں اُسے شاہِ بے خبر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

قوت فکر و عمل پہلے فنا ہوتی ہے
تب کسی قوم کی عظمت کو زوال آتا ہے

146 جہاں دار شاہ۔ 1712ء تا 1713ء

جہاں دار شاہ جب گدی پر بیٹھا تو اُس نے ہزاروں کو قتل کروایا۔ لال کنور کے عشق میں دیوانہ ہو کر اُس نے اپنے کمسن لڑکوں کو قید کیا۔ لال کنور کو ملکہ کا خطاب دیا اور اُسے دو کروڑ روپے وظیفہ میں دیئے۔ ایسا بے وقوف بادشاہ تھا جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ مثلاً ایک دن لال کنور نے بادشاہ سے کہا کہ حضور میں نے دریا میں ڈوبتے ہوئے آدمی کبھی نہیں دیکھے ہیں۔ لہذا جہاں دار شاہ نے حکم دیا کہ آدمیوں سے بھری ہوئی ایک کشتی جمنا کے بیچ لے جا کر ڈوبا دی جائے۔ تا کہ میری لال کنور آدمیوں کے ڈوب کر مرنے کا تماشا دیکھ سکے۔ لہذا ایسا ہی کیا گیا اور آدمیوں سے بھری ہوئی ایک کشتی جمنا میں ڈوبا دی گئی۔ تاریخ میں جہاں دار شاہ کے ماتھے پر لال کنور کے شیدائی کی مہر لگ گئی۔ لال کنور کے رشتہ دار شاہی خاندان کی بے عزّتی کرنے لگے۔ بادشاہ دن رات نشے میں چور رہتا تھا۔ اور تماشا بنا ہوا تھا۔ اب لال کنور کا شیدائی فوجیوں کی تنخواہ بھی نہیں دے سکتا تھا، اُس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ آخر اُس نے سونے، چاندی اور جواہرات کی چیزیں فوجیوں میں بانٹ دی پھر بھی فوجیوں کی تنخواہ پوری نہ ہو سکی۔ شہنشاہ بابر کے زمانے کی شاہی دولت خانے کی چھتیں اُکھاڑ کر تقسیم کر دی گئی۔ اُس کے زمانے میں طوائفوں، ڈوموں اور مراشیوں اور ہجڑوں کی کافی قدر و منزلت ہوئی۔

147 فرخ سیر 1713ء تا 1719ء

جہاں دار شاہ کے بعد اُس کا بھتیجا فرخ سیر بادشاہ بنا۔ اُس نے بھی قتل کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ شاہی خاندان میں لوگوں کو اور شہزادوں کو موت کے گھاٹ اُتارنا شروع کر دیا۔ اپنے چھوٹے بھائی کی آنکھیں نکلوا کر اُسے اندھا کروا دیا۔ وہ درباریوں کا گلا گھونٹ کر ہلاک کروا دیتا تھا۔ اس لئے ہر آدمی اُس کے دربار میں جاتے ہوئے اپنے بال بچوں سے مل کر جاتا، جیسے کہ وہ اب واپس لوٹ کر نہیں آئے گا اور اگر لوٹ کر آ جاتا تو اپنی جان کا صدقہ دیتا۔

سید بھائیوں کا شاہی دربار میں خاص مقام تھا، لہذا اُن کے حکم سے فرخ سیر کو گدی سے ہٹا دیا گیا۔ وہ شاہی عورتوں میں جا چھپا، تو اُسے گھسیٹ کر لایا گیا، گالیاں دی گئیں اور بے عزّتی کر کے اُسے اندھا کر دیا اور بے رحمی سے گھلا گھونٹ کر 1719ء میں ختم کر دیا گیا۔

148 محمد شاہ (رنگیلے) 1719ء تا 1748ء

محمد شاہ کو 1719ء میں گدی پر بیٹھایا گیا۔ اُس نے بابر کے زمانے کے اور نور جہاں کے اور ممتاز محل کے تمام خزانے خالی کر دیئے۔ جن میں سونے چاندی کی اینٹوں کے علاوہ تانبے کی کئی ہزار اینٹیں اور چادریں تھی۔ سب بیچ دی گئی۔ جو چادر شاہ جہاں نے ممتاز محل کی قبر کے لئے تیار کی تھی وہ بھی ختم کر دی گئی۔ محمد شاہ کے زمانے میں لشکر کے لئے قحط پڑ گیا تھا۔ تمام خزانہ عیاشی میں برباد کر دیا تھا۔ جس کے چاروں طرف چرچے ہو رہے تھے۔ وہ ناچ گانے کی محفل میں ہی لگا رہتا تھا۔ موقع پا کر نادر شاہ نے حملہ کر دیا۔ محمد شاہ کے ہاتھ میں ہر وقت جام اور بغل میں دل آرام تھا۔ کس کو دماغ تھا کہ وہ نادر شاہ کے نامے کا جواب لکھتا۔ لہذا محمد شاہ کے دور میں باہری حملے ہوئے۔

1. نادر شاہ کا حملہ 1739ء:۔ محمد شاہ کی عیاشی کی خبر سُن کر نادر شاہ نے حملہ کر دیا۔ وہ پیشاور اور لاہور کو برباد کرتا ہوا کرناٹک تک جا پہنچا۔ محمد شاہ بھی مقابلہ کرنے نکلا۔ مگر ہار گیا۔ جب نادر شاہ دلی پہنچا تو کسی نے دلی میں نادر شاہ کی موت کی جھوٹی خبر اُڑا دی۔ اُس پر ایک جھاڑو والی نے ترنگ میں آ کر کہا۔

"واہ محمد شاہ رنگیلے تیرا کیا کہنا۔ تم نے نادر کو ایک کلمہ کٹی کے ہاتھوں مروا ڈالا۔"

دوسرے دن نادر شاہ شہر میں نکلا تو اُس نے قتلِ عام شروع کروا دیا۔ یہاں قتلِ عام صبح سے شام تک ہوتا رہا۔ کچھ مورخوں نے قتل کئے گئے لوگوں کی تعداد 50 ہزار بتلائی ہے۔ مگر کتاب "ہندوستان پر اسلامی حکومت" میں یہ تعداد دیڑھ لاکھ بتلائی گئی ہے۔ دلی کی ایسی حالت ہو گئی تھی جو بیان نہیں کی جا سکتی۔ کیوں کہ نادر شاہ کے حکم پر بازاروں کو جلا دیا گیا۔ شہریوں سے زبردست وصولی کی گئی اور اس طرح تقریباً 90 کروڑ روپیوں کی مالیت قیمتی سامان، جواہرات اور کروڑوں روپیوں کی لاگت سے بنا ہوا تختِ طاؤس بھی وہ اپنے ساتھ لے گیا۔ نادر شاہ صرف 58 دن دلی میں رہا مگر دلی کو برباد کر کے چلا گیا۔ ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ "شہر مردوں سے پُر تھا اور زندوں سے خالی، مکانوں پر ویرانی برستی تھی۔ مردوں کی سڑانڈ سے بھیجا نکلا جاتا تھا۔ نہ قبر کھودنے والا اور نہ دفن کرنے والا کوئی شخص نظر آتا تھا"۔

نادر شاہ کے جانے کے بعد فوج کو تنخواہ دینے کے لئے کچھ بھی نہیں بچا تھا۔ لہذا فوجی قلعہ کے اندر گھس کر ہنگامہ کرنے لگے۔ پتھر پھینکنے لگے اور گالیاں دینے لگے۔ ایک سردار امیر خان کے قتل کرنے کے بعد اُنہوں نے اُس کی میت کو چار دن تک دفن کرنے نہیں دیا۔

2۔ احمد شاہ ابدالی کا پہلا حملہ 1745ء:۔ احمد شاہ ابدالی نے نادر شاہ کی طرح ہندوستان پر حملہ کیا۔ اُس نے سرحد اور پنجاب کو خوب لوٹا۔ جب دلی کی طرف بڑھا تو مغل لشکر نے اُسے شکست دے دی اور وہ واپس چلا گیا۔

محمد شاہ بڑا ہی آرام پسند اور عیاش تھا۔ اس وجہ سے مغل حکومت تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ آخر 1748ء میں انتقال کر گیا۔ ''تاریخ ہندوستان'' کے مصنف نے لکھا ہے کہ 30 سال سلطنت کر کے محمد شاہ نے خاندان تیموریہ کو تباہی کے کنارے پر پہونچا دیا تھا۔

149 سلطان احمد شاہ 1748ء تا 1754ء

محمد شاہ کے بعد اُس کا بیٹا احمد شاہ 1748ء میں گدی پر بیٹھا۔ احمد شاہ ابدالی کا دوسرا حملہ اسی کے دورِ حکومت میں ہوا تھا۔ شاہی خاندان اُس سے سخت ناراض تھا۔

احمد شاہ بچپن ہی سے عورتوں میں رہتا تھا۔ اُس کے مزاج میں زنانہ پن اور نسوانیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اُس نے سلطنت کا بوجھ خواجہ سرا (ہیجڑا) کو سونپ دیا تھا۔ احمد شاہ کی عیش پرستی کا یہ عالم تھا کہ محل کے ایک ایک کوس تک خوبصورت نوجوان، عورتوں اور ہجڑوں کے سوائے کسی مرد کی صورت نہیں دکھائی دیتی تھی۔

20/ جون 1754ء میں احمد شاہ کا وزیر عماد الملک نے گدی سے اُتار کر اندھا کر دیا تھا۔ مراٹھوں نے مرکزی حکومت پر قریب قریب قبضہ کر لیا تھا۔ انگریزوں کی حکومت کا دور بھی یہیں سے شروع ہوتا ہے۔

150 عالمگیر ثانی 1754ء تا 1759ء

نادر شاہ کے حملے کے بعد نا اہل کے ہاتھوں میں حکومت آ گئی تھی۔ سپاہیوں کے لباس پھٹے ہوئے تھے۔ لشکر میں اُنہیں گھوڑے بھی فراہم نہیں تھے۔ فوج کو تنخواہ ادا کرنا مشکل تھا، پھر بھی اُس نے بھرتی کرنا

شروع کر دیا۔ لوگ فوج میں ایسے بھرتی ہو گئے جنہیں لڑائی کے نام سے ہی ڈر لگتا تھا۔ اور جو نائی سے سر منڈواتے بھی ڈرتے تھے۔ خواب میں بھی اگر اُنہیں چارپائی کے چھونے کا خیال آ جاتا تو زمین پر گر پڑتے۔ مالک کو چھینک آئے تو نوکر کو زکام ہو جاتا تھا۔ دلی کی یہ حکومت مراٹھوں کے ماتحت نظر آ رہی تھی۔ مہاراؤ ہلکر اور رگوناتھ رائے نے مل کر دلی پر حملہ کر دیا اور 1758ء میں لاہور پر قبضہ کر لیا۔ اور ہندوستان پر ہندو تہذیب و تمدن کو مسلط کرنے کے خواب دیکھنے لگے۔ مراٹھوں کے دوست غازی الدین نے اُنہیں بادشاہ کو قتل کروا کر اُس کی لاش جنگل میں پھینکوا دی۔

151 شاہ عالم 1759ء تا 1806ء

1803ء میں ایسٹ انڈیا کے فوجی سردار جنرل لیک نے مراٹھا فوج کو ہرا دیا اور شہنشاہ شاہ عالم کو اپنے ماتحت کر لیا تھا۔ کوتوالوں کو رشوت خوری میں فرصت نہیں تھی، وہ جہاں بھی جاتے، وہاں اگر کچھ نہیں ملتا تو پان دان پر ہی اپنا گذارا کر لیتے تھے۔ تنگ حالی اتنی تھی کہ اُس نے شہزادیوں کو بھی نہیں بخشا۔ سر سے پیر تک برقعے میں ڈھکی ہوئی شہزادیاں گود میں پھول سا بچہ لیئے بھیک مانگتی تھی۔

کیا کہیے اپنے عہد میں جتنے امیر تھے
ٹکڑوں پہ جان دیتے تھے سارے فقیر تھے

شاہ عالم کو شعر و سخن سے بھی بہت دلچسپی تھی۔ ”وقائع عالم شاہی“ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر و حضر میں درباری شاعران کے ساتھ رہا کرتے تھے نوادرات شاہی ان کے اردو۔ فارسی اور پنجابی شعروں کا مجموعہ ہے۔ شاہ عالم بزرگوں کا بڑا احترام کیا کرتے تھے۔ خواجہ میر درد کے یہاں ہر مہینے صوفیوں کا ایک جلسہ ہوتا تھا۔ ایک بار اس محفل میں پاؤں میں درد ہونے سے آپ نے پاؤں پھیلا دیئے۔ خواجہ صاحب نے عرض کیا یہ امر فقیر کے آداب محفل کے خلاف ہے۔ اگر طبیعت عالی ناساز تھی تو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اُنہیں قوالی سننے کا بھی بہت شوق تھا۔ ان میں سے ”مکھو رنگ رس“ بہت مشہور تھے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی اور خواجہ معین الدین چشتیؒ سے بے حد عقیدت رکھتے تھے۔ قلعہ معلّٰی میں

اُن کا عرس بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا تھا۔ جب بادشاہ مراہٹوں کے ساتھ مل کر غوث گڈھ تباہ کر کے ضابطہ خان کے بیوی بچوں کو پکڑ کر لائے تھے تب ان کا لڑکا غلام قادر خاں آٹھ دس سال کا تھا۔ یہ بہت خوبصورت لڑکا تھا۔ بادشاہ کا مزاج ہر وقت ناچ گانوں میں اسیر رہتا تھا۔ چنانچہ غلام قادر خاں کو زنانے کپڑے پہنا کر نچایا جاتا تھا۔ وہ جب تک نادان رہا اس ناروا سلوک کو برداشت کرتا رہا مگر جب وہ جاگیر دار بن گیا اور اکتوبر 1787ء میں دلی آیا اسے روہیلوں کو تباہ اور برباد کرنے کا ملال ہوا۔ اس لئے اُس نے شہزادوں اور شہزادیوں کو مار پیٹ اور بھوک پیاس کی تکلیفیں دی اور تن کے کپڑوں کے علاوہ سب کچھ چھین لیا اور انہیں بر سر عام کھلے منہ نچایا جس طرح شاہ عالم غلام قادر خاں کو نچاتا تھا ویسے ہی شاہ عالم ہی کو زبردستی شہزادوں اور شہزادیوں کا ناچ دیکھنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اُس کا انتقامی جذبہ یہیں پر نہیں ختم ہوا۔ اور اُس نے 10 / اگست 1788ء کو دیوان عام میں شاہ عالم کو بلا کر اُس سے روپیوں کا مطالبہ کیا اور بادشاہ کے انکار کرنے پر اسے نیچے گرا کر اُس کی آنکھیں نکال لی گئیں۔ سندھیا نے شاہ عالم کی یہ درد بھری کہانی سن کر مراہٹوں کی ایک فوج بھیجی۔ غلام قادر خاں چند شہزادوں کو ساتھ لیکر میرٹھ بھاگ گیا مرہٹوں نے اُس کا پیچھا کیا اور اُسے پکڑ کر دسمبر 1788ء کو قتل کر دیا۔

1. احمد شاہ ابدالی کا تیسرا حملہ 1761ء:۔ احمد شاہ ابدالی یکم نومبر 1760ء کو پانی پت کے میدان میں پہونچا اور یہاں ڈھائی مہینوں تک افغانوں اور مرہٹوں کی مسلسل جنگ جاری رہی۔ بالآخر 14 / جنوری 1761ء کو مرہٹوں کو شکست فاش ہوئی۔ مسلمانوں کی تعداد صرف 90 ہزار تھی جب کہ مرہٹہ فوج کی تعداد 3 لاکھ تھی، جن میں دو لاکھ مرہٹے جنگ میں کام آئے۔ اور ان کے بہت سے سپہ سالار مارے گئے۔ بقول ایک مؤرخ کے "مرہٹوں کی طاقت چشم زدن میں کافور کی طرح اڑ گئی"۔ سر جادو ناتھ سرکار نے لکھا ہے کہ "مہاراشٹرا میں کوئی گھرانہ ایسا نہ تھا جس میں صف ماتم نہ بچھ گئی ہو لیڈروں کی ایک پوری نسل ایک ہی معرکہ میں غائب ہو گئی"۔ اگر سلطنت مغلیہ میں تھوڑی بھی جان ہوتی اور کسی مسلم حکمراں میں سیاسی بصیرت ملک وقوم کے تحفظ کا احساس ہوتا تو حالات کو سدھارنے کا نہایت نادر موقعہ تھا۔ اس جنگ (پانی پت) کا اصل فائدہ انگریزوں نے اٹھایا۔ اور وہ مغل حکمرانوں کی اجازت سے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں تجارتی کمپنیاں قائم کرنے لگے۔

(مدھیہ یوگین بھارت، بی۔ اے۔ 418)

2. انگریزوں کا قبضہ: 17 ر اکتوبر 1803ء کو انگریزوں نے شاہ عالم کو اپنے ماتحت کرلیا۔ سرکاری حکم تھا۔ ''خلق خدا کی۔ ملک بادشاہ سلامت کا اور حکم کمپنی بہادر کا''۔ بادشاہ کو ایک لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ دے کر قلعہ معلیٰ میں زندگی کے بقیہ دن گزارنے پر مجبور کردیا۔ آخر بے بسی اور دکھ کی حالت میں 19 ر نومبر 1806ء کو شاہ عالم اس دنیا سے رخصت ہوگیا اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی مزار کے قریب دفنادیا گیا۔

152 اکبر ثانی 1806ء تا 1837ء

دلی کی تمام حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں میں آگئی تھی۔ صرف شاہی خرچ کے لئے ایک لاکھ روپیہ ان کو سالانہ وظیفہ کے طور پر دیا جاتا تھا۔ محمد شاہ سے اکبر ثانی تک سب نااہل بادشاہ تھے۔ ولایتی کپڑوں کی آمد 1815ء تک ہندوستان میں پانچ لاکھ گز سے بھی کم تھی لیکن یہ 1835ء میں پانچ کروڑ گز ہوگئی نتیجہ یہ نکلا کہ یہاں کی صنعت اور حرفت پر زوال آگیا اور رفتہ رفتہ یہ ملک ایک زرعی ملک میں تبدیل ہوگیا۔

فارسی کے بجائے انگریزی دفتری زبان:۔ 1815ء ہی سے ہندوؤں نے انگریزی زبان پڑھنی شروع کردی تھی اور مسلمان اس زبان سے ناواقف تھے اس لیے رفتہ رفتہ سرکاری ملازمتوں کے دروازے ان پر بند ہوتے گئے۔ انگریزوں کی حکمت عملی یہ تھی کہ مسلمانوں کو معاشی اعتبار سے بے دست پا بنادیا جائے تاکہ وہ ان کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھاسکیں۔ 1835ء تک فارسی دفتر کی زبان تھی اس کے بعد فارسی کے بجائے انگریزی کو دفتری زبان بنادیا گیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی بادشاہ کو مہرا بنائے ہوئے تھی۔ انگریزوں نے ہی اکبر ثانی کو تخت پر بٹھایا تھا۔

ساقی تجھے اتنا بھی قرینہ نہیں آتا
جام اُسے دیا ہے، جسے پینا نہیں آتا

نوٹ: محمد شاہ سے اکبر ثانی تک کے بادشاہوں کے بارے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ گدھا بادشاہ نہیں بن سکتا مگر ہاں بادشاہ گدھا ضرور بن سکتا ہے۔

153 بہادر شاہ ظفر 1837ء تا 1857ء

بہادر شاہ ظفر کی پیدائش 1774ء ہے اور وہ 63 سال کی ضعیفی عمر میں 1837ء میں مغل سلطنت کی گدی پر بیٹھا۔

"آ۔ بڑھاپے ترے چہرے کی بلائیں لے لوں تجھ کو پالا ہے مری جاں جوانی کھو کر"

یہ مغلوں کا آخری ٹمٹماتا ہوا چراغ تھا۔ انگریزوں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ اس کے بعد اس کی اولاد کو لال قلعہ چھوڑنا پڑے گا۔ لیکن اُس کے زمانے میں ہی اُس کے پرچم تلے ہندوستان کی پہلی آزادی کی جنگ لڑی گئی۔ جسے انگریز حکومت نے بغاوت کا نام دیا۔

10/ مئی 1857ء میرٹھ سے بغاوت کی ابتداء ہوئی۔ اُس وقت میجر جنرل ہوٹ وہاں کمانڈر تھا۔ چربی لگے کارتوسوں کو چھونے سے انکار کرنے پر 85 سپاہیوں کو دس دس سال قید کی سزا ہوئی اور اُنہیں ہتھکڑیاں پہنا دی گئیں۔ 10/ مئی کو اتوار تھا اور انگریز اپنے گرجا گھر میں جمع تھے، شام کو اُن پر حملہ ہوا اور گیارہویں نمبر کی پلٹن نے اپنے کرنل کو مار ڈالا۔ بغاوت کا رُخ دلی کی طرف ہو گیا۔ 14/ مئی کو یہ فوج دلی پہنچی اور بارود خانے میں آگ لگا دی۔ جس سے انگریزوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ بہادر شاہ ظفر شہنشاہ تسلیم کر لئے گئے اور دہلی آزاد ہو گئی۔

سپہ سالار بخت خاں، (شہادت 13/ مئی 1859ء): بخت خاں قابل سپہ سالار تھا۔ 2/ جولائی 1857ء کو روہیل کھنڈ سے 14 ہزار کی فوج لے کر بخت خاں دلی آئے جس سے دلی کی فوج مضبوط ہو گئی مگر الٰہی بخش جو بادشاہ کا سمدھی تھا، انگریزوں کا مخبر بن گیا اور 7/ ستمبر کو اُنہوں نے پھر حملہ کر دیا لیکن 13/ ستمبر تک بخت خاں اُنہیں برابر شکست دیتا رہا۔ 14/ ستمبر کو زبردست جنگ ہوئی۔ مگر انگریز نکلسن 8748 انگریز سپاہی لیکر دلی آ پہنچا باقی سب سکھ اور گورکھے وغیرہ لڑ رہے تھے۔ 19/ ستمبر کو بخت خاں نے بادشاہ کو دلی سے محفوظ مقام پر پہنچانے کے لئے راضی کر لیا تھا، مگر انگریزوں نے الٰہی بخش کو سکھا کر بادشاہ کے پاس بھیجا اُس نے دھوکے سے بادشاہ کو ہمایوں کے مقبرے میں پہنچا دیا اور بادشاہ کو بخت خاں کے متعلق گمراہ کر دیا۔

20/ ستمبر 1857ء کو بخت خاں وہاں آئے اور بادشاہ سے بھاگ چلنے کو کہا مگر بادشاہ نے جواب دیا کہ "بہادر! مجھے تیری ہر بات پر یقین ہے۔ مگر جسم کی قوت نے جواب دے دیا ہے۔ اس لئے میں اپنا معاملہ تقدیر کے حوالے کرتا ہوں۔ مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دو اور بسم اللہ کرو یہاں سے جاؤ اور کچھ کرو۔ میں نہیں نہ سہی۔ تم یا اور کوئی ہندوستان کی لاج رکھو"۔ بخت خاں کے جانے کے بعد مشرقی دروازے

سے انگریز اندر گھس آئے، فرنگیوں کو دیکھ کر بادشاہ الٰہی بخش کی سازش کو سمجھ گئے۔

بیگم زینت محل اور شہزادہ جواں بخش کو ایک ساتھ قلعے میں قید کر دیا اور اُن کے دو فرزند مرزا مغل اور مرزا اختر اور پوتے ابو بکر کو ظالم میجر ہڈسن نے گولی مار کر ہلاک کر دیا اور ان کے سر کاٹ کر ناشتے کے وقت ایک سونے کی تھالی میں سجا کر پیش کیا تو بادشاہ کی آنکھوں میں خون اُبل پڑا۔ پھر بھی اُس نے انگریزوں پر گرجتے ہوئے کہا کہ ان کو پالا ہی اس دن کے لئے تھا کہ آج یہ اپنا سر کٹوائیں ”تیمور کی اولادیں اس طرح باپ کے سامنے سُرخرو ہو کر آیا کرتی ہیں“۔ اس کے بعد 20 ستمبر 1857ء کو لال قلعہ کی دیواروں سے مغلوں کا ہلالی پرچم اُتار کر یونین جیک لہرا دیا گیا یہ جنگ 24/ستمبر 1857ء تک جاری رہی اور 134 دن یعنی (14/مئی تا 24/ستمبر) آزاد رہ کر ہم پھر غلام ہو گئے۔ بادشاہ اور بیگم کو گرفتار کر کے رنگون بھیج دیا گیا، جہاں 1862ء میں اُن کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حیف ہے وہ بھی نہ چھوڑی تو نے او بادِ صبا
یادگارِ رونقِ محفل تھی پروانے کی خاک

بہادر شاہ کو انگریزوں کا ہی نہیں بلکہ اپنوں کی غداری کا بھی احساس تھا۔

کبھی بن سنور کے جو آگئے تو بہار حسن دکھا گئے مرے دل کو داغ لگا گئے وہ نیا شگوفہ کھلا گئے
کوئی کیوں کسی کا لبھائے دل کوئی کیوں کسی سے لگائے دل وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے
جو ملاتے تھے میرے منہ سے منہ کبھی لب سے لب کبھی دل سے دل جو غرور تھا وہ انہیں پہ تھا وہ بھی غروروں کو ڈھا گئے

بہادر شاہ کو وطن سے بہت محبت تھی۔ وہ اپنی مادرِ وطن کی گود میں ہی دفن ہونا چاہتا تھا، مگر ایسا نہیں ہوا اُس نے اپنی تمنائیں اپنے شعروں ں میں اس طرح بیان کی ہیں۔

عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں
کتنا ہے بد نصیب ظفر دفن کے لئے
دو گز زمیں بھی نہ ملی کوئے یار میں

بادشاہ کی یہ غزلیں اُن کی وطن کی محبت اور انگریزوں کے ظلم کا اظہار کرتی ہیں۔

بات کرنی مجھے مشکل، کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہے تری محفل، کبھی ایسی تو نہ تھی

چشمِ قاتل مری دشمن تھی ، ہمیشہ لیکن
جیسی اب ہو گئی قاتل ، کبھی ایسی تو نہ تھی ۔

ان شعروں سے بہادر شاہ ظفر کی نا اُمیدی ظاہر ہوتی ہے۔

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام نہ آسکے، میں وہ ایک مشتِ غبار ہوں
میرا رنگ روپ بگڑ گیا ، میرا یار مجھ سے بچھڑ گیا
جو چمن خزاں سے اُجڑ گیا میں اُسی کی فصلِ بہار ہوں
کوئی آ کے شمع جلائے کیوں، کوئی چار پھول چڑھائے کیوں
کوئی آ کے اشک بہائے کیوں، میں وہ بے کسی کا مزار ہوں

(بہادر شاہ ظفر)

متاعِ لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے
کہ خونِ دل میں ڈبو لی ہیں انگلیاں میں نے

(فیض احمد فیض)

رہبر جونپوری نے کہا ہے

تخت دلی کا وہ مظلوم شہنشاہِ ظفر
قوم افرنگ پہ جو گرا بن کے برق و شرر
جس نے اس دیش پر قربان کئے اپنے پسر
ہند کی خاک میسر نہ ہوئی جس کو مگر
اس کی خدمت کا اب کوئی پرستار نہیں   پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں

نوٹ :۔ (1) ۔بہادر شاہ ظفر کے دربار میں اُردو کے مشہور شاعر مرزا غالب (27 دسمبر 1797ء تا 15 رفروری 1869ء) رہتے تھے۔ اس کے علاوہ میر تقی میرؔ (1722ء تا 1810ء) بھی انہیں کے دور میں رہے۔ ذوقؔ دہلوی (1789ء تا 1854ء) اور داغ دہلویؔ (1813ء تا 1905ء) بھی اسی دور کے شاعر تھے۔

(2) سلطان شمش الدین التمش، سلطان ناصر الدین محمود، غیاث الدین بلبن، فیروز شاہ تغلق، شیر شاہ سوری، شہنشاہ جہانگیر، شاہ جہاں اور سلطان اورنگ زیب عالمگیر یہ سبھی بادشاہ عدل و انصاب اور رعایا پرور بادشاہ تھے۔ اُن میں اکثر نمازِ تہجد تک پڑھا کرتے تھے۔

1 عادل شاہ بیجا پور :۔ 896ھ مطابق 1490ء کو عادل شاہ نے خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا اس حکومت میں 6 بادشاہ ہوئے ہیں اور تقریباً 100 سال ان کی بیجاپور پر حکومت رہی عادل شاہ نے ایک مضبوط اور خود مختار حکومت کی۔ بیس سال حکومت کرنے کے بعد 916ھ میں فوت ہو گیا۔ اس کی بیوی ایک نومسلم مرہٹہ عورت تھی عادل شاہ نے مسلم اور غیر مسلم کے ساتھ برابر کا سلوک کیا اور مرہٹہ زبان کو حکومت کی زبان قرار دیا۔

2 نظام شاہی احمد نگر :۔ نظام شاہی حکومت کا بانی احمد نظام شاہ ایک نومسلم برہمن تھا احمد نگر کی بنیاد اسی بادشاہ نے دولت آباد کے قریب سین ندی کے کنارے رکھی تھی جہاں سے وہ دولت آباد پر آسانی سے حملہ کر سکے۔ احمد نگر کی حکومت اس قدر مضبوط تھی کہ بڑی بڑی حکومتیں بھی اس سے ڈرنے لگی تھی احمد نظام شاہ 914ھ 1508ء کو چل بسا اس حکومت میں 8 بادشاہ ہوئے اور تقریباً سوا سو سال تک حکومت کرنے کے بعد 1600ء میں مغلوں کے قبضہ میں چلی گئی۔ حالانکہ چاند سلطانہ نے مردانا لباس پہن کر مغلوں کا مقابلہ کیا تھا مگر وہ شہید ہو گئی۔

3 قطب شاہی گول کنڈہ :۔ اس حکومت کا بانی سلطان قلی قطب شاہ ایران کے شاہی ترک خاندان کا لڑکا تھا۔ اس حکومت میں 5 بادشاہ ہوئے اور اورنگ زیبؒ نے 1687ء میں گول کنڈا حکومت میں شامل کر لیا۔

4 عماد شاہی برار :۔ یہ حکومت 1484ء میں قائم ہوئی تھی۔ اس کا بانی فتح اللہ عماد الملک تھا۔ اس حکومت میں پانچ بادشاہ ہوئے ہیں عماد الملک 1503ء میں فوت ہو گیا۔

5 برید شاہی بیدر :۔ قاسم برید ترک غلام تھا۔ مرہٹوں پر فتح پانے کے بعد اس نے بڑا نام پیدا کیا۔ مرہٹوں کے سب سے بڑے سردار سمہاجی کو اسی نے قتل کیا تھا اور اس کی بیٹی سے اپنے بڑے بیٹے امیر برید کا نکاح کر دیا تھا۔ سمہاجی کی ساری جاگیر اسی کو ملی تھی۔ 1503ء میں وہ بیمار ہو کر فوت ہو گیا۔ یہ حکومت تین بادشاہوں کے بعد زوال پزیر ہوئی اور 1609ء میں بیجاپور میں شامل ہونے کے بعد ختم ہو گئی۔

ہم ہیں ہندی ہمیں اس بات سے انکار نہیں
ہم وطن دوست ہیں غیروں کے طرف دار نہیں
ہم ہیں منزل کا نشاں راہ کی دیوار نہیں
ہم وفادار ہیں اس دیش کے غدّار نہیں

(رہبر جون پوری)

باب ششم

مختصر اور جامع تاریخ

مسلمانوں کا شاندار ماضی

آدم علیہ السلام سے آزادیٔ ہند تک

(تحریک آزادیٔ ہند)

1757ء تا 1947ء

ہم نے سینچا لہو سے چمن دوستو
ہم کو پیارا ہے جہاں سے وطن دوستو
یہ تعصب کے بادل ہٹائیں گے ہم
ہم نے باندھا ہے سر سے کفن دوستو

(ساغر اعظمی)

عبدالجبار اجمیری

وطن پر جان دے دیتے ہیں جب بھی وقت آتا ہے
وطن سے پیار کی جھوٹی نمائش ہم نہیں کرتے

(میکش اعظمی)

پیش لفظ 155

ہندوستان کی (1857ء تا 1947ء) نوے سالہ جنگِ آزادی کے موضوع پر ہر زبان میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ جن میں کہیں کہیں جنگِ آزادی میں مسلم کردار کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے تو کہیں غائب کر دیا گیا ہے۔ لہذا میں نے مستند مصنفین کی کتابوں سے حقائق کو پیش کیا ہے تا کہ ہماری نسل کو اپنے اسلاف کا مختصر آئینہ مل سکے جس کی روشنی میں ہم یہ جان سکیں کہ ہندوستان میں ہم نے نرم رو اور گلبار ہواؤں میں ادب وتہذیب، اُخوت ومساوات کا سرمایہ لٹایا ہے اور یہاں کی زرخیز مٹی نے علم وحکمت کے جو ذخیرے محفوظ رکھے تھے ہمارے قدموں میں ڈال دیئے۔ ہم نے یہاں کے ذرّے ذرّے سے محبت کی اور اُسے مادرِ وطن کا لقب دیکر فرنگیوں کی دی ہوئی سزاؤں کو قبول کیا اور اس کے عشق میں گرفتار ہو کر جیلوں میں چکیاں پیسیں، کوڑے کھائے، کالے پانی کی سزا بھگتی اور پھانسی کے پھندے پر چڑھ گئے۔

مسلمانوں نے جنگ آزادی کا سفر 1757ء سے ہی تنہا شروع کیا۔ لہذا پہلی جنگ آزادی کا آغاز 1857ء سے نہیں بلکہ سو سال پہلے پلاسی کی جنگ 1757ء سے ہی شروع ہو چکا تھا۔ جسے مقامی بغاوتوں کا نام دیا گیا۔ انگریز مصنف ہومز لکھتا ہے کہ ”اختیاتا اُس وقت سے ہم نے دیسی افسر ہٹا کر اُن کی جگہ انگریز افسر رکھنے شروع کر دیئے تھے۔ جس سے دیسی افسروں میں بدگمانی پیدا ہو گئی تھی۔“

ایک انگریز مصنف ہنٹر نے ایک پوری کتاب ہندوستان کے مسلمانوں پر لکھی ہے وہ کہتا ہے کہ ”غدر کے روحِ رواں مسلمان تھے اور وہ کھلم کھلا بغاوت میں حصہ لے رہے تھے“۔ انگریزوں کی نظر میں ”مولوی“ کا لفظ ”باغی“ کے مترادف تھا اس بغاوت میں تقریباً اکیاون ہزار دو سو (51200) صرف علماء کرام شہید کر دیئے گئے تھے، یعنی کہ مولوی۔ جذبۂ آزادی کی لہر پیدا کرنے والے علی برادران تھے اور ان کی قائم کردہ خلافت کمیٹی تھی۔ جمعیۃ العلماء ہند مسلمانوں کی مذہبی اور سیاسی پارٹی تھی جس نے اپنے فتوؤں کے ذریعہ انگریزوں کا اقتصادی وسیاسی بائیکاٹ کیا۔

تحریکِ آزادی کے پورے دور میں دوسری اقوام کی قربانیوں کی کل تعداد بھی اس کے برابر نہیں ہو سکتی۔ اس کا ذکر مشہور مورخ ایڈورڈس ٹامسن نے اپنی کتاب ”تصویر کا دوسرا رُخ“ ”Other side of the medal“ میں کیا ہے۔ جب ملکہ وکٹوریہ نے عام معافی کا اعلان کیا تھا تب ایک سو بتیس (132) شہداء کی نعشیں درختوں سے لٹکی ہوئی تھیں جن کو انگریزوں نے پھانسی دے دی تھی۔

خواہ ریشمی رومال تحریک ہو، جلیان والا باغ ہو، چوری چورا کانڈ ہو، ہندوستان چھوڑو تحریک ہو یا آزاد ہند فوج ہو، تاریخ کے ہر دور میں مسلمانوں نے لاثانی قربانیاں دی ہیں۔ 1947ء تک جنگِ آزادی کے میدان میں مسلمانوں کی جگہ اگلی صفوں میں تھی۔ جیسا کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے ”بھارت کی کھوج“ (The Discovery of India) میں لکھا ہے۔

"مسلمانوں کی اکثریت نے تحریکِ آزادی میں قیادت کا رول ادا کیا ہے۔" اسی طرح ایک دوسرے مورخ شری سیتا رام نے اپنی کتاب Form Supply to Hobedar میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کے بارے میں لکھا ہے کہ "بغاوت میں مسلمانوں نے پہل کی اور ہندو بھیڑ بکریوں کی طرح ان کے پیچھے ہو لئے۔"

لارڈ رابرٹ کے الفاظ کچھ اس طرح تھے۔ "ان بدمعاش مسلمانوں کو بتا دیا جائے کہ خدا کے حکم سے صرف انگریز ہی ہندوستان پر حکومت کریں گے۔" لہٰذا اس چھوٹی سی کتاب میں فرقہ پرستوں کو یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اگر ہم نہ ہوتے تو کیا تم اکیلے ہندوستان آزاد کرا سکتے تھے؟ کوئی بھی تاریخ ہمارے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔

موہن داس کرم چند گاندھی کو مہاتما بنانے میں ہم نے ساتھ دیا، ہندو۔ مسلم ایکتا کو ہم نے قائم کیا اور مکمل آزادی کا نعرہ بھی ہم نے ہی دیا۔ جب لال قلعہ کی فصیلوں سے 20 ستمبر 1857ء میں ہماری عظمت کا ہلالی پرچم اتار کر یونین جیک لہرایا گیا تب ہمیں تو تھے جو جنگِ آزادی کے میدان میں کود پڑے اور برادرانِ وطن کا انتظار بھی نہیں کیا۔

ہماری قربانیوں کے متعلق ایک ہندو مورخ شری میوارام گپت نے اپنی کتاب "مسلمان مجاہدین" کے صفحہ نمبر 240 پر لکھا ہے کہ "ایک اندازے کے مطابق 1857ء کی پہلی جنگِ آزادی میں پانچ لاکھ مسلمانوں کو پھانسیاں دی گئی تھیں" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آزادی کی بنیاد میں ہمارا خون بڑی مقدار میں شامل تھا۔

اُردو زبان جو ہندوستان میں ہی پیدا ہوئی، 1857ء سے پہلے یہ اُردو شاعری ہندوستان کے قالب میں پھولوں کی طرح مہکتی تھی۔ شہنشاہوں کے دربار سے نکل کر جب یہ دہلی کے چاندنی چوک اور جامع مسجد کی سیڑھیوں پر آئی اور انگریزی دور میں کئی کروٹیں لیتی ہوئی جنگِ آزادی میں حصہ دار بن گئی تو پھر یہ اردو شاعری تلوار کی طرح چمکنے لگی۔ (انقلاب زندہ آباد) اور یہ وفا اور جفا بن کر انگریزوں پر چھانے لگی۔ اس نے وفا کے لبادے میں مجاہدین کا ساتھ دیا اور جفا بن کر انگریزوں پر ٹوٹ پڑی۔ حسن و عشق کے معنی بدلنے لگے، حسن دیش کی مٹی میں نظر آتا اور تحفظِ وطن کا عشق انہیں پھانسی کے پھندے تک لے جاتا۔ ہر شخص کی زبان پر وطن کے عشق کا بول بالا تھا۔

اس مادرِ وطن کی حفاظت کروں گا میں　　جب بھی بڑھے گا ظلم تو منصف بنوں گا میں
شاعر بھی اور سپاہی بھی دونوں سپوت ہیں　　وہ بندوق سے لڑے گا قلم سے لڑوں گا میں

اس طرح اُردو شاعری نے بھی جنگِ آزادی میں بھرپور حصہ لیا مختصر یہ کہ اس کتاب میں نئے چہروں کو "مسلمانوں کا شاندار ماضی" کا آئینہ دکھانے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ ہماری نوجوان نسل کے بچے بچیاں اس کیبل، ٹی۔ وی کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں نور کے اُن میناروں کو پہچان سکیں جو مسلم قوم کا سرمایۂ فخر و امتیاز ہیں۔

خار بن کر بھی ترے گلشن کے نگہبان ہیں ہم　　ہم سے ترا گلشن آباد ہے برباد نہیں

عبدالجبار اجمیری

156 ہندوستان میں یورپ کی آمد 1498ء تا 1600ء

1498ء میں یورپ نے ہندوستان کا سراغ لگا کر اپنا نمائندہ واسکوڑی گاما ہندوستان میں بھیجا۔ وہ اس وقت کا سب سے زیادہ کامیاب جہاز راں تھا۔ وہ پہلا ایسا شخص تھا جو یورپ سے جہاز کے ذریعے ہندوستان پہنچا تھا۔ واسکوڈی گاما کو پرتگال کے بادشاہ نے مینوئل یکم نے اس کام پر مامور کیا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ مشرقی علاقوں کی تلاش کرے اور وہاں کے بازاروں میں اپنی تجارت کو فروغ دے۔ دیگر یورپی ممالک کی طرح پرتگال کا بادشاہ بھی یہی سمجھتا تھا کہ ہندوستان ایک عیسائی ملک ہے۔ اس لئے کہ واسکوڈی گاما نے سب سے پہلے افریقہ کا چکر لگایا۔ 20 مئی 1498ء کو وہ ہندوستان پہونچا۔ اس کے بعد جب وہ 1499ء میں پرتگال واپس پہونچا تو اس کے پاس 170 میں سے 54 ساتھی اور محض دو جہاز باقی تھے۔ آخر 1524ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔ اس کے ہندوستان میں آنے کے 66 سال بعد 1564ء میں انگریزوں نے پوری مکاری اور عیاری کے ساتھ شہنشاہ اکبر سے تجارت کا حیلہ ظاہر کرکے ہندوستان میں آمد کی اجازت لے لی۔

157 ایسٹ انڈیا کمپنی 1600ء

ایسٹ انڈیا کمپنی کا پہلا جہاز 1600ء میں سورت (گجرات) پہنچا۔ 1686ء میں پہلی بار اس کمپنی میں جوسیا چائیلڈ نے ہندوستان سے سیاسی فائدہ اُٹھا کر سورت میں سیاسی طاقت حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اُس وقت مغل بادشاہ اورنگ زیب کو کمپنی پر بہت غصہ آیا اور اُس نے پٹنہ قاسم بازار اور سورت کی اُن کی کئی کوٹھیاں چھین لی اور گورنر چائیلڈ کو ملک چھوڑ دینے کا حکم دے دیا، جس سے پریشان ہوکر گورنر نے اپنی جان دے دی۔

اس کمپنی نے 1651ء میں بنگال میں بھی کاروباری کوٹھی بنائی تھی اور اس طرح دھیرے دھیرے انگریزوں کا حوصلہ بڑھتا گیا۔ اور اُنہوں نے سیاست میں حصہ لینا شروع کردیا۔

158 جنگ آزادی کا آغاز 1757ء تا 1857ء

جب ہندوستان میں جنگ آزادی کے لئے مسلمان مجاہدین نے اپنے سفر کا آغاز کیا، تاریخ شاہد ہے کہ یہ سفر مسلمانوں نے تنہا 1757ء سے شروع کیا اور کبھی ان میں لغزش نہیں آئی۔ انیسویں صدی کے بعد کہیں جا کر برادران وطن نے ان کا ساتھ دیا۔ بنگال کے کمشنر آف پولس اور کیپٹن بلنگھم اور ڈبلو ڈبلو ہنٹر کی رپورٹ اس طرح تھی۔

”سرحدی علاقوں میں مجاہدین آزادی کی انگریزوں سے مسلسل جنگ ہوتی رہی۔ انگریزی رپورٹوں کے مطابق ایک ایک مقابلے میں کئی کئی سو مجاہدین شہید ہوتے تھے۔ لیکن ان کے پائے استقامت میں کبھی جنبش نہیں آئی۔ اور وہ ہمیشہ آگے بڑھتے رہے“۔

یہاں ہم یہ بات واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ نواب سراج الدولہ، حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے انگریزوں کے خلاف پہلی جنگ لڑی اور کوشش کی کہ ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے بچایا جائے۔ اگر اپنوں نے نمک حرامی اور غداری کا مظاہرہ نہ کیا ہوتا تو انگریز اس ملک سے کبھی کے جا چکے ہوتے۔ جب کلایو نے امی چند کو تیس لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا تو وہ نواب صاحب سے غداری پر اتر آیا۔ اور میر جعفر نے نواب بننے کے لالچ میں پورے ملک کو انگریزوں کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ اور اس طرح انگریز صرف ناپاک سازشیں اور عیارانہ چالوں کی بدولت ہی یہاں قائم ہوئے۔ جیسے انگریزوں نے ٹیپو سلطان کا مقابلہ کرنے کے لیے نظام حیدرآباد کو لالچ اور مراٹھوں کو چودہ لاکھ روپے کی خطیر رقم دینے کا وعدہ کر کے اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ چنانچہ مسز اینی بسنت ان کے بارے میں لکھتی ہیں۔

”کمپنی والوں کی جنگ سپاہیوں کی جنگ نہ تھی بلکہ تاجروں کی جنگ تھی ہندوستان کو انگلستان نے اپنی تلوار سے نہیں فتح کیا بلکہ خود ہندوستان کی تلوار سے اور رشوت و سازش، نفاق اور حد درجہ کی دو رخی پالسی پر عمل کر کے اور ایک جماعت کو دوسری جماعت سے لڑا کے اسے یہ ملک حاصل ہوا“۔

159 پلاسی کی جنگ (نواب سراج الدولہ) 1719ء تا 1757ء

علی وردی خاں کے 9 اپریل 1756ء کے انتقال کے بعد بنگال کی فضا پر مایوسی کے بادل چھانے لگے ایسے موقعے پر 10 اپریل 1756ء میں سراج الدولہ بنگال اور اڑیسہ کی مسند صوبے داری پر تخت نشین ہوئے اس وقت انگریز کلکتہ کے قلعہ فورٹ ولیم کی مرمت کر رہے تھے اور دوسرے قلعے بھی تعمیر کر رہے تھے۔ نواب صاحب نے سب سے پہلے انگریزوں کی قلعہ بندی روکنی چاہی اور ان کو ان کی شرارتوں کا مزہ چکھا کر جون 1756ء میں انھیں کلکتہ سے نکال دیا۔

نواب صاحب کی ایک خالہ مہر النساء نے اپنے خاص دیوان راجا ولبھ کے ذریعہ سے خط و کتابت شروع کر دی۔ انگریزوں نے مہر النساء کی حمایت کرنے کا وعدہ یعنی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی اس کی ہر ممکن مدد کرتی رہے گی۔ مہر النساء کی یہ حرکت دیکھ کر نواب صاحب نے پہلے اس کو ایک خط لکھنا طے کیا اور اپنے والدہ کے مشورے سے لکھا جس میں ڈھاکہ کے خزانے کا حساب طلب کیا۔ اور رقم کو مرشد آباد کے خزانے میں جمع کرانے کا مطالبہ کیا مگر مہر النساء کے انکار پر سراج الدولہ کو فوج کشی کرنی پڑی۔

نواب سراج الدولہ نے پلاسی کے میدان میں انگریزوں سے 23 جون 1757ء کو مقابلہ کیا۔ مگر میر جعفر، جگت سیٹھ، ولبھ رائے، امیت چند (امی چند) اور مانک چند نے نواب صاحب سے غداری کی۔ لہذا ان کی غداری سے نواب صاحب کو شکست ہوئی، کیونکہ میر جعفر جس کو نواب صاحب نے کلکتہ کا گورنر بنادیا تھا۔ اور جس کی کمان میں نواب صاحب کی دو تہائی فوج تھی مگر وہ کھڑا کھڑا تماشا دیکھتا رہا اور نواب صاحب کو دھوکے میں رکھا۔ غدار میر جعفر کو رابرٹ کلائیو نے اپنی طرف ملا لیا تھا اور اس نے 2 جولائی 1757ء کو نواب صاحب کو قتل کروا دیا اور انگریزوں نے پورے بنگال پر قبضہ کر لیا۔ رابرٹ کلائیو جو انگریزوں کو پہلا گورنر جنرل تھا۔ اس نے 29 جون 1757ء کو مرشد آباد پہونچ کر میر جعفر کو بنگال، بہار اور آسام کا نواب بنادیا۔ 3 سال بعد میر جعفر کو معزول کر کے اس کے داماد میر قاسم (1760ء تا 1763ء) کو نواب بنادیا اور جب میر قاسم نے انگریزوں کے اشارے پر ناچنے سے انکار کر دیا تو انھوں نے پھر میر جعفر کو نواب بنادیا۔ اس وجہ سے لوگ میر جعفر کو انگریز گورنر رابرٹ کلائیو کا گدھا کہتے تھے۔

غزالہ تم تو واقف ہو، کہو مجنوں کے مرنے کی
دیوانہ مر گیا، آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

160 بکسر کی جنگ 22 اکتوبر 1764ء

مرشد آباد کے حاکم میر قاسم، اودھ کے تیسرے نواب شجاع الدولہ (1754ء تا 1775ء) اور مغل حکمراں شاہ عالم کی مدد سے بکسر کے مقام پر انگریزوں سے 22 اکتوبر 1764ء کو دوسری جنگ ہوئی جس میں اتحادیوں کو شکست ہوئی۔ میر قاسم 23 اکتوبر 1764ء کو شہید کر دئے گئے۔ شجاع الدولہ کی شکست کے بعد اودھ کی ریاست انگریزوں کے زیر اثر آ گئی۔ اور شاہ عالم نے انگریزوں کی اطاعت قبول کر لی۔ انگریزوں نے بادشاہ کو 26 لاکھ روپے سالانہ معاوضہ دینا منظور کر لیا۔ (ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ 378)

161 نواب حیدر علی وفات 1782ء

میسور میں حیدر علی اپنی بہادری اور بلند اخلاق کی وجہ سے فوج میں بہت مقبول تھا۔ راجا کی رعایا بھی اسے چاہتی تھی۔ جب راجا نے حیدر علی کو ہٹانے کے لیے مرہٹوں سے مدد لینی چاہی تو حیدر علی نے راجا کو معزول کر کے 1766ء کو اپنی حکومت کا اعلان کر دیا اور آس پاس کے علاقوں کو فتح کر کے انھیں بھی اپنی ریاست میں ملا لیا۔ میسور کے شمال کی طرف مرہٹوں اور نظام حیدر آباد کے علاقے تھے اور جنوب کی طرف انگریز تھے۔ جن کے قبضے میں مدراس کا علاقہ تھا۔

انگریزوں نے حیدر علی کی طاقت سے گھبرا کر مرہٹوں اور نظام کو اپنے ساتھ ملا لیا اور تینوں نے مل کر میسور پر حملہ کر دیا۔ حیدر علی نے تینوں سے ڈٹ کر مقابلہ کیا کہ دشمنوں کے چھکے چھوٹ گئے اور وہ صلح کرنے پر مجبور ہو گئے۔

حیدر کے علاقے میں ایک بندرگاہ تھی جس کا نام "ماہی" تھا۔ جب انگریزوں نے اس پر قبضہ کرنا چاہا تو حیدر علی نے ان پر سخت حملہ کر دیا۔ انگریز فوج میں بھگدڑ مچ گئی انھوں نے صلح کے لئے ایلچی بھیجا مگر حیدر انگریزوں کی مکاری سے واقف تھا اس لئے صلح نہ ہو سکی۔ ایک طرف اس کا لڑکا ٹیپو بھی فوجیں لے کر انگریزوں کے مورچے توڑتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ تب انگریز مدراس کے قلعے میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ اچانک حیدر علی بیمار پڑ گئے اور انھوں نے ٹیپو کو بلاوا بھیجا جو کہ میدان جنگ میں لڑ رہا تھا لیکن قاصد راستے ہی میں تھا کہ 6 دسمبر 1782ء کو حیدر علی کا انتقال ہو گیا۔

حیدر علی کی وفات کی خبر ٹیپو کو میدان جنگ میں ملی۔ اسے بے حد دکھ ہوا۔ مگر ریاست چاروں طرف

سے دشمنوں سے گھری ہوئی تھی۔ سلطان ٹیپو کے دوسرے بھائی شہزادہ کریم کو کچھ دنوں کے لیے میسور کا حکمراں بنا دیا گیا۔ جب ٹیپو واپس آیا تو شہزادہ کریم تخت سے دست بردار ہو گیا۔

162 ٹیپو سلطان 1766ء تا 1799ء

26 دسمبر 1782ء کو ٹیپو تخت پر بیٹھا۔ اس موقع پر ایک شاندار جشن منایا گیا اور گھر گھر چراغاں ہوا۔ شاعروں نے ٹیپو کی شان میں قصیدے لکھے انھیں انعام واکرام سے نوازا گیا۔

مراہٹوں سے جنگ:۔ پہلے تو ٹیپو کی مراٹھوں سے خوفناک جنگ ہوئی جس میں مرہٹوں کے ہوش اڑ گئے اور وہ میدان جنگ سے بھاگ نکلے آخر ان میں صلح ہو گئی اور قیدیوں کو بھی رہا کر دیا گیا۔

نظام سے صلح کی کوشش: مرہٹوں سے فرصت ملنے پر سلطان ٹیپو نے نظام حیدر آباد کے دربار میں صلح کے لئے پیغام بھیجا کہ

”حضور والا! ہماری آپسی نا اتفاقی سے انگریزوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ وہ ہمیں لڑوا کر ہندوستان پر قبضہ کررہے ہیں۔ اس سے بہتر ہے کہ ہم آپس میں صلح کرلیں اور اس کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ ہمارے خاندان کی لڑکیاں آپ کے خاندان میں بیاہی جائیں اور آپ کے خاندان کی لڑکیاں ہماری خاندان میں۔ اس طرح رشتہ داریاں قائم ہو جائیں گی اور آپس میں لڑنے بھڑنے کا امکان بھی ختم ہو جائے گا“۔

نظام اس پیغام سے بے حد خوش ہوا مگر اس کے وزیروں اور محل کی عورتوں نے اسے بہکایا اور کہا کہ ٹیپو نیچ ذات کا ہے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ہماری لڑکیاں اس کے یہاں بیاہی جائیں۔ اگر نظام ٹیپو کی بات مان لیتا تو ان دونوں کی طاقت کے سامنے نہ انگریز ٹھہر سکتے اور نہ مرہٹے اور اس طرح ہندوستان کو ڈیڑھ سو برس تک انگریزوں کی غلامی نہ کرنی پڑتی۔

انگریزوں مراٹھوں اور نظام کا گٹھ جوڑ: ٹیپو کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد انگریز حسد کی آگ میں جل رہے تھے۔ انگریزوں کے سپہ سالار کارنوالس نے مرہٹوں اور نظام سے کہا ”ٹیپو کے علاقے بالاکوٹ پر قبضہ کر کے اسے آپس میں تقسیم کرلو“ مرہٹے اور نظام بہت خوش ہوئے اور انھوں نے مل کر

جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں اور دوسری طرف ٹیپو کے علاقے میں سازشوں کا جال پھیلا دیا اور ضمیر فروشوں سے ملک کا سودا کرنے لگے۔

ان غداروں میں کشن راؤ تھا جس کی وجہ سے بنگلور کا قلعہ انگریزوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔

کشن راؤ کا انجام: کشن راؤ کی بیوی ایک نیک خاتون تھیں جب اس کو اپنے شوہر کی غداری کا علم ہوگیا۔ تو اس کو اپنے شوہر کی حرکتوں پر بہت دکھ ہوا۔ اور اس نے اپنے شوہر کی غداری کی خبر سلطان کی والدہ کو دے دی۔ جب کشن راؤ کو گرفتاری کا حکم دیا گیا۔ تو وہ بہت ڈرا اور کمرے کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گیا۔ مگر سپاہیوں نے دروازہ توڑ ڈالا اور تلوار سے اس کا قیمہ کر دیا۔ اور لاش بازار میں پھینک دی کیونکہ مرتے دم اس نے کہا تھا کہ میں نے جو آگ لگائی ہے اسے سلطان زندگی بھر نہ بجھا سکے گا۔

لارڈ ویلزلی اور نظام: جب لارڈ ویلزلی انگریز جنرل بن کر آیا یہ شخص بے حد چالاک اور جوڑ توڑ کرنے میں ماہر تھا۔ اس کا پہلا شکار نظام حیدر آباد ہوا۔ اس نے پہلے نظام کے وزیر کو پھانسا پھر حیدر آباد میں اچانک انگریز فوجیں داخل ہوگئیں۔ اور ذلیل شرطیں پیش کیں اور اسے مجبور کر دیا گیا۔ اس طرح حیدر آباد کی ریاست انگریزوں کے ہاتھ میں چلی گئی۔

لارڈ ویلزلی اور مرہٹے: نانا فرنویس مرہٹوں کا پیشوا تھا۔ وہ بڑا سمجھدار اور چالاک تھا۔ جب ویلزلی نے ان سے شرطیں رکھیں اس نے جواب دیا کہ فی الحال ہم ان کی شرطیں قبول نہیں کر سکتے آپ سے دوستی رکھتے ہیں اور اگر سلطان ٹیپو سے جنگ ہوئی تو ہم انگریزوں کا ساتھ دیں گے اس جواب سے ویلزلی مطمئن ہوگیا۔ کیونکہ اس کا سب سے بڑا دشمن تو ٹیپو ہی تھا۔

پلاسی کی جنگ جیتنے کے بعد انگریزوں کے حوصلے بڑھ گئے اور اُنہوں نے اب میسور کی طرف رُخ کیا۔ میسور کے نواب حیدر علی اور سلطنت خداداد تھی۔ جس نے آخر دم تک انگریزوں کے خلاف جنگ جاری رکھی اور اپنی قوم کو غلامی سے بچانے کے لیے جان بھی قربان کر دی۔ اُس کے ولی عہد ٹیپو سلطان تھے جو 1775ء میں پیدا ہوئے تھے۔ اب برطانوی حکومت کا ایک اہم مقصد میسور کی سلطنت کو قابو میں کرنا تھا۔ اس لئے اُنہوں نے کلکتہ اور بمبئی سے انگریز افسر اور لشکر بلائے اور برطانیہ میں اس سلطنت کو شکست دینے کے لئے کافی غور

کیا۔ انگلستان سے بے پناہ فوج میسور میں بلائی گئی اور لارڈ ویلیزلی کو گورنر جنرل بنا کر 1758ء میں بھیجا گیا۔ گورنر لارڈ ویلیزلی نے یہاں آ کر مراٹھوں کو چودھ لاکھ روپے دیئے اور نظام حیدر آباد کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس طرح ان تینوں نے مل کر میسور کے غداروں کو بھی اپنے ساتھ ملا کر ایک مضبوط طاقت جمع کر لی۔ میسور کے میدان جنگ میں خون بہا اور ٹیپو سلطان دشمن سے لڑتا ہوا یہ کہتے ہوئے کہ ''گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے'' 4 مئی 1799ء شہید ہو گیا۔ اُن کے ساتھ میسور کے بارہ ہزار مجاہدین آزادی کو بھی شہادت نصیب ہوئی۔ اس طرح انگریزوں نے 1799ء میں دارلسلطنت سری رنگا پٹنم پر قبضہ کر لیا۔

جنازہ: سلطان شہید کی لاش میدان جنگ سے پالکی میں ڈال کر محل میں بھیج دی گئی۔ محل میں ایک کہرام مچا ہوا تھا۔ کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑی نہ لگی ہو۔ جنازہ کے آگے 4 انگریز کمپنیاں ادب سے چل رہی تھیں۔ ہزاروں ہندو اور مسلمان عورتیں اور مرد جنازے کو دیکھ دیکھ کر دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ ہندو اور مسلمان عورتیں سروں میں راکھ ڈال کر ماتم کر رہی تھیں۔

سلطان کا ہندوؤں سے سلوک: سلطان کے دربار میں بہت سے امیر وزیر ہندو تھے۔ پورنیا سلطان ٹیپو کا بہت ہی غدار تھا اور انگریزوں کا وفادار تھا وزیر مالیات تھا۔ اسی طرح کشن راؤ اور کھانڈے راؤ سرنگا پٹم اور بنگلور کے قلعوں کے حاکم تھے۔

عدل وانصاف: سلطان عدل وانصاف کے معاملے میں کوئی بھید بھاؤ نہیں برتتا تھا اس ایک واقعے سے اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہو سکتا ہے۔

سرنگا پٹم میں ایک مسلمان بزرگ پیر لدّا نام کے رہتے تھے۔ ایک بار ٹیپو کے دربار میں پیر لدّا نے شکایت کی کہ ہندوؤں نے ان کے مریدوں کو مارا پیٹا ہے۔ سلطان نے تحقیقات کی تو پتا چلا کہ زیادتی پیر لدّا کے مریدوں کی ہے۔ انھوں نے ہندوؤں کے ایک جلوس پر حملہ کر کے پہلے انھیں مارا پیٹا تھا۔ جواب میں ہندوؤں نے ان کے چند آدمیوں ک زخمی کر دیا۔ جب سلطان نے پیر لدّا کے مریدوں کو جھوٹا ثابت کیا تو پیر لدّا ان سے بگڑ گیا اور بولا۔ ''ہندوؤں کا مسلمانوں پر ہاتھ اٹھانا اسلام کی توہین ہے'' سلطان نے جواب دیا ہماری سلطنت میں ہندو اور مسلمانوں کو برابر کا حق ہے ہم انصاف کے معاملے میں کسی کی رعایت نہیں کر سکتے۔ یہ

بات پیرلڈا کو بری لگی۔ اور اس نے سلطان کی ریاست سے نکل جانے کی دھمکی دی۔ سلطان نے جواب دیا آپ کی مرضی۔ چنانچہ پیرلڈا سلطان کی سلطنت سے نکل کر مدراس چلے گئے۔

موٗرخوں کے خیالات:۔ ایک مورخ نے ٹیپو کے بارے میں لکھا ہے۔

☆ ''دُنیا کی تاریخ مشکل سے ٹیپو کی نظیر (مثال) پیش کر سکے گی۔ اگر مراٹھے اور نظام غداری نہ کرتے تو ہندوستان کی تاریخ کچھ اور ہی ہوتی۔'' مصنف محمود صاحب لکھتے ہیں کہ

☆ ''ٹیپو نے انگریزوں کو مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن سمجھا تھا۔ اُس نے مغل شہنشاہ شاہ عالم کے ساتھ ساتھ تمام حکمرانوں کو انگریزوں کے خلاف جہاد میں شریک ہونے کی اجازت دی''۔

شہنشاہ بہادر شاہ ظفر نے اپنے ایک شعر میں ٹیپو کا ساتھ نہ دینے کے واقعہ کو کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔

اعتبارِ صبر و طاقت خاک میں رکھوں ظفر
فوجِ ہندوستان نے کب ساتھ ٹیپو کا دیا

(بہادر شاہ ظفر)

☆ ''کارل مارکس'' نے اپنی کتاب میں لکھا تھا۔ ''تیس سالوں تک میسور کے لوگوں نے اپنی طاقت اور آزادی کی خاطر برطانوی حکومت کو اُوپر کی جانب بڑھنے سے روکے رکھا۔ حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر برٹش حکومت کے خلاف نفرت کی قسم کھائی تھی۔''

☆ جنگ میں ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد اُن کے خون میں لت پت جنازہ کو دیکھ کر جنرل ہاشو نے انتہائی غرور اور خوشی کے ساتھ اعلان کیا تھا۔

''آج ہندوستان ہمارا ہے'' (بھارت سمیدھا کن وکاس تھارا شریہ اندھولن آر۔ سی۔ اگروال صفحہ نمبر 56)

ٹیپو اپنے باپ حیدر علی کے ساتھ ہر جنگ میں شریک ہوا کرتا۔ خاص طور پر جو جنگیں انگریزوں سے لڑی گئیں ان میں وہ بڑی دلچسپی لیتا تھا اس کا ثبوت تاریخ کے اوراق میں موجود ہیں۔ حیدر علی کے زمانے میں انگریزوں سے پہلی جنگ 1767ء میں لڑی گئی۔ اس جنگ میں سلطان اپنی کمسنی کے باوجود 7000 فوج کے ساتھ شریک تھا۔ 1780ء میں دوسری جنگ میں بھی ٹیپو سلطان پیش پیش تھا

اور 1782ء میں اپنے والد کی وفات کے بعد بھی دو سال تک اُس نے جنگ جاری رکھی۔ ٹیپو نے اپنے والد کی یاد میں دریا آباد میں کاویری ندی کے کنارے ایک مقبرہ بنوایا جو میسور میں واقع ہے اس کے علاوہ آنند پور میں ایک سونے کا دروازہ تعمیر کروایا اور اس میں ایک پتھر جڑا دیا جس کا نام سندر دروازہ ہے۔

1791ء میں انگریزوں سے سلطان کی براہ راست جنگ ہوئی اس میں بھی سلطان نے انگریزوں کے دانت کھٹے کر دیے۔ اور 4 رمئی 1799ء میں چوتھی اور آخری جنگ میں جامِ شہادت نوش فرما کر تاریخ کے صفحوں میں اپنا مقام محفوظ کر لیا۔ اس جنگ میں جاتے ہوئے آپ نے ہندوستانیوں کو للکار کر کہا تھا کہ اس غداری کا نتیجہ تمہیں اُس وقت معلوم ہوگا جب تم اور تمہاری آئندہ نسلیں اسی ملک میں محتاج ہو کر دانے دانے کو ترسیں گی۔

سلطان ٹیپو کی جواں مردی کا اعتراف کرتے ہوئے سر جون انیس ٹرٹھر (Sir Jhon Anis Trother) جو اس وقت کلکتہ کا چیف جسٹس تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ ”ٹیپو کی طاقت ہماری فوجوں کو شکست دینے کے لئے کافی تھی، اس کے مرتے ہی ہندوستان پر ہمارا قبضہ ہو گیا۔“

”بقول شاعر“

زمانہ گرچہ مخالف بھی پایا ٹیپو نے
کرے گا کون جو کچھ کر دکھایا ٹیپو نے
دکھائے اس نے شجاعت کے خوب ہی جوہر
ادھر وہ یک و تنہا ، خدائی ساری اُدھر

آخر میں ہم اُن کی شہادت پر خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں جو ہندوستان میں آزادی کا آخری محافظ تھا۔

اے شہید! اے مرد میدانِ وفا تجھ پر سلام
تجھ پہ لاکھوں رحمتیں لا انتہا تجھ پر سلام

163 مولانا احمد شہید اور مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ (شہادت) 6 مئی 1831ء

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (1703ء تا 1823ء) نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا اور جہاد کا فتویٰ صادر فرمایا تھا کہ "ہمارا ملک غلام بن چکا ہے لہٰذا ملک کی آزادی کی جدوجہد کرنا ہر شخص کا فریضہ ہے"۔ سید احمد شہید بریلوی (1786ء تا 1831ء) اور مولانا شاہ اسماعیل شہید (1779ء تا 1831ء) نے انگریزوں اور ان کی معاون جماعتوں کو فتویٰ کی روشنی میں جہاد کی تحریک کو پورے ملک میں عام کیا طاغوتی طاقتوں سے ٹکر لینا اور ملک کو آزاد کرانا ان کا بنیادی مقصد تھا۔ سید احمدؒ وہابی تحریک نے انگریزوں کے خلاف اعلان جہاد کر کے مسلمانوں کی حب الوطنی پر تقدس کی مہر ثبت کر دی۔

شاہ اسماعیل شہید ان علماء میں سے تھے جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ سید احمد شہید سے بیعت کے بعد آپ سایہ کی طرح ان کے ساتھ رہے اور پوری زندگی جہاد میں گزاری اور انہیں نے بالاکوٹ میں 1246 ہجری مطابق 6 مئی 1831ء میں 300 ساتھیوں کے ساتھ شہادت پائی۔ شیخ الہند نے حجاز (مکہ مدینہ کا علاقہ) روانہ ہونے سے پہلے ریاست ٹونک سے مولانا اسماعیل شہید کے فتویٰ کی نقل حاصل کی تھی۔

لارڈ ڈلہوزی کا ظلم (1848ء-1856ء): لارڈ ڈلہوزی کے عہد حکومت میں ہندوستانیوں کو اتنا آزردہ کر دیا تھا کہ بغاوت کے سوا کوئی چارہ نہ تھا وہ خود لکھتا ہے کہ "انگریزوں کی حکومت کا فرض ہے کہ ہر ایسے موقعوں سے فائدہ اُٹھایا جائے جس سے اس کی مملکت یا دولت میں اضافہ ہو"۔ لہٰذا کمپنی نے ستارا کی ریاست کو لاولد قرار دے کر اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اسی طرح اودھ پر قبضہ کیا۔ ناناصاحب کو اس کی آٹھ لاکھ روپے کی پینشن سے محروم کر دیا۔ مختصر یہ کہ اُن کے عہد تک ہندوستانیوں کے دل ودماغ پریشان ہو چکے تھے جس نے 1357ء کے غدر کو جنم دیا۔

بہادر شاہ ظفر 1837ء تا 1857ء: 1803ء میں شاہ عالم کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے ماتحت کر لیا تھا اور اس کے بعد اکبر ثانی کو تخت پر بٹھایا گیا۔ بہادر شاہ ظفر کو 63 سال کی عمر میں مغلوں کی ڈوبتی ہوئی کشتی کا ملاح بنایا گیا۔ گویا 1803ء سے ہی ہندوستان کی آزادی کی جنگ شروع ہو گئی تھی جس میں علماء ہند کی قربانیوں کے ذکر سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں جن کا ذکر مولانا سید میاں کی کتاب "علماء ہند کا شاندار ماضی" میں دیکھا جا سکتا ہے۔ 1857ء کے غدر کی قیادت بہادر شاہ ظفر نے کی جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ آخر 20 ستمبر 1857ء کو

مغلوں کی عظمت کا ہلالی پرچم اتار کر دلی کے لال قلعے پر یونین جیک لہرا دیا گیا۔

164 انگریزوں کے خلاف غدر 1857ء

مسلمانوں نے نہ صرف غدر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا بلکہ اُنہوں نے ہی میرٹھ، دلی، لکھنؤ، پٹنہ، آلہ آباد، فیض آباد، حیدر آباد، بنگال میں سپہ سالاری اور امامت کا رول بھی ادا کیا تھا۔ ایس تاراچند لکھتا ہے کہ ”مولویوں نے انگلشیہ سلطنت کے خلاف تمام تحریکات میں اہم کردار ادا کیا ہے، جس کے سبب 1857ء کی جنگ آزادی ممکن ہوئی“۔ برٹش آرمی جنرل جس نے 1857ء میں مسلمانوں کے خلاف محاذ آرائی کی تھی۔ اُس نے اپنی کتاب Rebellion Cleric میں اس کی وضاحت کی ہے کہ ”ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف غدر کی بغاوت کے اصل ہیرو یہی علماء کرام تھے، یعنی مولوی۔ کہتے ہیں کہ پہلی جنگِ آزادی میں منگل پانڈے کو سب سے پہلے پھانسی کی سزا ہوئی تھی۔ مگر پانڈے کے متعلق بھدرراج بنشی اپنے ایک غیر مطبوعہ مضمون میں لکھتے ہیں کہ ”منگل پانڈے بیرک پور چھاؤنی کا ایک فوجی تھا 29/مارچ 1857ء میں اُس کے اپنے افسروں سے کچھ کہا سنی ہوگئی۔ نتیجتاً بدلے کی آگ میں اس نے دو انگریز افسروں کو وہیں ڈھیر کر دیا منگل پانڈے کو گرفتار کرلیا گیا اور 8/اپریل 1857ء کو وہیں اُس کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ یہ اس کا جرأت مندانہ اقدام ہوسکتا ہے لیکن یہ انقلاب کی بنا نہیں ہوسکتی۔ اس کی قربانی بیرک پور تک محدود رہ گئی۔ اس کی پھانسی کے بعد کہیں بھی بغاوت شروع نہ ہوسکی۔“

ہمارا خیال یہ ہے کہ بھلے ہی بغاوت شروع نہ ہوئی ہو مگر منگل پانڈے کی شہادت سے انگریزوں کے خلاف جذبۂ بغاوت ضرور پیدا ہوگیا تھا۔ کیونکہ اُنہیں 18/اپریل 1857ء کو پھانسی دیئے جانے کا حکم سنایا گیا تھا مگر بغاوت کے ڈر سے 8/اپریل کو ہی پھانسی دے دی گئی۔

انقلاب:۔ (31 مئی 1857ء) لال قلعہ میں انقلاب لانے کی خفیہ میٹنگیں ہوئیں جن میں عظیم اللہ، احمد اللہ شاہ، نانا صاحب پیشوا، دھودھو پنت وغیرہ شامل تھے۔ 1856ء میں مولانا احمد اللہ شاہ میرٹھ کا دورہ کر چکے تھے۔ اپریل 1857ء میں نانا دھودھو پنت اور عظیم اللہ دونوں میرٹھ میں آئے اور اُنہوں نے پورے ملک میں بغاوت شروع کرنے کے لئے انقلاب کی تاریخ 31/مئی 1857ء طے کی۔ مگر سور کی چربی لگے

کارتوسوں کی وجہ سے میرٹھ، یوپی اور نچ چھاؤنی (راجستھان) میں یہ انقلاب کی آگ پہلے ہی بھڑک چکی تھی۔ سوّر اور گائے کی چربی لگے کارتوسوں کے استعمال کے لئے منہ لگانا پڑتا تھا۔ جس سے ہندو مسلم دونوں نے اعتراض کیا اور اُسے حرام قرار دیا۔ لہٰذا 85 مسلم گھوڑسواروں کو کارتوس نہ چھونے کی وجہ سے دس دس سال کی سزائیں سنائی گئیں۔ اور اُنہیں پیدل چلا کر سورج کنڈ کی جیل میں ڈال دیا گیا۔

(غیر مطبوعہ تحقیقی مضمون میرٹھ صفحہ 5، 1889ء)

جذبۂ طوائف:۔ ''باغی میرٹھ'' کے مصنف رحمت نظمی صفحہ 25 پر لکھتے ہیں۔ ''9/ مئی کو کچھ سپاہی صدر بازار میں طوائفوں کے کوٹھوں پر تفریح کے لئے پہنچے تو اُنہیں تعجب ہوا کہ طوائفوں نے قیدیوں کے غم میں کوٹھے نہیں سجائے ہیں، ہارمونیم خاموش اور طبلے اُلٹے پڑے ہیں۔ سپاہیوں نے وجہ دریافت کی تو جواب میں غیرت دلاتے ہوئے طوائفوں نے کہا تھا ''تم نے بڑی بڑی مونچھیں لگا رکھی ہیں مگر تم مرد نہیں ہو، زنانے ہو، اگر مرد ہوتے تو انگریزوں سے اپنے بھائیوں کے دوش بدوش کھڑے ہو کر جنگ کرتے اور انہیں چھڑا لاتے''۔ لہٰذا 10/ مئی شام کو میرٹھ میں بغاوت شروع ہو گئی۔ جیل کے دروازے توڑ دیئے گئے اور (50) قیدی جیل سے سورج کنڈ سے آزاد کروا لئے گئے۔ شیخ امیر اللہ اور قادر بخش نے گولیاں چلانی شروع کر دی اور قیدیوں کو چھڑا لیا گیا۔ کرنل فنس، کپتان ڈونالڈ، ہنڈسن وغیرہ 39 انگریزوں کو مار ڈالا۔ اس کے بعد قیصر جنگ کی پرانی جیل سے بھی 720 قیدیوں کو رہا کر لیا گیا۔ اس وجہ سے بہت سے مسلم مجاہدوں کو پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا گیا۔ باغی دلی کی طرف بڑھتے ہوئے یہ گیت گاتے جاتے تھے۔

آیا فرنگی دور سے، ایسا منتر مارا   لوٹا دونوں ہاتھوں سے، پیارا وطن ہمارا
آج شہیدوں نے تم کو اے اہلِ وطن پکارا   توڑ غلامی کی زنجیریں، برساؤ انگارا
ہندو مسلم سکھ ہمارا بھائی پیارا پیارا   یہ ہے آزادی کا جھنڈا، اسے سلام ہمارا

(جنگِ آزادی میں مسلمانوں کی قربانی صفحہ۔ 61)

اس طرح 1757ء سے 1900ء تک جتنے مسلمان مجاہدین شہید ہوئے، پھانسی پر لٹکائے گئے، یا جنہیں عمر قید ہوئی یا کالا پانی کی سزا دی گئی، اُس کے برابر دوسری قوموں کے لوگ شہید نہیں کئے گئے۔ جیسا کہ وائسرائے لارڈ رابرٹسن نے مسلمانوں کو سزاء دیتے ہوئے کہا تھا۔ ''ان بدمعاش مسلمانوں کو

بتادیا جائے کہ خدا کے حکم سے صرف انگریز ہی ہندوستان پر حکومت کریں گے"۔

اُس وقت انگریزوں سے دوستی کر کے نوکری پانا ہی دوسری قوموں کا مشغلہ تھا۔ اس طرح 1900ء تک تو مسلمان انگریزوں سے زور آزماتے رہے اور خون کا ایک ایک قطرہ دے کر اُنہوں نے آزادی کی شمع کو انگریز آندھیوں میں بھی جلائے رکھا۔ مجاہدین آزادی شری میوا رام گپت لکھتے ہیں کہ "1857ء میں انگریزوں کے پاس گورکھوں اور سکھوں کی ایک بڑی فوج تھی اگر مسلمانوں کی طرح سکھوں نے بھی وطن کے انقلابیوں کا ساتھ دیا ہوتا۔ تو ہم 1857ء میں ہی آزاد ہو جاتے"۔

غدر کی چند جھلکیاں:۔ حالانکہ غدر کی تاریخ 31/مئی 1857ء طے کی گئی تھی۔ مگر میرٹھ چھاؤنی میں دس مئی کو ہی غدر شروع ہو گیا۔ باغیوں نے اپنا امام بہادر شاہ ظفر کو ہی مانا تھا۔ اس طرح دلی میں 11/مئی کو 6 توپوں کے ساتھ غدر شروع ہو گیا اور اس طرح جھانسی میں 11/جون، متھرا میں 5/جون کو، لکھنؤ میں 20/جون کو، نصیر آباد میں 19/جون کو چھ توپوں کے ساتھ، جالندھر میں 22/جون کو ایک توپ کے ساتھ، فیروز آباد میں 24/جون کو، بریلی میں 28/جولائی کو 35 ہاتھی اور چھ توپوں اور 400 بیل گاڑیوں کے ساتھ, جھانسی میں 6 اور 25/جولائی کو دو ہاتھی اور تین توپوں کے ساتھ، نیمچ راجستھان میں 31/جولائی کو دس ہاتھی اور ایک توپ کے ساتھ، بنارس میں 6/اگست کو، علیگڈھ میں اور آگرہ میں 12/جون کو، روہتک میں 14/جون کو اور بادشاہ کی معرفت 400 سوار اور 1600 پیدل اور 30 توپوں کے ساتھ 40 ہزار سوار اور 12 ہزار پیدل سپاہیوں کے ساتھ یہ غدر شروع ہوا تھا اس غدر میں مسلمان ہی پیش پیش رہے۔

1- **دلی:۔** دلی میں 11/مئی 1857ء کو یہ غدر شروع ہوا باغیوں نے اپنا امام بہادر شاہ ظفر کو مانا تھا۔ جنرل بخت خاں اور سرفراز علی فوج کے سپہ سالار مقرر ہوئے۔

2- **آگرہ:۔** آگرہ میں 12/جون کو یہ غدر شروع ہوا اور آگرہ کے مشہور عالم اور سرجن ڈاکٹر وزیر خاں کی سرکردگی میں مجاہدین نے قلعہ میں مقیم برطانوی فوج کا محاصرہ کر لیا تھا۔ اور فرنگیوں کو دم لینے نہیں دیا اور آخری دم تک لڑتے رہے۔

3- **علی گڑھ:۔** غوث محمد خاں سکندر آباد کے بڑے زمین دار تھے اور علی گڑھ کے نائب صوبے دار

تھے۔ ان کے پاس پانچ چھ ہزار فوج تھی۔ علی گڑھ کے پاس مقابلہ کرتے ہوئے شہید کر دیئے گئے۔

4- **حیدر آباد:۔** حیدر آباد میں طرہ باز خاں اور مولوی علاؤالدین نے برطانوی ایزیڈنسی پر ایک فوجی حملے تنظیم کی جس میں سینکڑوں مسلمان گرفتار ہوئے اور ان میں بہت سے شہید ہوئے۔ طرہ باز خاں کو گولی لگی اور مولوی علاؤالدین کو جلاوطن کر کے انڈمان بھیج دیا گیا۔

5- **الہ آباد:۔** الہ آباد میں مقیم ہندوستانی فوجیوں نے کئی برطانوی افسروں کو قتل کر ڈالا اور گولا بارود اور فوجی گودام پر قبضہ کر لیا۔ لیاقت نے بہادر شاہ کے نام پر سبز پرچم لہرایا جس کے پرچم تلے بیشمار مسلمانوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔

6- **فیض آباد:۔** فیض آباد میں مولوی احمد اللہ شاہ اور عظیم اللہ شاہ تھے جن کا ذکر آگے کیا گیا ہے۔

7- **روہیل کھنڈ:۔** روہیل کھنڈ کے نواب خان بہادر خان نے اپنے علاقے میں مختلف اضلاع میں انگریزوں کے خلاف ایک جہاد نامہ تقسیم کروایا جس میں لکھا تھا "ہندو مسلمان بھائیوں! انگریز پھر تفرقہ ڈالنے کا پرانا حربہ استعمال کریں گے۔ لیکن مسلمانو! اگر تم قرآن کو مانتے ہو اور ہندوؤ! اگر تم گئو ماتا کی رکھشا کرتے ہو تو اپنے چھوٹے چھوٹے اختلافات بھول جاؤ اور متحد ہو کر اس جنگ میں کود پڑو۔ میدان جنگ میں ایک جھنڈے کے نیچے لڑو اور خون چشمے بہا کر ہندوستان کو انگریزوں کے نام ونشان سے پاک کر دو"۔

1857ء کی اس جنگ میں مسلمانوں نے جامع مسجد کو لڑائی کا مورچہ بنا لیا تھا جہاں سے انگریزوں پر حملہ کرتے تھے۔ مگر ایک ساتھ غدر شروع نہ ہونے سے یہ ناکام رہا۔

غدر کی ناکامی کے بعد انگریزی عتاب:۔

جنگ آزادی کی اس لڑائی کو انگریزوں نے "غدر" کا نام دیا۔ ہندوستانی اتحاس کاروں نے اسے آزادی کی پہلی جنگ یعنی "پرتھم سوتنتر تا سنگرام" کا لقب دیا ہے۔ اس غدر میں مسلمان ہی اکثریت میں رہے اس لئے ایک انگریز مصنف ہنری میڈ نے اسے "اسلامی بغاوت" کہا ہے ایک معاصر لکھتا ہے کہ "ایک انگریز ہر مسلمان کو باغی سمجھتا تھا وہ ہر ایک سے پوچھتا کہ تو ہندو ہے یا مسلمان؟ جواب میں مسلمان سنتے ہی گولی مار دیتا"۔ ریکس لکھتا ہے باغی کا دوسرا نام مسلمان تھا۔ (مقتل سے منزل تک صفحہ 85)

دلی کے چاندنی چوک سے لے کر شہر کے ہر چوراہے پر سولیاں لٹکائی گئی تھی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ دلی کے باہر پیڑوں کی شاخوں سے پھانسی کے پھندے لٹکائے گئے تھے۔ جو بھی مسلمان انگریزوں کے ہاتھ چڑھ جاتا اُسے ہاتھی پر بٹھاتے اور پیڑ کے نیچے لے جاتے اور اُس کی گردن میں پھندا ڈالتے اور ہاتھی کو آگے بڑھا دیتے۔ لاش پھندے میں جھول جاتی۔ آنکھیں اُبل پڑتی یا زبان منھ سے باہر نکل آتی اور ذبح کئے ہوئے مرغ کی طرح تڑپ تڑپ کر اُس کی جان چلی جاتی۔

ایک انگریز عورت نے اپنی ڈائری میں لکھا تھا کہ کبھی تو پھانسی پر لٹکائے جانے والوں کی لاشیں تڑپ تڑپ کر انگریزی حرف 8 کی طرح بن جایا کرتی تھی۔ کبھی کسی مسلمان کو پکڑ کر توپ کے دہانے پر باندھ دیا جاتا اور توپ داغ دی جاتی تو پورے جسم کا گوشت بوٹی بوٹی ہو کر ہوا میں بکھر جاتا۔ جیسے خون کا چھڑکاؤ کیا جا رہا ہو۔ وہ اگے لکھتی ہیں کہ۔ ”زندہ مسلمانوں کو سور کی کھال میں سینا، پھانسی سے پہلے اُس کے جسم پر سور کی چربی ملنا یا زندہ آگ میں جلانا یا بدفعلی کرنا انگریزوں کا کام تھا اس بات سے ہماری گردن شرم وحیاء سے جھک جاتی ہے۔ یقیناً ایسی حرکتیں عیسائی مذہب پر دھبہ ہیں۔ جس کا کفارہ ہمیں بھی لازماً ایک دن ادا کرنا ہوگا۔ ایسی سزائیں دینے کا ہمیں کوئی حق نہیں۔ اور نہ ہی ہم یورپ میں ایسی سزائیں دینے کی ہمت کر سکتے ہیں۔“ (”تصویر کا دوسرا رخ“ مصنفہ ایڈورڈ ٹامسن)

اسی طرح ایک مورخ سیتارام نے اپنی کتاب (Form Supply to Hobedar) میں لکھا ہے کہ انگریزوں کے خلاف ”بغاوت میں مسلمانوں نے پہل کی اور ہندو بھیڑ بکریوں کی طرح اُن کے پیچھے ہو لئے“۔

اس طرح ایک دوسرے مورخ جناب پی۔ سی۔ جوشی نے لکھا ہے کہ ”اُس وقت برطانوی حکومت کا عام رجحان یہ تھا کہ انگریزوں کے خلاف بغاوت کی تنظیم میں مسلمانوں کا زیادہ ہاتھ تھا“۔ (انقلاب 185 صفحہ 35)

جناب جے۔ کیو۔ براؤن کا قول ہے کہ ”بغاوت کی شروعات دراصل ہندوؤں اور مسلمانوں کی طرف سے ہوئی جس میں مسلمانوں کو بغاوت کا محرک سمجھا جاتا ہے۔ اور ہندوؤں کو اُن کا آلہ کار۔

(دی پنجاب اینڈ دلی 185)

بہادر شاہ ظفر کے مقدمے کی شنوائی کرنے والے فوجی کمیشن ڈپٹی جنرل منیجر ایف۔ جے۔ حریت کا بیان ہے۔ ”اُن مقدموں کی صداقت یہ ہے کہ جہاں کہیں بھی ہم نے تفتیش کی وہاں مسلمانوں کی سازش کے آثار پائے جاتے ہیں۔ ہمیں ایک بھی دستاویز ہاتھ نہیں لگا جس سے ظاہر ہو کہ ہندو ہمارے خلاف

سازش کر رہے ہوں۔ یا برہمنوں اور پجاریوں نے عیسائیوں کے خلاف جہاد کی تبلیغ کی ہو۔"

انگریز لارڈس رابرٹس نے دلی کے قتلِ عام کے بارے میں لکھا ہے کہ۔۔

"ہم جمعہ کو لاہوری گیٹ سے چاندنی چوک گئے تو ہمیں دلی شہرِ خموشاں نظر آرہا تھا۔ کوئی آواز سوائے ہمارے گھوڑوں کی ٹاپوں کے سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ہمیں کوئی بھی زندہ آدمی نظر نہیں آیا۔ چاروں طرف مُردوں کا فرش بچھا پڑا تھا۔ جن میں سے کچھ مرنے سے پہلے پڑے سسک رہے تھے ۔ کتے بھونک رہے تھے اور لاشوں کو گھسیٹ رہے تھے اور بھنبھوڑ کر کھا رہے تھے۔ مختصر یہ کہ اُن مردوں کی حالت بیان نہیں ہوسکتی، کیوں کہ ہمیں اُنہیں دیکھنے سے ہی ڈر لگتا تھا۔ اسی طرح ہمارے گھوڑے اُنہیں دیکھ کر بدکتے تھے۔ اور ہنہناتے تھے۔ لاشیں پڑی سڑ رہی تھیں۔ جس سے اُن کی بدبو ہوا میں پھیل رہی تھی"۔

(جنگِ آزادی میں قربانی صفحہ 115)

لیفٹیننٹ ماجنڈی نے اپنی آنکھوں دیکھا یہ حادثہ بیان کیا ہے جو سکھوں اور گوروں نے مل کر ایک گھائل آدمی کے چہرے کو پہلے اپنی سنگینیوں سے بار بار مارا اور پھر دھیمی آنچ کے اوپر اسے زندہ بھون دیا۔ "اس کا گوشت چٹکا، لپٹوں میں سیاہ ہوگیا اور جلتے ہوئے گوشت کی شدید بدبو نے اوپر سے اٹھ کر فضا کو زہریلا بنا دیا"۔

(بھارت میں انگریزی راج سندر لال صفحہ 902)

"The horrible smell of the burning flesh as it cracked and bluckenod in the flames rising up and poising the air". (L. Majendie up Amoung the Pandiet Page 187)

ارنسٹ جونز جو لندن کا ہی رہنے والا تھا۔ شاعر اور مزدور لیڈر تھا۔ ار اگست 1857ء کو اس نے اپنے مضمون میں لکھا تھا کہ "ایسٹ انڈیا کمپنی سے اقتدار چھین کر برطانوی حکومت کو دینا ایک لٹیرے کو ہٹا کر دوسرے لٹیرے کو مسلط کرنا ہے"۔

شری میوا رام گپت نے مسلمانوں پر ڈھائے گئے ظلم کے متعلق اپنی کتاب "مسلمان مجاہدین" کے صفحہ نمبر 240 پر لکھا ہے کہ "ایک اندازے کے مطابق 1857ء کی پہلی جنگ آزادی میں پانچ لاکھ مسلمانوں کو پھانسیاں دی گئی تھی"۔

مرزا غالب نے بھی دلی کی بربادی کا ذکر اپنی شاعری میں انگریزوں کو صیاد اور اُجڑے ہوئے لوگوں کو عندلیب (بلبل) کہہ کر اس طرح بیان کیا ہے۔

ایک اہلِ درد نے سنسان جو دیکھا قفس
یوں کہا آتی نہیں کیوں صدائے عندلیب
بال و پر دو چار دکھلا کر کہا صیاد نے
یہ نشانی رہ گئی ہے اب بجائے عندلیب

(مرزا غالبؔ)

165 شہید والی خاں (شہادت) 1857ء

مورخ جناب میوارام گپت لکھتے ہیں کہ والی خاں 1857ء میں پہلے دیشی رجمنٹ نمبر 11 میرٹھ کے افسر تھے۔ جب کارتوسوں میں سور کی چربی لگائے جانے کا قصہ پیدا ہوا تو ایک انگریز افسر نے آپ کو بُرا بھلا کہا۔ اس پر آپ نے اُس افسر پر فائر کر دیا جس سے جھگڑا شروع ہو گیا۔ جسے غدر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جب انگریزوں نے دلی پر حملہ کر دیا تو والی خاں پوری رجمنٹ لے کر دلی پہنچ گیا۔ اور اُس نے بادشاہ بہادر شاہ ظفر سے ملاقات کی وہ صورت شکل سے بادشاہ سے کافی ملتا جلتا تھا اس لئے اُس نے بادشاہ سے اُس کا لباس، تاج اور شاہی گھوڑا لیا اور وہ خود جنگ میں کود پڑا۔ اُس کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بادشاہ خود لڑ رہا ہے۔ اس طرح دو دن تک وہ اپنی فوج کے ساتھ لڑتا رہا اور انگریزوں کو پیچھے ڈھکیلتا رہا۔ مگر تیسرے دن لڑتے ہوئے 17/مئی 1857ء میں شہید ہو گیا۔ والی خاں کی لاش اُن کے کہنے کے مطابق دلی قلعہ کے میدان میں دفنا دی گئی۔ والی خاں کا نام برٹش گورنمنٹ کے ریکارڈ میں بانیٔ غدر 1857ء کی حیثیت سے درج ہے۔

166 علی خاں کا عشق انگریز لڑکی سے 1857ء

مجاہدِ آزادی میوارام گپت نے لکھا ہے کہ یہ عشق کی کہانی 27/جون 1857ء سے شروع ہوئی تھی۔ اس تاریخ کو کانپور یوپی میں گنگا کے کنارے والے باغیوں نے ایک کشتی میں انگریز مرد عورت اور بچوں کو ختم کر ڈالا تھا۔ اس کشتی میں جنرل بھیلر کی ایک حسین نوجوان لڑکی بھی تھی۔ وہ جب پانی میں گر گئی تو اُس کے کپڑے بھیگ گئے۔ اور بھیگے ہوئے کپڑے اُس کے بدن سے چمٹ گئے اس حالت میں مجاہد

جنگِ آزادی علی خاں کی اُس پر نظر پڑی تو وہ پہلی ہی نظر میں اُسے اپنا دل دے بیٹھا۔ اُس نے لڑکی کو پانی سے نکالا اور اپنے گھوڑے پر بٹھا کر لکھنؤ سے دور کہیں لے کر بھاگ گیا۔ پھر وہ کبھی کسی کے ہاتھ نہیں آیا۔ اگر دوسرے سپاہی ایک انگریز لڑکی کی جان بچاتے ہوئے اُسے دیکھ لیتے تو اُنہیں قتل کر دیتے۔ کانپور کا ستی چوراہا انگریزوں کے قتلِ عام کا مقام رہا ہے۔ انگریزوں نے کانپور اور لکھنؤ کو حاصل کرنے کے بعد علی خاں اور مس بھیلر کو بہت تلاش کیا۔ مگر وہ کہیں نہیں ملے۔ علی خاں نے اُس کے ساتھ نکاح کر لیا تھا اور اب وہ ایک انگریز لڑکی پردہ نشین بیوی کی طرح زندگی بسر کر رہی تھی۔

167. پیر علی اور شیخ گھسیٹا شہادت 1857ء

میرٹھ انقلاب میں پیر علی کا نام نمایاں طور سے نظر آتا ہے۔ پٹنہ انگریزوں کے خلاف بغاوت کرنے کے لئے سرگرم تھا۔ لہذا بغاوت کی قیادت کی ذمہ داری پیر علی اور شیخ گھسیٹا نے اپنے سر لے لی تھی۔ اور اُن باغیوں نے اپنے خون سے عہد نامہ لکھ کر انگریزوں کے خلاف بغاوت کا کھلے عام اعلان کر دیا تھا۔

سرکاری ریکارڈ کے مطابق پیر علی آتش اسلحوں سے لیس اپنے دوسو جوانوں کے ساتھ اس گرجا گھر پر حملہ کرنے کے لئے نکل پڑے۔ جہاں انگریز پناہ لئے ہوئے تھے۔ جس میں ایک انگریز افسر ڈاکٹر لائیل کو پیر علی نے گولیوں سے بھون دیا۔ معرکہ میں زخمی امام الدین انگریزوں کے ہاتھ آ گیا۔ اُنہیں انگریزوں سے شدید تکالیف دے کر باغیوں کا نام معلوم کر لیا۔ پیر علی اور شیخ گھسیٹا کو کمشنر ٹیلر نے عبرت ناک سزائیں دیں۔ اُنہیں برہنہ کر کے برف کی سلوں کے بیچ رکھا گیا اور جسم کو چاقوؤں سے چھلنی کر دیا۔

7 ؍جولائی 1857ء کو پیر علی کو اُن کے چودہ ساتھیوں کے ہمراہ پٹنہ کے گاندھی میدان میں ایک درخت سے لٹکا کر پھانسی دے دی گئی۔ 22 ؍ستمبر 1997ء کے ایک شمارے ''دینک جاگرن'' (بنارس) نے ان کے ناموں کی ایک فہرست شائع کی ہے جو حاضرِ خدمت ہے۔ پھانسی پر لٹکائے گئے ان چودہ ویر سپوتوں میں 1) پیر علی کے علاوہ 2) شیخ گھسیٹا 3) غلام عباس 4) جمن 5) حاجی جان

اونگھ 6) رمضان 7) پیر بخش 8) وحید علی 9) غلام علی 10) محمد اختر 11) اصغر علی 12) نند لال کہار 13) راحت علی 14) چھوٹا یادو تھے۔

"جو سچائی کی خاطر مر مٹتے ہیں دنیا میں
اُنہیں دل کی حدوں میں آ کے بستے ہم نے دیکھا ہے

168 شہیدِ وطن رقاصہ عزیزن بائی ۔ 1832ء تا 1857ء

یہ کانپور میں ایک ناچنے گانے والی عورت تھی۔ 10 ر جولائی 1857ء کی بغاوت میں مردوں کے ساتھ عزیزن بائی کا نام لیا جاتا ہے۔ یہ ہندوستان میں صرف ایک ایسی رقاصہ تھی جس نے آزادی میں حصّہ لیا۔ وہ ایک چھتری خاندان کی لڑکی تھی جسے غنڈوں نے لاکر کانپور کی ایک طوائف کو 500 روپیوں میں فروخت کر دیا تھا۔ وہ بہت ہی خوبصورت اور بلا کی حسین تھی۔ اُس کا تعلق نواب شمس الدین سے بہت زیادہ تھا۔ اُس کے دل میں وطن سے بھی بہت محبت تھی۔ کچھ مجاہدین نے اُسے نانا صاحب اور تانتیا ٹوپے سے ملا دیا تھا۔ اُنہوں نے اُس کی بہت عزت کی۔ اور اُسے اپنی بہن بنالیا۔ اور اُسے ایک تلوار بھینٹ کی۔ وہ اپنے حسن کا جادو جگا کر انگریزوں کی چھاؤنی میں چلی جاتی اور ناچ گا کر انگریز سپاہیوں کو خوش کر دیتی۔ وہ اپنی ادا سے اُنہیں انگریزوں کے خلاف بغاوت کرنے پر اُکسا دیتی۔ عزیزن بائی کا دل نواب شمس الدین پر ہی تھا۔ اور جب انگریزوں نے نواب صاحب کو شہید کر دیا تو اُسے بہت دُکھ ہوا اور وہ ننگی تلوار لے کر انگریزوں کے خلاف ٹوٹ پڑی۔ بہت سے انگریز سپاہیوں کو اُس نے تلوار سے ختم کر دیا۔ آخر گرفتار ہوگئی۔ انگریزوں نے اُس پر مقدمہ چلایا۔ مگر جب جنرل ہیولاک نے عزیزن بائی کو دیکھا تو وہ خود اُس کے عشق میں پاگل ہوگیا۔

"تھا ارادہ تیری فریاد کریں حاکم سے
وہ بھی اے شوخ تیرا چاہنے والا نکلا"

جنرل ہیولاک عزیز اُبائی کو قتل کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے اُس نے عزیزن بائی کو معافی مانگنے کی رائے دی۔ تاکہ وہ اُس کے ساتھ عیش و آرام کی زندگی گذار سکے۔ مگر عزیزن بائی نے انگریزوں کے

خلاف معافی مانگنے سے انکار کر دیا۔ وہ اُنہیں بُرا بھلا کہنے لگی۔ اور اُس نے انگریز مُردہ باد کا نعرہ لگا دیا۔ آخر اُن کے اشارے پر اُسے قتل کر دیا گیا۔ اور عزیزن بائی وطن پر شہید ہو گئی۔ اور اُس کے پاؤں کے گھنگرو وطن پر نچھاور ہو گئے۔ میوا رام گپت لکھتے ہیں کہ عزیزن بائی ایسے مردوں کو چوڑیاں پیش کرتی تھیں جو انگریزوں سے جنگ لڑنے سے گھبراتے تھے۔ اسی طرح ہندوستان کی ہر عورت اپنے دوپٹے کو پرچم بنانے کے لئے تیار تھی۔

ترے ماتھے پہ یہ آنچل بہت ہی خوب ہے لیکن
تو اس آنچل سے اک پرچم بنا لیتی تو اچھا تھا

169 مسلمان اور جھانسی کی رانی (شہادت) 1858ء

جھانسی کی رانی کی فوج میں زیادہ تر مسلمان پٹھان تھے۔ غلام غوث اور خدا بخش جھانسی کی رانی کے یہ دو وفادار توپچی تھے۔ 1857ء میں جب انگریزوں سے لڑائی ہوئی تو اُس کے یہ دونوں توپچی شہید ہو گئے۔ رانی نے اپنے دونوں بہادر توپچیوں کی قبر اپنے محل کے احاطہ میں ہی بنوائی اور اُنہیں پھولوں سے خراجِ عقیدت پیش کیں۔ جھانسی کی رانی کی فوج میں پٹھانوں نے بہت بہادری کا ثبوت دیا۔ جب انگریزوں سے لڑتے ہوئے رانی چاروں طرف سے گھر گئی تھیں تب ایک سپاہی نے زوردار تلوار چلا کر انگریز سپاہیوں کو بھگا دیا اور اُس نے رانی کی ہر طرح سے مدد کر کے اُسے بچا لیا۔ مگر وہ خود شہید ہو گیا۔ یہ رانی کی فوج کا سردار برہان الدین تھا۔ رانی نے اُس کو بھی اپنے محل کے احاطہ میں دفنانے کا حکم دیا۔ 18/جون 1858ء کے دن ایک انگریز سپاہی نے رانی کے سر پر تلوار سے وار کیا جس سے اُس کے سر کا دایاں حصہ کٹ گیا۔ اور دائیں آنکھ بھی لٹک گئی۔ اچانک غلام محمد آ گیا اور اُس نے انگریز سپاہی پر ایک ہی تلوار کا ایسا وار کیا کہ اُس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ جب رانی خون میں لت پت ہو کر بے ہوش ہو کر گر پڑی تو غلام محمد اپنا سر پھیر کر رو پڑا۔ آخر میں راگھو ناتھ سنگھ اور دیشمکھ نے رانی کی لاش کو دادا گنگا داس کی کٹیا کے قریب گھاس کے ڈھیر پر رکھا۔ اور پھر اُسے اگنی دیوتا کے سپرد کر دیا گیا۔ غلام محمد زندہ باد!

(مسلمان مجاہدین صفحہ 41 میوا رام گپت)

غوث بن کے دکھائی یہاں جرأت کس نے
جنگ میں پھونک دی توپوں سے قیامت کس نے
رانی جھانسی پہ رکھا دستِ حفاظت کس نے
جان پہ کھیل کے کی فوجوں کی قیادت کس نے
ہم کسی دور میں رسوائے سرِ بازار نہیں
پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں

170 بیگم حضرت محل۔ 1857ء تا 1879ء

بیگم حضرت محل کا اصلی نام محمدی بیگم تھا انہیں بچپن میں امراؤ کے نام سے پکارا جاتا تھا محمدی بیگم اودھ کی راجدھانی فیض آباد کے ایک معمولی گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ ہوش سنبھالتے ہی واجد علی شاہ کی شریک حیات بن گئی واجد علی شاہ کی محفلوں کی اندر سبھا اور پری خانہ میں پہونچ کر مہک پری کے نام سے پکاری جانے لگی مہک پری کے پہونچنے سے پری خانے کی زینت کو چار چاند لگ گئے واجد علی شاہ نے مہک پری کو افتخار النساء خانم کا خطاب عطا کیا۔ بیگم حضرت محل مادرِ وطن کی وہ مایہ ناز بیٹی ہے جس پر ملک فخر کر سکتا ہے۔

جنگِ آزادی میں بیگم حضرت محل کا نام بڑی عزت سے لیا جاتا ہے۔ اُن کے شوہر نواب واجد علی شاہ نے انگریزوں کی تمام شرطیں قبول کر لی تھیں۔ مگر بیگم نے ایک شرط بھی قبول نہیں کی اور اُس نے ہاتھی پر سوار ہو کر اپنی فوج کی رہنمائی کی۔ وطن فروشوں نے فتح کا نقشہ ہی بدل دیا تھا اور اودھ کے کئی اضلاع پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ چوکھی کے محاذ پر آزاد لشکر کو پسپا ہونا پڑا حضرت محل اپنی پسپا افواج کو چھوڑ کر کہیں جانے کو تیار نہیں تھیں مگر احمد اللہ شاہ کے سمجھانے پر وہ کوٹھی چھوڑنے پر رضا مند ہوئیں اور 14 / مارچ 1858ء کو ملکہ نے کوٹھی چھوڑ کر لکھنؤ کو ہمیشہ کے لئے خیر آباد کہہ دیا۔

''قیصر التواریخ'' میں بیگم کے لکھنؤ چھوڑنے کا حال اس طرح بیان کیا ہے کہ ''حضرت محل دیگر بیگمات اور شاگرد پیشہ ملازمین پھاٹک (چولکھی) سے نکلیں اس طرح کہ وہ آگے تھیں اور سب پیچھے۔'' پیادہ پائی کی وجہ سے ہر ہر قدم پر ٹھوکر کھاتی اور الجھتی تھیں رات کو علی رضا کے یہاں قیام کیا پھر وہاں سے

شرف الدولہ کے گھر گئیں شام تک جتنا عملہ شاگرد پیشہ تھا سب جمع ہو گیا اور ان کی حفاظت کو پہرے کھڑے ہو گئے تھے علی رضا کے یہاں انگریز جنرل اوٹرم کا دوبارہ پیغام صلح پہنچا کہ آپ انگریز حکومت سے معافی مانگ لیں اور صلح کا معاہدہ کر لیں ہم آپ کا ملک اودھ واپس لوٹا دیں گے کلکتہ سے آپ کے شوہر سلطان واجد علی شاہ کو بھی لکھنؤ بلانے کی اجازت دلوا دیں گے مگر بیگم نے اسے حقارت سے ٹھکرا کر صلح نامہ پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ "کسی شخص خواب میں بھی یہ نہیں دیکھا کہ انگریزوں نے کبھی کسی مجرم کو معاف کیا ہو" لہٰذا جو تلوار جہادِ آزادی کے لئے اُٹھ چکی ہے اسے زندگی میں کسی خوف یا دنیاوی حرص کے لئے ہم سے کوئی نہیں چھین سکتا۔

جون 1857ء میں اُس نے انگریزی فوج کا مقابلہ کیا۔ مگر گورکھے اور سکھ انگریزی فوج کی طرف سے لڑ رہے تھے۔ لہٰذا پیشوا نانا صاحب کے ساتھ 30 دسمبر 1858ء میں اُس نے نیپال کا رخ کیا اور نیپال کی راجدھانی میں ایک مسجد کی تعمیر کروائی۔ آخر اپنے ہم راہوں کے ساتھ اکیس سال جلاوطن میں گذار کر 1879ء میں وفات پائیں، اسی مسجد میں آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔ اس مایہ ناز اور بہادر خاتون نے قومی تاریخ میں اپنے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں کہ تاریخ ان کو مٹا نہیں سکتی۔ "نہیں چراغوں کے گل سے جلیں گے کتنے چراغ" اس کے بعد انگریزوں نے لکھنؤ کو تباہ کر دیا۔ مولانا غلام رسول نے ایک انگریز کے حوالے سے لکھا ہے کہ "بیگم جنگ میں ہار گئی مگر اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ وہ اپنے شوہر اور سرتاج کے مقابلے میں زیادہ بہادر تھیں"۔

(جنگ آزادی میں مسلمانوں کی قربانیاں صفحہ 105-107)

حکومت جو اپنی تھی، اب ہے پرائی　　اجل کی طلب تھی اجل بھی نہ آئی
وہ رتبہ جو پایا تھا ہم نے وطن میں　　اُسی کی بدولت ہوئی یہ لڑائی
زمانہ رکھے گا، پر اپنی نظر میں　　مری سرفروشی، مری نارسائی
لکھا ہوگا حضرت محل کی لحد پر　　نصیبوں جلی تھی، فلک کی ستائی

(بیگم حضرت محل)

1. نواب واجد علی شاہ 1848ء تا 1856ء: 1848ء میں واجد علی شاہ اودھ کی سلطنت کے تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ علی نقی خاں اودھ کے نواب واجد علی شاہ کی حکومت میں وزیر اعلیٰ کے عہدے پر فائز

تھے ۔ وہ بہت ہی قابلِ قدر انسان تھے اور اپنی پوری صلاحیت حکومت کے لئے استعمال کرتے تھے۔ واجد علی شاہ اودھ کے آخری حکمراں تھے، اُس وقت کارل مارکس نے اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ ''انگریزوں نے اودھ پر قبضہ کر کے بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی کی ہے'' ہندوؤں کے دلوں میں بھی بادشاہِ دلی اور مسلمان نوابوں کی عزت اور اُن کا احترام تھا لہٰذا کوئی ہندوستانی نہیں چاہتا تھا کہ اُنہیں تخت سے محروم کیا جائے۔ اودھ کے دیہاتی ہندو لکھنؤ سے دلی محبت رکھتے تھے اور اُن کی واجد علی شاہ سے محبت اور عظمت تھی، لہٰذا فوجوں میں اُن کی معزولی پر غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ علی نقی خاں 1856ء میں اپنے نواب واجد علی شاہ کے ساتھ کلکتہ بھاگ گئے ۔ جہاں 15/ جون 1857ء کو انگریزوں نے علی نقی خاں کو نواب واجد علی شاہ کو گرفتار کر کے قلعہ ولیم میں عام قیدی کی طرح رکھا اور اُن پر الزام عائد کیا گیا کہ وہ غداروں سے ملے ہوئے ہیں علی نقی خاں کے محل میں بہت سا خزانہ تھا، جب حضرت بیگم محل وہاں آتی تو وہاں سے خزانہ لے کر جاتیں۔

مولوی احمد اللہ شاہ 1789ء 5 جون 1858ء 171

1857ء کے ناکام انقلاب میں سب سے پہلے جس انسان نے بڑھ چڑھ کر متحرک رول ادا کیا وہ مولوی احمد اللہ شاہ تھے۔ اُنہوں نے یورپ اور ایشیاء کا بھی دورہ کیا اور گوالیار سے آگرہ پہنچے۔ آگرہ کی جمعہ مسجد میں جمعہ کی نماز کے وقت لوگ بہت کم جمع ہوتے تھے مولانا احمد اللہ شاہ کے مواعظ کی مجلس میں دس دس ہزار کا اجتماع ہونے لگا مولانا محمد میاں لکھتے ہیں کہ ''وہی آگرہ جس کی جامع مسجد کو جمعہ کے روز بمشکل بیس پچیس نمازی نصیب ہوتے تھے ۔ اب اس کی ایک ایک مسجد میں سینکڑوں کا ہجوم ہونے لگا۔ متعدد انگریز مصنفین نے شاہ صاحب کی بہادری کا اعتراف کیا ہے مثلاً جنرل ٹامسن ایک انگریز تھا وہ شاہ کے متعلق لکھتا ہے کہ ''مولوی شاہ بڑی لیاقت اور قابلیت رکھتا تھا وہ ایسا شجاع تھا کہ خوف اس کے نزدیک تک نہیں آتا تھا۔ یہ عزم کا پکا اور ارادہ کا مستقل تھا۔ اس نے دو مرتبہ انگریز سر کالن کیمبل کو میدانِ جنگ میں ناکام رکھا۔ دنیا کی ساری قومیں اس کو تعظیم و آدب کے ساتھ جو شجاعت و صداقت کے لئے لازمی تھیں اور جن کا وہ مستحق تھا اس کو یاد کریں گی۔'' ایک دوسرے انگریز فارسٹر کا بیان ہے کہ ''جن کو فیض آباد مولوی کہا جاتا ہے وہ عالم باعمل ہونے کی وجہ سے مولوی تھا۔ روحانی طاقت کی وجہ سے صوفی اور جنگی مہارت کی وجہ سے سپاہی اور سپہ سالار تھا۔ ہر انگریز اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔'' مولوی

صاحب 1857ء میں لکھنؤ تشریف لائے اور کھلے عام انگریزوں کے خلاف تقریریں شروع کر دیں انہوں نے ایک بڑا لشکر ہندو اور مسلمانوں کا جمع کر لیا تھا اور فیض آباد کی طرف روانہ ہوئے مگر قید کر لئے گئے اور سزا پا کر جیل گئے دریں اثناء سن ستاون کا انقلاب شروع ہو گیا مولوی صاحب کے سپاہی جیل پر ٹوٹ پڑے اور انہیں آزاد کر لیا گیا اور بڑی تیزی سے فیض آباد کو فرنگیوں سے آزاد کروالیا اس لئے عوام میں یہ مولوی آف فیض آباد سے مشہور ہوئے۔

مشہور مؤرخ سریندر ناتھ سین اور سر تھامس سپٹن کا خیال ہے کہ ''مولوی احمد اللہ شاہ مجاہدوں میں سب سے زیادہ محترم اور با اثر تھے۔'' انگریز ہومس Holmes کا قول ہے۔

''ایک مولوی کچھ مدت سے شہر شہر پھرتا رہا وہ جہاد کے متعلق تقریریں کیا کرتا تھا فیض آباد میں آتے ہی اُس نے لوگوں کے دلوں میں فساد کا بیج بونا شروع کر دیا اسے گرفتار کر کے قید کر لیا گیا اس وقت انگریزوں کو ذرہ برابر شبہ نہیں تھا کہ ان کے اقتدار کو ہلایا جا سکتا ہے وہ اس مولوی کی فسادی صلاحیت کا صحیح صحیح اندازہ نہ کر سکے تھے۔ کئی مہینوں کے بعد یہ حقائق اُبھر کر سامنے آئے اور وہ آدمی ان فسادیوں کا لیڈر ثابت ہوا جو اپنے ہم مذہبوں کے دلوں میں انگریزی اقتدار کے خلاف بغاوت کے جذبات کو بھڑکاتے رہتا تھا۔''

انگریزوں نے مولوی صاحب کے سر کی قیمت پچاس ہزار روپے لگائی تھی انگریزوں کے ایک وفادار راجہ آف پوئی (Raja of Powain) نے موقع پا کر مولوی صاحب کو اپنی گولی کا نشانہ بنایا اور ان کے سر کو جسم سے جدا کر کے انگریزوں سے پچاس ہزار روپیہ اور ساتھ میں توصیفی سند بھی وصول کی۔

(Holmes - Pages 81)(1857ء کے مجاہد صفحہ 114)

جی بی میلیشن (G.B. Malleson) اپنی کتاب Mutiny of India میں لکھتا ہے کہ ''مولوی بڑا عجیب انسان تھا فوجی لیڈر کی حیثیت سے اُس کی قابلیت کے بہت سے ثبوت ملے۔ اگر ایک انسان جس کے وطن کی آزادی بے انصافی سے چھین لی گئی ہو اور جو اسے پھر آزاد کرانے کی کوشش کرے اور اس کے لئے لڑے، محبِ وطن کہا جا سکتا ہے۔ تو بے شک مولوی ایک سچا محبِ وطن تھا۔ اس ملک کے بہادر سچے لوگوں کو مولوی صاحب کو عزت سے یاد کرنا چاہیے''۔

172 مولوی عظیم اللہ خاں 1825ء تا 1859ء

ایک طرف مولوی احمد شاہ انگریزوں کو ہندوستان سے باہر نکالنے کے لئے برسرپیکار تھے تو دوسری

طرف مولوی عظیم اللہ کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی کتاب ”سن ستاون“ میں مولوی عظیم اللہ کو تحریک آزادی کا دوسرا لیڈر تسلیم کیا ہے مولوی سیاسی داؤ پیچ سے اچھی طرح واقف تھے۔ نانا راؤ کے وہ خاص صلاح کار تھے اور نانا صاحب کا مقدمہ لے کر وہ جون 1857ء میں ولایت گئے تھے جو کہ اُن کی پینشن کا بڑا مسئلہ تھا۔ واپسی پر آپ نے روس اور یورپ کا بھی دورہ کیا کئی انگریز مورخوں کا خیال ہے کہ روس پہنچ کر مولوی عظیم اللہ خاں نے روس سے ہندوستان کی فوجی مدد کا معاہدہ بھی کر لیا تھا۔

لارڈ رابرٹسن Lord Robertion نے اپنی کتاب ”ففٹی ایئر ان انڈیا“ Fifty Year In India میں لکھا ہے کہ اس نے عظیم اللہ کے کئی خطوط سلطان ترکی کے نام دیکھے تھے۔ مولوی صاحب نے 1856ء میں ”پیام آزادی“ کے نام سے ایک اخبار بھی جاری کیا تھا۔ آخر وہ شاہ جہاں پور سے نانا صاحب کے ساتھ نیپال چلے گئے اور وہیں 1859ء کو وفات پائی۔ (غدر کے چند علماء صفحہ 68) (جنگ آزادی میں مسلمانوں صفحہ 74،75)

173 تحریک علماء دیوبند 1866ء

یہ تحریک وہ تھی جسے اسلامی تعلیمات اور مسلم تہذیب و تمدن کے تحفظ کے لیے علمائے کرام نے چلائی۔ اسی مقصد کے لیے مولانا قاسم نانوتویؒ نے دیوبند میں 1866ء میں مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ جب کہ انگریز حکومت کی نظر میں یہ اچھی بات نہیں تھی کیونکہ اس مدرسہ کی بنیاد رکھنے والوں میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو سن ستاون کی جنگِ آزادی میں شامل تھے۔ تعلیم محمدی اور شریعت جو انگریزی تعلیم کا مکمل بائیکاٹ تھی۔

اس لیے مولانا قاسم صاحب نے طے کیا کہ سرکاری وظائف تو درکنار طلبہ کے لیے ریلوے کنسیشن تک کی سہولت انگریز حکومت سے نہیں لی اور عوام سے رابطہ رکھا۔

یہ تحریک تعلیمی تھی اور انگریز حکومت کی سرپرستی کے بغیر دین کی حفاظت کی تحریک تھی۔ علماء نے محسوس کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مذہبی بنیادیں اسی طوفان بلاخیز کی نذر ہو جائیں۔ لہذا دین و ملت کا ملی اور علمی سرمایہ محفوظ کرنے کے لیے اس کی بنیاد ڈالی گئی۔ (سوانح قاسمی 226)

مولانا قاسم صاحب کو انگریزوں سے اتنی زیادہ نفرت تھی کہ دہلی میں جب ملکہ وکٹوریہ کا جشن منایا جا رہا تھا تو آپ دیوبند چلے آئے اور فرمایا ”مجھ سے انگریزوں کی شوکت دیکھی نہیں جاتی اس لیے دیوبند چلا آیا ہوں کہ نہ دیکھوں گا اور نہ کوفت ہوگی“۔

شیخ الہندؒ نے فرمایا جو کہ مدرسہ کے اول طالب علم تھے یہ مدرسہ درس و تدریس کے لیے قائم ہوا۔

جہاں تک میں جانتا ہوں ۔ 1857ء کی ناکامی کے بعد ادارہ قائم ہوا۔ خیال تھا کہ کوئی ایسا مرکز ہو جس کے زیر اثر لوگوں کو تیار کیا جاسکے تاکہ 1857ء کی ناکامی کی تلافی ہوسکے"۔ (سوانح قاسمی 90)

دیو بند کے متعدد علماء نے جنگ آزادی میں حصہ لیا تھا اس وجہ سے پہلی جنگ عظیم کے بعد لندن پارلیمنٹ ہاؤس میں اس دارالعلوم کو بند کرنے کی تجویز پیش کی گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو دین اسلام کی بقاء منظور تھی اس لیے انگریزوں کی خواہش کے باوجود یہ دارالعلوم بند نہ ہوسکا۔ (حیات امداد 18)

174 چیف جسٹس نارمن کا قتل (31/ستمبر 1871ء)

اُس زمانے میں عظیم آباد میں امیر خان اور حشمت داداخاں دو کروڑ پتی تھے۔ اُن کا بہت بڑا کاروبار تھا۔ ایک دن انگریز کپتان نے اُن کے گھروں کی تلاشی لی۔ یہاں ایک ہنڈی اہلِ عظیم آباد کے نام کی کپتان کو مل گئی۔ اس پر اُس نے بغیر وارنٹ ہی دونوں کو گرفتار کرلیا۔ امیر خاں اور حشمت خان نے ایک مشہور انگریز کو مقدمے کی پیروی کرنے کے لئے قائم کیا۔ عدالت میں بڑی بحث ہوئی۔ مگر پھر بھی جج نارمن نے 19 اگست 1871ء میں اُن کی ضمانت رد کردی۔ کچھ وقت گذر جانے کے بعد حشمت خان کو ضمانت پر رہا کردیا، مگر امیر خاں اور اُس کے پانچ دوسرے ساتھیوں کی جائیداد ضبط کرنے کا حکم دے دیا۔ اور اُن کی تمام جائیدادیں ضبط کرلی گئیں۔ اس کے بعد امیر خاں کو 1878ء میں کسی وجہ سے چھوڑ دیا گیا۔ مگر جائیداد کی تباہی کے بعد وہ روٹی روٹی کے محتاج ہوگئے۔ اور اُسی سال 1878ء میں ہی کلکتہ میں انتقال کرگئے۔ باقی ملزموں کو سخت سزاء کا فیصلہ سُنایا گیا۔ جن میں پیر محمد، مبارک علی، تبارک علی، حاجی دین محمد، اور امیر الدین تھے۔ جن کو کالے پانی کی سزا دی گئی۔

اس واقعہ کے سبب کلکتہ ہائی کورٹ کے جج نارمن کے لئے لوگوں میں کافی غصہ بھر گیا۔ اور اسی جذبات میں آکر عبداللہ پنجابی نے عدالت میں ہی جسٹس نارمن کو گولی ماردی۔ عبداللہ کو گرفتار کرلیا گیا اور پھانسی پر چڑھادیا گیا۔

(تحریک آزادی اور مسلمان)

میرے جامِ آتشی میں وہ بلا کی شورشیں ہیں
کہ چھلک پڑے ذرا بھی تو سُلگ اٹھے زمانہ

175 وائسرائے ہند لارڈ میو (Lord Meue) کا قتل 1872ء

لارڈ میو۔ 1869ء میں ہندوستان کا گورنر جنرل اور وائسرائے بن کر آیا تھا۔ وہ خود معائنہ کرنے کے لئے انڈومان جانا چاہتا تھا۔ چیف کمشنر نے جب وائسرائے کو لے جانے کے انتظام مکمل کر لئے تو وہ انڈومان پہنچا اور اُس نے وہاں جا کر تمام معائنہ مکمل کر لیا۔

انگریز جسے کالا پانی کی سزا سناتے تھے اُنہیں انڈومان بھیج دیا جاتا تھا۔ انڈومان کے قیدی جج نارمن کے قتل کی وجہ سے عبداللہ پنجابی کو پھانسی دیئے جانے سے سخت ناراض تھے۔ جب وائسرائے نے آخر میں ماؤنٹ ہیرٹ دیکھنے کی تمنا ظاہر کی تو بہت انتظام کے ساتھ اُسے وہاں لے جایا گیا۔ سپرینٹنڈینٹ صاحب، پرائیویٹ سکریڑی، پولیس گارڈ وغیرہ سب اُن کے ساتھ چل رہے تھے۔ اور جب لارڈ صاحب گھاٹ کی سیڑھیوں سے ہوتے ہوئے بوٹ میں اُتر رہے تھے، تو اچانک پیچھے سے انہیں ایک دھکہ لگا اور لارڈ صاحب سمندر میں گر پڑے اور پانی میں ڈوب کر ختم ہو گئے۔

یہ دھکہ کس نے دیا تھا۔ تو معلوم ہوا کہ دھکہ مارنے والا بہادر شیر علی تھا۔ جس نے لارڈ میو کو خنجر مار کر دھکہ دیا تھا۔ جب عبداللہ پنجابی کو پھانسی دی گئی تو اُس نے قسم کھائی تھی کہ میں زندگی میں ایک بڑے انگریز کو ضرور ختم کروں گا۔ لہذا اُس نے وائسرائے ہند لارڈ میو کو قتل کر کے اپنی قسم پوری کی۔

بہادر شیر علی کو پھانسی کی سزا سُنائی گئی۔ تب پھانسی کے پھندے کو گلے میں ڈال کر اُس نے کہا۔ ''میں نے جب اس کا ارادہ کیا تھا، تو اُسی دن اپنے آپ کو مُردہ سمجھ لیا تھا۔ تم گواہ رہو کہ میں مسلمان ہوں'' اور پھر اُس نے کلمہ پڑھا دو دفعہ کلمہ ادا کیا مگر تیسری دفعہ اُس کا گلا گھونٹ دیا گیا اور وہ پورا کلمہ ادا نہ کر سکا۔ (تحریک آزادی اور مسلمان)

تجھے بندگی مبارک اے سکوں پرستِ زاہد
مری زندگی بغاوت مرا عزم باغیانہ

176 تحریک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی 1875

پگھلنا علم کی خاطر مثلِ شمع زیبا ہے
بغیر اس کے نہیں پہچان سکتے تم خدا کیا ہے

1. **بانی** :۔ اس یونیورسٹی کے بانی سر سید احمد خان تھے جن کو قوم کے رہبر اور قوم کے بانی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ سر سید احمد خاں 17/ اکتوبر 1817ء میں دلی میں پیدا ہوئے تھے۔ اُن کی والدہ عزیز النساء کو بچوں کے پالن پوسن میں مہارت حاصل تھی۔ دلی کا بادشاہ اکبر ثانی اُن کے والد میر تقی کو بھائی تقی کہہ کر پکارتے تھے۔ 1838ء میں سید میر تقی کا انتقال ہو گیا۔ 1841ء میں سر سید احمد خاں مین پوری میں جج کے عہدے پر فائز ہوئے۔ مگر جلدی ہی پھر دلی واپس آ گئے۔ اور 1857ء کی بغاوت میں شامل ہو گئے۔ 1859ء تک مسلمانوں کو دلی میں آنے کی اجازت نہیں تھی۔ ان دو برسوں کے وقت میں مسلمانوں کو کافی مصیبتیں اُٹھانی پڑی۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو مجبور ہو کر بھیک تک مانگنی پڑتی تھی۔ نوکریوں میں مسلمانوں کو کوئی جگہ نہیں دی جاتی تھی۔ اس لئے مسلمانوں کے دلوں میں انگریزوں کے خلاف اور بھی نفرت پیدا ہو گئی۔

اُس وقت مسلمانوں نے انگریزی تعلیم پڑھائے جانے کے خلاف انگریزوں کو ایک خط لکھا تھا، جس میں انگریزی تعلیم کی مخالفت کی گئی تھی۔ اُس خط پر آٹھ ہزار مولویوں نے دستخط کئے تھے۔ ایسے وقت میں سر سید احمد خاں مسلمانوں کو اُردو اور انگریزی کی تعلیم دینا چاہتے تھے۔

2. **خطبات احمدیہ** :۔ 1861ء میں سید احمد خاں کی بیوی کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس کے بعد سید احمد خاں 1869ء میں اپنے لڑکے سید محمود کے ساتھ ولایت گئے اور وہاں جا کر اُنہوں نے آکسفورڈ یونیورسٹی اور کیمبرج یونیورسٹی کا اپنی آنکھوں سے جائزہ لیا۔ لندن میں دو مرتبہ آپ کو ملکہ وکٹوریہ سے ملنے کا موقع ملا۔ پہلی مرتبہ 6/ نومبر 1869ء کو اور دوسری مرتبہ 11/ مارچ 1870ء کو شاہی محل میں، جہاں سر سید نے ملکہ کے ہاتھ کا بوسہ لیا۔ ملکہ وکٹوریہ سر سید سے دو سال چھوٹی تھی۔ وہاں آپ نے ایک کتاب (خطبات احمدیہ) لکھی مگر اُس کتاب کو چھپوانے کے لئے آپ کے پاس روپے نہیں تھے۔ اس لئے آپ

نے ہندوستان میں اپنے دوستوں کو لکھا کہ میرے گھر کا تمام سامان بیچ کر مجھے روپے بھیج دیئے جائیں۔ خطبات احمدیہ یہ کتاب سر ولیم میور کی کتاب ''لائف آف محمدؐ'' کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ ولیم میور نے پیغمبر اسلام پر جو الزامات لگائے تھے۔ اس سے سرسید احمد کو تکلیف پہونچی تھی۔ انھوں نے ان الزامات کی تردید کے لیے اپنے سارے وسائل استعمال کئے۔ اس مقصد کے لیے وہ انگلینڈ گئے اور وہاں انھوں نے برٹش میوزیم اور دوسری لائبریریوں سے استفادہ کیا اور ولیم میور کے الزامات کا جواب دیا یہ کتاب 1870ء میں شائع ہوئی۔ جب کتاب چھپ گئی تو اُس کے بہت چرچے ہوئے اور اُن کو اب انگریزوں کی میٹنگوں میں بھی بلایا جانے لگا۔ اور اس طرح 16 اگست 1869ء میں اُنہیں سی۔ ایس۔ آئی کی ڈگری سے نوازا گیا۔ اور اب وہ سید احمد خاں سے سرسید احمد خاں ہو گئے۔ ڈگری کے بعد آپ 1870ء میں ہندوستان واپس آئے

1873ء میں آپ نے کیمبرج یونیورسٹی کے نمونے کا ایک دارالعلوم قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ جس پر مسلمانوں کی طرف سے بہت مخالفت کی گئی۔ انگریزی تعلیم کو حرام قرار دے دیا گیا۔ اور سرسید احمد خاں پر کفر کا فتویٰ لگا دیا گیا۔ اور اُنہیں جان سے مارنے کی بھی دھمکی دی گئی۔ اور کہا گیا کہ یہ انگریزی پڑھا کر مسلمانوں کا ایمان خراب کرے گا۔ اس طرح ہندوستان کے علماء نے اُن پر کفر کے فتوے لگا دیئے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ مکہ معظمہ جا کر مولوی علی بخش اُن کے لئے کفر کے چار فتوے لے کر آیا اور سارے ہندوستان میں ان فتوؤں کا پرچار کرنا شروع کر دیا۔

3. یونیورسٹی کا قیام :۔ کالج کے لیے روپے اکٹھا کرنا ایک بہت بڑا مسئلہ تھا کیونکہ سرسید کا سابقہ ایسے لوگوں سے تھا جو ان کے نقطۂ نظر سے ذرا بھی اتفاق نہیں رکھتے تھے۔ کہتے ہیں کسی جلسے میں ان کے نقطۂ کی مخالفت کرتے ہوئے ان کے گلے میں جوتیوں کی مالا پہنائی گئی۔ آپ نے پھر بھی مخالفین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ میری اسکول کے بچے بچیاں ان جوتیوں سے استفادہ اٹھائیں گی۔ اس لیے انھوں نے رقومات ہر ممکن اور مناسب طریقہ سے اکٹھا کیں۔ اس میں عطیات، لوٹری، تصاویر اور کتابوں کی فروخت گھریلو تقریبات ڈرامہ پیش کرنا اور ڈرامے میں اپنے پیروں میں گھنگھرو باندھ کر ڈانس کرنا وغیرہ ذرائع شامل ہیں۔ آپ نے اپنے بیٹے سید محمود کی شادی پر دعوت ولیمہ نہیں دیا اور اس

تقریب کا خرچ کالج کے چندے میں جمع کروا دیا۔ سر سید احمد نے سریندر ناتھ بنرجی اور دادا بائی نوروجی کے ساتھ مل کر حکومت اور سول سروس میں ہندوستانیوں کو نمائندگی دلوائی تھی۔

سر سید احمد خاں نے ہمت نہیں ہاری اور 1874ء تک اُنہوں نے ساڑھے تین (3.50) لاکھ روپے جمع کر لئے تھے۔ اس لئے 24/مئی 1874ء میں ہی اُنہوں نے علی گڑھ میں ایک اسکول کی بنیاد رکھ دی۔ یہ اسکول صرف 11/طلباء سے شروع ہوا۔ اور اس کے دو ماہ بعد اس میں 60 طلباء تعلیم حاصل کرنے کے لئے آنے لگے۔ اور دن رات یہ اسکول ترقی کی راہ پر گامزن ہوتا گیا۔

12/نومبر 1875ء کو سر سید نے سر ولیم میور کو مدعو کر کے شاندار استقبالیہ دیا اور بیگم میور کے ہاتھوں ایک درخت لگوا کر میور پارک کا افتتاح کیا۔

اس کے بعد 8/جنوری 1877ء میں سر سید احمد خاں نے لارڈ لٹن کے ہاتھوں ایک کالج کا افتتاح کر دیا۔ جو آج پوری دنیا میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نام سے جانی جاتی ہے۔

یہ مدرسہ ہے۔ ترا میکدہ نہیں ساقی
یہاں کی خاک سے انساں بنائے جاتے ہیں

4. ہندو مسلم اتحاد: سید احمد خاں نے ایک مثال کے ذریعہ ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا۔ کہ ”ہندوستان ایک خوبصورت دلہن ہے اور ہندو مسلم اس کی دو آنکھیں۔ اس کی خوبصورتی اس میں ہے کہ اس کی دونوں آنکھیں سلامت اور برابر رہیں۔ اگر ان میں سے ایک برابر نہ رہی تو وہ خوبصورت دلہن بھینگی ہو جاوے گی اور اگر ایک آنکھ جاتی رہی تو وہ کانی ہو جاوے گی“۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

اس باغ پہ ہنستے ہیں کانٹے بھی بیاباں کے
جس باغ کے پھولوں میں تنظیم نہیں ہوتی

سر سید احمد خاں کا عزم اُنہیں منزل تک لے گیا اور اُن کا یہ کہنا صحیح ثابت ہو گیا۔

وہ ناصح اور ہوں گے جن کا کہنا ٹل بھی سکتا ہے
اگر میری نہ مانو گے تو پچھتاؤ گے نادانوں

آخر 81 سال کی عمر پا کر 28؍ مارچ 1898ء کو سر سید احمد علی گڑھ میں انتقال کر گئے اور کالج کی مسجد کے پاس دفن کر دیئے گئے۔

177 ملکہ وکٹوریہ 1819ء تا 1901ء

1 جنوری 1877ء کو برطانیہ کی ملکہ وکٹوریہ کو ہندوستان کی بھی ملکہ بنانے کا اعلان کیا گیا تھا۔ 24 جون 1819ء کو پیدا ہونے والی الیکزینڈریا وکٹوریہ 20 جون 1837ء کو برطانیہ اور آئرلینڈ کی ملکہ بھی بنی تھی۔ انھیں 18 سال کی عمر میں ملکہ بننے کا اعزاز حاصل ہوا تھا اور ان کے سر پر 63 سال تک تاج رہا۔ ان کا انتقال 22 جنوری 1901ء کو ہوا۔ اسی ملکہ کے دور میں برطانیہ کی حکومت کو سب سے زیادہ وسعت ملی اور برطانوی ساری دنیا پر چھا گئے۔ اور سورج ان کی حکومت میں کبھی غروب نہ ہوتا تھا۔

ملکہ وکٹوریہ کی شادی 10 فروری 1840ء کو سینٹ جیمس پیلیس کے شاہی گرجا گھر میں شہزادہ البرٹ سے ہوئی تھی۔

178 انڈین نیشنل کانگریس۔ 1885ء

1885ء میں ڈاکٹر اے۔ او۔ ہیوم نے کانگریس کی بنیاد ڈالی۔ جج نارمن اور وائسرائے ہند لارڈ میو کے قتل سے برطانیہ حکومت بہت پریشان تھی۔ اور وہ اب یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی کہ ہندوستانیوں کے لئے ایک کمیٹی ایسی بنائی جائے جو ہمارے ماتحت کام بھی کرے۔ اور ہندوستانیوں کی جانب سے کچھ مانگ بھی کرتی رہے۔ مگر کچھ ہی دنوں میں اس کمیٹی نے حکومت کے اشارے پر ناچنا بند کر دیا۔ تو انگریزوں نے اُسے مالی امداد دینا بند کر دیا۔ اس کا پہلا اجلاس بمبئی میں 1885ء ہوا جس میں صرف دو مسلمان حاضر ہوئے۔ دوسرے اجلاس میں 31 مسلمان حاضر ہوئے۔ تب ٹائمز آف انڈیا نے الزام لگایا کہ یہ قومی جماعت نہیں ہے۔ اس وقت ماہرِ قانون بدرالدین طیب جی نے مسلمانوں کو اس میں شامل ہونے کی رائے دی۔ تیسرے اجلاس 1887ء میں مسلمانوں کا ایک ہجوم اس میں شامل ہوا اور اس جماعت کی صدارت بھی بدرالدین طیب جی نے ہی کی۔ اور اُن کی صدارت میں ہی اس کے قانون بنائے گئے۔ آپ

نے قانون میں صاف لکھ دیا تھا کہ ہندوستان میں ہندو مسلم بھید بھاؤ نہیں برتا جائے گا۔

کچھ وقت گذر جانے کے بعد کانگریس سے مسلمانوں کو یہ شکایت پیدا ہوگئی کہ کانگریس اُن کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتی ہے۔ سر آغا خان نے فیروز شاہ مہتا کو اس کا دھیان دلایا مگر پھر بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ تب آغا خان نے گوکھلے کی مدد سے کچھ لیٹر بھیجے مگر وہ محنت بھی بیکار گئی۔ تب اُنہوں نے 1906ء میں مسلم لیگ کمیٹی کا انعقاد کیا۔ اس کے بعد 1919ء میں خلافت اور جمعیۃ العلماء ہی ان دونوں جماعتوں نے کانگریس کا ساتھ دیا۔ اور آزادی کے لئے تینوں نے مل کر انگریزوں کے خلاف عدم تعاون تحریک چلائی۔

179 تحریک ریشمی رومال (شیخ الہند) 1905ء تا 1920ء

یہ تحریک 1905ء میں شروع ہوئی۔ اور شیخ الہند کی مالٹا کی قید 1920ء تک رہی۔ شیخ الہند دارالعلوم دیوبند کی صدارت پر تقریباً 50 برس تک خدمت کرتے رہے۔ اس لئے اُن کے شاگرد، دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ جو اُستاد کا حکم مانتے تھے۔ مولانا محمود الحسن نے مولانا عبیداللہ سندھی کو پہلے دیوبند میں اپنے پاس رکھا اور پھر اُنہیں دلی لے گئے۔ اور مولانا ابوالکلام آزاد سے ملاقات کروائی۔ اس تحریک کو راز میں رکھا گیا۔ مجاہدِ آزادی کے امیر مولانا عبدالکریم تھے۔ اُنہوں نے مجاہدین کا ایک محفوظ مرکز کابل میں 1902ء میں قائم کیا تھا۔ اس میں ہندوستان کے تمام حصوں کے لوگ شامل تھے۔ جن میں زیادہ بنگال اور بہار کے لوگ تھے۔ مولانا ابولکلام آزاد کے تعلقات مولانا عبدالکریم سے بہت مضبوط اور بہت گہرے تھے۔ کیونکہ مولانا آزاد نے الہلال کے ذریعہ قرآنی دعوت کا جو سلسلہ شروع کیا تھا وہ بہت صحیح اور مستند تھا۔ اس لئے مولانا آزاد کا اثر سیاسی ہونے کے ساتھ ساتھ دینی بھی تھا۔ اس کے علاوہ مجاہدین میں سے حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور کچھ دوسرے لیڈروں سے بھی مولانا آزاد کے تعلقات تھے۔ مولانا عبدالحکیم ہر ضروری کام پر مولانا آزاد سے رائے لیتے تھے۔ اور ضرورت کے مطابق اپنے خاص آدمی کو کیمپ سے ریشمی رومال کے ساتھ بھیج دیتے تھے۔ ایک بار مجاہدین کو ایک ڈاکٹر کی ضرورت پڑی۔ تو

مولانا آزاد نے ایک نوجوان ڈاکٹر کو مجاہدین کے پاس بھیج دیا۔ جس پر ڈاکٹر صاحب کے بارے میں انڈیا آفس۔ لندن کے ایک ریکارڈ میں ریشمی رومال تحریک کی بغاوت کے بارے میں لکھا ہے۔

"ستمبر 1915ء میں ایک ڈاکٹر کو ابوالکلام آزاد نے سازش میں شامل کر لیا ہے۔ اور اُسے ہندوستان سے مجاہدین کی امداد کرنے اور اُن کے زخمیوں کے علاج کے واسطے بھیجا ہے۔ جس نے کچھ وقت تک اُن کی خدمت کی اور پھر کابل میں دوسری سازشوں سے جا ملا اور 1916ء میں وہ ہندوستان واپس آیا۔"
(تحریک۔ شیخ الہند صفحہ 212)

شیخ الہند:۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے اُن سبھی قومی لیڈروں کو اپنی تحریک میں شامل کر لیا تھا جو مجاہدین سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ طاقت کے بل بوتے پر آزادی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے اُن کا خیال تھا کہ جب سرحد کی طرف سے مجاہدین انگریزی فوج پر حملہ کرے تو اُسی وقت آزادی کے بڑے شہروں میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کردی جائے۔ اور انگریزوں کو دونوں طرف سے گھیر لیا جائے۔

اس طرح یہ خفیہ تحریک تھی۔ 1915ء میں جب پہلی عالمی جنگ بڑی تیز رفتار سے چل رہی تھی، تب مولانا سندھی کو جلسہ کو کامیاب بنانے کے لئے کابل بھیج دیا تھا۔ اور شیخ الہند خود حج پر جا کر جنگ کا نقشہ بنانے اور ترکی سے مدد لینے کے لئے 1915ء میں 8 ساتھیوں کے ساتھ نکلے تھے جن میں حضرت مولانا حسین مدنیؒ، مولانا وحید احمد مدنیؒ، مولانا حکیم نصرت حسینؒ، اور مگر مولانا سندھی جنگ کی وجہ سے چار ماہ تک کابل پہنچنے میں ناکام رہے۔ کیونکہ اُن کے پاس روپیوں کی بھی کمی تھی۔ تب مولانا آزاد نے حاجی سیٹھ سے پانچ ہزار روپئے لئے اور اس طرح اُن کے جانے کا بندوبست کیا۔ مولانا سندھی ایک اونٹ پر سوار ہو کر افغانستان پہنچے۔ اُدھر انگریز خفیہ پولیس نے ایک تار بمبئی اور دوسرا جہاز کے کپتان کو بھیجا جس میں مولانا محمود الحسن کو گرفتار کرنے کا حکم تھا۔ مگر تب تک تو مولانا مکہ پہنچ چکے تھے۔ مکہ پہنچ کر مولانا نے ترکی کے گورنر غالب پاشا اور مدینہ کے گورنر بشیر پاشا سے ملاقات کی اور اُنہوں نے مولانا کی ملاقات انور پاشا اور جمال پاشا سے کروائی۔ شیخ صاحب نے اُنہیں اپنا مقصد بتلایا، تو دونوں خوش ہوئے اور مدد دینے کی خواہش ظاہر کی۔ اُس وقت ترکی حکومت خلافت کے نام سے مشہور تھی۔ اور اُس کا بادشاہ خلیفۃ المسلمین کہلاتا تھا، اور تمام دنیا کے مسلمانوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس طرح ترکی کی خلافت کو مذہبی رشتہ سے ایک خاص

مقام حاصل تھا۔ کیوں کہ مکہ اور مدینہ میں بھی ترکی کی حکومت تھی۔ ترکی کے انور پاشا نے شیخ الہند کو خط لکھ کر دیا جس میں آزاد قبائیلیوں کو اُن کی ہر طرح کی مدد دینے کی سفارش کی۔ کیونکہ ترکی حکومت جنگ کے وقت جرمنی کے ساتھ تھی۔ اور وہ بھی برطانیہ کو مات دینا چاہتی تھی۔

اچانک پہلی جنگ عظیم میں عربوں کی بغاوت اور جرمنی کی ہار کی وجہ سے آزادی کی تحریک ختم ہوگئی۔ اور انگریزوں نے تحریک میں حصہ لینے والوں کے خلاف کارروائی شروع کردی۔

ریشمی رومال تحریک کی رپورٹ جو انڈیا آفس لندن میں محفوظ ہے اس کے مطابق 59 اشخاص کے نام وارنٹ جاری کئے گئے تھے اور دوسو افراد کی تفتیش کی گئی تھی یہ سب کے سب مسلمان تھے۔

اسیر مالٹا:۔ عربوں سے بغاوت کرنے والے اور انگریزوں کو مدد دینے والے شریف حسین نے گرفتاری کا حکم دے دیا۔ اس وجہ سے شیخ الہند روپوش ہوگئے۔ مگر مولانا حسین مدنی، مولانا عزیز گل پشاوری، نصرت حسین وغیرہ گرفتار کر لئے گئے۔ شریف حسین شیخ الہند کو کسی بھی طرح گرفتار کروانا چاہتا تھا اس لئے اُنہوں نے پھر حکم دیا کہ اگر شیخ الہند کو شام مغرب سے عشاء کی نماز تک حاضر نہیں کیا گیا تو انہیں سو سو کوڑے لگا کر گولی ماردی جائے گی۔ جب اس خبر کا شیخ صاحب کو علم ہوا تو وہ فوراً حاضر ہو گئے اور گرفتار کر لئے گئے۔ اور اُن کو ایک اونٹنی پر سوار کر کے اور ساٹھ اُونٹوں پر سوار فوج کے پہرے میں جدہ بھیج دیا گیا۔ اُس کے بعد 12 رجنوری 1917ء کو اُنہیں مصر روانہ کر دیا گیا۔ اور 16 جنوری کو تقریباً ڈیڑھ درجن گوروں کی مسلح گارڈ کی حراست میں ان حضرات کو قاہرہ پہونچا دیا گیا۔ دریائے نیل کی دوسری جانب ''خیرہ'' کے مقام پر جہاں سیاسی جیل خانہ بنایا گیا تھا اس جیل خانے میں تقریباً دو (200) سیاسی قیدی مختلف ممالک کے بھی تھے جو زیادہ تر مسلمان تھے۔ وہاں آپ سے بہت سے سوالات کئے گئے۔ تین انگریزوں نے جن میں دو انگریز اردو اچھی طرح بولتے اور سمجھتے تھے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کو شریف حسین نے کیوں گرفتار کیا؟ آپ نے غالب پاشا گورنر حجاز انور پاشا اور جمال پاشا سے کیوں ملاقات کی؟ ان کے کاغذات میں لکھا ہے کہ آپ سلطان ترکی، ایران اور افغانستان میں اتحاد میل جول کرانا چاہتے ہیں اور پھر ایک اجتماعی حملہ ہندوستان پر کرا کے ہندوستان میں آزاد حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں اور انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا چاہتے ہیں وغیرہ وغیرہ آپ نے بہت خوش اسلوبی سے جواب

دیا اس کے بعد شیخ صاحب کو ان کے رفقاء سے الگ لے گئے اور انھیں اندرونی جیل خانہ تنگ و تاریک کال کوٹھری میں بند کر دیا گیا جس میں روشنی کے لئے پشت کی دیوار میں چھت کے قریب ایک روشن دان تھا، کواڑ لکڑی کے تھے مگر اس میں سوراخ نہیں تھا پاخانہ پیشاب وغیرہ کے لئے ایک بالٹی رکھ دی گئی اور ایک صراحی۔ اس کے بعد مولانا حسین مدنیؒ اور مولانا عزیز گل مولانا حکیم نصرت حسینؒ مولانا وحیدؒ احمد سے بیانات لئے گئے اور انھیں بھی کال کوٹھری میں بند کر دیا گیا۔ صرف ایک گھنٹے کے لئے ان کوٹھریوں سے نکال کر صحن میں گھمایا جاتا، ایک ہفتہ تک ایک دوسرے کو خبر تک نہ ہوئی اس کے بعد ٹہلاتے وقت ملاقات ہوئی اس عرصے میں ہر ایک کو یقین ہو گیا تھا کہ انھیں پھانسی کا حکم ہوگا۔ لیکن پھانسی ٹل گئی۔

شیخ الہند کا قول تھا۔ ”مجھے اسیر کرو۔ میری زبان کاٹو۔ میرے خیال کو بیڑی پہنا نہیں سکتے۔“ (شیخ الہند)

ہندوستان آنے کے کچھ ہی دنوں بعد 20ر نومبر 1920ء میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن کا انتقال ہو گیا۔

میری آزاد روح کو پھر سے قیدِ جسم مت کرنا
بڑی مشکل سے کاٹی ہے سزائے زندگی میں نے

180 پہلی جنگِ عظیم 1914ء تا نومبر 1918ء

طاقت کے ذریعہ ہندوستان میں انقلاب لانے کی جو کوشش ریشمی رومال تحریک کے ذریعہ چلائی جا رہی تھی۔ اس جنگ سے اُس میں رکاوٹ پڑ گئی۔ مسلمانوں کے دونوں مقدس شہر مکہ اور مدینہ اسی ترکی خلافت کے ماتحت تھے۔ اس طرح پورا عرب ترکی کے ماتحت تھا۔ اس جنگ میں ترکی حکومت جرمنی کے ساتھ تھی۔ اور برطانیہ کو جنگ میں شکست دینا چاہتی تھی۔ اس لئے ترکی کے انور پاشاہ نے 1914ء میں اپنی تقریر میں ہندوستان کو طاقت کے ذریعہ انقلاب لانے کی بات کہی تھی کہ۔

”ہندوستان میں غدر برپا کیا جائے۔ انگریزوں کے ہتھیاروں کے کارخانوں کو تباہ کر کے ہتھیاروں کو لوٹ لیا جائے۔ اور اُنہیں سے انگریزوں کو مار ڈالا جائے۔ ہندوستان میں 23ر کروڑ ہندوستانی ہیں۔ اور دو کروڑ انگریز ہیں۔ ان سب کو قتل کر دینا چاہئے۔ جو لوگ اپنے ملک اپنے وطن کو آزاد کرنے کی کوشش میں جان دیں گے وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔“

انگریزوں نے وعدہ کیا تھا کہ مسلم حکومتوں سے ہماری کوئی جنگ نہیں ہے۔ اُس وقت انگلینڈ کے

وزیر اعظم نے 5رجنوری 1918ء میں اپنی تقریر میں کہا تھا کہ ''ہم اس لئے نہیں لڑ رہے ہیں کہ ترکی حکومت کو اُس کے صدر مقام سے الگ کر دیں یا ایشیاء کی زرخیز زمین اُس سے چھین لیں۔ ہم سلطنت ترکی کے اقتدار اور حکومت کو ختم نہیں کرنا چاہتے۔'' آخر اس جنگ میں انگریزوں نے ترکی حکومت کو برباد کر دیا۔ مسلمانوں سے جو وعدہ کیا تھا کہ مسلم حکومتوں سے ہماری کوئی جنگ نہیں ہے۔ جنگ جیتنے کے بعد انگریزوں نے کئی ذلیل شرطیں ترکی کے سامنے پیش کیں۔

اس طرح پہلی جنگ عظیم سے ہندوستان کے مسلمانوں کو بہت غصہ آیا اور وہ برطانوی حکومت سے بہت ناراض ہوئے۔

جنگ کی وجہ:۔ یہ جنگ 1914ء سے 1918ء تک لڑی گئی۔ اور اس جنگ میں لگ بھگ 36 ملکوں نے حصہ لیا تھا۔ دو گروہ کے بن جانے سے یہ جنگ شروع ہوئی جس میں ایک گروہ جرمنی، اٹلی اور آسٹریا تھا۔ جرمنی کے حکمراں ولیم قیصر دو کو ہی اس جنگ کا جنگ داتا کہا جاتا ہے۔ تو دوسرا گروہ جس میں فرانس، انگلینڈ اور رُوس تھا۔

جب آسٹریا کا شہزادہ فرڈیننڈ اپنی بیوی کے ساتھ سربیا کے سفر پر گیا تو وہاں اُسے 28 جون 1914ء کو قتل کر دیا گیا۔ اس وجہ سے 28 جولائی 1914ء کو آسٹریا نے سربیا کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔

یورپ میں بڑی جنگ سے بچنے کے لئے جرمنی نے روس سے فوجیں واپس بلانے کی درخواست کی جسے روس نے ٹھکرا دیا۔ انجام کار 1 اگست 1914ء کو جرمنی نے روس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ روس کے ساتھی ممالک فرانس نے 3 اگست کو اور انگلستان نے 4 اگست کو جرمنی کے خلاف جنگ کا اعلان کیا۔ جنگ الگ الگ محاذوں پر لڑی گئی اور 6 اپریل 1917ء کو امریکہ نے بھی جرمنی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ جرمنی کے شہنشاہ ولیم قیصر کو ہالینڈ فرار ہونا پڑا۔ مختصر یہ 1918ء میں ترکی بلغاریہ اور آسٹریا نے شکست تسلیم کر لی۔

انگلینڈ کے وزیر اعظم چرچل نے لکھا ہے کہ: ''انگلینڈ کی ہر ایک کٹیا میں ایک کرسی خالی ہو گئی تھی۔''

1919ء کو پہلی جنگ عظیم ہو جانے کے بعد جرمنی نے تمام اتحادی قیدیوں کو رہا کر دیا تھا۔ یہ جنگ اتحادی طاقتوں (فرانس، روس، برطانیہ، بعد میں اٹلی اور امریکہ بھی شامل ہو گئے تھے) اور مرکزی طاقتوں (آسٹریا، ہنگری، جرمنی بلغاریہ اور عثمانیہ سلطنت) کے بیچ لڑی گئی تھی۔ اس جنگ میں اتحادی فوجوں کو مرکزی فوجوں پر فتح حاصل ہوئی تھی لیکن شکست کی شرمندگی اور جنگ کے بعد ہونے والے

معاہدہ ہی کو دوسری جنگ عظیم کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے میں زیادہ تر جنگ مغربی محاذ پر ہی لڑی گئی تھی۔ اس جنگ میں سمندر کے اوپر اور نیچے سے بھی حملے ہوئے تھے اور اس جنگ میں پہلی دفعہ ہوائی حملے بھی کئے گئے تھے۔ اس جنگ کے دوران مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والے تقریباً 90 لاکھ فوجی ہلاک ہوئے تھے اور لاکھوں کی تعداد میں شہری بھی جاں بحق ہوئے تھے۔ اس جنگ میں 1860 کھرب ڈالر کا نقصان ہوا تھا اور ایک لاکھ نوے ہزار لوگ گھائل ہوئے تھے۔

(ساماجک وگیان راجستھان جماعت 9) (سامراجیت اور بھارت کی تحریک آزادی مہاراشٹر جماعت 10)

جنگ کی خصوصیت:۔ یہ جنگ 4 سال 97 دن تک جاری رہنے کے بعد ختم ہوگئی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جنگ کے خاتمے کا اعلان 1918ء کے 11 ویں مہینے کے 11 ویں دن کو 11 بجے کیا گیا۔ اس جنگ میں 90 لاکھ فوجی ہلاک ہوئے جبکہ 2 کروڑ سے زائد فوجی زخمی ہوئے اور کم سے کم 50 لاکھ سے زیادہ شہری مارے گئے۔

مسلم دنیا پر بُرا اثر:۔ اس جنگ کا مسلم دنیا پر بہت برا اثر پڑا چونکہ ترکی جرمنی کا اتحادی رہا۔ اس لئے اُسے اس جنگ کی بڑی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی، انگریزوں نے عربوں کو ترکوں کے خلاف جنگ پر اکسایا تھا اس طرح مسلمانوں میں قومیت کی بنیاد پر جنگ لڑی گئی اور ترکی کے بہت سے عرب حصے ترکی سلطان کے ہاتھ سے چلے گئے بعد میں انگریزوں نے ترکی پر بھی قبضہ کرلیا اور اُس کی تقسیم کا فیصلہ کیا۔ لیکن کمال اتاترک جیسی عظیم شخصیت نے برطانیہ اور یونان کو ایسا کرنے سے باز رکھا۔ اسی جنگ کے نتیجے میں مسلمانوں کی عظیم خلافت کا خاتمہ ہوگیا۔

رولٹ ایکٹ:۔ اس تحریک سے تنگ آکر انگریزوں نے رولٹ ایکٹ بنا کر اسے ملک میں قائم کر دیا۔ جس کے سبب کسی بھی شخص کو کبھی بھی بنا وارنٹ کے گرفتار کیا جا سکتا تھا۔ اور اُسے کہیں بھی رکھا جا سکتا تھا۔

181 جلیان والا باغ 22/نومبر 1919ء

30/مارچ اور ایک اپریل 1919ء کو پنجاب میں ستیہ گرہ کی وجہ سے ہڑتال کی گئی۔ 9 اور 10 اپریل 1919ء میں ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیاپال کو گرفتار کر لیا گیا۔ یہ دونوں لیڈر کانگریس کے بڑے لیڈروں میں سے مانے جاتے تھے۔ جب عوام کو معلوم ہوا تو اُن میں ایک جوش پیدا ہو گیا۔ لوگ گھروں

سے سڑکوں پر نکل آئے تا کہ اپنے لیڈروں کی گرفتاری کے خلاف احتجاج کر سکیں۔ اچانک جلوس نے بینک پر حملہ کر دیا۔ اور عمارت کو آگ لگا دی۔ شام کو 4:30 بجے جلیان والا باغ میں ایک اجلاسِ عام کرنے کا اعلان کر دیا۔ اُسوقت جنرل ڈائر انگریزی فوج کا ایک فوجی افسر تھا۔ وہ انگریزوں کے خلاف کسی بھی جلسے کو پسند نہیں کرتا تھا۔ جب جلیان والا باغ میں مقررہ وقت پر جلسہ کا آغاز ہوا اس وقت تقریباً 15000 لوگ جمع ہو گئے تھے۔ جلسے میں تقریر شروع ہوئی تو جنرل ڈائر فوجیوں کی ایک بڑی بٹالین لے کر وہاں پہنچ گیا اور وہ اپنے ساتھ مشین گن بھی لے آیا۔ باغ کا راستہ تنگ تھا اس لئے مشین گن اندر نہیں جا سکتی تھی۔ لہٰذا مشین گن باغ کے دروازے پر رکھ دی گئی۔ اور باغ کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا۔ جب اسٹیج پر تقریر شروع ہوئی تو جنرل ڈائر نے فوج کو فائرنگ کرنے کا حکم دے دیا۔ پھر کیا تھا چاروں طرف موت دندناتی پھر رہی تھی۔ لاشیں تڑپ تڑپ کر ٹھنڈی ہو رہی تھیں۔ لگاتار گولیاں برستی رہیں۔ اور لاشوں پر لاشیں گرتی رہیں۔ جب گولیاں ختم ہو گئیں تو جنرل ڈائر نے کہا کہ چلو اب کھیل بھی ختم ہو گیا۔ باغ کی ساری زمین انسانی خون سے لال ہو چکی تھی۔ کچھ انسان موت کو گلے لگا چکے تھے۔ اور کچھ سسک رہے تھے۔ رات اندھیری تھی اور حیوانیت کا ننگا ناچ خون کی ہولی کھیل رہا تھا۔ یہ رات قیامت کی رات تھی۔ آوارہ کتوں اور مردہ خور جانور باغ میں لاشیں نوچ کھسوٹ رہے تھے۔ اس قتل گیری کا حال مسٹر ایڈورڈ ٹامسن نے اپنی کتاب غدر 1857ء میں کچھ اس طرح کیا ہے۔

”ایک عورت اپنے شوہر کی لاش ڈھونڈھنے رات کے وقت باغ میں گئی۔ جس کا بیان یہ ہے کہ میدان مردہ لاشوں سے بھرا پڑا تھا، میں نے اپنے شوہر کی لاش۔ لاشوں کے ڈھیر سے کھینچ کر نکالی۔ وہ جگہ خون کا تالاب نظر آ رہی تھی۔ میں لاش کو گھر لے جانا چاہتی تھی، مگر ناکام رہی۔ وہاں کوئی مددگار نہیں تھا۔ آخر میں پوری رات اپنے شوہر کے پاس بیٹھی رہی۔ مگر کتوں کی پریشانی سے تنگ آ چکی تھی اس لئے ایک لکڑی رات بھر گھماتی رہی۔ رات کے 2 بجے ایک سکھ تکلیف سے کراہ رہے تھے۔ لہٰذا میں نے اُس کی زخمی ٹانگ کو سیدھی کر کے رکھ دی۔ اُدھر ایک بارہ سال کا بچہ رات بھر روتا رہا۔ اور مجھے اپنے پاس بیٹھنے کو کہتا رہا۔ رات اندھیری تھی اور بچہ ڈر رہا تھا۔ پاس ہی ایک اور زخمی کراہ رہا تھا۔ اور پانی مانگ رہا تھا۔

مگر میں اُسے پانی نہیں پلا سکی۔ تمام رات زخمیوں کی چیخ سنتی رہی، کتے بھونکتے رہے۔ اور گدھے رینگتے (ہنہناتے) رہے۔ اس طرح یہ بھیانک آواز رات بھر میرے کانوں میں آتی رہی۔

”نہ تڑپنے کی اجازت نہ ہی فریاد کی ہے
گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی میرے صیاد کی ہے“

(تلک چندر)

جلیان والے باغ کے قتل عام کے متعلق ڈاکٹر اقبال نے لکھا تھا۔

”ڈائر کے قتلِ عام نے خونِ وفا کیا
لہو سے لال ، دامنِ برطانیہ کیا“

اس باغ میں لگ بھگ 15 سو ہندوستانی شہید ہوئے تھے۔ جن کا خون ایک دوسرے سے ملا ہوا تھا۔ اور اس کو ذات پات کی نگاہ سے پہچاننا مشکل تھا، کیوں کہ اس میں ہندو، مسلم، سکھ وغیرہ بھی انسانوں کا خون اس باغ میں جمع ہو کر بہہ رہا تھا۔ شاید وہ ہندو مسلم ایکتا کا پاٹھ پڑھا رہا تھا اور دھرتی پر بسنے والوں کی مکتی آپس کے پریم میں دکھائی دے رہی تھی۔

”شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے“

(ڈاکٹر اقبال)

182 جنرل مائیکل ڈائر کی موت 13/ مارچ 1940ء

جلیان والا باغ میں جب جنرل ڈائر کے حکم پر فائرنگ ہو رہی تھی اور ہندوستانی مجاہدین شہید کئے جا رہے تھے۔ اُس وقت باغ میں ایک لڑکا ادھم سنگھ عرف محمد سنگھ آزاد بھی تھا جو اپنے باپ کے ساتھ وہاں آیا تھا۔ گولی لگ جانے سے اُس کا باپ خون میں نہا کر وہیں ختم ہو گیا۔ یہ خونی منظر بچے کی آنکھوں نے دیکھا، وہ اُس کے دماغ میں بس گیا۔ اُس نے اپنی زندگی کا مقصد جنرل ڈائر کو قتل کرنا ہی بنا لیا تھا۔ فائرنگ سیکھنے میں اُس نے بہت کامیابی حاصل کی۔ جب وہ جوان ہوا تو اُس کے دماغ میں خونی منظر

چمکنے لگا۔ آخر وہ برطانیہ کی پارلیمنٹ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ جہاں جنرل ڈائر موجود تھا۔ ادھم سنگھ نے اُس پر پستول سے کئی وار کیے اور اُسے 13/ مارچ 1940ء کو وہیں خاموش کر دیا۔ اُس نے اپنے باپ کا ہی بدلہ نہیں بلکہ تمام شہیدوں کا بدلہ لے لیا مگر پکڑا گیا اور بے خوف ہو کر کہنے لگا۔ مجھے زندگی میں جو کچھ کرنا تھا وہ میں نے کر لیا، اب تم کو جو کچھ کرنا ہو وہ تم کرو۔ آخر پھانسی پر لٹکا کر شہید کر دیا گیا۔

183 تحریک خلافت کمیٹی 1919ء

جلیان والے باغ میں جنرل ڈائر کا ننگا ناچ دیکھ کر اُسی سال 22/ نومبر 1919ء میں مسلمانوں نے سر فضل الحق کی صدارت میں خلافت کمیٹی کا افتتاح کیا۔ یہ تحریک طوفان کی طرح اُبھری اور سیلاب کی طرح پورے ہندوستان میں پھیل گئی۔ اس کے قائم کردہ بجلی کی طرح کڑکے اور بادل کی طرح گرجے۔ پورے دیش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ تک انگریزی حکومت کے خلاف نفرت، اور غصّے کا ماحول پھیل گیا۔

موج اُٹھتی ہے تو پھر سر سے گذر جاتی ہے
چوٹ کھاتی ہے جو ناگن تو بپھر جاتی ہے
سچ کی آواز دبانے سے ابھر جاتی ہے
زندگی آگ میں تپ تپ کے نکھر جاتی ہے

اس تحریک کے مردِ آہن جنہیں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کہتے تھے، جو سیاست کی تاریخ میں علی برداران کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ خلافت کا مسلۂ صرف مسلمانوں کا ہی تھا لیکن گاندھی جی نے اس کی حمایت کر کے اسے تمام ہندوستان کے لوگوں سے جوڑ دیا۔ ہندوستان کی دونوں قوم ہندو مسلم اس طرح آپس میں مل گئیں جیسے دودھ میں پانی۔ اور پورے ملک میں خلافت تحریک چھا گئی۔ اُس وقت اس کے سامنے دوسری کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ اور اس کے نعرے پورے دیش میں لگائے جاتے تھے۔ جو آسمان سر پر اُٹھا لیتے تھے۔ اس تحریک کے نعروں نے انگریزوں کی نیندیں حرام کر دیں۔ اس طرح کی ہندو، مسلم میل میلاپ کی تاریخ ہندوستان کے سُنہرے حرفوں میں لکھی گئی

ہے۔ عید اور ہولی ہندو مسلم ایک ساتھ مناتے تھے۔

میاں تو ہم سے نہ رکھ، کچھ غبار ہولی میں
کہ روٹھے ملتے ہیں آپس میں یار ہولی میں
مچی ہے رنگ کی کیسی بہار ہولی میں
ہوا ہے زرد چمن آشکار ہولی میں
عجب یہ ہند کی دیکھی بہار ہولی میں

اُس وقت ہندوستان کے تعلیم یافتہ اور اونچے لوگ انگریزوں سے ڈرتے تھے۔ اور اُن کے سامنے تھر تھر کانپتے تھے۔ وہ بھکاریوں کی طرح اپنے حقوق کی لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے بھیک مانگتے تھے۔ اس تحریک نے اُن میں جان پیدا کردی اور اُن کے تیور بدل گئے۔ انگریزوں کا ڈر دل سے نکل گیا۔

گاندھی جی اور خلافت :۔ پہلی جنگ عظیم کے ختم ہونے کے بعد انگریزوں نے ترکی حکومت کے سامنے ایسی شرط رکھی جو نا قابل قبول ہی نہیں بلکہ شرمناک بھی تھی۔ اس کے خلاف مسلمانوں نے تحریک چلانی چاہی۔ سوال تھا کہ تحریک کی قیادت کون کرے؟ اس سلسلے میں پہلا نام لوکمانیہ تلک کا آیا۔ لیکن ان کے فرقہ وارانہ خیالات کی وجہ سے مسلم لیڈروں نے اسے نامنظور کردیا۔ دوسرا نام اتفاق رائے سے موہن داس کرم چندر گاندھی کا آیا۔ گاندھی جی ساؤتھ افریقہ سے ہندوستانیوں کو کچھ حقوق دلانے میں کامیاب تحریک چلا چکے تھے اس لیے اس تحریک کی قیادت گاندھی جی کو سونپی گئی۔ علی برادران نے ہندو مسلم ایکتا کا نعرہ لگایا اور گاندھی جی کو جامع مسجد دلی کے منبر پر کھڑا کرکے ان سے تقریر کروائی، گاندھی جی نے ہندو مسلم ایکتا پر کافی جوشیلی تقریر کی اور انگریزوں کے خلاف ہندو مسلم ایکتا کا پہاڑ کھڑا کردیا۔ جامع مسجد کی سیڑھیوں سے نیچے اترتے ہی موہن داس کرم چندر گاندھی کو ”مہاتما“ کے نام سے پکارا جانے لگا۔ اس کے بعد علی برادران نے باپو کہنا شروع کردیا اور باپو کو ساتھ لے کر پورے دیش کا دورہ کروایا خلافت کمیٹی میں چندہ جمع کیا جس میں کروڑوں روپیہ جمع کئے گئے۔

مہاتما گاندھی نے ینگ انڈیا میں لکھا ہے کہ ”بی اماں، علی برادران اور امجدی بیگم محمد علی جوہر کی کوششوں اور دوروں سے خلافت کانفرنس میں کروڑوں روپیہ جمع ہوگیا تھا“۔

ڈاکٹر بابا صاحب اپنی کتاب ''تھوٹ اون پاکستان'' میں لکھتے ہیں کہ 9 جون 1920ء خلافت کانفرنس الہ آباد میں ہوئی اس میں ایک جٹ ہو کر نان کوپریشن کا اصول طے ہوا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے نان کوپریشن کی تحریک بھی خلافت نے ہی شروع کی تھی مولانا محمد علی جوہر کی پشاور میں تقریر اور ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر کی لکھائی سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ گاندھی جی کو مہاتما اور باپو اور کانگریس کو نیشنل بنانے میں علی برادران اور خلافت ہی ہے۔ مولانا محمد علی جوہر لکھتے ہیں کہ مہاتما گاندھی کے تمام دوروں کا خرچ بھی خلافت ہی اٹھاتی تھی۔ (مدھے کال 15 سے 30 ستمبر 2002)

184 تحریک جمعیۃ العلمائے ہند 1919ء

23/نومبر 1919ء میں جمعیۃ العلماء ہند کی بنیاد ڈالی گئی تھی۔ جن میں جناب مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا نثار احمد، مولانا عبدالباری فرنگی لکھنوی، سبحانی، مولانا احمد سعید دہلوی اور مولانا ابوالکلام آزاد تھے۔ جنہوں نے کانگریس کے ساتھ مل کر آزادی کے کارواں کو منزل تک پہنچایا۔ عام آدمی میں آزادی کا جذبہ پروان چڑھایا۔ یہ کہنے میں ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی کہ وہ علمائے ہند ہی تھے جنہوں نے جذبۂ حریت میں روح پھونکی ورنہ یہ تحریک بے روح رہتی اور شائد آزادی کے لئے ہندوستانیوں کو مزید چند دہائیوں تک انتظار کرنا پڑتا۔ یہ علماء ہی تھے جن کے دل ایمانی قوت سے لبریز تھے۔

1942ء میں لاہور میں جمعیۃ العلماء ہند کے 13 ویں اجلاس میں مولانا حسین احمد مدنی نے برطانیہ کو انتباہ کیا کہ ''برطانیہ اور تمام دنیا کو یقین کر لینا چاہئے کہ ہم اپنی زندگی کی آخری گھڑی تک اپنی آزادی اور خودمختاری تک لڑیں گے اور ہم اس جابرانہ تصور کے سامنے سر جھکانے سے انکار کرتے ہیں۔''

185 علماء ہند کا نان کوآپریشن اور فتویٰ۔ 1920 تا 1921ء

خلافت کمیٹی اور جمعیۃ العلماء ہند کے افتتاح نے ہندوستان کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ مکمل آزادی کی باگ ڈور مسلمانوں نے اپنے ہاتھوں میں لے لی تھی۔ کانگریس جو 1885ء میں بنی تھی۔ اُس نے آج تک مکمل آزادی کا نعرہ نہیں دیا تھا۔ مگر اب وہ بھی ان دونوں جماعتوں کے ساتھ ہو گئی تھی۔

1. خلافت کمیٹی: اس کمیٹی نے نان کوآپریشن کا ریزولیشن 9/جون 1920ء میں الہ آباد کے اجلاس میں پاس کروالیا تھا۔ جسے کلکتہ کانگریس نے لالہ لاجپت رائے کی مخالفت کے باوجود منظور کرلیا تھا۔ اور 22/جون کو وائسرائے ہند کو اس کا پیغام بھی دے دیا تھا۔ اس کے بعد 1/اگست 1920ء کو دوسری بار اُسے ایک اور پیغام بھیج دیا گیا۔ اور 31/اگست 1920ء کو نان کوآپریشن کی تحریک شروع کردی گئی۔

2. جمعیۃ العلماء: اس جماعت نے بھی دلی میں اپنا ریزولیشن نومبر 1920ء میں پاس کروالیا۔

جمعیۃ العلماء ہند کا دوسرا اجلاس 1920ء میں منعقد ہوا تھا جس کی صدارت شیخ الہند مولانا محمد الحسن نے کی تھی اس اجلاس میں ترکِ موالات کا فتویٰ دیا گیا اس فتوے کے مطابق تمام سرکاری عہدوں اور تعلیمی اداروں فوجی ملازمت اور عدالتوں میں مقدمات کا بائیکاٹ اور غیر ملکی سامان استعمال کرنے کو حرام قرار دے دیا گیا تھا۔ اس فتوے پر ہندوستان کے 473 مولانا اور علماء کے دستخط تھے۔ اس سے برطانوی سلطنت میں شگاف پڑ گیا اور حکمراں چکرا کر رہ گئے۔

1921ء میں تیسرے اجلاس میں فتوے کو شائع کیا گیا اور پورے ہندوستان میں تقسیم کیا۔ یہ اعلان برطانوی سلطنت پر بھاری پڑا۔

شیخ الہند اُس وقت جزیرۂ مالٹا کی جیل سے برسہا برس کی تکلیفیں جھیل کر ہندوستان آئے تھے۔ اس لئے آج وہ ہندوستان کے مقامی لیڈروں کے آنکھوں کے تارے بن چکے تھے۔ اس اجلاس میں لگ بھگ 500 علماء جمع ہوئے تھے جو ہندوستان کے الگ الگ صوبوں سے تشریف لائے تھے۔ جن میں بنگال، سندھ، بہار اور آسام کے عالم بھی شامل تھے۔

شیخ الہند کی صدارت میں انگریزوں کے خلاف فتویٰ دیا گیا جس کی وجہ سے انگریزی سرکار میں نوکری کرنے، اُن کی فوج میں بھرتی ہونے اور اُن کے لباس استعمال کرنے کو حرام قرار دے دیا گیا تھا۔ اس فتوے پر 474 علماء نے دستخط کئے تھے۔ اور اُسے ہندوستان کے کونے کونے میں بھیج دیا گیا تھا۔

فتوے کی وجہ سے تمام ہندوستان میں غیر ملکی سامان کا بائیکاٹ کیا گیا اور دیسی لباس کا استعمال کیا جانے لگا۔ چوراہوں پر ولایتی کپڑے جمع کیے گئے اور اُن میں آگ لگا دی گئی۔ لوگ اپنے بدن سے

ولایتی کپڑے اُتار کر آگ میں جھونکنے لگے۔

اس طرح نان کوآپریشن کی ہوا آندھی بن کر چلی۔ جس سے حکومت کی آنکھ دکھنے لگی اور اُس کا تمام انتظام درہم برہم ہو گیا۔ گاؤں میں پنچایتیں قائم کی گئیں۔ اور مقدمے اُنہیں میں سلجھائے جانے لگے۔ اس طرح عدالتوں میں سناٹا چھانے لگا۔ وکیل ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے لگے۔ اس طرح یہ تحریک ایک زلزلہ بن کر اُبھری اور پورے ہندوستان میں پھیل گئی۔ عورتیں بھی اپنے بدن سے زیور اُتار اُتار کر چندے میں دینے لگیں۔

جمعیۃ العلماء نے بڑے بڑے اجلاس قائم کئے۔ جس سے ہندو مسلم سبھی عوام میں جوش پیدا ہو گیا تھا۔ اس کو دیکھ کر ایک انگریز جج نے لکھا تھا کہ ''علماؤں کی سازشوں کی جماعت جمعیۃ العلماء ہے جو خفیہ سازش نہیں کرتی بلکہ عظیم الشان جلسہ کر کے کھلم کھلا سازش کرتی ہے۔''

3. آل انڈیا کانگریس کمیٹی: اس کمیٹی کا اجلاس 8 اور 9 جولائی 1921ء میں کراچی میں ہوا۔ جس کی صدارت مولانا محمد علی جوہر نے کی۔ اس اجلاس میں بھی پولیس اور فوج میں نوکری کرنے کو حرام قرار دیا گیا۔ جس کو مولانا نثار احمد اور پیر محمد مجاہد نے قبول کیا۔

اس طرح تینوں کمیٹیوں کے فتوے سے تنگ آکر انگریزوں نے گرفتاری کا حکم دے دیا۔ اور مولانا حسین مدنی کو دیوبند سے راتوں رات اُٹھا کر کراچی پہنچا دیا گیا۔ باقی مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا نثار احمد اور پیر غلام مجدد کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور پھر اُنہیں بھی کراچی کی جیل میں بھیج دیا گیا۔

186 کراچی کا مقدمہ 20 ستمبر 1921ء

20/ستمبر 1921ء کو اُن سبھی ہندوستانیوں پر مقدمہ چلایا گیا جو گرفتار کر لئے گئے۔ اس وجہ سے کراچی کے مقدمے کی پورے ہندوستان میں تعریف ہونے لگی اور وہ مشہور ہو گیا۔

''دل سے ممنون ہوں۔ صیاد کی صیادی کا
قید ہونا میرا ایک خیال ہے آزادی کا''

مولانا حسین مدنیؒ کا عدالت میں بیان: 27؍ستمبر 1921ء میں لوگ سڑکوں پر نکل آئے اور گیارہ بجے ملزموں کو بھاری انتظام کیساتھ عدالت میں لایا گیا۔ جب عدالت میں پولیس کے بھاری انتظامات کے ساتھ مولانا حُسین مدنی کو لایا گیا تو اُنہوں نے جو بیان انگریز جج کے سامنے دئے وہ ہندوستان کی آزادی کی تاریخ میں سُنہرے حُرفوں سے لکھے گئے ہیں۔ آپ نے کہا تھا۔

''اگر انگریزوں کی منشا مذہبی آزادی کو ختم کرنی ہے تو صاف صاف اعلان کر دیا جائے تا کہ سات کروڑ مسلمان اس بات پر غور کر لیں کہ اُنہیں مسلمان رہنا منظور ہے یا انگریزوں کی رعایا۔ اور اس طرح 22؍کروڑ ہندو بھی غور کر لیں کہ اُن کو کیا کرنا ہے۔ کیونکہ جب مذہبی آزادی چھین لی جائے گی تو سبھی کی چھین لی جائے گی۔ اگر لارڈ ریڈنگ اس لئے ہندوستان بھیجے گئے ہیں کہ قرآنِ مجید کو جلا دیں۔ اور حدیثوں کو مٹا دیں، تو سب سے پہلے اسلام پر جان قربان کرنے والوں میں میں ہی رہوں گا۔''

اس بیان پر لوگ بے قابو ہو گئے اور عدالت نعرۂ تکبیر سے گونج اُٹھی۔ مولانا محمد علی جوہر نے آگے بڑھ کر مولانا مدنی کا ہاتھ چوم لیا۔ یہ تھا مسلمانوں کا جذبۂ آزادی جس نے ہندوستان کی کایا ہی پلٹ دی۔ انگریز جج ان سبھی کو سخت سزا دینا چاہتا تھا۔ مگر اُن کا جذبۂ وطن دیکھ کر وہ مجبور ہو گیا۔ اور اُس نے سب ملزموں کو دو دو سال قیدِ بامشقت کی سزا سنائی۔ اُس وقت یہ نظم بہت دھوم دھام سے پڑھی جاتی تھی۔

کہہ رہے ہیں کراچی کے قیدی   ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو
تم کو ریشم کے کپڑے مبارک   ہم کو کمبل کے ٹکڑے مبارک
تم کو محلوں میں رہنا مبارک   ہم کو مٹی پہ سونا مبارک
ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو

187 چوری چورا کانڈ 1922ء

چوری چورا قصبہ پہلے گورکھپور ضلع میں تھا۔ جب دیوریہ ضلع بنا تو اس چھوٹے سے قصبہ کو اُس میں شامل کر لیا گیا۔ یہاں چمڑے کا کاروبار بڑے پیمانے پر ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں ہندو اور مسلم دونوں ہی

کی آبادی ہے۔ 1922ء میں عبداللہ کانگریس میں والنٹیر کا کام کر رہا تھا۔ اُس نے لال محمد اور بھگوان یادو سے مل کر چوری چورا گاؤں میں 35 والنٹیرس بھرتی کر لئے۔ انہوں نے شراب کی دُکان پر پیکنگ شروع کردی۔ شراب کے ٹھیکے داروں نے اس کی پولیس میں شکایت کردی۔ پولیس نے والنٹیرس کو بے دردی سے مارا۔ اور اُن کے زخموں پر نمک چھڑکا۔ اس ظلم کے خلاف لال محمد نے ضلع کانگریس کے صدر سبحان اللہ کو تحریری طور پر لکھا۔ آخر اُس دن گاؤں والے جمع ہو گئے اور ایک جلوس بنا کر چوری چورا تھانے پر پہنچ گئے۔ یہ دیکھ کر تھانے دار نے جلوس کے سامنے تو معافی مانگ لی مگر پیچھے سے اُس نے جلوس پر فائرنگ کرنے کا حکم دے دیا۔ جس کے سبب جلوس میں سے 3 آدمی خون میں نہا کر شہید ہو گئے، جن میں چوری چورا کے مولوی صاحب نظر علی، رام کھلاون اور ان کے ساتھی بھگوان شامل تھے۔ جلوس نے بھی جوابی کارروائی شروع کردی اور پولیس پر پتھر پھینکنے شروع کر دیئے اور تھانے پر مٹی کا تیل چھڑک کر اُس میں آگ لگا دی جس کے سبب تھانیدار ایک انسپکٹر اور ہیڈ کانسٹیبل، سولہ سپاہی اور چار چوکیدار جل کر راکھ ہو گئے۔ اور وہاں کے تھانے پر ڈاک خانے، ریلوے اسٹیشن پر کانگریس کا جھنڈا لہرا دیا گیا۔ ڈپٹی انسپکٹر جنرل سینڈے نے اندھا دھند گرفتاریاں شروع کر دیں۔ 237 افراد پر دفعہ 120 (شہنشاہ کے خلاف بغاوت)۔ دفعہ 302 کے تحت اور دفعہ 395 کے تحت ڈکیتی وغیرہ کے مقدمے چلائے گئے۔ ان میں 56 افراد فرار تھے اور 181 میں سے 172 کو سزائے موت کا حکم ہوا، مگر ہائی کورٹ میں اپیل کے بعد 19 لوگوں کو پھانسی پر لٹکایا گیا، 16 کو عمر قید اور باقی کو دوسری سزائیں دی گئیں۔

جن لوگوں کو پھانسی پر لٹکایا گیا تھا اُن میں اس تحریک کے دونوں بانی عبداللہ اور لال محمد بھی شامل تھے۔ یہ پھانسی 2؍ جولائی 1922ء کو دی گئی تھی۔ اور مولوی نظیر علی تھانے پر ہی گولیوں سے شہید ہو چکے تھے۔

(جنگ آزادی میں مسلمانوں کی قربانی، 182) (سومناتھ چترویدی کے وشیش قومی آواز لکھنؤ 31 اکتوبر 1981ء)

گاندھی جی نے اس تحریک کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا تھا جس سے کانگریس کے بڑے لیڈر سی۔ آر۔ داس، پنڈت جواہر لال نہرو اور مولانا آزاد اُن سے ناراض ہو گئے تھے۔ اس کے بارے میں مولانا آزاد نے اپنی کتاب انڈیا ونس فریڈم (India Wins Freedom) میں لکھا ہے۔

”اُس وقت گاندھی جی کے علاوہ سبھی لیڈرس جیل میں تھے (مولانا آزاد اور پنڈت جواہر لال نہرو بھی) گاندھی نے چوری چورا کانڈ کی تحریک کو ختم کر دیا تھا، جس سے سارے ہندوستان میں ناکامیابی کا ماحول پھیل گیا تھا“۔ سی۔ آر۔ داس کو یقین تھا کہ ایسا آندولن (تحریک) بند کرنے سے ہندوستان کو بھاری نقصان پہنچے گا اور اب جنتا میں انگریزوں کے خلاف ایسا جوش و خروش پیدا نہیں ہو سکتا۔

188 تحریک مسلم موپلا کسان۔ 1921ء تا 1937ء

تحریکِ خلافت اور جمیعۃ العلماء سے پورے ملک میں انگریزوں کو بھگانے کا جوش پیدا ہو گیا تھا۔ اُس وقت بنگال، پشاور، مدراس، سنگاپور اور چٹگاؤں وغیرہ کے مسلم انگریزوں کے خلاف کافی گرم ہو اُٹھے تھے۔ کیرل کے مالابار علاقے کے موپلا مسلم کسان بھی آزادی کی تحریک میں کود پڑے۔ موپلا کسانوں کی تحریک کا لیڈر ابو بکر تھا۔ اُس کی ماں مالابار کی رہنے والی تھی۔ اس تحریک کو روکنے کے لئے انگریز حکومت نے اسکولوں کو بند کر دیا۔ اور جلسوں پر پابندی لگا دی۔ انگریز کلکٹر ٹاٹسن نے اُن کسانوں پر ظلم کرنا شروع کر دیا جو تحریک میں حصہ لے رہے تھے۔ پہلے خلافت کے ممبروں کو گرفتار کیا اور پھر اُن کے ساتھ مار پیٹ کی۔ جب اُن کے لیڈر کو گرفتار کر لیا تو لوگ سڑکوں پر نکل آئے۔ پولیس نے فائرنگ شروع کر دی۔ جس سے 400ر لوگ موقع پر ہی شہید ہو گئے۔ اس وجہ سے موپلاؤں میں جوش کی اگنی بھڑک اُٹھی اُنہوں نے بجلی کے تار کاٹ دیئے۔ ریل کی پٹریاں اُکھاڑ دیں۔ قید خانوں کے دروازے توڑ کر قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ اور پولیس والوں سے مار پیٹ کر کے اُن کے ہتھیار چھین لئے۔ شراب کی دکانوں میں آگ لگا دی۔

21 اگست 1921ء کے ٹائمز آف انڈیا کے مطابق فوجی کارروائی میں 2288 موپلا مسلم کسان شہید کر دیئے گئے۔ ان کے ساتھ 1630 زخمی ہوئے۔ 5712 گرفتار کر لئے گئے۔ 1704ء کے خلاف مقدمہ چلا اور اُنہیں جیل کی سزائیں دی گئی۔

2ر ستمبر 1922ء اخبارات کے مطابق 100 موپلا کسانوں کو گرفتار کر کے مال گاڑی میں جانوروں کی طرح ٹھونس دیا گیا۔ بند ڈبے میں لوگوں کا دم گھٹنے لگا۔ یہ سفر تقریباً 100 میل لمبا تھا۔ ان میں گرمی اور پیاس سے 64 آدمی تڑپ تڑپ کر ڈبے میں ہی مر گئے۔ اور جو بچ گئے اُن کی حالت بہت خراب تھی۔ وہ اپنے پیروں پر کھڑے بھی نہیں ہو سکتے تھے۔ ان 64ر قیدیوں کی دردناک موت پر صرف ایک انگریز

سارجنٹ کے خلاف مقدمہ چلایا گیا۔ جب کہ چوری چورا کانڈ میں سات کانسٹیبلوں کے مارے جانے پر اسی انگریزی عدالت نے 172 ہندوستانیوں کو پھانسی کے پھندے پر لٹکانے کا حکم دیا تھا۔

1937ء میں کسان سبھا نے ایک زوردار آندولن کیا جس کی قیادت ابوبکر نے کی۔ اس لئے ابوبکر اور اُس کے دوساتھیوں کو گرفتار کرلیا گیا۔ اوران تینوں کو پھانسی کی سزا دے دی گئی۔

ہم زمیں کو تری ناپاک نہ ہونے دیں گے
تیرے دامن کو کبھی چاک نہ ہونے دیں گے
جی میں ٹھانی ہے یہی جی سے گزر جائیں گے
کم سے کم وعدہ یہ کرتے ہیں کہ مر جائیں گے

189 شہید اشفاق اللہ خان 1925ء

اور کاکوری ڈکیتی کیس

آزادی حاصل کرنے کے لئے روپیوں کی بھی خاص ضرورت تھی۔ کاکوری کے کچھ نوجوانوں نے مل کر ایک خفیہ میٹنگ کی اور یہ طے کیا کہ کاکوری ریلوے اسٹیشن پر انگریزوں کا سرکاری خزانہ لوٹ لیا جائے۔

شہید اشفاق اللہ خان: اشفاق اللہ 22/ اکتوبر 1900ء میں سہارنپور (یوپی) میں پیدا ہوا تھا۔ یہ نوجوان بہت ہی خوبصورت اور لمبے چوڑے قد کا تھا۔ اُسے بچپن ہی سے وطن کی آزادی حاصل کرنے کا شوق تھا۔ اس وجہ سے آزادی کے متوالوں نے پنڈت رام پرساد بسمل کے گھر پر ایک خفیہ میٹنگ کی۔ یہ میٹنگ 8/ اگست 1925ء کو کی گئی اور اُس میں یہ طے کیا گیا کہ کل کاکوری اسٹیشن پر آنے والی ریل سے سرکاری خزانہ لوٹ لیا جائے۔

آخر 9/ اگست 1925ء کو ریلوے اسٹیشن کاکوری پر سرکاری خزانہ لوٹ لیا گیا۔ صندوق کو توڑ

ڈالا گیا۔ اور خزانہ لوٹ لیا گیا، راتوں رات تمام اخباروں کی سرخی پر خزانے کے لوٹنے کی خبر لکھی گئی۔ خزانہ لوٹتے وقت اشفاق اللہ خان کے ایک ساتھی کی چادر وہاں چھوٹ گئی۔ سی۔ آئی۔ ڈی۔ خفیہ پولیس نے اس چادر پر دھوبی کا نشان دیکھ کر پتہ لگا لیا۔ اس تفصیل سے ایک سُتار بنارسی لال جو سہارن پور کا رہنے والا تھا۔ پتہ لگا لیا گیا اور ایک بنگالی طالبِ علم نے یہ سب باتیں پولیس کو بتا دی۔ اشفاق اللہ گھر سے فرار ہو گیا۔ وہ بنارس اور کاشی ہوتا ہوا دلی میں ایک دوست کے یہاں آ کر رہنے لگا۔ مگر پھر بھی پولیس نے اشفاق اللہ خان اور اُن کے ساتھی پنڈت رام پرساد بسمل کو گرفتار کر لیا۔ اُن سب پر ایک مقدمہ 1925ء میں چلایا گیا۔ جو کاکوری ڈکیتی کیس کے نام سے جانا جاتا ہے۔ دوسرے ملزمین اشفاق اللہ اور اُن کے ساتھی چندر شیکھر آزاد بھگت سنگھ، باگیشور دت، کنیہ لال، مراری لال اور کھودی رام تھے ان سب کو 1927ء لکھنؤ میں حضرت گنج کی ایک شاندار عمارت میں جج بیلٹن نے پھانسی کی سزا دی۔ لوگ کہتے ہیں کہ پھانسی کے سامنے اشفاق اللہ کی زبان پر قرآن کی آیتیں تھی اور گلے میں پھانسی کا پھندا۔ پنڈت رام پرساد ایک شاعر تھے اور شاعری کی وجہ سے اُن کو بسمل کہا جاتا تھا۔ وطن پر نثار ہونے والے بسمل نے کہا تھا کہ۔

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے
وقت آنے دے بتا دیں گے تجھے اے آسماں
ہم ابھی سے کیا بتائیں کیا ہمارے دل میں ہے
اے شہیدانِ وطن ظاہر ہے تیرے ولولے
تیری قربانی کے چرچے غیر کی محفل میں ہے

لہذا پوری دنیا میں اور حکومت برطانیہ تک اُن کی قربانی کے چرچے ہونے لگے اور انگریز سمجھ گئے کہ اب ہندوستان میں ہمارا رہنا مشکل ہے۔ مجاہدِ آزادی میوارام گپت اُن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ”اشفاق اللہ کی وطن کی محبت، سچی دوستی اور وفاداری کے بارے میں جتنا بھی لکھا جائے وہ کم ہے۔ لوگ سرکار سے اپیل کرتے ہیں کہ اُن کی سزا کم کر دی جائے، مگر اشفاق اللہ نے سرکار سے اپیل کی تو یہ کی کہ پنڈت رام پرساد

بسمل کا کوئی قصور نہیں ہے۔ سارا قصور میرا ہے۔ کیونکہ خزانہ میں نے ہی لوٹا ہے۔ اس لئے رام پرساد کو پھانسی نہ دی جائے۔ اشفاق اللہ کے یہ الفاظ سچی دوستی، ہندو اور مسلمانوں کی یکجہتی کا ثبوت ہے"۔

1924ء میں انگریزوں کی وجہ سے شاہ جہاں پور میں ہندو مسلم فساد ہوا تو مسلمان آریہ سماج میں آگ لگانے جا رہے تھے تب اشفاق اللہ نے اپنی پستول سے بھیڑ کو روکا اور کہا کہ آپ لوگ جانتے نہیں کہ جس آریہ سماج مندر میں تم آگ لگانے جا رہے ہو اس میں تو اشفاق اللہ کا رام رہتا ہے۔ لوگ کہتے تھے کہ اشفاق اللہ ہندو ہو گیا ہے اور رام پرساد مسلمان۔ یہ تھی ہماری یکجہتی۔ (مسلمان مجاہدین 89)

افسوس کیوں نہیں ہے وہ روح اب وطن میں
جس نے ہلا دیا تھا دنیا کو ایک پل میں

رام پرساد بسمل نے کہا تھا کہ۔

"چمن والو اسیروں کی فقط اتنی تمنا ہے
بہار آئے تو تم اجڑے ہوؤں کو یاد کر لینا"

کہتے ہیں کہ پھانسی کے پھندے پر لٹکنے سے پہلے اشفاق اللہ نے انقلاب کے نعرے لگائے اور جب اُن سے آخری خواہش پوچھی گئی تو اُنہوں نے کہا تھا۔

"کچھ آرزو نہیں ہے، ہے آرزو تو یہ ہے
رکھ دے کوئی ذرا سی، خاکِ وطن کفن میں"

وطن پر شہید ہونے والوں پر دیش کے کونے کونے سے گلہائے عقیدت پیش کی جاتی ہیں۔

پھول برساتی ہے دنیا، آج تربت پر تری
زندگی بھی رشک کرتی ہے شہادت پر تری

190 آر۔ ایس۔ ایس 1925ء

ناگپور کے کیشو بلی رام ہیڈ گیوار نے 1925ء میں آر ایس ایس کی بنیاد ڈالی تھی۔ یہ کوئی وطن پرست تنظیم نہیں تھی اور جنگ آزادی میں بھی اس کا کوئی رول نہیں ہے۔ اس نے کبھی جنگ آزادی کی لفظی حمایت بھی نہیں کی۔ 1923ء میں ناگپور میں ہندو مسلم فساد ہونے کے بعد ہندوؤں کو جنگجو بنانے کے

لئے ہی یہ تنظیم قائم کی گئی تھی۔ ہیڈ گیوار نے تو واضح طور پر اپنے رضا کاروں کو ہدایت دے دی تھی کہ وہ نمک ستیہ گرہ، ہندوستان چھوڑو۔ اس طرح کی تحریکوں میں شریک نہ ہوں۔ یہ تھی ان کی وطن پرستی۔

وی۔ ایچ۔ پی کا مختصر تعارف :۔ وشو ہندو پریشد کا قیام 1964ء میں آر۔ ایس۔ ایس۔ کی معرفت ہوا اس تنظیم کا ایک بھی لیڈر ایسا نہیں ہوا ہے جس نے جدوجہد آزادی میں اپنی جان دی، یا جیل گیا ہو کیونکہ آزادی کے سولہ سال بعد جب ہندوستانی نسل جوان ہو چکی تھی۔ تب تو اس کا قیام عمل میں آیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آزادی کے بعد تقسیم ہند کے وقت لگنے والے زخم جب بھرنے لگے تھے ہندو مسلم، ایک دوسرے کے قریب آنے لگے تھے تب وشو ہند پریشد کا قیام عمل میں آیا تھا۔

191 قصہ پشاور خوانی بازار 1930ء

1930ء میں نان کوآپریشن کی تحریک پشاور کے پٹھان بہادروں نے چلائی تھی۔ یہ تحریک جنگِ آزادی کی تاریخ میں ایک مشہور یادگار ہے۔

23/ اپریل 1930ء میں صوبہ سرحد پر خان عبدالغفار خان کی بنائی ہوئی ایک تنظیم خدائی خدمت گار کا اجلاس ہوا۔ خان صاحب کو اُسی وقت گرفتار کر لیا گیا۔ اس لئے بازار میں ہنگامہ ہو گیا۔ اور انگریزوں نے اتنی گولیاں چلائی کہ پشاور خون میں ڈوب گیا۔ کانگریس کے دفتر کے سامنے پختون مجاہدین کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ پھر بھی فوج کے سپاہی گولیوں کی بارش کر رہے تھے۔ انقلاب زندہ باد کے نعروں سے آسمان گونج رہا تھا۔ مگر جلوس پھر بھی قصہ خوانی بازار کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔ کانگریس نے غیر ملکی مال کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ س لئے انگریزوں نے کانگریس کے صدر آغا لال بادشاہ اور مولانا عبدالرحیم، لال بخش برقی اور غلام ربانی سیٹھ کو 22/ اور 23/ اپریل 1930ء کو رات کے وقت گرفتار کر لیا۔ اور اب پولیس اُنہیں کابل تھانہ لے جا رہی تھی۔ یہ دیکھ کر ہجوم نے اُن کی گاڑی کے ٹائر پھوڑ دیئے۔

یہ ہجوم انقلاب زندہ باد کے نعرے لگاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ انگریز ڈپٹی کمشنر نے بکتر بند گاڑیاں اور مشین گنیں منگوالی۔ جب یہ کابل دروازے کے اندر گھس گئی تو جلوس نے آپس میں ہاتھ ملا کر ایک دیوار سی کھڑی کر دی۔ تا کہ وہ رک جائے، مگر بکتر بند گاڑیا اور مشین گنیں اُنہیں پیستی ہوئی گزر گئی۔ کچھ نوجوانوں نے اُن کی پیٹرول ٹنکی میں آگ لگا دی۔ اس طرح مجاہدوں کے خون سے سڑک نہا رہی تھی۔ اور ایسا لگ رہا تھا گویا ایک ہزار لوگوں کے خون سے ہندوستان کی آزادی کا فرمان لکھ دیا گیا ہو۔ آخر

جب بھڑوال فوج نے خون کی ہولی دیکھ کر گولی چلانے سے انکار کر دیا۔ تو گوری فوج کی ہمت ٹوٹ گئی اور اُس نے مورچہ چھوڑ دیا۔ تب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پشاور آزاد ہو گیا ہو۔

”جب بیان قصۂ بیدار کیا جاتا ہے
قصۂ خوانی کا لہو یاد کیا جاتا ہے“

23/اپریل 1930ء میں وہاں شہیدوں کی ایک یادگار بنائی گئی۔ جس کا فخر عاشق حسین فروٹ مرچنٹ کو حاصل ہوا۔ وہاں پھر پھولوں کے ہار چڑھائے جانے لگے۔ چراغ جلائے جانے لگے اور آزادی کا ترانہ گائے جانے لگا۔

1930ء تا 1947ء تک ان سترہ برسوں میں آزادی کی اس تحریک کا جشن یہاں کی یادگار اور مجاہدین آزادی کے خون سے سینچی ہوئی زمین سے ہوتا تھا۔ اور ہر سال یہاں ایک بڑا میلہ لگایا جاتا تھا۔

”شہیدوں کے مزاروں پر لگیں گے ہر برس میلے
وطن پر مرنے والوں کا یہی باقی نشاں ہوگا“

اور اس وقت ہر طرف یہ نغمہ گونجتا سنائی دیتا تھا۔ ”پھول برساؤ شہیدانِ وطن کی خاک پر“

نوٹ: شہید ہونے والے مسلم مجاہدین کے ناموں کی لسٹ ڈاکٹر پی ایم چوپڑا کی کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

192 تحریک ستیہ گرہ اور سول نافرمانی ۔1930ء 1932ء

جمعیۃ العلماء ہند نے اپنے نویں اجلاس بمقام امروہہ 1930ء میں کانگریس کے تعاون کی تجویز منظور کر لی تھی اس لئے 1932ء میں کانگریس اور جمعیۃ العلماء الہند دونوں نے مل کر سول نافرمانی کا بیڑہ اُٹھایا تھا۔ بہار سے مولانا ابوالمحاسن سجاد تھے اور مولانا حفظ الرحمٰن ہندوستان کے دوسرے صوبوں سے لوگوں کو دلی بھیجتے تھے۔ ان کے ساتھ ایک اور ڈکٹیٹر مولانا سید محمد میاں بھی اُن کے ساتھ تھے۔ جمعیۃ العلماء کے پہلے ڈکٹیٹر صدر مولانا مفتی کفایت اللہ نے ایک لاکھ بیس ہزار افراد کے جلوس کی قیادت کی اور دہلی کے آزاد پارک میں گرفتاری پیش کی اور 18 ماہ جیل میں رہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن، جمعیۃ العلماء ہند کی رہنمائی کرنے والے اور کانگریس کی ورکنگ پارٹی کے ممبر تھے۔ مگر انگریزوں نے کانگریس پر پابندی لگادی

تھی۔ اور وہ کہیں بھی کوئی میٹنگ یا جلسہ نہیں کر سکتی تھی۔ مگر کانگریس کا سالانہ جلسہ طے ہو چکا تھا۔ اس لئے انگریز سی۔ آئی۔ ڈی اور پولیس کسی بھی طرح سے کانگریس کا یہ جلسہ نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی:۔ مولانا حفظ الرحمٰن کو اُس اجلاس میں دلی جانا بہت ضروری تھا۔ مگر دلی میں باہر سے آنے والے لوگوں پر پابندی لگی ہوئی تھی۔ دلی ریلوے اسٹیشن پر انگریز سی۔ آئی۔ ڈی کے جوان تعینات کر دیئے گئے تھے۔ وہ لوگوں کو جمع نہیں ہونے دے رہے تھے۔ اور گرفتار کر رہے تھے۔ مولانا نے اپنے کھدر کا لباس اُتار کر اپنی گٹھڑی میں باندھ لیا۔ اور ایک لٹھے کا صاف پاجامہ پہنا، بدن پر ایک ولایتی کپڑے کی شیروانی اور سر پر ایک شاندار جے پوری صافہ باندھا اور ایک قیمتی چھڑی ہاتھ میں لی اور دلی پہنچ گئے۔ پولیس نے دیکھا، مگر وہ سمجھی کہ یہ کوئی نواب صاحب ہیں۔ لہٰذا کسی نے بھی اُنہیں نہیں روکا۔ مولانا وقت پر اجلاس میں شامل ہو گئے۔ لوگ پولیس کے ڈر سے ادھر اُدھر چھپ گئے تھے۔ اجلاس شروع ہوتے ہی لوگ جمع ہو گئے۔ یہ آزادی کے متوالے کانگریس کا اجلاس کر کے گوروں پر کالا داغ لگانا چاہتے تھے۔

"اُدھر صیاد کو یہ ضد ہے چمن میں کوئی قدم نہ رکھے
اِدھر ہمارے اٹل ارادے بنائیں گلشن میں پھر آشیانہ"

آخر وقت پر ایک شاندار اجلاس منعقد ہوا۔ انقلاب زندہ باد، ہندوستان زندہ باد اور کانگریس زندہ باد کے نعروں سے آسمان گونج اُٹھا۔ فوراً پولیس حرکت میں آئی لیکن تب تک تو آزادی کا حلف نامہ پیش ہو چکا تھا اور اتفاق رائے سے پاس بھی ہو چکا تھا۔ اس طرح آزادی کے متوالے بازی جیت چکے تھے۔ اور حکومت بازی ہار چکی تھی۔ ایک اندازے کے مطابق تقریباً 90 ہزار افراد اس تحریک سول نافرمانی کے دوران گرفتار کر لئے گئے تھے جن میں ساڑھے چوالیس ہزار مسلمان تھے۔

193 تحریک نمک سازی 1930ء

13 مارچ 1930ء کو گاندھی جی نے نمک ستیہ گرہ کا آغاز احمد آباد سے ڈانڈی تک پیدل چل کر کیا تھا۔ جسے جمعیۃ العلماء نے اپنے نوے اجلاس بمقام امروہہ میں کانگریس کے ساتھ تعاون دینے کی تجویز کو منظور کر لیا تھا۔ اس تحریک میں جمعیۃ العلماء کے بہت سے اراکین نے بڑھ چڑھ کر حصہ

لیا۔ جن میں مولانا ابوالکلام آزاد کے علاوہ مولانا احمد سعید، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اور مولانا سید میاں کے علاوہ بہت سے مسلمانوں نے گرفتاریاں دیں اور سزائیں بھگتیں۔ یہ تحریک بہت کامیاب رہی۔

شہادت سید گینو بابو:۔ جب گاندھی نے 6 اپریل 1930ء کو ڈانڈی نمک کا قانون توڑا۔ تب 5 مئی کو انھیں گرفتار کرلیا گیا۔ اس وقت ہڑتال زوروں پر تھی اور غیر ملکی کپڑوں کی ہولی جلائی جارہی تھی۔ جب بمبئی کے مولجی جیٹھا مارکیٹ میں غیر ملکی کپڑوں سے لدا ہوا ایک ٹرک لایا گیا۔ تب گانگریس کے والنٹیئر اس ٹرک کو واپس لے جانے کی التجا کررہے تھے۔ مگر ٹرک والا ضدی تھا اور اس نے سید گینو بابو کے جسم کے اوپر سے ٹرک نکال دیا۔ اس وجہ سے 12 دسمبر 1930ء کو سید گینو بابو شہید ہوگئے۔

ارونا آصف علی:۔ 1930ء کو جب ارونا نے جب ایک عوامی میٹنگ میں نمک ستیہ گرہ کی قیادت کی تو انھیں ایک سال کی سزادی گئی تھی۔

194 تحریک چرخہ 1931ء

گاندھی جی نے دیشی کپڑوں کے لئے چرخے کا استعمال کرنے کی رائے دی۔ اور چرخہ کے ذریعہ سوت کات کر کھدر پہننے کا رواج چالو کیا جو بظاہر بہت معمولی نظر آتا ہے لیکن بقول مولانا محمد علی جوہر ''چرخہ ایک توپ ہے جس کے گولے براہِ راست انگریزوں کے قلب پر گرتے تھے جو صحیح معنوں میں فرنگیوں پر شعلہ نما ثابت ہوئے۔'' اُس وقت عثمان کی ایک نظم ''چرخہ'' کافی پڑھی جانے لگی تھی۔ جس نے گاندھی جی کے اُصولوں کو گھر گھر تک پہنچادیا تھا۔

غلامی سے ہم کو چھڑائے گا چرخہ
لٹیروں کی ہستی مٹائے گا چرخہ
ہمیں مفلسی سے بچائے گا چرخہ
ولایت میں ہل چل مچائے گا چرخہ

195 سکھ دیو، راج گرو اور بھگت سنگھ کی شہادت 23 مارچ 1931ء

ہم وطن پر شہید ہونے والے سبھی بھارتیوں کو گلہائے عقیدت پیش کرتے ہیں۔

1928ء سائمن کمیشن کی آمد پر لاہور میں ریلوے اسٹیشن پر زبردست احتجاجی مظاہرہ ہوا۔ پولس نے

لاٹھی چارج کیا جس میں لالہ لاجپت رائے زخمی ہوئے اُس وقت لاہور کے سینئر سپرنٹنڈینٹ پولیس مسٹر اسکاٹ تھے جب وہ اپنے دفتر سے موٹر سائیکل پر نکلے تو بھگت سنگھ نے راج گرو اور سکھ دیو کے ساتھ مل کر اُن کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ لاہور کے سنٹرل جیل کے کمرہ عدالت میں اُن پر مقدمہ چلایا گیا اور تینوں کو سزائے موت کا حکم ہوا اور 23 / مارچ 1931ء کو اُن کو پھانسی دیدی گئی۔ فیروز پور کے قریب دریائے ستلج کے کنارے ان کی لاشوں کو اگنی دیوتا کے سپرد کر دیا گیا۔

196 سوامی شردھا نند اور آر ایس ایس۔ 1932ء

1932ء کی ستیہ گرہ میں کانگریس کی طرف سے سوامی شردھا نند نے حصہ لیا۔ وہ انگریزوں کے قانون کے خلاف نفرت پھیلانے کے جرم میں جیل گئے۔ مگر وقت سے پہلے ہی جیل سے باہر آگئے۔ لوگوں کو بہت تعجب ہوا۔ کیونکہ سوامی جی انگریزوں سے معافی مانگ کر جیل سے آئے تھے۔ جب کہ آج تک کسی لیڈر نے تو کیا کسی معمولی نوکر نے بھی حکومت سے معافی نہیں مانگی تھی۔

"کیا ہمتِ پرواز ہوگئی تری رخصت
صیاد سے کیوں شکوۂ بے بال و پری ہے"

سوامی جی نے جیل سے باہر آتے ہی ہندو مسلم ایکتا میں نفرت پھیلانا شروع کر دیا۔ اور مسلمانوں کی شدھی کرنے کی بات کرنے لگا۔ اُس نے ہندوؤں کو رائے دی کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کا ہے۔ مسلمانوں کو شدھی کر کے پھر سے ہندو دھرم میں لانا چاہئے۔ کیونکہ ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنایا گیا ہے۔ سوامی جی نے اس کے لئے اپنے چیلوں کو خاص خاص علاقوں میں بھیج دیا اور شدھی کا پرچار شروع کر دیا۔ اور مسلمانوں کو ملیچھ کے نام سے پکارنے لگے۔ اس طرح اُس نے ہندو مسلم ایکتا کے محل میں آگ لگادی اور وہ جل کر پارہ پارہ ہوگیا۔ اور انگریز حکومت مسکرانے میں کامیاب ہوگئی۔

آر۔ ایس۔ ایس: آر۔ ایس۔ ایس کے جنم داتا ہیگڈے وار اور۔ ایس۔ ایس گول ویلکر کٹر ہندو تھے۔ اُن کے دماغ میں ہندوستان کو ہندو راشٹر بنانے کا سپنا تھا۔ گولویلکر نے 1939ء میں ایک کتاب لکھی جس کا نام تھا "بی۔ آر۔ اَور نیشنل ہوڈ ڈیمائنڈیڈ" اس کتاب کو آر۔ ایس۔ ایس کی گیتا کا نام دیا

گیا۔ یہ گیتا ایک طرف تو ہندوؤں میں ہندو بھاؤنا کو جگاتی تھی، اور مسلمانوں کی مسلم بھاؤنا میں زہر پھیلاتی تھی۔ اسی کام کے لئے اس کی بنیاد پڑی تھی۔

ایک طرف یہ کمیٹی مسلمانوں کو دشمن سمجھتی تھی، اور دوسری طرف اقلیت، دلت قوم پر ظلم ڈھا رہی تھی۔ جس کے خلاف ایک دلت مسیحا ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر نے کرانتی کا بگل بجایا اور ہندو بنام دلت ایک مورچہ کھولا گیا۔ آر۔ ایس۔ ایس نے مسلمانوں میں ایسا زہر بھر دیا کہ وہ اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنے لگے تھے۔

سوامی شدھانند اور آر۔ ایس۔ ایس سے تنگ آ کر اور مسلمانوں کو غیر محفوظ دیکھ کر مسلم لیگ کے محمد علی جناح نے 1940ء میں پاکستان کی مانگ کر ڈالی۔ جو 1947ء میں بٹوارے کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ بٹوارے کی وجہ سے ہزاروں ہندوستانیوں کا خون بھی بہایا گیا۔ اتنا ہی نہیں 1948ء میں آر۔ ایس۔ ایس کے ایک ممبر ناتھو رام گوڈسے کی معرفت مہاتما گاندھی کا قتل بھی کروایا گیا تھا۔ دراصل راشٹر کے ٹکڑے کرنے کی جنم داتا بھی یہی ہے۔

197 انڈیا ایکٹ اور مسلم لیگ 1935ء

جب 1935ء میں انڈیا ایکٹ لاگو ہوا اور الیکشن کا اعلان ہوا اُس وقت تک تو مسلم لیگ کو کوئی جانتا بھی نہیں تھا کیونکہ جنگِ آزادی میں اُس نے کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ جب کہ اس کی بنیاد 1906ء میں پڑ گئی تھی۔ اس کے جنم داتا مسٹر محمد علی جناح کو اب خیال آیا کہ اگر الیکشن میں جیتنا ہے تو کسی بھی طرح جمعیۃ العلماء سے سمجھوتا کر لینا چاہئے۔ گاندھی جی الیکشن کے خلاف تھے۔ اور ہائی کمان بھی الیکشن کا بائیکاٹ کرنے کے حق میں تھا۔ کانگریس کے دوسرے لیڈر جیسے ڈاکٹر انصاری اور آصف علی وغیرہ الیکشن کروانے کے حق میں تھے۔ اس وجہ سے کانگریس کے دو گروپ ہو گئے۔ اور آپس میں کافی ٹکراؤ پیدا ہو گیا۔ ایسے مشکل وقت میں مولانا آزاد کانگریس کے صدر چنے گئے۔ اُنہوں نے اپنے خیالات سے دونوں پارٹیوں کو راضی کر لیا۔ اور دونوں پارٹیوں میں اس طرح سمجھوتا کروایا کہ جو لوگ انتخابات میں حصہ لینا چاہتے ہیں وہ حصہ لے سکتے ہے۔ مگر کانگریس کے نام سے حصہ نہیں لے سکیں گے۔ اور نہ کانگریس اُنہیں کسی طرح کا کوئی فنڈ دیگی۔ جو لوگ انتخابات کروانا چاہتے تھے وہ انتخاب لڑنے والوں کی کسی

طرح کی کوئی مخالفت نہیں کریں گے۔

مسلم لیگ سوئی ہوئی تھی اب اُس کی آنکھ 29 رسال بعد کھلی۔ یہ کمیٹی کوئی عوامی کمیٹی نہیں تھی۔ بلکہ انگریزوں کی وفادار جماعت تھی اور اب وہ چناؤ صرف ہندو مسلم فرقہ پرستی کی بنیاد پر لڑنا چاہتی تھی۔ اُسوقت جمعیۃ العلماء مسلمانوں کی مذہبی جماعت تھی، جس پر علماء کا اثر و رسوخ تھا اور مسلمان اُس کے ساتھ تھے۔ آخر مسلم لیگ نے جمعیۃ العلماء سے سمجھوتہ کرلیا جیسا کہ حیات محمد علی جناح میں لکھا ہے۔

"جناح نے جب جمعیۃ العلماء سے سمجھوتہ کیا وہ صرف اس لئے کہ انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی کے امکان بہت کم تھے۔ کیونکہ اب تک مسلم لیگ خاص وعوام کی جماعت نہیں تھی۔ اور عوام سے اُس کا کوئی رابطہ بھی نہیں تھا۔" اس صلح نامہ کی وجہ سے مسلم لیگ چناؤ میں 100 فیصد کامیاب ہوگئی اور چناؤ میں اُس کا کوئی بھی ممبر نہیں ہارا۔ لیگ نے منتری بنانے میں کانگریس کا کوئی ساتھ نہیں دیا اور نہ اُس کے اغراض و مقاصد کو قبول کیا۔ بلکہ اُس نے کانگریس کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔

198 جنگِ آزادی میں مسلم خواتین

یہاں چند مسلم خواتین کا ذکر کیا جارہا ہے۔ جو جنگِ آزادی میں شریک تھیں۔

(1) **رقاصہ عزیزن بائی: 1832ء تا 1857ء** سر سے پیر تک حسن اور خوبصورتی میں لپٹا ہوا یہ مجسمہ انگریزوں کی چھاؤنیوں میں رقص کرتا تھا۔ آزادی کے لئے جب اس نے تلوار کا سہارا لیا تو دس جون 1857ء میں اسے خاموش کردیا گیا۔ (ذکر کیا جاچکا ہے)

(2) **ملکہ زینت محل، وفات 1886ء:** یہ نامور خاتون بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی ملکہ تھی جو اپنے شوہر کے شانہ بشانہ انگریزوں سے ٹکر لیتی رہیں۔ جب 1857ء کا قیامت خیز ہنگامہ برپا ہوا اور جب بہادر شاہ ظفر حواس باختہ ہوگئے تب بیگم زینت محل نے جنگِ آزادی کے لئے دربار خاص و عام میں بے باکانہ اور اثر انگیز تقریر کی جس سے بادشاہ کی بوڑھی رگوں میں خون جوش مارنے لگا۔ مگر اپنوں کا ساتھ نہ ملنے کی وجہ سے جنگِ آزادی کا جو حشر ہوا تاریخ اُس پر خون کے آنسو بہاتی ہے۔

شاہی زیوارت جو بیگم کسی صورت بچا کر رنگون تک لانے میں کامیاب ہوئی تھیں۔ دھیرے دھیرے

فروخت کر دیئے اور 17/ جولائی 1886ء کو قید حیات و بندِ غم سے آزاد ہو کر داعی اجل کو لبیک کہا اور اُنہیں وطن سے سینکڑوں میل دور رنگون میں اُن کے شوہر کی قبر کے پاس سپرد خاک کر دیا گیا۔

(3) بی۔ اماں: 1852ء 1924ء جنگِ آزادی میں مسلم عورتیں پیچھے نہیں تھیں۔ بی اماں کی پیدائش 1852ء میں ہوئی اور وہ 1897ء سے جنگ آزادی میں شامل ہوئیں اور اپنے دونوں بیٹوں کو بھی اس کی تعلیم دی۔ جو تاریخ میں علی برادران کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ انہوں نے ہی خلافت کمیٹی 1919ء میں بنائی تھی۔ بی اماں 27/ سال تک لگاتار جنگِ آزادی میں خاص کردار ادا کرتی رہیں۔

20/ دسمبر 1921ء کو احمد آباد میں آل انڈیا لیڈیز کانفرنس ہوئی تھی جس کی صدارت بی اماں نے کی تھی۔ اس کانفرنس میں بیگم مہاتما گاندھی کستوربا، سروجنی نائڈو، کے علاوہ بیگم محمد علی جوہر، بیگم انصاری، بیگم نشاط النساء، بیگم حسرت موہانی اور بیگم کچلو شریک تھیں۔ بی اماں نے خطبۂ صدارت میں جوش اور جذبے سے قومی یک جہتی اور اتحاد کی تعلیم دیتے ہوئے کہا تھا کہ جب ہمارے مرد جیل خانوں میں چلے جائیں گے تو آزادی کی شمع کو ہمیں ہی جلائے رکھنی ہوگی۔ بی اماں 12/ نومبر 1924ء میں انتقال کر گئیں۔ (بال بھارتی مہاراشٹرا)

(4) بیگم حضرت محل: 1857ء کی جنگِ آزادی میں ان کا نام بھی ادب سے لیا جاتا ہے جو کہ اُن کے شوہر نواب واجد علی شاہ نے انگریزوں کی سبھی شرطیں مان لی تھی۔ ہاتھی پر سوار ہو کر اُس نے اپنی فوج کی رہنمائی کی اور جون 1857ء میں انگریزی فوج کا مقابلہ کیا۔ پیشوا نانا صاحب کے ساتھ 30/ ستمبر 1858ء کو اُنہوں نے نیپال میں بھی انگریزوں کا مقابلہ کیا اور اکیس سال جلاوطن میں گزار کر 1879ء میں انتقال کر گئی۔ اس کے بعد انگریزوں نے لکھنؤ کو تباہ کر دیا (مجاہدین آزادی۔ شری میورام گپت صفحہ۔ 54)

(5) بیگم نشاط النساء: (لیلائے آزادی) 1885ء تا 1937ء یہ مولانا حسرت موہانی کی بیگم تھی، جو آزادی کے میدان میں کود پڑی تھی۔ یہ جلسوں میں چادر اُوڑھ کر تقریر کیا کرتی تھی۔ انہیں لیلائے آزادی بھی کہہ سکتے ہیں۔ 1908ء میں حسرت موہانی کی پہلی گرفتاری سے ان کی سیاسی زندگی شروع ہوئی۔ 1916ء میں جب مولانا دوسری مرتبہ گرفتار ہوئے اور قید کر لئے گئے، تب تو انہوں نے پردہ کو

ترک کر کے وزیرِ ہند سے ملاقات کی اور عورتوں کے ایک گروہ میں شامل ہو گئیں۔ جو گاندھی کے ماتحت آزادی کے میدان میں کود پڑا تھا۔ 1921ء میں حیدر آباد کانگریس کے اجلاس میں مکمل آزادی کی مانگ میں بیگم حسرت کی آواز بھی بلند تھی۔ 1924ء میں برطانیہ تاج کے خلاف بغاوت میں جو اُن کے شوہر کی گرفتاری دفع 124 A کے تحت ہوئی اور اُنہیں پونہ بھیج دیا گیا تھا تو آپ بھی وہاں پہنچ گئی تھی۔

لیلائے آزادی کا تھپڑ: 1925ء میں جب کانپور میں انڈین پور میں انڈین نیشنل کانگریس کا اجلاس ہوا تب حسرت موہانی اور اُن کی بیگم نشاط النساء کی سربراہی میں کسانوں اور مزدوروں کا ایک بڑا جلوس وہاں آیا۔ وہ لوگ پنڈال میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ جواہر لال نہرو کانگریس سیوادل کے قائد تھے۔ نہرو کے حکم پر سیوادل کے والینٹرس نے کسانوں اور مزدوروں پر لاٹھی چارج کیا۔ یہ دیکھ کر نشاط النساء بر افروختہ ہو گئیں اور انہوں نے پنڈت نہرو کو ایک تھپڑ مارا اور ان کے آمرانہ رویئے پر بہت سخت سست کہا۔ نہرو نے اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے بیگم صاحبہ سے معافی مانگی۔ جواہر لال نہرو جیسے قد آور کو تھپڑ مارنے والی کوئی معمولی خاتون نہیں ہو سکتی۔ (ڈاکٹر اصغر علی انجینئر، انقلاب 14 ستمبر 2007)

(6) امجدی بیگم محمد علی جوہر 1886ء تا 1945ء:۔ امجدی بیگم بھی احمد آباد میں آل انڈیا لیڈیز کانفرنس میں شامل تھیں اور آزادی کے لئے فنڈ جمع کرنے کے دوروں میں بھی شامل رہیں۔

ینگ انڈیا میں مہاتما گاندھی نے لکھا ہے۔ ''بی اماں، علی برادران اور امجدی بیگم کی کوششوں اور دوروں سے خلافت کانفرنس فنڈ میں کروڑں روپیہ جمع ہو گیا تھا۔''

(7) سعادت بانو کچلو 1893ء 1970ء:۔ آپ بھی آزادیٔ ہند میں پیش پیش رہیں۔ آپ شاعرہ بھی تھیں۔ جلیان والا سانحہ کے بعد سعادت بانو نے گاندھی جی سے ملاقات کی اور ان سے کہا تھا۔

بنا ہے سب کے دلوں میں ترا مقام گاندھی — ہے تری مدح و ثناء وردِ ہر زبان گاندھی
ہر اک طرف ہے عقیدت کے ترے پھول کھلے — نہ آئے گی کبھی اس پھول میں خزاں گاندھی

سعادت بانو آگے فرماتی ہیں:۔

کچھ ایسی بات کریں دست گیری سے   جو قید میں پڑے وہ چھٹیں اسیری سے

(8) **بی بی حشمت اور آمینہ قریشی:** یہ دونوں عورتیں گاندھی جی کے سابرمتی آشرم میں رہ کر جنگِ آزادی میں اور ستیہ گرہ میں ساتھ رہیں۔ گاندھی جی کے ساتھ یہ عورتیں ہندو مسلم ایکتا کی مضبوط رسی تھیں۔

(9) **بیگم زلیخا:** ہندوستان کی تاریخ آزادی میں صفحہ اوّل کی عورتوں میں بیگم زلیخا کا نام سب سے اُوپر آتا ہے۔ اُن کے شوہر مولانا آزاد کل 9 سال 7 مہینے اور 24 دن جیل میں رہے۔ جب وہ احمد نگر کے قلعے میں بند تھے تو بیگم زلیخا اُن کے دیدار کی حسرت لئے 1943ء میں دم توڑ گئیں۔

مولانا آزاد نے جیل جاتے وقت کا حال کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔

”میری بیوی گھر کے دروازے تک مجھے رخصت کرنے آئی تھی اب میں تین سال کے بعد (جیل سے چھوٹ کر) واپس آیا ہوں مگر اب وہ قبر کی آغوش میں ہے۔ اور میرا گھر خالی ہے۔ مجھے ورڈس ورتھ کا شعر یاد آتا ہے، آہ میری دُنیا بدل گئی“۔ بیگم زلیخا آزادی حاصل کئے بغیر ہی 1943ء میں دُنیا سے کوچ کر گئی تھی۔

(10) **ماجدہ بیگم اور حسینی بیگم:** جنگِ آزادی میں انہوں نے خاص قربانیاں دی ہیں۔ حسینی بیگم نے اپنے حقوق اور انصاف کی خاطر انگریزوں سے لڑائی لڑی اور اُسے جیل جانا پڑا۔ قید سے باہر آنے کے بعد اُس کی ہمت اور بڑھ گئی تھی۔ انگریزوں نے اُسے دوبارہ جیل بھیج دیا۔ اُس نے انگریز پولیس کے خلاف آواز بلند کی اور ہندو مسلم فرقہ پرستی کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ فرقہ پرستی کو مٹانے کے لئے اُس نے مسلم لیگ کے خلاف بھی مورچہ نکالا تھا۔

(11) **خدیجہ خاتون:** موپلا کسانوں کی مہم کا لیڈر ابوبکر تھا اور اُس کی ماں خدیجہ خاتون مالا بار کی رہنے والی تھی۔ یہ بے خوف اور بے باک خاتون تھی، اور اس خاتون نے بھی کسانوں کی اس مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔

(12) **ارونا آصف علی 1909ء-1996ء:** ارونا آصف علی کا نام ارونا گنگولی تھا۔ ان کا تعلق ہندو سماج کے برہمن فرقے سے تھا، انھوں نے اپنی حیات میں کئی حدیں توڑ دیں۔ اور خاندان کی مرضی کے

بغیر کالج گئیں، وہ ۱۹ برس کی عمر میں الہ آباد میں جہاں پر ان کی ملاقات آصف علی سے ہوئی۔ آصف علی ایک قدر آور کانگریسی لیڈر تھے جو عمر میں ارونا سے 23 برس بڑے تھے، ان کی حبّ الوطنی سے بے حد متاثر ہوئیں۔ چنانچہ انھیں اپنا رفیق سفر بنالیا۔ شادی کے بعد وہ آزادی کی جدو جہد میں شامل ہوگئیں۔ ان کی سیاسی سرگرمی کا سب سے پہلا بڑا کارنامہ 1930ء کے نمک ستیہ گرہ کے دوران پیش آیا جب انھوں نے ایک عوامی مٹینگ کو مخاطب کیا اور اس تحریک کی قیادت کی اس لیے انگریزوں نے اسے ایک سال کے لیے جیل میں ڈال دیا کچھ ماہ بعد گاندھی جی وغیرہ سیاسی لیڈران رہا کر دیئے گئے، لیکن ارونا جی سیاسی لیڈر نہیں تھی اسلیئے انھیں رہا نہیں کیا گیا۔ ان کے ساتھ لاہور جیل میں موجود خواتین قیدیوں نے ان کے بغیر رہا ہونے کے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد گاندھی جی نے اس معاملے میں دخل دیا اور ایک عوامی احتجاج کے بعد انھیں رہا کیا گیا۔ انھیں دوبارہ 1932ء گرفتار کیا گیا۔ اور تہاڑ جیل بھیج دیا گیا۔ وہاں انھوں نے سیاسی لیڈران کے ساتھ کیے جانے والے سلوک کے خلاف بھوک ہڑتال کردی ان کا یہ احتجاج کامیاب ہوا۔

8/اگست 1942ء کو کانگریس کے لیڈروں کو گرفتار کرلیا گیا تب ارونا آصف علی نے بمبئی کے گوالیہ ٹینک میدان میں ہندوستانی پرچم لہرادیا۔ لہذا وہاں پر آنسو گیس چھوڑی گئی اور عوام پر لاٹھی چارج کیا گیا۔ ارونا آصف وہاں سے فرار ہوگئیں اور گرفتار نہیں ہوئیں۔ انگریز حکومت نے ان کی تمام جائداد ضبط کرلی اور فروخت کردی۔ انھیں گرفتار کرنے کے لیے پانچ ہزار روپیوں کا انعام بھی رکھا تھا آخر گاندھی جی نے انھیں مشورہ دیا کہ تم یوں چھپ کر اپنی جان مت دو، تم باہر آؤ اور اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کردو انعام کی رقم لو اور اسے ہریجنوں میں تقسیم کردو۔

26/جنوری 1946ء کو ارونا آصف کے خلاف وارنٹ رد کر دیا گیا اور خود کو حکومت کے حوالے کردیا، 1954ء میں اس نے خواتین کی تنظیم قائم کی تھی وہ دلی کی اول میئر منتخب ہوئی۔ 1992ء میں انھیں نہرو ایوارڈ سے نوازا گیا۔ انھیں ''بھارت رتن'' کے شہری اعزاز سے بھی نوازا جاچکا ہے۔

''اے ننگ قومِ مرد ہے عبرت کا یہ مقام
جنس لطیف اعظم میدانِ جنگ ہے''

(اُن ہاری ہوئی قوموں کو عورتوں کے میدانِ جنگ کے عزم سے عبرت حاصل کرنا چاہئے)۔ اس طرح جنگِ آزادی میں دوسری اقوام کی عورتوں کے ساتھ ساتھ مسلم عورتوں نے بھی حصہ لیا ہے۔

آخر میں ہم ہندوستان کی اُن تمام ماؤں کو گلہائے عقیدت پیش کرتے ہیں جنھوں نے مادرِ وطن کی خاطر خود کو قربان کیا یا شہیدوں کو جنم دیا۔

ایسی ماؤں کو کرتی ہے دھرتی سلام
جن کی کوکھوں نے جنمے شہید یہ تمام
چہرے آنسو سے بہنوں کے نم نہ ہوئے
بھائی قرباں ہوئے ان کو غم نہ ہوئے
وقت جب ان سے پوچھے گا کیا کیا، کیا
جان دی دیش پر حق ادا کر دیا

199 آر۔ می۔ بل 1938ء

انگریزی حکومت کی طرف سے جب مرکزی اسمبلی میں عام بل پیش کیا گیا تو اُس کا ساتھ مسلم لیگ نے دیا۔ کیونکہ یہ پارٹی برطانیہ کی وفادار تھی۔ اس وجہ سے یہ بل 1938ء میں لیگ کی مدد سے پاس کروالیا گیا۔ جس میں مسٹر جناح اور لیگ کے ایک اہم شخص سکندر حیات خاں شامل تھے۔ اس بل کے ساتھ انگریزوں کی فوج میں بھرتی ہونے کی مخالفت کرنا قانوناً جرم تھا۔ آخر بہت سے کانگریس کے لیڈروں کو جیل میں بند کر دیا گیا اور اُن پر قانون کی ننگی تلوار لٹکنے لگی۔ جمیعۃ العلماء ہند اور نیشنلسٹ مسلم۔ مولانا احمد علی شیخ التفسیر وصدر جمیعۃ العلماء پنجاب، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا محمد قاسم شاہ جان پور، مولانا سید میاں، مولانا محمد اسماعیل ایم ایل اے، مولانا ابووفا اور مولانا اختر السلام ان سب کو مُرادآباد کے جیل میں بند کر دیا تھا۔ مولانا سید محمد میاں کی کتاب "علماء ہند کا شاندار ماضی" کو ضبط کر لیا گیا۔ اور مولانا کو چکی پینے کے لئے جیل بھیج دیا گیا۔

200 مسلم لیگ کا نعرہ پاکستان 1940ء

22/23/ اور 24/ مارچ 1940ء کو مسلم لیگ کا 27واں اجلاس لاہور میں ہوا۔ جس کی صدارت مسٹر محمد علی جناح نے کی۔ یہ اجلاس بہت ہی کامیاب رہا۔ کیونکہ اس اجلاس میں اخبار کے مطابق 50 ہزار سے زیادہ لوگوں کی بھیڑ جمع ہو گئی تھی۔ اس اجلاس میں سب سے پہلے ہندوستان کی تقسیم کی بات کہی گئی تھی۔ اور پاکستان کا نعرہ لگا دیا گیا تھا۔ محمد علی جناح نے پاکستان کی حمایت کرتے ہوئے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ۔

''ہندوستان کوئی بُت نہیں، جس کی پوجا کی جائے۔ کعبہ نہیں جس کی طرف منھ کر کے نماز ادا کی جائے۔ کوئی آسمانی کتاب نہیں جسے بغیر وضو کے ہاتھ نہ لگایا جائے۔ بلکہ وہ ایک ملک ہے اور اس لئے ہے کہ اُس میں بسنے والے چین و آرام سے رہیں۔ اگر یہ سُکھ صرف ہندوستان کی تقسیم سے ہی حاصل ہو سکتا ہے تو اُن کی مانگ پاکستان ہے۔'' (ولایت محمد علی جناح۔ رئیس احمد جعفری)

مسلم لیگ کی پاکستان کی اس مانگ پر 70 فیصد لوگوں نے ووٹ دیئے اور صرف 30 فیصد لوگ بچے جن میں کانگریس کے مولانا آزاد، مسٹر آصف علی، رفیع احمد قدوائی، ڈاکٹر سید محمود، ڈاکٹر ذاکر حسین، شیخ الاسلام، مولانا حسین مدنی، مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا حفظ الرحمٰن، خان عبد الغفار خان وغیرہ تھے۔

.201 دوسری جنگ عظیم 1939ء تا 1945ء

دوسری جنگِ عظیم کے دوران انڈین نیشنل کانگریس کے صدر مولانا آزاد (1939ء تا 1946ء) تھے۔ جو پورے ہندوستان میں آزادی کی قیادت کر رہے تھے۔ جب ہٹلر نے پولینڈ کے ڈبجنگ کا بندرگاہ مانگا تو اس نے انکار کر دیا۔ نتیجتاً ایک ستمبر 1939ء کو جرمنی نے پولینڈ کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ جرمنی کی طرف سے ہٹلر، جاپان کے فرینکو اور اٹلی کے آمر مسولینی نے مل کر یہ جنگ چھیڑی تھی۔ دوسری طرف برٹین، فرانس، امریکہ، چین وغیرہ تھے۔ اڈولف ہٹلر جو 20 اپریل 1889ء کو پیدا ہوا تھا وہ 1934ء میں جرمنی کا حکمراں بنا۔ ان کو محوری طاقت کہا جاتا ہے۔

(1) وائسرائے ہند کی اپیل: انگریز اس جنگ میں ہندوستان سے بھی مدد لینا چاہتے تھے۔ جنگ کے وقت ہندوستان کے وائسرائے لارڈ لنلتھوک نے ریڈیو پر اپنی تقریر براڈ کاسٹ کی تھی۔ اور ہندوستان سے جنگ میں شامل ہونے کی اپیل کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''ہماری حکومت نے کوئی اپنے فائدے کے لئے یہ جنگ نہیں کی ہے۔ بلکہ انسانیت کو بچانے کے لئے اسے ضروری سمجھا گیا ہے''۔ اس وجہ سے وائسرائے ہند نے اپنی تقریر میں ہندوستان سے ہر طرح کی امداد دینے کی اپیل کی تھی۔ اُنہوں نے سب سے پہلے مہاتما گاندھی کو بلوایا اور مدد کرنے کو کہا۔ مگر مہاتما گاندھی نے جواب دیا کہ ''اس میں میں کچھ نہیں کر سکتا ہوں۔ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کو مکمل اختیارات ہیں۔ لہٰذا آپ اُن سے ملاقات کریں''۔

(ا) انڈین کانگریس: پھر وائسرائے نے کانگریس کے صدر مولانا آزاد سے بات چیت کرنے کے لئے اُنہیں پیغام بھیجا۔ مگر مولانا آزاد نے تو اس بات کے لئے وائسرائے ہند سے ملنا ہی پسند نہیں کیا۔

اور آپ نے وائسرائے سے ملنے سے ہی انکار کر دیا۔

(ب) جمعیۃ العلماء ہند: وائسرائے کی اپیل پر جمعیۃ العلماء ہند نے 16/ستمبر 1939ء کو اپنی ورکنگ کمیٹی میں فیصلہ کیا۔ ''جمعیۃ العلماء ہندوستان کی مکمل آزادی چاہتی ہے اور وہ اس کو سیاسی، مذہبی اور اپنا اخلاقی حق سمجھتی ہے۔ اس حق کو پانے سے پہلے ہم کسی طرح جنگ میں مدد نہیں کر سکتے ہیں۔ اس لئے ہم اور دوسری جماعتوں سے بھی یہی اپیل کرتے ہیں کہ وہ بھی اس طرح کا اعلان کریں۔ کیونکہ یہی فیصلہ ہماری آزادی حاصل کرنے کا صحیح طریقہ ہے۔'' اسی طرح سے دوسرے مسلم نیشنلسٹ کمیٹیوں نے بھی اسے منظور کیا۔

(ت) مسلم لیگ: وائسرائے کی اپیل پر مسلم لیگ نے ہر طرح کی مدد دینے کی خواہش ظاہر کی اور اُس کی ورکنگ کمیٹی کے ایک خاص ممبر سر سکندر حیات خان نے ایک اخبار میں اپنی طرف سے اعلان کیا کہ۔

''اس وقت حکومت پر بُرا وقت آ پڑا ہے اس لئے میں اپنے تمام پنجابی بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس جنگ میں برطانیہ کی پوری مدد کریں۔''

اس طرح کانگریس کے صدر مولانا آزاد نے، جمعیۃ العلمائے ہند نے اور دوسری مسلم کمیٹیوں نے آزادی حاصل کئے بنا حکومت کو مدد دینے سے صاف انکار کر دیا۔ مگر مسلم لیگ کے مسٹر محمد علی جناح نے اور سر سکندر حیات خاں نے برطانیہ حکومت کی پوری مدد کرنے کی اپیل کی۔ اور اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے اُن کے نادر شاہی حکم پر ایک لاکھ 79 ہزار 935 ہندوستانیوں کو جنگ کی آگ میں جھونک دیا۔

(2) جنگ اور تباہی: امریکی صدر فرینکلن کے انتقال کے بعد ہیری ٹرومین 12/اپریل 1945ء کو امریکہ کے صدر بنے اور اُن کے حکم پر امریکہ نے 6/اگست 1945ء کو جاپان کے ہیروشیما پر ایٹم بم گرایا جس نے چند سیکنڈ میں ہی 80 ہزار سے زیادہ لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اس کے تین دن بعد یعنی 9/اگست 1945ء کو جاپان کے ہی ناگاساکی پر ایٹم بم گرایا گیا جس سے 70 ہزار سے زیادہ لوگ اسی وقت مارے گئے۔ پہلا ایٹم بم جس کو ''لٹل بوائے (Little Boy)'' یعنی ''چھوٹا لڑکا'' کا نام دیا گیا تھا۔ اُس کا وزن 4 ٹن تھا اور یہ آگ اور بادل کا مشروم بنا اور اس کا درجۂ حرارت 4 ہزار ڈگری سیلسیس ہو گیا تھا جس کے نتیجے میں ہر شئے پگل گئی اور 90/ہزار عمارتوں میں سے 60/ہزار عمارتیں مع مکینوں کے مکمل تباہ

ہو گئیں جس میں انسانی آبادی بھی شامل ہے یہ ایٹم بم انولا گے نامی بی-29 ہوائی جہاز پر لاد کر لایا گیا تھا۔

دوسرا ایٹم بم جس کو ’’فیٹ مین (Fat man)‘‘ ’’موٹا آدمی‘‘ کا نام دیا گیا تھا اور جس کا وزن 4.50 ٹن تھا اس ایٹم بم کو میجر چارلس سوینی نے جاپان کے ناگاساکی کے شہر پر گرایا تھا۔ جاپانی اپنے بادشاہ کو خدا کا درجہ دیتے تھے اور اُن کے حکم پر جان قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔ لہٰذا 14/ اگست 1945ء کو شہنشاہ جاپان ’’ہیرو ہٹو شووا‘‘ نے مغربی طاقتوں کے سامنے ہتھیار پھینکتے ہوئے اعلان کیا کہ شہنشاہ الٰہی طاقت رکھنے کے بجائے ایک عام آدمی ہوتا ہے۔ اس اعلان کے ساتھ ہی جنگ کا اختتام ہوا اور پوری دنیا کو فتح کرنے کا خواب دیکھنے والے ہٹلر نے 30 اپریل 1945ء کو خودکشی کر لی۔

برطانوی وزیر اعظم چرچل نے جنگ کے دوران ہی 19 جولائی 1941ء کو جنگ جیتنے کا اشارہ دو انگلیوں کی مدد سے انگریزی حرف V بنا کر کر دیا تھا۔

ان بموں سے انسانیت کانپنے لگی۔ واشنگٹن کی ایک رپورٹ جو پانچ ستمبر 1945ء کو شائع ہوئی تھی۔ اُس رپورٹ کے مطابق لگ بھگ 5/ کروڑ 50/ لاکھ انسان مارے گئے تھے جو انسانیت پر ایک بدنما داغ ہے۔ نباتات، حیوانات، مکانات اور انسانوں کی بربادی اور تباہی کا اتنا خطرناک منظر اس جنگ سے پہلے کبھی چاند، سورج، زمین اور آسمان نے بھی نہیں دیکھا تھا۔

(3) جنگ اور ضمیر: افسوس! پھر بھی انسانی ضمیر اس سے متاثر نہیں ہوا۔ بڑی طاقتیں اسلحہ کی دوڑ میں لگ گئیں۔ سوویت یونین نے اپنا پہلا ایٹم بم 1949ء میں بنایا۔ برطانیہ نے 1952ء میں، فرانس نے 1960ء میں اور چین نے 1962ء میں۔ لیکن اتنی تباہی والے بم بھی انسان کی ہوس اقتدار کی تسلی کے لئے کافی نہیں تھے اور تباہ کن اسلحہ بنانے کی کوششیں اور شروع ہو گئیں چنانچہ امریکہ نے 1952ء میں ہائیڈروجن بم بنا ڈالا اس کے بعد روس نے 1953ء میں یہ کارنامہ انجام دیا، برطانیہ نے 1957ء میں، چین نے 1967ء میں اور فرانس نے 1968ء میں۔

پھر اور طاقتور بم بنانے کی کوششیں شروع ہوئیں اور کہتے ہیں کہ 1977ء میں امریکہ نے ایک اور طاقتور بم بنا لیا جو یقینی طور پر اس وقت تک بنائے جانے والے سارے بموں کا باپ ہے۔ (انقلاب اگست 2005)

202. تحریک بھارت چھوڑو ۔ 8/اگست 1942ء

بھارت چھوڑو تحریک 2 مخصوص جگہوں سے شروع ہوئی۔ پہلے مولانا آزاد کی صدارت 1940ء میں رام گڑھ کے اجلاس میں ایک تاریخی میٹنگ ہوئی۔ جس میں مکمل آزادی کی دوبارہ مانگ کی گئی اور ہندوستان میں قانون نافذ کرنے کی بات کہی گئی۔

25/جون 1942ء کو مولانا حسین مدنی کو مُرادآباد میں انگریزوں کے خلاف ایک تقریر کرنے کے سبب گرفتار کرلیا گیا اور اُنہیں جیل بھیج دیا گیا تھا۔

پھر 8/اگست 1942ء میں بمبئی میں آل انڈیا کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کی منٹنگ ہوئی۔ جس میں فیصلہ لیا گیا کہ اب انگریزوں کو الٹی میٹم دے دیا جائے کہ جتنی جلدی ہوسکے وہ ہندوستان چھوڑ کر چلے جائیں۔ اُس وقت گاندھی جی نے کہا تھا کہ "کچھ کرو یا مرو"۔ ورکنگ کمیٹی کا یہ فیصلہ حقیقت میں بغاوت کا فرمان تھا۔

انگریز حکومت نے ورکنگ کمیٹی کے تمام ممبروں کو شام چار بجے تک گرفتار کر کے خفیہ جگہ پر بھیج دیا تھا۔ اس وجہ سے لوگ سر پر کفن باندھ کر سڑکوں پر اُتر آئے۔ بجلی کے کھمبوں کو توڑ دیا گیا۔ ریل کی پٹریاں اُکھاڑ دی گئیں۔ اور کئی جگہوں پر پولیس کو آگ میں جھونک دیا گیا۔ اس بغاوت وانقلاب میں سبھی مذہب کے لوگ شامل تھے۔ اُسی وقت جبل پور میں ایک اور واقعہ ہوا جس کے بارے میں ڈاکٹر رمیش چندر نے لکھا ہے کہ "ہم چھ ہندو اور دو مسلمانوں نے مل کر خفیہ طریقہ سے بم بنائے۔ سلیمان جناح ہمارا ایک ساتھی تھا اُس نے چپ چاپ کچھ بم ایک سنیما میں رکھ دئے تھے۔ جب اچانک بم پھٹے تو کئی فوجی افسر بیکار ہوگئے۔ بہت سے لوگ شہید ہوگئے۔ حکومت کا تمام بندوبست بیکار ہوگیا۔ اس طرح جبل پور میں سب سے پہلا بم دھماکہ کرنے والا سلیمان جناح تھا۔ جس کے بارے میں مول چند کھنڈیل وال کو ساری جانکاری تھی۔ انگریز پولیس نے اُسے گرفتار کرلیا اور اُس سے پوچھ تاچھ کی مگر اُس نے بم رکھنے والے نوجوانوں کا نام نہیں بتلایا اور سزاء بھی بھگت لی۔ اس واقعہ کے تحت شہید ہونے والے مسلمانوں کی فہرست گورنمنٹ آف انڈیا میں موجود ہے۔

8/اگست 1942ء کو ہی مولانا آزاد، گاندھی جی اور پنڈت جواہر لال نہرو کو گرفتار کر لیا گیا اور ان میں سے مولانا آزاد اور نہرو جی کو احمد نگر جیل میں نظر بند کر دیا گیا تھا۔ اُسی وقت مولانا آزاد کی بیگم زلیخہ جیل میں دی جانے والی تکلیفوں کے بارے میں سُن سُن کر بیمار ہو گئی۔ اچانک جیل میں ایک تار آیا کہ بیگم زلیخہ کی طبیعت زیادہ خراب ہے اور وہ ٹی بی کی بیماری سے پریشان ہے۔ لہذا وہ مولانا آزاد سے ملنا چاہتی ہے۔ مگر اُس کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی۔ اور اپنے محبوب سے ملنے کی حسرت لئے ہوئے ہی 9/اپریل 1943ء کو اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔

یہ اجلاس گوالیار ٹینک پر کانگریس کے صدر مولانا آزاد کی صدارت میں ہوا تھا۔ گاندھی جی نے دو گھنٹے کی تقریر کی اور آزادی کا مطالبہ کیا۔ مہاتما گاندھی، نہرو، خان عبدالغفار خان، رفیع احمد قدوائی، مولانا ظفر علی، ڈاکٹر آصف علی، سید محمود، مولانا حسرت موہانی اسٹیج پر موجود تھے۔

ہندوستان چھوڑو کا ریزولیشن پاس ہوتے ہی سارے ملک میں بجلی کی سی لہر دوڑ گئی تھی کل 1028 محبانِ وطن پولیس کی گولیوں کا نشانہ بنے۔ اور برٹش پولیس نے 500 سے زیادہ مرتبہ فائرنگ کی ۔مگر پھر بھی 318 ریلوے اسٹیشن، 192 پولیس اسٹیشن، 309 پوسٹ آفس جلا کر خاک کر دیئے گئے۔

”عزائم جن کے پختہ ہوں یقیں جن کا خدا پر ہو
تلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے“

203 آزاد ہند فوج اور مسلمان۔ 1943ء تا 1945ء

سبھاش چندر بوس نے جاپان میں، آزاد ہند فوج کی بنیاد ڈالی تھی، یہ فوج جاپان حملہ آوروں کے ساتھ مل کر برطانیہ فوج سے جنگ کر رہی تھی۔ امپھال کے مورچوں پر آزاد ہند فوج نے کئی کامیاب حملے بھی کئے۔ اس فوج میں 3/لاکھ فوجی تھے۔ سنگاپور اور چٹ گاؤں وغیرہ مورچے پر بلوچ رجمنٹ کے مسلمان فوجی لڑ رہے تھے، جو گرفتار ہو گئے، یہ سب سبھاش چندر بوس کے اشارے سے آزاد ہند فوج میں شامل ہو گئے تھے۔ کیونکہ سبھاش چندر بوس مسلمانوں کی جنگی طاقت پر بھروسہ کیا کرتے تھے جس میں شرف الدین احمد آ گئے تھے۔ اکبر شاہ، سبھاش چندر بوس کے باڈیگارڈ تھے، اور اُن کے خاص میجر جنرل شاہ نواز اور کرنل حبیب الرحمٰن تھے۔

(1) جنرل شاہ نواز: یہ آزاد ہند فوج کے جنرل تھے، اور سبھاش چندر بوس کے خاص صلاح کاروں میں سے ایک تھے۔ 1946ء میں جاپان کی شکست کے بعد گرفتار ہوئے اور ہندوستان لائے گئے۔ جب عدالت میں اُن پر بغاوت کا مقدمہ چلایا گیا تو کانگریس نے اُن کے مقدمے کی پیروی کی۔ شاہ نواز نے برطانوی فوج کی مخالفت سے انکار نہیں کیا۔ اور وطن کی محبت کا اظہار عدالت میں ہی کر دیا۔

‘‘میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ برطانیہ حکومت انصاف کے ساتھ ظلم کرنے پر تلی ہے اور میں نے ناانصافی کو ختم کرنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر رکھا ہے۔ جیسے کہ 1944ء میں ہم دونوں بھائی ایک دوسرے کے خلاف لڑ رہے تھے۔ حالانکہ میرا بھائی زخمی ہو گیا تھا۔ پھر بھی چندور نامی پہاڑ پر میرا بھائی اور میرے بیچ دو ماہ تک لڑائی ہوتی رہی۔ مجھے اپنا وطن پیارا تھا۔ اس لئے میں نے سبھاش چندر بوس سے وعدہ بھی کر لیا تھا۔ کہ میں اپنے دیش کے لئے جان بھی دے دوں گا۔ جنرل شاہ نواز کو سزا ہوتی۔ مگر کمانڈر ان چیف نے اُن کی ساری سزاؤں کو معاف کروا دیا۔ اور وہ باعزت بری کر دیئے گئے۔ آپ آزادی کے بعد مرکزی حکومت میں ریلوے منسٹر بنے اور چند برسوں بعد انتقال کر گئے۔

2.) کرنل حبیب الرحمٰن: آپ آزاد ہند فوج میں کرنل تھے۔ آپ سبھاش چندر بوس کے میجر تھے اور ٹوکیو جانے والے جہاز کو الوداع کرنے والوں میں سے تھے۔ جو دشمنوں کی دہشت گردی کا شکار ہو گیا تھا۔

3.) ایس ایم اسحاق خان: آپ بھی آزاد ہند فوج کے کرنل تھے۔ اور سبھاش چندر بوس کے ساتھ ٹوکیو کے سفر میں ساتھ تھے، جو حادثے کا شکار ہو گیا تھا۔ آپ بھی اُن کے ساتھ شہید ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ کرنل راشد علی، کرنل برہان الدین، کیپٹن عبدالرشید وغیرہ جو آزاد ہند فوج میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ ان سب پر بغاوت کا مقدمہ چلا اور اُن کو سزائیں بھی ہوئیں۔ مگر پھانسی کی سزا کا وقت اب نکل چکا تھا۔ ان سزاؤں کو بھی کمانڈر ان چیف نے تین جون 1946ء کو ختم کر دیا۔

اس طرح مسلمان فوجی جو آزاد ہند میں رہ کر شہید ہوئے اُن کی فہرست ‘‘تحریک آزادی اور مسلمان’’ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

204 لارڈ ویول کانفرنس اور مسلم لیگ 1945ء

25 / جون 1945ء میں لارڈ ویول وائسرائے ہند کی صدارت میں شملہ میں یہ کانفرنس ہوئی۔ مرکز میں حکومت بنانے کے لئے ہر پارٹی کو پندرہ سیٹوں کی لسٹ دینی تھی۔ مسلم کوٹہ سے پنجاب کی پارٹی کی طرف سے ایک آدمی لینا تھا مگر لیگ کے محمد علی جناح نے اس سے انکار کر دیا اور میٹنگ میں سے اُٹھ گئے۔ کانگریس نے پندرہ ناموں کی فہرست تیار کر کے وائسرائے کو بھیج دی۔ جن میں پانچ ہندو اور پانچ مسلمان اور تین پچھڑی ذاتوں کے تھے۔ مگر مسٹر جناح نے وائسرائے ویول کو مجبور کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ جو مسلم اُمیدوار لئے جائیں وہ صرف میری پارٹی یعنی مسلم لیگ سے ہی لئے جائیں، کیونکہ یہ پارٹی مسلمانوں کی پارٹی ہے۔ اس بات پر وائسرائے لارڈ ویول تیار نہیں ہوئے۔ 14 / جولائی 1945ء کو یہ کانفرنس ناکام ہو گئی۔

اس کے بعد مسلم لیگ نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی پارٹی ہے اور اُس نے نعرہ لگانا شروع کر دیا۔ ''مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ''۔

ان نعروں کی وجہ سے مسلم لیگ 70 فیصد مسلمانوں کے ووٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ جو ملک کی تقسیم کی بنیاد بنی۔

205 تحریک سمندری بغاوت 22 / فروری 1946ء

1946ء بمبئی میں انگریزوں سے ناراض ہو کر سمندری بیڑے نے گودی پر بھوک ہڑتال کر دی۔ یہ ہڑتال بغاوت میں بدل گئی۔ اور بغاوت کرنے والوں کا ایک لیڈر کرنل ایم اے خان ایک فوجی افسر تھا۔ اُس نے ہم وطنوں اور غیر ملکیوں سے اس میں شامل ہونے کی اپیل کی۔ بمبئی کی بغاوت کی خبر جب کراچی سمندری بیڑے کو پہنچی تو اُنہوں نے بھی بغاوت کر دی۔ ایک مسلمان جوان انور حسین بحری جہاز پر جھنڈا لے کر چڑھ گیا اور جہاز پر جھنڈا لگانے کے بعد اُس نے انقلاب زندہ باد کا نعرہ لگانا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر انگریزوں کے ایک وفادار سپاہی نے انور حسین کو گولی مار دی۔ اور وہ شہید ہو گیا۔

اس طرح کرنل ایم اے خان کی پکار بیکار نہیں گئی۔ پورے ملک نے اُس کی آواز پر جوش ظاہر کیا جانے لگا اور بمبئی کی عوام نے بحری بیڑے کے ساتھ ایک بہت بڑا جلوس نکالا۔ یہ جلوس غصّے کی حالت میں بغاوت پر اُتر آیا تھا۔ انگریزوں نے بحری بیڑے اور عوام کی معرفت کی گئی بغاوت کو کچلنے کے لئے گولیاں چلانا شروع کر دی۔ جس کی وجہ سے بڑی تعداد میں لوگ شہید ہو گئے۔

شہید ہونے والوں میں ہندو مسلم دونوں ہی شامل تھے۔ لہذا ملک میں پھیلی ہوئی بھید بھاؤ کی لہر یہاں آ کر ختم ہو گئی۔ ہندو، مسلمانوں کی لاشوں کو اُٹھا رہے تھے۔ اور مسلمان ہندوؤں کی لاشوں کو کندھا دے کر لے جا رہے تھے۔ حکومت نے طاقت کا استعمال کر کے اس بغاوت کو کچلنا چاہا مگر دیش کے لوگوں میں آزادی کا نشہ اتنا چڑھ گیا تھا کہ اس پر جان قربان کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔

”دل و جاں سونپ چکے ہم تمہیں اے جانِ وطن
اب ہمیں خوف ہے کیا ، اپنی گرفتاری کا“

اُس وقت کانگریس کے صدر مولانا آزاد اور سردار پٹیل نے فوجیوں اور ملک کی عوام سے اپیل کی کہ وہ اس وقت تحریک بند کر دیں۔ کیونکہ اس وقت دیش ایک نازک موڑ سے گزر رہا ہے۔ اور ہم لوگ بہت ہی سوچ سمجھ کر آزادی کے مسئلہ کو حل کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ ہم آپ کے جذبات کی قدر کرتے ہیں اور اُس کو بڑے پیار کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ ان الفاظ میں وہ جادو تھا کہ بغاوت بالکل بیٹھ گئی اور ختم ہو گئی۔ ہوا میں امن و سکون کا سناٹا چھا گیا۔ کانگریس کی آواز عوام میں کتنی اثر رکھتی ہے، اور اُس کے صدر کی آواز میں کتنا دم ہے یہ انگریز حکومت کھلی ہوئی نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔ اب وہ اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گئے۔ اور اُسے اندھیرا نظر آنے لگا۔

باندھ لو بستر فرنگی۔ راج اب جانے کو ہے

جب دوسری جنگ عظیم کی فتح پر انگریزی حکومت دلی میں ایک شاندار جشن منا رہی تھی، جس میں تقریباً دس ہزار فوجی اس پارٹی میں شامل تھے۔ آزادی کے دیوانوں سے یہ فتح کا جشن دیکھا نہیں گیا۔ لہذا کسی نے اچانک ٹاؤن ہال میں آگ لگا دی جہاں پنڈال سجایا گیا تھا۔ آگ سے سارا پنڈال ،اسٹیج سب جل کر خاک ہو گیا۔ پولیس نے غصہ ہو کر گولیاں چلانی شروع کر دی۔ جس سے کم از کم ایک درجن شمع آزادی کے پروانوں نے دم توڑ دیا۔

”قربانیوں کا سلسلہ کہیں ٹوٹتا نہیں
اک خاکِ نشیں اُٹھا ، اک خاکِ نشیں آیا “

بحری بیڑے کی بغاوت کی حمایت میں بمبئی میں شہید ہونے والوں کی فہرست ”تحریک آزادی اور مسلمان“ میں دی گئی ہے۔ جو 22/ فروری 1946ء میں پولیس کی گولیوں سے شہید ہوئے تھے۔

206 عبوری حکومت 1946ء

برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر ایٹلی نے لندن پارلیمنٹ میں اپنی تقریر میں کہا تھا کہ۔ ”اب ہندوستان میں آزادی کا جذبہ عام ہو چکا ہے۔ اب ہر آدمی اور ہر کمیٹی آزادی کی مانگ کر رہی ہے۔ اس کا اثر پولیس اور فوج میں بھی پیدا ہو گیا ہے۔ اس وجہ سے اب ہندوستان کو زیادہ وقت تک غلام نہیں بنایا جاسکتا۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم فکر مند ہو کر اس پر غور کریں۔ اور اس کا صحیح فیصلہ لیں۔“

اس کے بعد اُنہوں نے ایک وزارتی مشن ہندوستان بھیجا جس میں وزیر ہند لارڈ پاتھک لانس اور جنرل الیگزینڈر شامل تھے۔ اُنہوں نے اپنی رپورٹ بھیجی اور اُن کی رائے کے مطابق 2/ ستمبر 1946ء کو عبوری حکومت قائم کی گئی۔ جو ایک سال تک رہی۔ جس کے تمام ممبرس ہندوستانی تھے۔

1-الیکشن: لارڈ ویول وائسرائے ہند 16/ ستمبر 1945ء ہندوستان واپس آئے۔ اور مرکزی اور صوبائی حکومت کا اعلان کر کے الیکشن کروا دیا۔ تب مسلم لیگ جو اپنے آپ کو مسلمانوں کی پارٹی کہتی تھی اور اُس پر پاکستان کی مانگ کا نشہ اتنا چڑھ گیا تھا جس پر جان قربان کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ اُس نے مسلمانوں کو سبز ہلالی پرچم دکھا رکھا تھا۔ اُس وقت جمعیۃ العلماء کا بھی مسلمانوں میں ایک خاص مقام تھا۔ اُس نے تمام کمیٹیوں کو ملا کر ایک مسلم پارلیمنٹیری بورڈ بنایا اور سبھی پارٹیوں کو دلی میں میٹنگ کر کے پیغام بھیج دیا اور اُس کی نقل وائسرائے لارڈ ویول کو بھیج دی۔ الیکشن میں مسلم لیگ نے کافی شور مچایا۔ آخر کھرے سونے کے بجائے پیتل کی جیت ہوئی۔ اور 84 فیصد مسلم لیگ کامیاب ہوئی۔ باقی پارٹی صرف 16 فیصد سیٹیں حاصل کر سکیں۔

مسلم لیگ 6/ جون 1946ء کو اسمبلی میں داخل ہوئی اور وہ عبوری حکومت میں 14/ اکتوبر 1946ء میں شامل ہو گئی۔ 12/ اگست 1946ء کو وائسرائے ہند نے صدر کانگریس کو عبوری حکومت بنانے کی دعوت دی۔ اور دسمبر 1946ء کو منتری منڈل کا اعلان کر کے تمام منسٹروں میں قلمدان کی تقسیم کر دی گئی۔ اس کے بعد لارڈ ویول کی جگہ پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن وائسرائے ہند بن کر دلی آئے۔ مولانا آزاد نے 1946ء میں کانگریس

کی صدارت کا عہدہ پنڈت جواہر لال نہرو کو سونپ دیا۔ اور 1947ء میں ہندوستان آزاد ہوگیا۔

2- **لیاقت علی خاں کا بجٹ:۔** کانگریس 2 ستمبر 1946ء کو عبوری حکومت میں شامل ہوگئی تھی۔ 15 اکتوبر 1946ء میں مسلم لیگ بھی اس میں شامل ہوگئی۔ مسلم لیگ کی شمولیت کانگریس کے مرضی کے خلاف عمل میں آئی تھی۔ مگر دونوں کی طرف سے کیبنٹ مشن پلان کا مان لینا ایک شاندار ماضی ہے۔

28 فروری 1947ء کو وزیر خزانہ کی حیثیت سے لیاقت علی خاں نے جو بجٹ پیش کیا، اسے عام طور پر ”غریب آدمی کا بجٹ“ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ مگر جب انھوں نے اپنی بجٹ تقریر کے دوران کہا کہ دولت فقط امیروں کے ہاتھوں میں جمع ہوگئی ہے۔ اس لئے ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کیا جائے اور ایک لاکھ روپے سے اوپر تجارتی منافع سے 25 فیصد انکم ٹیکس وصول کیا جائے۔ تو دولت مند طبقے میں کھلبلی مچ گئی۔ جن میں بھاری اکثریت برلا، ٹاٹا، ڈالمیا اور دوسرے ہندو سیٹھوں کی تھی۔ لہذا ہندو سرمایا داروں میں کہرام مچ گیا۔ جس کی وجہ سے کانگریس کو مالی امداد بند کرنے کی دھمکی دی گئی۔ لہذا سردار ولبھ بھائی پٹیل نے کابینہ میں زبردست ادھم مچایا۔ اور کہا یہ بجٹ صرف ہندو سرمایہ داروں کے خلاف ہے۔ اور انھیں مشکل میں ڈالنے کا بجٹ ہے۔ اس وجہ سے عبوری حکومت دھڑام سے گر گئی۔

3. **بٹوارہ اور سردار پٹیل:۔** کانگریس کے سردار ولبھ بھائی پٹیل اب اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمانوں کو کچھ زمین کا ٹکڑا دے دیا جائے۔ اور انھیں الگ کر دیا جائے۔ تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ مسلمانوں کے جو علاقے پاکستان بننے کے خواب دیکھ رہے ہیں وہ بھارت ماتا کے پوتر بدن پر سڑے ہوئے ناسور ہیں۔ لہذا ان ناسوروں کو کاٹ کر الگ پھینک دیا جائے۔

207 بٹوارہ اور پنڈت جواہر لال نہرو

مہاتما گاندھی، مولانا آزاد، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اور پنڈت جواہر لال نہرو بٹوارے کے بالکل مخالف تھے۔ مگر دھیرے دھیرے نہرو جی پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ایڈوینا بیٹن کا اثر پڑا اور وہ بٹوارے کے موافق ہوگئے۔

مولانا آزاد جیسے شریف النفس اور پنڈت نہرو کے لئے نرم گوشہ رکھنے والے شخص بھی اپنی کتاب ”انڈیا ونس فریڈم“ India Wins Freedom میں باور کراتے ہیں کہ ”میں حیران ہوتا ہوں کہ جواہر لال پر بھلا کس طرح ماؤنٹ بیٹن نے فتح پائی۔ جب کہ وہ اصول پرست انسان ہیں۔ مگر جذباتی بھی ہیں

اور ذاتی اثرات کو بہت آسانی سے قبول کر لیتے ہیں۔ میرے خیال میں اس تبدیلی کے لئے ایک سبب جو ذمہ دار ٹھہرایا جا سکتا ہے وہ لیڈی ماؤنٹ بیٹن کی شخصیت تھی"۔

پامیلا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی بیٹی جو 17 سال کی عمر میں ہندوستان آئیں تھیں۔ اپنی کتاب جو "یادداشت" پر مبنی ہے۔ وہ پنڈت جواہر لال نہرو اور اپنی ماں لیڈی ماؤنٹ بیٹن کے درمیان پروان چڑھنے والے عشق کے بارے میں یہ جملہ لکھتی ہیں کہ (Remained Platonic But it was Deep love) یعنی ان میں گہرا عشق تھا۔ وہ یاد کرتی ہیں کہ پنڈت نہرو ان کے گھر آیا کرتے تھے۔

پرمیلا کے لفظوں میں کہ "جب انھیں (لارڈ ماؤنٹ بیٹن) کو کوئی پیچیدہ معاملہ درپیش آتا تو وہ اپنی بیگم سے کہتے کہ "کوشش کرو کہ جواہر لال ملاقات کے لئے آجائیں کیونکہ یہ بہت اہم ہے"۔

مولانا آزاد کی کتاب اور پرمیلا کی یادداشت کے اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پنڈت نہرو اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن میں نہ صرف تعلقات تھے بلکہ لیڈی ماؤنٹ بیٹن پرکشش اور نہرو کے جذبات وحواس پر حاوی تھیں۔ لہذا لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اپنی بیگم کے توسط ہی سے پنڈت نہرو کو تقسیم ہند یا قیام پاکستان کے لئے آمادہ کر لیا تھا۔ (مضمون شمیم طارق انقلاب)

جسونت سنگھ کی کتاب کے اقتباس:۔ جسونت سنگھ بی جے پی کے سینئر لیڈر اور سابق وزیر خارجہ ہیں اُنہوں نے 699 صفحات کی اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جناح نے پاکستان جیت کر حاصل نہیں کیا تھا بلکہ نہرو اور سردار پٹیل نے تھال میں سجا کر اُنہیں سونپ دیا تھا۔ بدقسمتی سے نہرو اور پٹیل اور کانگریس پارٹی اس پر آمادہ ہوگئی تھی جس پر برطانیہ نے اُن کی مدد کی۔ جسونت سنگھ نے تقسیم ہند کو 20 ویں صدی کا اہم واقعہ قرار دیا جس کے زخموں میں آج بھی ٹیسیں اُٹھتی ہیں۔

لہذا اوپر لکھے اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقسیم ہند میں سردار ولبھ بھائی پٹیل، اور پنڈت جواہر لال نہرو اور نیشنل کانگریس کا بھی قائدانہ رول رہا ہے، صرف محمد علی جناح ہی تقسیم ہند کے مجرم نہیں۔

کچھ شرارت تیری نظروں کی بھی تھی
صرف میں اکیلا ہی گنہگار نہیں

208 بٹوارہ اور آزادی 15,14 اگست 1947ء

3/ جون 1947ء کو وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستان کی تقسیم کا اعلان کر دیا۔ جس کو مسٹر جناح، پنڈت جواہر لال نہرو اور سردار بلدیو سنگھ نے منظور کیا۔

14/ جون 1947ء کو نئی دلی میں کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ ہوئی۔ جس میں پنڈت ولبھ پنتھ نے پاکستان کی مانگ رکھی۔ اُس بارے میں مولانا آزاد نے جو بات کہی وہ مجبوری ظاہر کرتی ہے۔

''حالات نے ہر دماغ کو مجبور کر دیا ہے، اس لئے جو موجودہ الجھاؤ کو ختم کر سکتا ہو وہ حل تلاش کیا جائے اور اُسے تسلیم کیا جائے۔ کانگریس کے سامنے یہ سوال نہیں کہ کون سا منصوبہ منظور کیا جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ موجودہ تباہ کن حالات کو ختم کر دیا جائے۔ کانگریس ہندوستان کی ایکتا سے الگ نہیں ہوئی ہے۔ یعنی جو صوبے یونین میں شامل نہ ہونا چاہیں اُنہیں مجبور کرنے کے خلاف ہے۔''

ورکنگ کمیٹی کے کسی بھی ممبر نے رائے کے خلاف میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ صرف ایک ممبر جسے قوم مجاہدِ ملت کہتی ہے۔ تو وہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی تھے۔ اُنہوں نے اس کی مخالف میں ایک چھوٹی سی مگر چبھتی ہوئی تقریر کی۔ ''حالات کے دباؤ پر جن کے وجوہات سے آج ہندوستان کے بٹوارے کو منظور کرنے کی رائے پیش کی جا رہی ہے۔ میں اپنے لیڈروں کو باعزت کہوں گا کہ ہندوستان کے بٹوارے کا نتیجہ زیادہ خطرناک ہوگا۔ مگر آج کانگریس کے اسٹیج پر ہندوستان کے بٹوارے کی اسکیم منظور کر لی گئی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آج ہم پوری تاریخ کو ملیا میٹ کر کے اُٹھیں گے۔ اور دو قومی نظریے کے سامنے سرینڈر ہو جائیں گے''۔

رسّی پہ چل رہا تھا توازن بچا کے میں
پچھلے قدم پہ خوش تھا تو اگلے کا ڈر بھی تھا

مسٹر جناح، نہرو جی اور پورا ہاؤس اس رائے کو منظور کر چکا تھا۔ اب اسے نامنظور کرنا بہت مشکل تھا۔

10/ جولائی 1947ء برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر ایٹلی نے اعلان کیا کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کے گورنر جنرل ہوں گے۔ اور مسٹر جناح پاکستان کے۔

18/ جولائی 1947ء کو لندن سے خبر آئی کہ 10 بجے شاہی منظوری مل جائے گی۔ اس لئے 14۔15، اگست رات کے ٹھیک بارہ بجے آل انڈیا ریڈیو پر ہندوستان کی آزادی کا اعلان کر دیا گیا۔ اور

اُس کو دو ٹکڑوں میں بانٹ کر آزاد کر دیا گیا۔

ہم انتظارِ صبح میں جاگے تمام رات
نکلا جو آفتاب تو وہ بھی گہن میں تھا

وامق جونپوری کہتے ہیں۔

پھاڑ کر میرا کفن آدھا اِدھر آدھا اُدھر
رکھ دیا اُس کو رہن آدھا اِدھر آدھا اُدھر
لیڈروں کا بس چلے تو بول کر گاندھی کی جئے
بانٹ لیں گاندھی بھون آدھا اِدھر آدھا اُدھر
نام پر مذہب کے وامقؔ دھرم کی بنیاد پر
بانٹ ڈالا یہ وطن آدھا اِدھر آدھا اُدھر

(وامقؔ جونپوری)

******

انقلاب زندہ باد

209 آزادی کے بعد فرقہ وارانہ فسادات 1947ء

ایک پتلا دبلا کاٹھیاواڑی انسان، جو انگریزوں کا دشمن، قانون کا بیرسٹر، ایکتا کا مہاتما، سابرمتی کا سنت، راشٹر کا پتا اور اہنسا کا پجاری شری موہن داس کرم چند گاندھی تھے۔ جنہوں نے ہمیں انیکتا میں ایکتا کی تعلیم دی اور آزادی بغیر اسلحہ اور بغیر جنگ کیے دلوائی۔ پھر آزادی کے بعد قتل و غارت گری کیوں؟ قتل اور غارت گری اس وجہ سے ہوئی کہ تقسیم ہند کے ساتھ ساتھ آبادی کے تبادلے کا بھی فیصلہ کیا گیا تھا۔ جس کا بڑا سبب پنجاب اور بنگال کی فرقہ وارانہ تقسیم کرنے کا کانگریسی نظریہ تھا۔ اگر ان دونوں صوبوں کی تقسیم نہ ہوئی ہوتی اور یہ کہہ دیا جاتا کہ دونوں آبادیاں ہندوستان کا حصہ ہی رہیں گی۔ تو شاید اتنا خون خرابہ نہ ہوا ہوتا۔ ''مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا''۔

اس لیے تمام مؤرخین یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ پنجاب اور دلی کے قتل عام کی ذمہ داری اگر مسلم لیگ پر ہے کہ اس نے تقسیم ہند کی تحریک چلائی تو کانگریس کا دامن اس سے پاک نہیں۔ کیونکہ اس کے دامن پر بھی بے شمار انسانی خون (تقریباً 6 لاکھ) کے دھبے ہیں۔ جس نے تبادلہ آبادی کے فیصلے کو منظوری دی۔

اے وطن، خاکِ وطن یہ بھی تجھے دے دیں گے
بچ گیا ہے جو لہو اب کے فسادات کے بعد

1 بندھے بستر کھل گئے:۔ بٹوارے کے بعد مسلم لیگ کے سبھی نیتا مسلمانوں کو بے سہارا چھوڑ کر پاکستان چلے گئے۔ اور یہاں ہندو فرقہ پرستوں کی تلوار مسلمانوں پر لٹکنے لگی۔ ایسے ماحول میں مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا احمد سعیدؒ اور مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی نے ہندوستان کے مسلمانوں کو یہیں پر جمائے رکھا اور ان کے بندھے بستر کھلوانے میں جو خدمات انجام دی ہیں وہ آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

گردشِ وقت کے تپتے ہوئے سورج کی قسم
آج بھی سایہ ہے ان ٹوٹی ہوئی دیواروں میں

ان علماء نے مسٹر مہاتما گاندھی اور جواہر لال نہرو سے مل کر دلی میں مسلمانوں کے لیے پناہ گاہوں کا انتظام کیا اور سردار پٹیل جیسے وزیر داخلہ کو کیمپ لگانے پر مجبور کیا۔

محروم ہیں اک ہم ہی ترے لطف وکرم سے
اے فصلِ بہاراں تو بڑی تنگ نظر ہے
(قمر گونڈوی)

2 گاندھی جی کی بھوک ہڑتال:۔ آخر مہاتما گاندھی کو قتل وغارت گری کو روکنے کے لیے مجبور ہو کر بھوک ہڑتال پر بیٹھنا پڑا۔ جس کے لیے ہم کہہ سکتے ہیں۔

پروں میں منہ چھپائے اِس لیے بیٹھا ہوں اے صیاد!
کہ مجھ سے بے بسی اور بے کسی دیکھی نہیں جاتی
میری بے چارگی پر خود مجھے بھی شرم آتی ہے
نشیمن جل رہاہے روشنی دیکھی نہیں جاتی

گاندھی جی کا یہ قدم، فرقہ پرستی کو ختم کرنے میں کارگر ثابت ہوا۔ مولانا آزاد اور مولانا حفظ الرحمٰن دونوں ہی ہندوستان کی دستور ساز کونسل کے ممبر تھے جنہوں نے بابا امبیڈکر کے ساتھ مل کر دستور ہند میں سب کو برابر کے حقوق دلوائے۔ ہم ایک تھے، ایک ہیں اور ایک رہیں گے۔ ہماری ایکتا کو کوئی ختم نہیں کر سکتا۔

شاخوں سے جو ٹوٹ جائیں وہ پتے نہیں ہیں ہم
آندھی سے جاکے کہہ دو کہ اوقات میں رہے

(3) ہندوستان کی مذہبی آزادی: ہندوستان ہمیشہ گنگا جمنا تہذیب کا گہوارہ رہا ہے۔ یہاں کی صبحیں مسجدوں کی اذانوں اور مندروں کی گھنٹیوں سے شروع ہوتی ہیں۔ یہاں کی تہذیب اور ایکتا دنیا کی دوسری جمہوری ممالک سے بالکل الگ ہے۔ اس ملک میں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، قوم شیر وشکر بن کر رہتی ہیں۔ یہاں رام اور رحیم کا اختلاف نہیں پایا جاتا۔ یہاں بہت سی جگہوں پر مندر، مسجد کی دیواریں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔ مگر ہاں! ہم نے بزرگوں سے سنا ہے کہ جہاں کئی برتن ہوں

گے وہاں آواز بھی آئے گی۔ کبھی کہیں کوئی جگہ حاسدوں اور فرقہ پرستوں کے نشانے پر بھی آجاتی ہے۔ جو ہندوستان کی مذہبی آزادی کی خوبصورتی کو ہندوتوا کے گھناؤنے رنگ سے رنگنا چاہتے ہیں، اس لئے شیخ وبرہمن کے جھگڑے اور مندر مسجد کے لفڑے بھی ہوجایا کرتے ہیں، مگر تاریخ شاہد ہے کہ جس طوفان کا مظاہرہ فسادات کے انعقاد سے ہوتا ہے، پھر اس سے بڑا ایکتا کا سیلاب بھی آجاتا ہے۔ جو امن وامان قائم کرتے ہوئے ہر مذہب کے پچھلے گناہ بہا کرلے جاتا ہے۔ اور پھر سبھی مذہب وملت کے لوگ دیش کی ایکتا اور ترقی میں لگ جاتے ہیں۔

” ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی“

210 مؤلف کا دورۂ کراچی پاکستان۔ 2007ء

ماں کی محبت، باپ کی شفقت، بھائی بہن کا اپنا پن
سارے رشتے بٹ گئے، اک گھر کے بٹ جانے کے بعد

دل میں حسرت تھی کہ مادرِ وطن کی وہ مٹی بھی دیکھیں جس پر الگ مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھنے کی چاہت نے زور پکڑا تھا۔ جنہیں غیروں کی قیادت میں اسلام کا پنپنا پسند نہیں تھا۔ مسٹر جناح کا وہ سبز ہلالی پرچم جس نے مادرِ وطن کی کوکھ سے پاکستان کو جنم دیا۔ لہذا میں کراچی گیا، جس کے بڑے پن کے قصے میرے خیالی تصورات کے آبگینے تھے۔ صرف ایک برات کی شمولیت نے تصورات کے تمام آبگینے توڑ ڈالے۔ کیونکہ براتیوں نے باجے گاجے کے شوق میں فائرنگ کرنا شروع کردیا تھا اور ایک چودہ سال کے معصوم بچے کو فائرنگ کی ایک گولی سے خاموش کردیا گیا تھا۔

بارات کیا تھی؟ افراتفری کا ماحول تھا۔ جہاں مسٹر جناح کے ملک کا کوئی قانون کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔ اور نہ کہیں کوئی پولس۔ افسوس! قائدِ اعظم کے ملک کا ایک دستور، اور ایک معصوم کی موت۔

تمہارے دم سے ہم زندہ، ہمارے دم سے غم زندہ
کسی کے تم مسیحا ہو، کسی کے کم ہم مسیحا ہیں

لہذا میں قائدِ اعظم محمد علی جناح کے مزار پر گیا۔ فاتحہ پڑھی، اور پاکستان کی زبوں حالی کا رونا رویا۔ جہاں دن بے چین اور راتیں خوف کے سائے میں گزرتی ہوں وہاں زندگی مفلوج ہوکر رہ جاتی ہے۔ لہذا

گھر سے نکلو تو پتہ ساتھ میں لے کر نکلو
حادثہ چہرے کی پہچان مٹا دیتا ہے

اور پھر میں مایوس ہو کر ماضی کے تصورات میں کھو گیا۔ 1947ء کا فرقہ وارانہ منظر سامنے تھا اور انجم کرولوی کا یہ شعر زبان پر۔

مر جائیں بھلے لیکن زندہ ہیں مگر جب تک
برباد وطن اپنا ہونے بھی نہیں دیں گے

مہمان نوازی: پاکستانی جنتا کا پیار، محبت، خلوص، اور مہمان نوازی یقیناً قابل تعریف ہے۔ بزرگوں اور مہاجرین کا دل یقیناً آج بھی ہندوستان کی محبت سے سرشار ہے۔ جن کا بار بار یہ پوچھنا کہ ''اے ہند سے آنے والے بتا کس حال میں ہے یارانِ وطن'' اچھا لگا۔

عمر بھر رنج والم کا سلسلہ رہ جائے گا
کیا خبر تھی زخم دل کا پھر ہرا رہ جائے گا

عبدالجبار اجمیری

ہند کے سَر کی لگائی نہیں ہم نے بولی
بیچ کر راج نہیں ہم نے بھری ہے جھولی
کب ہم اس ملک کی تہذیب کے معمار نہیں
پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں

رہبر جون پوری

باب ہفتم

مختصر اور جامع تاریخ

مسلمانوں کا شاندار ماضی

آدم علیہ السلام سے آزدیٔ ہند تک

مجاہدین آزادیٔ

1857ء تا 1947ء

وطن پر جو فدا ہوگا
امر وہ نوجواں ہوگا

رہے گی جب تلک دُنیا
یہ افسانہ بیاں ہوگا

عبدالجبار اجمیری

غلامی ہم کو راس آئی نہ آزادی ہی راس آئی
قفس میں دل مسلتے تھے چمن میں ہاتھ ملتے ہیں

211. (پیش لفظ)

جنھیں فضول سمجھ کر بجھادیا ہے تم نے　　وہی چراغ جلاؤ تو روشنی ہوگی

15/اگست 1947ء کو ہندوستان نے بٹوارے کے ساتھ آزادی پائی اور مادرِ وطن کی کوکھ سے پاکستان نے جنم لی۔ مسلم لیگ اور چند سیاست دانوں کی بٹوارے کی سیاست نے ہندو مسلم دوقومی نظریئے پر ہندوستان کی یکجہتی کی دھجیاں اڑادیں اور انجان مسلم اقلیتی کو خون کرابے کے ساتھ پاکستان کا بوجھ جھیلنا پڑا اور ملک کی سب سے بڑی اقلیت سے امتیاز برتا جانے لگا اور برتا جارہا ہے۔ جب کہ 1757ء سے 1857ء تک تو تنہا مسلم مجاہدین نے انگریزوں کا مقابلہ کیا اور تقریباً 1900ء تک وہ انگریزوں کی نوکری کو حرام قرار دیتے رہے جب کہ ملک کے دیگر افراد انگریزوں سے دوستی کر کے ان کی نوکری حاصل کرنے میں ہی فخر سمجھتے تھے۔

لہٰذا آزادی کے لیے فضا جنھوں نے ہموار کی، مردہ دلوں میں روح پھونکی۔ سوئے ہوؤں کو جنھوں نے جھنجھوڑ کر آزادی کی راہ دکھلائی۔ برطانوی حکومت کے خلاف جنھوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ پھانسی کے پھندوں کو چوما اور سینوں پر گولیا کھائیں۔ آج انھیں حرف غلط کی طرح مٹایا جارہا ہے۔

لہو دے دے کے ہم نے جس چمن کی باغبانی کی
اُسی گلشن کے ہر اک گل نے ہم سے بدگمانی کی

اس کفن بردوش قافلہ میں سرِ راہ آکر شامل ہونے والوں کو قافلہ کی قیادت کا تاج پہنایا جارہا ہے۔ اور تاریخ کے اوراق میں ترمیم کی جارہی ہے۔ لہذا آج ہمیں چند مسلم مجاہدین اور شہیدانِ وطن کی قربانیوں کا ذکر کرکے یہ بتانا ہے کہ اس مادرِ وطن کے ذرہ ذرہ پر ہمارا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا کسی دوسری قوموں کا بلکہ تاریخ کے حوالے سے اگر ہم یہ کہیں کہ ”ہم نے اس ملک کی قسمت جگانے میں جتنا خون بہایا ہے اتنا دوسری قوموں نے پسینہ بھی نہیں بہایا، تو بیجا نہ ہوگا“۔

شری میورام گپت نے اپنی کتاب ”مسلمان مجاہدین“ کے صفحہ نمبر 240 پر لکھا ہے کہ ”ایک اندازے کے مطابق 1857ء کی پہلی جنگ آزادی میں پانچ لاکھ مسلمانوں کو پھانسیاں دی گئی تھیں“۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگریزوں کا عتاب برق بن کر مسلمانوں پر گرا اور چن چن کر مسلم گھرانوں کو ایندھن بنایا گیا۔ ایسے بیشتر مجاہدین کے نام کلکتہ کے شعبہ تاریخ کے صدر مسٹر شانتی رائے کی کتاب Role of Indian Muslims in the Freedom Movement میں دئے گئے ہیں جو سرکاری ریکارڈ کے مطابق ہیں۔

مٹی کی محبت میں ہم آشفتہ سروں نے　　وہ قرض اُتارے ہیں جو واجب بھی نہیں تھے
(عبدالجبار اجمیری)

212. امام المجاہدین حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ 1818ء تا 1899ء

آپ کا شمار عالمِ اسلام کے اکابر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ آپ کے زمانے کے تقریباً تمام مستند عالم آپ کے خلفاء میں شامل تھے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت جہاد کر چکے تھے۔ جن میں حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ کو امتیازی مقام حاصل ہے۔ آپ 18/اپریل 1818ء کو نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے تھے۔

1857ء کے جہاد آزادی میں شاملی وتھانہ بھون کے محاذ پر امیر جہاد تھے۔ جنگ کی ناکامی کے بعد آپ مکہ معظمہ ہجرت فرما گئے اور وہاں چودہ سال مقیم رہے۔ یہ پوری مدت مریدوں کی تربیت باطنی و افادہ میں گزاری اور 18/اکتوبر 1899ء کو دنیا چھوڑ کر جنت المعلیٰ کو آخری آرام گاہ بنایا۔

213. حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔ 1832ء تا 1880ء

آپ تاریخ کی بُلند شخصیات میں سرِ فہرست ہیں۔ سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے دستِ بیعت ہوئے۔ آپ نے 1867ء میں مدرسہ دار العلوم دیو بند کی بنیاد رکھی۔ جب انگریز لارڈ میکالے نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے تھا کہ ''یہاں پڑھنے والے تمام بچے رنگ ونسل کے اعتبار سے ہندوستانی ہوں لیکن سوچ کے اعتبار سے انگلستانی ہوں'' اس کے جواب میں مولانا قاسم صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ ''میں ایک ایسی فیکٹری قائم کروں گا جس میں پڑھنے والے تمام بچے رنگ ونسل کے اعتبار سے ہندوستانی ہوں گے لیکن سوچ میں نبیؐ کے شیدائی ہوں گے''۔

آپ نے 1857ء کے جہاد آزادی میں نمایاں حصہ لیا معرکہ شاملی میں مجاہدین کی قیادت کی۔ جنگ میں ناکامی کے بعد آپ کی گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا اور اُس پر انعام کا اعلان بھی۔ مگر برطانوی پولیس آپ کو گرفتار نہ کر سکی۔ تین دن روپوش ہونے کے بعد دو سال آپ نے کئی دیہاتوں اور شہروں میں گذارے۔ آپ نے 1860ء، 1868ء، 1878ء میں تین مرتبہ حج ادا کیے۔ 15/اپریل 1880ء میں یہ آفتاب علم وعمل غروب ہو گیا۔

214. مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ۔ 1829ء تا 1905ء

آپ 1829ء کو گنگوہ میں پیدا ہوئے ۔ آپ بیک وقت محدث ، فقیہ اور عالم دیو بند مرشدِ حق تھے ۔ آپ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے دست سے بیعت تھے ۔ آپ نے تین دفعہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا ۔ آپ محمد قاسم نانوتویؒ کے انتقال کے بعد دار العلوم کے سر پرست ہوئے ۔ 1857ء کے جہاد آزادی میں معرکہ شاملی کے علمبردار رہے ۔ جس کی وجہ سے گرفتار ہوئے ۔ چھ ماہ مظفر نگر جیل میں رہ کر رہا ہوئے ۔ 11/ اگست 1905ء کو گنگوہ میں آپ کا انتقال ہو گیا ۔ آپ کے گرفتار کرنے کے لئے انگریز کرنل فرانسیسی ستر سوار اور مخبر کے ساتھ گنگوہ پہنچا تھا ۔

215. مولانا فضل حق خیر آبادی 1859 تا 1861ء

آپ بہت سی کتابوں کے مصنف تھے آپ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تھا ۔ اس جرم میں 1859ء میں سیتا پور سے لکھنؤ لائے گئے ۔ مقدمہ چلا ۔ سرکاری وکیل کے مقابل مولانا خود بحث کرتے تھے ۔ جج مولانا کی عظمت سے واقف تھا اور مولانا کو رہا کرنا چاہتا تھا ۔ مگر مولانا نے خود فتویٰ دینے کا اقرار کر لیا ۔ لہذا انھیں کالے پانی کی سزا دی گئی ۔

انڈومان میں مولانا کو بارکوں کی صفائی کرنے کا گندہ کام دیا گیا ۔ کہاں ہندوستان کے علامہ زماں اور علمی دنیا کے بے تاج بادشاہ اور کہاں کوڑا کرکٹ کی ٹوکری؟ مولانا کی جیل کا سپر یٹنڈ ینٹ ایک انگریز تھا اس نے ایک کتاب فارسی میں لکھی وہ اسے کسی مولوی سے تصحیح کروانا چاہتا تھا ۔ لہذا انگریز نے وہ کتاب کسی قیدی مولوی کو دے دی ۔ مولوی صاحب نے وہ کتاب مولانا فضل حق کی خدمت میں پیش کردی ۔ مولانا نے کتاب کو درست کر کے اس میں مفید اضافہ کر دیا ۔ انگریز بہت خوش ہوا اور اس نے مولوی صاحب کی بہت تعریف کی مگر جب مولوی صاحب نے کہا کہ حضور ! یہ میرا کارنامہ نہیں ہے ۔ سامنے سے مولانا فضل حق بغل میں ٹوکرا دبائے چلے آرہے تھے مولوی صاحب نے کہا یہی وہ شخص ہیں جنھوں نے یہ کارنامہ انجام دیا ہے ۔ یہ منظر دیکھ کر انگریز کی آنکھوں میں آنسو آگئے ۔ اور مولانا سے معذرت کر کے انھیں اپنی پیشی میں بلا لیا ۔

علامہ کے صاحب زادے نے باپ کے لئے ولایت میں اپیل کر رکھی تھی لہذا مولانا کی رہائی کا پروانہ

لے کر جب وہ انڈمان پہنچے تو سامنے ایک جنازہ آتا نظر آیا۔ جس میں ہزاروں لوگوں کی بھیڑ تھی۔ معلوم ہوا یہ جنازہ ان کے والد مولانا فضل حق صاحب کا ہے۔ آج انھیں انڈمان سے اور اس دنیا سے رہائی مل چکی ہے۔ صاحبزادے نے اکتوبر 1861ء کو انھیں آنسوؤں سے سپرد خاک کیا۔ اور تنہا وطن واپس آ گئے۔

216. مولانا محمد جعفر تھانیسری اور مولانا یحییٰ علی (انڈمان) 1866ء تا 1883ء

آپ سرحد کے مجاہدین کے لئے سارے انتظام کیا کرتے تھے۔ امبالا سازش کیس میں جب آپ کو پھانسی کی سزا سنائی گئی۔ تب انگریز ہربرٹ زیڈورڈز نے آپ سے کہا تھا کہ ''تم عقلمند اور قانون داں ہو، اپنے گھر کے رئیس ہو، لیکن تم نے اپنی ساری عقل سرکار کی مخالفت میں خرچ کر دی اب تمہیں پھانسی دی جائے گی، جائیداد ضبط ہوگی اور تمہاری لاش بھی تمہارے وارثوں کو نہیں ملے گی۔ اور تمہیں پھانسی پر لٹکا ہوا دیکھ کر مجھے خوشی ہوگی''۔ مولانا نے جواب دیا ''جان لینا اور دینا تو خدا کا کام ہے، میرے مرنے سے پہلے آپ کو ہلاک کر دے''۔ اس پر انگریز بہت خفا ہوا مگر پھانسی کے حکم سے زیادہ اور کیا کر سکتا تھا۔ بعد میں پھانسی کی سزا کالے پانی کی سزا میں تبدیل ہو گئی۔ اور مولانا 11 جنوری 1866ء کو مولانا یحییٰ علی اور میاں عبدالقادر کے ساتھ انڈمان بھیج دئے گئے۔ 17 سال دس ماہ بعد انڈمان سے سزا کاٹ کر واپس روانہ ہوئے اور 1883ء کو کلکتہ پہونچے اور 20 برس بعد تھانیسر پہنچے۔ آپ نے جزیرہ انڈمان پر بہت مفصل آپ بیتی ''کالا پانی کے نام سے کتاب لکھی ہے''۔ (کالا پانی 23، 24 از مولوی جعفر تھانیسری)

مولانا یحییٰ علی صاحب کو بھی پھانسی کے بجائے کالے پانی کی سزا ہوئی تو ان کے سر کے اور داڑھی کے بال بھی تراش دئے گئے تب آپ نے داڑھی کے بالوں کو اکٹھا کر کے کہا تھا۔ ''افسوس نہ کر تو خدا کی راہ میں پکڑی گئی اور کاٹی گئی''۔

217. ممبئی ہائی کورٹ جج جناب بدرالدین طیب جی ۔ 1844ء-1906ء

ممبئی شہر جب تجارتی مرکز بننے لگا تو ہندوستان بھر سے تاجر یہاں آ کر بسنے لگے ایک خاندان کھمبایت سے ممبئی آ کر آباد ہو گیا۔ اس خاندان کے سبھی افراد نے تعلیم اور تجارت میں کمال حاصل کیا۔ اسی خاندان میں طیب جی کے گھر 1844ء میں ایک خوبصورت بچہ پیدا ہوا۔ جس کا نام بدرالدین رکھا گیا۔

اس بچے نے پہلے قرآن شریف کے چند پارے ناظرہ پڑھے۔ پھر مکتب میں اردو، فارسی، گجراتی پڑھی۔ ان کے والد محترم نے گھر کے تمام افراد پر اردو میں بات کرنے کی پابندی لگا دی تھی۔

انگریزی تعلیم کے لیے بدرالدین کو الفنسٹن انسٹی ٹیوٹ میں داخل کردیا گیا۔ وہ کم عمری میں ہی آنکھوں کی بیماری کے شکار ہوگئے لہٰذا انگلستان جاکر آنکھوں کا علاج کروایا اور وہیں میٹرک کا امتحان بھی پاس کیا۔ انگریزی میں مہارت حاصل کی اور 1867ء میں آپ نے بیرسٹری کا امتحان بھی پاس کرلیا۔ بدرالدین کے والد طیب علی جی کے لندن میں بہت سے لوگوں سے گہرے تعلقات تھے اس لیے انھیں لندن کی اونچی سوسائٹی میں شریک ہونے اور انگریزی تہذیب کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ لندن سے واپس آکر آپ نے ممبئی ہائی کورٹ میں وکالت شروع کی۔ اس وقت ہائی کورٹ کے جج اور وکلاء صرف انگریز ہی ہوا کرتے تھے۔

بدرالدین جی پہلے ہندوستانی بیرسٹر تھے۔ جنھوں نے جلدی ہی انگریز چوٹی کے بیرسٹروں میں اپنا نام روشن کیا۔ بدرالدین جی نے مسلمانوں کے فائدہ کے بہت سے مقدموں کی پیروی کی۔ مسجدوں پر پانی کا ٹیکس زیادہ تھا لہٰذا آپ نے وہ کم کروایا۔ حج بیت کے سفر کے لیے سہولتیں حاصل کروائیں۔ اس کے علاوہ ہائی کورٹ سے مسلمانوں کے لیے نماز جمعہ کے وقت مقدمات کی سماعت ملتوی کروائیں۔

اپنے وکالت کے پیشے میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد آپ نے 1873ء میں ممبئی کارپوریشن کا پہلا انتخاب جیتا۔ اس وقت یہ انتخاب صرف دو سال کے لیے ہوتا تھا۔ اس طرح آپ پانچ بار یعنی دس سال تک برابر منتخب ہوتے رہے۔ 1882ء میں آپ مجلس قانون ساز کے ممبر نامزد کئے گئے۔ یہاں بھی آپ نے اپنی رائے اور تقریر کے جادو کا لوہا منوایا۔ اور سرکاری ممبران کی مخالفت کے باوجود بل منظور کروائے۔

بدرالدین جی بڑے دین دار مسلمان تھے۔ نماز روزے کی پابندی کرتے تھے۔ انھیں قرآن کے مطالعے کا بھی شوق تھا۔ وہ گھر پر یا عدالت میں، جلسوں و تقریبوں میں ہندوستانی کپڑے پہنتے تھے۔ سفر، ورزش، کھیل اور گھوڑ سواری میں مغربی پوشاک بھی استعمال کرتے تھے۔ ٹب میں نہانا ان کے نزدیک صفائی کے آداب کے خلاف تھا۔

بدرالدین جی نے مسلمانوں کو متحد کرنے کے لیے ''اسلام کلب'' اور ''اسلام جم خانہ'' قائم کئے مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی دور کرنے کے لیے انھوں نے 1880ء میں ایک تعلیمی ادارہ ''انجمن اسلام'' کی بنیاد ڈالی۔ انجمن کے لیے چھ چھ ہزار روپیوں کی گرانٹ بھی پاس کروائی۔

بدرالدین جی پہلے مسلمان ہیں جنھیں انڈین نیشنل کانگریس کا صدر منتخب کیا گیا۔ جسے آپ نے بہت اچھی خوبی سے نبھایا اور دستور ہند بنایا۔ آپ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے بھی صدر چنے گئے تھے۔

لوک مانیہ تلک کی ضمانت :۔ بدرالدین جی ماہر قانون تھے اس لیے 1895ء میں آپ کو انگریزوں نے ممبئی ہائی کورٹ کا جج مقرر کیا۔ عدلیہ میں ان کی جرأت، انصاف پسندی اور دیانت داری مشہور تھی اس زمانے میں لوکمانیہ تلک قوم پرستی کے الزام میں قید کر لیے گئے تھے۔ ان کی ضمانت کی اپیل انگریز ججوں نے کئی بار ٹھکرا دی تھی۔ جب بدرالدین جی ہائی کورٹ کے جج بنے تو آپ نے لوکمانیہ تلک کی ضمانت کی اپیل کو منظوری دی اور ان کو قید سے رہائی دلائی۔ لوکمانیہ تلک نے ہی 1893ء میں گنیش اتسو اور 1896ء میں شواجی اتسو شروع کئے تھے اور تب سے اُنہیں راشٹرایہ تہوار کے طور پر منایا جانے لگا۔ (راجستھان بھارت کا اتہاس، جماعت 12۔ صفحہ 179)

سادگی: جب وہ ہائی کورٹ سے گھر پیدل تشریف لاتے تھے۔ تو لوگ راستے میں اکٹھے ہو کر انھیں دیکھتے اور کہتے دیکھو! اتنا بڑا جج پیدل جا رہا ہے۔ آخر 1906ء میں قوم کا دلارا، انصاف کا مجسمہ، ماہر قانون، ملک کا مایہ ناز فرزند بدرالدین جی کا انتقال ہو گیا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) (بال بھارتی مہاراشٹر جماعت 7)

218. شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ ۔ 1851ء تا 1920ء

آپ ایک عظیم محدث، بے مثال مفسر، بلند پایہ عالم اور تحریک حریت وانقلاب کے امام تھے۔ بلا شبہ آپ چودھویں صدی ہجری کے سب سے عظیم انسان تھے۔ شیخ الہند ہی نہیں بلکہ شیخ العالم تھے۔ آپ نے 1327ھ میں قرآن کے ترجمے کی ابتداء کی اور سوا تین سال میں صرف دس پاروں کا ترجمہ کر سکے اس کے بعد باقی بیس پاروں کا ترجمہ مالٹا کی جیل میں رہ کر مکمل کیا۔

آپ کی پیدائش 1851ء میں بریلی میں ہوئی۔ 1867ء مطابق 1283 ہجری میں دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا تو آپ اس کے اوّل طالب علم تھے۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور دیگر اساتذۂ عالی مقام سے دیوبند و میرٹھ میں رہ کر حدیث پاک اور دیگر اعلیٰ علوم حاصل کیا۔ آپ کے دورِ صدارت میں دارالعلوم کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی۔ آپ نے آزادی کی جدوجہد اُس وقت شروع کر دی تھی جب کہ انڈین نیشنل کانگریس وجود میں بھی نہیں آئی تھی۔ 1878ء میں انجمن ”تمرۃ التربیت“ قائم کر کے جدوجہد کا آغاز کیا۔ 1916ء میں تحریک ”ریشمی رومال“ کے نام سے آپ کی انقلابی سرگرمیاں ظاہر ہوئیں۔

طاقت کے ذریعہ آزادی حاصل کرنے کے لئے ہمیں ترکوں کی مدد کی بھی ضرورت تھی۔ لہذا آپ نے یہاں ایک خفیہ پلان ریشمی رومال کے تحت مولانا عبیداللہ سندھی کو کابل بھیجا۔ اُس وقت

مکّہ، مدینہ میں ترکوں کی حکومت تھی۔ آپ حج کے لئے بہانہ بنا کر ڈاکٹر مختار احمد انصاری سے مالی امداد لے کر مکّہ چلے گئے تھے۔ وہاں آپ نے مکّہ کے گورنر غالب پاشاہ اور مدینہ میں ترکی حکومت کے وزیر جنگ انور پاشا سے ملاقات کی۔ اسکے علاوہ فوجی افسر جمال پاشا سے بھی آپ کی ملاقات ہوئی۔ اُنہوں نے مولانا کو پوری مدد دینے کا وعدہ کیا اور کہا کہ آپ لوگوں کو اصلی مدد تو ہندوستان ہی سے لینی ہوگی۔ پھر بھی انھوں نے مدد کے لئے خط لکھ دیا تھا۔ شیخ الہندؒ نے کابل میں ہندوستان کی آزادی کے لئے ایک عبوری حکومت بھی بنائی تھی۔ راجہ مہیندر پرتاپ کو اس کا صدر اور مولوی برکت اللہ کو وزیر اعلیٰ بھی بنایا گیا۔ اچانک مکہ کا حاکم شریف حُسین انگریزوں سے مل گیا اور ترکی حکومت کے خلاف بغاوت پر کھڑا ہوگیا۔ اس وجہ سے یہ ساری اسکیم ختم ہوگئی۔ آخر شیخ الہند 17 رستمبر 1916ء میں گرفتار کر لئے گئے۔ اور چار سال تک اُنہیں مالٹا کی جیل میں نظر بند کر دیا گیا۔ جیل میں آپ کے ساتھی حکیم نصرت حُسین کو کافی تکلیفیں دی گئیں، یہاں تک کہ وہ جیل میں ہی انتقال کر گئے۔

جب محمود الحسن کے جسم کو لوہے کی گرم سلاخیں لگائی جاتیں اور انگریز کے حق میں فتویٰ مانگا جاتا تو آپ فرماتے ''میں بلالؓ کا وارث ہوں میری چمڑی اُدھڑ سکتی ہے مگر انگریزوں کے حق میں فتویٰ نہیں دے سکتا''۔

اُنہیں یہ فکر ہے ہر دم، نئی طرزِ جفا کیا ہے
ہمیں یہ شوق ہے دیکھیں ستم انتہا کیا ہے

آخر مئی 1920ء میں آپ کو مالٹا کی جیل سے رہا کیا گیا۔ تب مولوی صاحب اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ بمبئی کے سمندر کے کنارے پہنچے اُس وقت پہلی جنگِ عظیم ختم ہو چکی تھی اور خلافت تحریک کا بول بالا تھا۔ رحیم بخش کی رائے کے مطابق آپ بمبئی سے سیدھے دیوبند چلے گئے۔ راستے میں ہر اسٹیشن پر آپ کا استقبال کیا جا رہا تھا۔ زندگی کے آخری دور میں بھی آپ نے 21 راکتوبر 1920ء کو علی گڑھ میں ایک جلسے کی صدارت کی۔ اس کے ایک ماہ بعد دلی میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی کوٹھی پر آپ کا انتقال ہوگیا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(شری میوارام۔ کی کتاب ''مسلمان مجاہدین'' صفحہ 197-196)

219. مولانا برکت اللہ بھوپالی (لیلائے آزادی) 1862ء تا 1927ء

مولانا برکت اللہ بھوپالی جنگِ آزادی کے عظیم مجاہد، غدر پارٹی کے بانی اور تحریکِ شیخ الہند کے جانباز سپاہی تھے۔ 1862ء میں آپ بھوپال میں پیدا ہوئے۔ 1878ء میں علوم رسمیہ سے فارغ ہو کر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ کچھ عرصہ بمبئی میں رہ کر انگلش کی تعلیم حاصل کی۔ 1890ء میں انگلینڈ چلے گئے پھر آزادیٔ وطن کے لئے ملکوں ملکوں کی خاک چھانی، یورپ و ایشیاء کا چپہ چپہ چھان مارا۔

لندن، امریکہ، ترکی، فرانس، جرمنی، ڈنمارک، جاپان، روس، افغانستان، عرب ممالک کا چھتیس سال تک چکر لگایا اس لئے اگر آپ کو لیلائے آزادی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ 1913ء میں امریکہ سے ''غدر'' نامی ایک اخبار جاری کیا جو ہندوستان میں آکر بڑی تعداد میں خفیہ طور سے تقسیم ہوتا تھا۔ 1927ء میں جب بوسیلس میں کانفرنس ہوئی تو آپ نے اس میں غدر پارٹی کے سرکاری نمائندے کی حیثیت سے حصہ لیا تھا۔ زندگی کا بیشتر حصہ آزادی کی دوڑ دھوپ میں بسر ہوا۔ اور خود انقلاب کی نظر ہو گئے۔ وہ 27 ستمبر 1927ء کو سان فرانسسکو (امریکہ) میں آپ نے اپنی جان سپردِ خاک کر دی۔

220. مسیح الملک حکیم اجمل خاں، 1863ء تا 1927ء

آپ کی پیدائش 1863ء میں ہوئی۔ آپ ابتداء سے ہی انگریزوں کے مخالف رہے۔ آپ کے ماتحت ایک اخبار ''الکمل'' نام سے نکلتا تھا۔ جس میں آپ انگریزوں کے ظلموں کے خلاف ہندوستانیوں کو آگاہ کرتے تھے۔ آپ نے 1894ء ''الکمل'' میں لکھا تھا۔ ''جیل خانے میں عیسائی قیدیوں کے پاس پادریوں کو جا کر علم سکھنے کی اجازت ہے، مگر ہندوستانی قیدیوں کے پاس مولویوں اور پنڈتوں کے جانے پر پابندی ہے۔ وہ اُنہیں تعلیم اور اُپدیش نہیں دے سکتے۔ اس لئے جب تک ہم ہمارا حق انگریزوں سے نہیں مانگیں گے تب تک ہمیں کچھ نہیں ملے گا۔'' آپ 1919ء میں کانگریس اور لیگ دونوں کے جلسوں میں انگریزوں کے خلاف جوشیلی تقریر کرتے تھے۔ 1921ء میں آپ کانگریس کے صدر چنے گئے، اُس وقت آپ نے کہا تھا کہ ہمارا دیش اس وقت آزادی کے درد سے کراہ رہا ہے مگر اس کے مستقبل کے لئے کسی پیغمبر کو بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ وہ اس پیدا ہوئے درد کو ختم کر سکے۔

1908ء میں آپ کو سرکار کی طرف سے مسیح الملک کے خطاب سے نوازا گیا تھا۔ مگر آپ نے 22/ جنوری 1920ء میں سرکار کا دیا ہوا خطاب مسیح الملک اور دوسرا خطاب قیصرِ ہند دونوں سرکار کو واپس لوٹا دیئے کیونکہ آزادی حاصل کئے بغیر خطاب رکھنا ان کی غیرت نے گوارہ نہیں کیا۔

”غیرت کا تقاضہ ہے کہ بڑھ کر اسے ٹھکرا دے
جب حقارت سے کوئی سونے کا نوالہ دے“

جب آپ 1922ء میں سول نافرمانی کمیٹی کے صدر منتخب ہوئے تھے تب آپ کی زندگی ایک ایسے حالات سے گذر رہی تھی۔ جس کے بارے میں ایک مصنف نے لکھا ہے کہ ایک بار جب حکیم صاحب نینی تال سے رامپور پہنچے تو معلوم ہوا کہ سرکار کا حکم ہوا ہے کہ کوئی صاحب سرکار کے سامنے پگڑی باندھے بغیر نہیں جاسکے گا۔ تب آپ نے اپنے نوکر کو بھیج کر بازار سے ایک ٹوپی منگوائی اور اُسے پہن کر جب سرکار کے سامنے حاضر ہوئے تو کورٹ میں جج مسٹر ہینز ایک منٹ تک آپ کو دیکھتا رہا، وہ سمجھ گیا کہ یہ پگڑی کے قانون کا جواب ہے۔ جب گاندھی جی اور مولانا محمد علی جوہر جیل میں تھے تب حکیم صاحب نے ہی کانگریس اور خلافت کمیٹی کو بچائے رکھا تھا۔ ورنہ انگریز ہندو مسلم بھید بھاؤ کا بیج بو دیتے اور اُن کی ایکتا ختم کر دیتے۔ اُس وقت آپ نے کہا تھا کہ ”ہندوستان کے رہنے والے تمام مذہب کے لوگ جب تک اپنے آپ کو ایک قوم نہیں سمجھ لیں گے تب تک آزادی ہم سے دور رہے گی۔“

آزادی ہند کی ہر تحریک میں آپ کا قائدانہ رول رہا ہے۔ کانگریس ہو، تحریک خلافت ہو، یا تحریک ترکِ موالات، مسلم لیگ ہو یا جمیعۃ العلماء ہند ہو آپ نے سب میں قیادت کا رول ادا کیا ہے۔ طبیہ کالج دہلی آپ کی عظیم یادگار ہے آپ سینکڑوں غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کے مسیحا تھے۔ 28، 29 دسمبر 1927ء کی رات میں ملک وملت کا یہ مسیحا رامپور میں اپنے خالقِ حقیقی سے جاملا۔

221. مہاتما گاندھی 1869 تا 1948ء

مہاتما گاندھی کا پورا نام موہن داس کرم چند گاندھی تھا اور پور بندر کاٹھیا وارڈ میں 2/ اکتوبر

1869 کو پیدا ہوئے۔ 1888ء میں انگلستان گئے جہاں 1891ء بیرسٹری کا امتحان دیا اور 1893ء میں ہندوستان واپس آئے اور تحریک آزادی میں حصہ لینا شروع کیا۔

سیٹھ دادا عبداللہ نے گاندھی جی کو ڈربن (افریقہ) بلا لیا، کیونکہ وہاں ہندوستانیوں کی حالت بہت خراب تھی اور انگریز اُنہیں گری ہوئی نظر سے دیکھتے تھے۔ سیٹھ عبداللہ کی مالی امداد سے گاندھی جی نے ہندوستانیوں کو کچھ حقوق دلانے کی کوشش کی اور اُن کے حالات سدھارے۔ افریقہ میں رہ کر گاندھی جی نے اپنے بھائیوں کے لئے جو کام سیٹھ عبداللہ کی مدد سے کیا اُن کے کاموں نے موہن داس کرم چند گاندھی کو مہاتما بنانے میں مدد کی۔

گاندھی جی 1919ء میں ہندوستانی سیاست میں ایک عظیم لیڈر کی حیثیت سے اُبھرے۔ آپ خان عبدالغفار خان (سرحدی گاندھی) کے ساتھی تھے۔ گاندھی جی نے مولانا آزاد، شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر کے ساتھ کانگریس اور خلافت کمیٹی کا ساتھ دیا اور دوسری قوموں کو جوڑ کر آزادی کی لڑائی لڑی۔ کئی بار جیل گئے۔ خلافت کمیٹی سے گاندھی جی کو اُن کے دوروں کا خرچ بھی ملتا تھا۔ ملک آزاد ہونے کے بعد 31/جنوری 1948ء کو آپ ایک اہم مذہبی، جنونی، فرقہ پرست ناتھورام گوڈسے کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ سیاسی لیڈر ہونے کے ساتھ بڑے درجہ کے انگریزی کے صحافی بھی تھے۔ اُن کی تمام تحریروں کو حکومت ہند نے 92 جلدوں میں شائع کیا ہے۔

222. مولانا عبیداللہ سندھی 1871ء تا 1944ء

مولانا عبیداللہ سندھی کا جنم 10/مارچ 1871ء میں پنجاب کے ایک ہندو سے سکھ بنے خاندان میں ہوا تھا۔ آپ کے والد کا نام رام سنگھ تھا۔ جو ایک سُنار تھے۔ اُن کے بیٹے نے تعلیم حاصل کرنے کے بعد 15/اگست 1887ء کو کابل میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ اُن کی والدہ نے اسلام مذہب قبول نہیں کیا تھا۔ پھر بھی وہ اپنے بیٹے کے ساتھ رہتی تھی۔ کیونکہ ماں ان کے حصہ میں تھی جیسا کہ ایک شاعر منور رانا نے کہا تھا۔

"کسی کو گھر ملا حصے میں یا کوئی دکاں آئی
میں گھر میں سب سے چھوٹا تھا میرے حصے میں ماں آئی"

اسکول کے زمانہ میں آپ نے تحفۃ الہند اور تقویۃ الایمان وغیرہ کتابوں کا مطالعہ کر کے اسلام قبول کیا تھا۔ مولانا محمود الحسنؒ نے آپ کو کابل بھیجا تھا وہاں کابل سرکار نے اُن کو نظر بند کر دیا تھا۔ کیونکہ آپ ہندوستان میں انقلاب لانے کے لئے ہی وہاں گئے تھے۔ جب جرمنی مشن کے راجہ مہیندر پرتاپ کابل تشریف لائے۔ تب دوسرے ہندوستانیوں کے ساتھ عبیداللہ کو بھی رہا کر دیا گیا۔ وہاں کی بنائی ہوئی آزاد عبوری سرکار میں آپ کو جنرل اور وزیر داخلہ کا قلمدان دیا گیا تھا۔ ریشمی رومال تحریک کی معرفت آپ تمام خبریں شیخ الہند کو مکہ میں بھیج دیتے تھے۔ جب آپ نے ایک خط ریشم پر لکھ کر کاغذ کے پھولوں کی شکل میں بھیجا تو خط عبدالحق نام کے ایک لڑکے کے ہاتھ میں لگ گیا اور اُس نے خط خان بہادر حق نواز خاں کو دے دیا جنہوں نے اسے سرکار تک پہنچا دیا اور اس طرح اُن کی سازش کا پتہ لگ گیا۔ اور مولانا سندھی کو کابل کی جیل میں بند کر دیا گیا۔

11/فروری 1919ء میں کابل کے امیر حبیب اللہ کو باغیوں نے قتل کر دیا اُن کا لڑکا امان اللہ خاں جب امیر بنا، تو اُنہوں نے مولانا سندھی کو اور اُن کے ساتھیوں کو چھوڑ دیا اور وہ مولانا سے حکومت کے کاموں کے لئے رائے مشورے لینے لگا۔ اُن کی رائے مان کر ہی افغانستان نے انگریزوں کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا تھا۔ یہ جنگ 24/جولائی 1899ء تک چلی۔ اس کے بعد افغانستان کو آزاد کر دیا گیا۔ مگر ایک شرط یہ بھی تھی کہ مولانا سندھی یہاں کوئی تحریک نہیں چلائیں گے۔ لہٰذا آپ نے ہمیشہ کے لئے کابل چھوڑ دیا۔ مگر وہاں آپ نے آل انڈیا کانگریس قائم کر دی۔ اس کے بعد مولانا 7 ماہ تک روس میں رہے۔ لالہ لاجپت رائے اور ڈاکٹر انصاری جب ترکستان تشریف لے گئے تو آپ کی اُن سے ملاقات ہوئی۔ پنڈت جواہر لال نہرو سے بھی ملے۔ آخر میں 22/سال کی جلاوطنی کے بعد آپ دلی واپس لوٹے اور آخر دم تک آزادی کے لئے تڑپتے ہوئے 21/اگست 1944ء کو دین پور (بھاولپور) میں انتقال کر گئے۔

(مسلمان مجاہدین)

223. مولانا شوکت علی 1873ء تا 1933ء

مولانا شوکت علی نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے 1895ء میں بی۔ اے۔ پاس کیا۔ گریجویٹ ہونے کے بعد سرکاری محکمہ میں اچھے عہدہ پر فائز ہوئے۔ سر آغا خان کے پرائیویٹ سیکریٹری بھی رہے۔ ملک اور قوم کی خدمت کرنے کے لئے پینشن لے لی۔ آزادی کی تحریک میں مردانہ وار حصہ لیا۔ 30/مئی 1915ء میں گرفتار ہوئے اور دسمبر 1919ء میں رہائی ملی۔

پھر تحریک خلافت کے موقع پر کراچی میں سزا بھگتی اور دیگر رفقاء کے ہمراہ دو سال کراچی جیل میں رہے اسی زمانہ میں آپ نے اپنے چھوٹے بھائی محمد علی جوہر کے ساتھ مل کر تحریک میں حصہ لیا اس وجہ سے دونوں بھائی علی برداران کے نام سے مشہور ہوئے اور اس وقت ملک کے گلی کوچوں میں بچہ بچہ کی زبان پر یہ شعر پڑھا جانے لگا۔

بولی اماں محمد علی کی ساتھ تیرے شوکت علی بھی جان بیٹا خلافت پہ دیدو

آپ 26/نومبر 1933ء کو دہلی میں انتقال کر گئے۔

224. مفتی اعظم مولانا مفتی کفایت اللہؒ، 1875ء تا 1952ء

آپ بیک وقت محدث، مفسر، فقیہ، ادیب، شاعر، ریاضی داں، سیاست داں اور مجاہد سب کچھ تھے۔ آپ کی 55 سالہ زمانۂ تدریس میں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں ارباب فضل وکمال تیار ہوئے۔ آپ پہلی بار 1930ء کی تحریک سول نافرمانی میں 11/اکتوبر 1930ء کو گرفتار ہو کر گجرات جیل میں رہے۔

دوسری بار جمیعۃ العلماء ہند کے ڈکٹیٹر کے طور پر 31/مارچ 1932ء میں ایک لاکھ افراد کے جلوس کی قیادت کرتے ہوئے گرفتار ہوئے اور ایک سال چھ مہینے ملتان جیل میں رہے۔ اس کے علاوہ تحریک ارتداد کا مقابلہ 1926ء میں شاہ سعود مؤتمر اسلامی اور 1938ء میں فلسطین کانفرنس قاہرہ میں شرکت ورہنمائی کی۔

آپ کی زندگی خلافت تحریک سے شروع ہوئی۔ جمیعۃ العلماء ہند کی بنیاد 1919ء میں ہوئی وہاں سے 1940ء تک لگاتار 20 سال تک آپ اُس کے صدر رہے۔ فقہ اور فتویٰ دینے میں ہندوستان اور پاکستان میں آپ کے مقابل اور کوئی دوسرا عالِم دین نہیں تھا۔ آپ اپنے وقت کے امام تھے۔ آپ نے

تعلیم الاسلام بچوں کے لئے ایک بہترین کتاب لکھی ہے جو زیادہ تر مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ آپ مدرسہ امینیہ کے شیخ الحدیث اور صدر مدرسین رہے۔ آپ کا انتقال دلی میں 31/دسمبر 1952ء کو ہوا۔ آپ محض دلی میں ظفر محل میں دروازے کے پاس دفن ہیں اور مزار پر کتبہ لگا ہوا ہے۔

آپ نے انگریزوں کے خلاف ترک موالات کا فتویٰ صادر کیا تھا۔ جس پر تقریباً 500 علمائے دین کے دستخط تھے۔ یہ فتویٰ ملک کے کونے کونے میں بھیجا گیا تھا۔ اس میں آپ کا نام سب سے آگے ہے۔

225. قائدِ اعظم محمد علی جناح، 1876ء تا 1948ء

مسلم لیگ کے قائدِ اعظم اور پاکستان کے بانی مسٹر محمد علی جناح 25/دسمبر 1876ء میں کراچی میں پیدا ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے لندن گئے وہاں سے 1896ء میں قانون کی ڈگری لے کر واپس آئے اور بمبئی میں وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ وہ اپنے زمانے کے کامیاب وکیل تھے۔ سیاسی زندگی کا آغاز کانگریس کے پلیٹ فارم سے کیا اور دادا بھائی نوروجی جس زمانہ میں کانگریس کے صدر تھے تب وہ ان کے سیکریٹری تھے۔

22، 23 اور 24 مارچ 1940ء میں لاہور میں مسلم لیگ کا ستائیسواں سالانہ اجلاس جناب محمد علی جناح کی صدارت میں ہوا یہ اجلاس مجمع کے لحاظ سے بہت کامیاب رہا۔ اخبارات کا بیان ہے کہ اس اجلاس میں پچاس ہزار سے زیادہ بھیڑ تھی اسی اجلاس میں پاکستان کی تجویز پیش کی گئی۔ آپ نے کہا تھا کہ۔

"ہندوستان کوئی بُت نہیں کہ اُس کی پوجا جائے، کعبہ نہیں کہ اس کی سمت منہ کر کے نماز ادا کی جائے، آسمانی صحیفہ نہیں کہ جسے بغیر وضو ہاتھ نہ لگایا جائے بلکہ وہ ایک ملک ہے اور اس لئے ہے کہ اس میں بسنے والے چین و آرام سے رہیں اگر یہ چین اور آرام صرف اس کی تقسیم ہی سے حاصل ہو سکتا ہو تو ان کا مطالبہ کانگریس اور حکومت سے صرف ایک ہے اور وہ ہے پاکستان یعنی تقسیم ہند"۔

پاکستان کا نعرہ لاہور سے اُٹھا اور پورے ہندوستان میں گونج اُٹھا۔ اس کے خلاف جس نے بھی آواز بلند کی اس کا گلا گھونٹ دیا گیا، گالیاں دی گئیں۔ اس طرح آپ پاکستان کے بانی بن گئے اور تقسیم ملک آپ کا سب سے بڑا کارنامہ ہے آپ 11/ستمبر 1948ء کو کراچی میں فوت ہو گئے۔ محمد علی جناح کبھی اردو میں تقریر نہیں کرتے تھے لیکن ان کی تقریروں کا سب سے زیادہ اثر اردو بولنے والی آبادی پر ہی پڑا تھا۔

(حیات محمد علی جناح مولف رئیس احمد جعفری)

آٹوگراف: ایک دفعہ چند طالبِ علم اپنی اپنی نوٹ بک پر جناب محمد علی جناح کا آٹوگراف لے رہے تھے ایک طالبِ علم کے پاس نوٹ بک نہیں تھی، اس نے ایک کورا کاغذ لیا اور جناب جناح صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا، جناح صاحب نے کاغذ پر دستخط کرتے ہوئے فرمایا "بیٹے! تم تو گاندھی جی سے بھی بڑے نکلے، وہ آج تک مجھ سے کسی کورے کاغذ پر دستخط نہیں کروا سکے۔ (جنگ پاکستان)

226. مولانا محمد علی جوہر، 1878ء تا 1931ء

مولانا محمد علی جوہر رام پور کے معزز خاندان میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ بے لوث سیاست داں اور شعلہ بیان مقرر تھے۔ آپ نے علی گڑھ کالج سے بی۔ اے کا امتحان اول درجے سے پاس کیا تھا مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی دونوں بھائی خلافت کمیٹی کے بانی تھے۔ اُنہیں علی برادران کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ مولانا محمد علی جوہر انگریزی ادب میں ماہر کامل تھے۔ آپ نے انگریزی میں ایک کامریڈ اخبار نکالا تھا جو انگریزی ادب میں بہت ہی عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ آپ اپنے اخبار کے ذریعہ ہندو مسلم ایکتا کو قائم کرنے کے لئے ہمیشہ پیغام دیتے رہتے تھے۔ یہ اخبار کلکتہ سے شائع کیا جاتا تھا۔ جب کانپور کی جامع مسجد کو منہدم کرنے کے سلسلے میں مسلمانوں کی مزاحمت پر گورنر مسٹن نے گولی چلانے کا حکم دیا تو بڑا ہنگامہ برپا ہوا مولانا محمد علی نے کامریڈ میں اپنے احتجاجی اور تنقیدی آرٹیکل میں کلکٹر کے ساتھ گورنر مسٹن کی بھی خبر لے ڈالی، اس پر انگریزی حکومت مشتعل ہوگئی۔ عتاب نازل ہوا۔ کامریڈ فوراً بند ہوگیا اور وہ محمد علی جو اپنی فراست اور انگریزی زبان دانی کی وجہ سے بڑے مقبول تھے۔

نظر بند کر دیئے گئے جن سے پورے ملک میں ہیجان برپا ہوگیا تقریباً ڈیڑھ لاکھ ٹیلی گرام وائسرائے برطانیہ اور وزیر ہند کو بھیجے گئے جن میں نظر بندی منسوخ کرنے کا مطالبہ تھا۔ ایک افسر برطانیہ کی وفاداری کی تحریک لے کر آیا جس پر علی برادران سے دستخط کروانا چاہتا تھا اچانک بی اماں (علی برادران کی والدہ) آگئیں جو جوشِ ایمان اور انگریزوں کی عداوت سے بھری ہوئی زبان میں فرما رہی تھیں۔ "ہمارے لڑکے کبھی حکومت کے باغی نہ تھے لیکن اسلامی فریضہ اولیت رکھتا ہے اگر میرے بچے اس بلاشرط معاہدہ پر دستخط کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ میرے جھریوں بھرے ہاتھوں میں یہ طاقت دے گا کہ میں اُن دونوں کا گلہ گھونٹ دوں،" گویا خلق خدا کو انگریزوں کی غلامی سے نجات دلانا اسلامی فریضہ ہے۔ اور جب آپ دلی تشریف لائے تو آپ نے دوسرا "ہمدرد" نام سے اُردو اخبار 1913ء کو شائع

کرنا شروع کیا۔ ہمدرد اور کامریڈ میں محمد علی نے لکھا تھا کہ۔

''میرا سب سے بڑا بادشاہ خدا ہے اور خدا نے مجھے بھی جارج پنجم، جارج کرزن، لارڈ میکالے کی طرح آزاد پیدا کیا ہے۔ اس لئے ہم کو بھی آزادی چاہئے تا کہ کوئی ہندوستانیوں کو یہ نہ کہہ سکے کہ تم تو پیدائشی غلام ہو''۔ آپ کی صحافتوں کو دیکھ کر مشہور انگریز مصنف ایچ۔ جی ویلز نے آپ کے بارے میں تعارفی کلمات کہے۔ ''مولانا محمد علی جوہر برک کی زبان۔ میکالے کا قلم اور نیپولین کا دل رکھتے ہیں۔

آپ نے ایک تقریر کرتے ہوئے 13 ر دسمبر 1919ء کو امرتسر کانگریس کے اجلاس میں کہا تھا کہ

''نمازِ عشق کا وضو خون سے ہوتا ہے آپ آزادی کے عاشق ہیں تو پھر آپ کو اس کی نماز ادا کرنے کے لئے اپنا آرام خوشیاں تن اور من کا خون بہا کر اس سے وضو کرنا پڑے گا۔ آپ کو کھادی کے کپڑوں میں گرمی لگتی ہے تو دوزخ کی گرمی یاد کریں جو اس سے کئی گناہ زیادہ ہے۔ اگر وقت آئے گا تو غیر ملکی کپڑوں کے ساتھ ساتھ اپنے بدن کی کھال بھی آزادی کے لئے دینی پڑے گی۔''

اس تقریر نے پورے ہندوستان میں غیر ملکی سامان اور کپڑوں کو آگ کے حوالے کرنا شروع کر دیا تھا۔ آپ نے 1919ء میں خلافت کمیٹی بنائی اور کانگریس میں بھی شامل رہے۔ مولانا آزاد کے بعد 1924ء میں محمد علی جوہر کناڈا کے اجلاس میں کانگریس کے صدر منتخب کئے گئے۔ اس عہدے پر آپ نے ایک سال تک خدمت کی۔

اس طرح 1930ء تک ہندو مسلم ایکتا کا سنہری دور رہا۔ چوری چورا کانڈ اور کاکوری کانڈ میں ہندو مسلم ایک دوسرے پر جان دینے کو تیار رہتے تھے۔ ایک مورخ حیدر علی لکھتے ہیں کہ ''مکمل آزادی کا نعرہ دس سال بعد 26 ر جنوری 1929ء میں پنڈت جواہر لال نہرو نے راول ندی کے کنارے پر دیا تھا۔ جسے محمد علی جوہر نے آٹھ دس سال پہلے ہی دے دیا تھا۔ محمد علی جوہر مکمل آزادی حاصل کرنے کے لئے انگریزوں کے صدر مقام لندن گئے تھے۔ اور راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں آپ نے 19 دسمبر 1930ء گرج کر کہا تھا کہ۔

''میرے ہاتھوں میں آزادی کا پروانہ چاہئے۔ میں غلام ہندوستان میں واپس نہیں جاؤں گا۔ اور اگر آپ مجھے آزادی کا پروانہ نہیں دے سکتے تو میرے لئے اسی زمین میں ایک قبر کی جگہ تو آپ کو دینی ہی ہوگی۔

''نہیں پالا پڑا قاتل تجھے ہم سخت جانوں سے

ذرا ہم بھی تو دیکھیں تری جلادی کہاں تک ہے“

مولانا جوہر نے اپنی اس تقریر میں سخت انگریزی لفظوں کا استعمال کیا تھا جس سے بہت سے انگریزوں کو ڈکشنری کا سہارا لینا پڑا تھا۔ تقریر کے بعد ایک انگریز نے آپ سے پوچھا کہ ”ہیلو مسٹر جوہر آپ نے اتنی اچھی انگلش کہاں سے سیکھی؟ تو محمد علی جوہر نے جواب دیا ہندوستان کے ایک چھوٹے سے گاؤں سے، انگریز نے پھر پوچھا ”چھوٹا سا گاؤں؟ پھر آپ نے جواب دیا علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے۔

آپ کو جب آزادی کا پروانہ نہیں ملا تو کچھ دن بعد آپ وہیں بیمار پڑ گئے اور سات سمندر پار 4/جنوری 1931ء میں ہائیڈ پارک ہوٹل لندن میں انتقال کر گئے۔ حکومت برطانیہ نے اپنے خرچ سے اُن کی نعش بیت المقدس قبلۂ اول بھیجی۔ جہاں آپ سپردِ خاک کردیئے گئے۔ اُن کا یہ شعر آج بھی اُن کی یاد دلا رہا ہے۔

کیا ڈھونڈتے ہو فصلِ خزاں میں بہار کو
اب وہ چمن کہاں ہے وہ رنگِ چمن کہاں

سید احمد وزیر مہاراشٹر نے اپنی کتاب ”مقتل سے منزل تک“ میں محمد علی جوہر کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ مہاتما گاندھی جب سفر پر جاتے تھے تو اُن کا تمام خرچ خلافت سے ہی ادا کیا جاتا تھا۔ چاہے، ہم قید میں ہوں تو بھی اُن کے تمام دوروں کا خرچ خلافت کمیٹی ہی ادا کرتی تھی۔ یہاں تک کہ کانگریس کے لئے ایک کروڑ روپیہ جمع کرتے وقت بھی مہاتما گاندھی کا تمام خرچ خلافت کمیٹی ہی نے ادا کیا تھا۔

خوب واقف ہیں سبھی شوکت و جوہر سے یہاں
تھے جو تحریکِ خلافت کے کبھی روحِ رواں
جن کا ہر گام تھا دشمن کے لیے سنگِ گراں
جس کی تقریروں سے تھا قصرِ ولایت گرزاں

227. مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ 1878ء تا 1926ء

آپ ایک ممتاز عالم اور سیاسی رہنما تھے۔ 4/اپریل 1878ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے 1911ء میں درس و تدریس سے نکل کر ملکی سیاست میں قدم رکھا۔ 1914ء میں آپ نے ”انجمن خدامِ کعبہ“ قائم کی۔ 1919ء میں جمعیۃ العلماء الہند میں اہم کردار ادا کیا۔ خلافت کمیٹی میں پیش پیش

رہے۔ علی برادران کے پیر و مرشد اور مہاتما گاندھی کے دوست تھے۔ علماء دیوبند سے مسلک میں اختلاف کے باوجود آپ انتہائی ادب سے پیش آتے۔ حضرت شیخ الہند کی تحریک سے وابستہ تھے جمیعۃ العلماء ہند کا پہلا اجلاس امرتسر میں آپ کی صدارت میں ہوا۔ مذہب اور اظہارِ حق اور مہمان نوازی میں آپ خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ 19 رجنوری 1926ء جنوری کو علم وعمل کا یہ ستارہ غروب ہوگیا۔

228. لوک مانیہ تلک اور مولانا حسرت موہانی 1878ء تا 1951ء

آپ 1878ء میں قصبہ موہان میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ نے 1894ء میں موہان سے میڈل پاس کیا اور پورے اسکول میں اول درجہ حاصل کیا۔ آپ نے 1903ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے گریجویشن پاس کیا۔ آپ اُردو کے مشہور شاعر بھی اور انگریزی سرکار کے دشمن بھی۔ آپ کی ساری عمر غریبی میں ہی گزری، مگر حق بات کہنے سے آپ کبھی پیچھے نہیں رہے۔ مولانا نے 1903ء میں اُردوئے معلّی رسالہ نکالا تھا، جسے بہت عزت وادب کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ اُن کی شاعری پر ریسرچ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی جاتی تھی۔ مولانا کا یہ رسالہ آزادی کے متوالوں کو بھی اُن کی منزل کا راستہ دکھلاتا تھا۔ مولانا انگریزوں کے کٹر دشمن اور سیاست میں لوکمانیہ تلک کے ساتھی تھے۔ اور اُن کا نعرہ تھا ”آزادی ہمارا پیدائشی حق ہے“ اپنی شعری تخلیقات میں بھی اُنہوں نے ”تلک مہاراج“ کے نام سے اُنہیں خطاب کیا ہے۔ مہاتما گاندھی سے اُن کے خیالات نہیں ملتے تھے اس لئے اُن کی گاندھی جی سے کبھی نہیں بنتی تھی، کیونکہ گاندھی جی نرم تھے اور وہ گرم۔ مولانا موہانی نے سب سے پہلے مکمل آزادی بات کانگریس کے احمد آباد کے اجلاس 1921ء میں رکھی تھی۔ جو گاندھی جی کی وجہ سے ناکام ہوگئی۔ مولانا حسرت پر جب بغاوت کا مقدمہ چلا تو اُنہیں بھی دو سال کی قید بامشقت کی سزا ہوئی اور اُن پر 500 روپیہ جرمانہ عائد کیا گیا۔ جرمانہ کی رقم ادا نہ کرنے پر اُن کے کتب خانے کی جن میں 4000 روپیوں کی نایاب کتابیں تھیں صرف ساٹھ روپئے میں بیچ دی۔ مولانا خود لکھتے ہیں کہ ”وہ نایاب کتابیں، وہ قلمی نسخے، جن کی نقل دوسری جگہ نہیں مل سکتی ان سب کو پولس کے جاہل نوجوان تھیلوں میں بھر بھر کرلے جارہے تھے۔“ مولانا جیل میں رمضان کے مہینے کی داستان کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

کٹ گیا ماہِ رمضان بھی جیل میں حسرت
گرچہ سامان سحری کا تھا نہ افطار کا

1908ء میں آپ کو سب سے پہلے گرفتار کیا گیا۔ جب کہ اُس وقت بڑے سے بڑے لیڈر آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ 1916ء میں مولانا دوبارہ قید کر لئے گئے۔ آپ کی بیگم نشاط النساء جن کی ساری زندگی بھی آزادی کے لئے وقف رہی۔ جب حسرت قید میں تھے تو بیگم حسرت نے وزیر ہند سے ملاقات کی جن کے ساتھ ہندوستان کی اور عورتوں نے ساتھ دیا۔ مولانا حسرت کو پھر 1924ء میں برطانیہ تاج شاہی کے خلاف بغاوت کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا اور اُنہیں دفعہ نمبر A/124 کے تحت پونہ جیل بھیج دیا گیا۔ مولانا حسرت موہانی نے تب انگریزوں کی جیل میں چکی پیستے ہوئے کہا تھا۔

ہے مشقِ سخن جاری چکّی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

حسرت موہانی کے بارے میں مولانا شبلی نعمانی نے کہا تھا کہ ''تحریک آزادی میں حسرت کے کارناموں کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔'' فراق رگھوپتی سہائے گورکھپوری نے اُن کی شاعری کے متعلق کہا تھا'' کہ اُردو غزل کی ڈھائی سو سال کی تاریخ میں حسرت موہانی کا تغزل ایک نشاطِ ثانیہ کا درد رکھتا ہے۔'' حسرت موہانی نے 30 ر دسمبر 1921ء میں مسلم لیگ کے چودھویں اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''مسلم لیگ کا مقصد بھی برطانیہ حکومت سے مادرِ وطن کو بنا شرط کے آزادی دلانا ہے۔'' مولانا حسرت نے غیر ملکی سامان کا بائیکاٹ کرنے کے لئے سب سے پہلے علی گڑھ میں دیسی مال کا اسٹور کھولا تھا۔ آپ کا انتقال 13 ر مئی 1951ء میں لکھنؤ میں ہوا تھا۔

مولانا حسرت موہانیؒ نے 1938ء میں ہندوستانی مسلمانوں کی طرف سے قاہرہ میں منعقد فلسطینی کانفرنس میں بھی شرکت کی تھی۔ مگر ان کا وہی قلندرانہ انداز۔ وہی فقیرانہ رنگ۔ وہی تھرڈ کلاس کا سفر۔ وہی پرانی چپل۔ وہی بابا آدم کے زمانے کی گھڑی۔ کبھی دفتر میں قیام تو کبھی مسجد کے حجرے میں۔ فطرت شاہانہ اور جرأت رندانہ۔

اللہ نے لکھ کر میری قسمت میں غریبی
فرمایا مزاج اس کا امیرانہ بنا دو

مولانا حسرت کی ایک مشہور غزل

چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے
ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانہ یاد ہے

بارہا اٹھنا اسی جانب نگاہ شوق کا
اور ترا دانتوں میں وہ انگلی دبانا یاد ہے

229. بمبئی کے چار مینار (مجاہدین)

بمبئی کے ان چار میناروں نے کانگریس اور خلافت کو اتنی عزت بخشی اور مالی امداد دی جسے کبھی بھلایا نہیں جاسکے گا۔ 1. سیٹھ دادا عبداللہ (ڈربن) 2. نصیر اللہ حاجی میاں چھوٹانی بمبئی 3. سیٹھ عمر سبحانی (بمبئی) 4. سیٹھ عبدالحبیب (مارفانی) انہوں نے کانگریس اور خلافت کی تحریکوں میں حصہ لیا تھا۔ یہ لوگ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کے چاہنے والے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو مہاتما گاندھی کے بھی چاہنے والے تھے۔

1.) **سیٹھ دادا عبداللہ ڈربن:** سیٹھ دادا عبداللہ نے گاندھی جی کو ڈربن (افریقہ) بلالیا تھا، کیونکہ وہاں ہندوستانیوں کی حالت بہت خراب تھی اور انگریز اُنہیں گری ہوئی نظر سے دیکھتے تھے، انہیں غلام سمجھتے تھے۔ جبکہ غلامی کروانے کا اُنہیں کوئی حق نہیں تھا۔ سیٹھ عبداللہ کی مالی امداد سے گاندھی جی نے ہندوستانیوں کو کچھ حقوق دلانے کی کوشش کی۔ جس میں وہ کامیاب ہوئے۔ اُن کے حالات سُدھارے۔ افریقہ میں رہ کر گاندھی جی نے اپنے بھائیوں کے لئے جو کام سیٹھ عبداللہ کی مالی امداد سے کیا اُن کے کاموں نے موہن داس کرم چند گاندھی کو مہاتما گاندھی بنانے میں مدد کی۔

2.) **نصیر اللہ حاجی میاں چھوٹانی:** آپ نے کانگریس اور خلافت کو اتنی مالی امداد دی کہ اپنے آپ کو برباد ہی کر ڈالا۔ وہ کروڑوں روپیوں کے مالک تھے مگر کوڑیوں کے ہو گئے۔ امیر تھے مگر فقیر ہو کر مرے۔ وطن پر سب کچھ قربان کر دینے والے حاجی میاں کو کبھی بھلایا نہیں جاسکے گا۔ چھوٹانی برادری نے اپنی لکڑی کی میل اور بہت سی عمارتیں آزادی کے لئے علی برادران محمد علی و شوکت علی کو سونپ دی تھی۔ اس وجہ سے انگریزی سرکار نے اُن کے کاروبار پر پابندی عائد کر دی تھی۔

محفل اُن کی، ساقی اُن کا آنکھیں میری، باقی اُن کا

3.) **سیٹھ عمر سبحانی:** آپ کا تعلق میمن برادری سے تھا آپ کوٹن (کپاس) کی تجارت کیا کرتے تھے۔ اور ایک مل (Mill) کے مالک تھے کانگریس اور گاندھی جی کو ضرورت پر مالی امداد فراہم کرتے تھے۔

آپ کا تعلق کچھی میمن برادری سے تھا۔ آپ کو وطن سے کتنی محبت تھی اس کا خلاصہ ایک مورخ شری میوارام نے کیا ہے۔ سبحانی کاٹن کی تجارت کرتے تھے اور مل (Mill) کے مالک تھے۔ رابطہ نامی

رسالے 1997ء میں لکھا ہے کہ 1920ء میں ایک ہی بار انہیں کاٹن کے کاروبار میں پونے دو کروڑ روپیوں کا فائدہ ہوا تھا۔ محمد عمر سبحانی انڈین نیشنل کانگریس کے ممبر تھے اور بیرسٹر محمد علی جناح سے بھی آپ کے اچھے تعلقات تھے۔ خلافت تحریک میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ جس وقت لوکمانیہ تلک نے سوَراج فنڈ قائم کیا تھا تب مہاتما گاندھی نے آزادی کے فنڈ کے لئے نعرہ لگایا تھا کہ ''ایک کروڑ روپے اور آزادی'' تب سیٹھ سبحانی نے سب سے آگے بڑھ کر آزادی حاصل کرنے کے لئے مہاتما گاندھی کو ایک بلینک چیک بُک اپنے دستخط کر کے دے دی تھی۔ اور کہا تھا کہ آپ جتنا روپیہ چاہیں بھر لیں۔ اُس وقت مہاتما گاندھی نے ایک لاکھ روپیوں کا چیک بھرا۔ اور لوگوں سے کہا کہ'' اگر مجھے سبحانی جیسے سو (100) دیش پریمی مل جائیں تو مجھے بمبئی سے باہر فنڈ جمع کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔''

یہ تھی اُن کی حب الوطنی جس پر مسلمانوں کو اور میمن برادری کو ناز کرنا چاہئے۔ آخر یہ دیش پریمی سیٹھ عمر سبحانی 1926ء میں ہی انتقال کر گئے۔ مہاتما گاندھی نے اپنی جیون کتھا میں محمد عمر سبحانی کو حیاتِ جاوداں عطا کیا تھا۔ (رابطہ 1997)

4.) سیٹھ عبدالحبیب مارفانی (ہندسیوک): آپ رنگون میں تجارت کیا کرتے تھے۔ نیتا جی سبھاش چندر بوس کو آپ نے بہت مالی امداد دی اس کے علاوہ اور بھی بہت سی مدد کی۔ جس سے خوش ہو کر نیتا جی نے آپ کو ہندسیوک کے خطاب سے نوازا۔

اس طرح ان چار بڑی شخصیتوں نے میمن برادری کا نام آزادی میں روشن کیا ہے۔ ان کو میمن برادری کے چار بلند مینار کہا جاتا ہے۔

یہ مرتبہ بلند جسے مل گیا ملا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

(مسلمان مجاہدین صفحہ 181-180)

230. شہید سیّد گینو بابو، 12/دسمبر 1930ء

جب گاندھی جی نے 6/اپریل 1930ء کو گجرات کے سمندری کنارے ڈانڈی نمک کا قانون توڑا تب 5/مئی کو اُن کو گرفتار کر لیا گیا۔ اُس وقت ہڑتال زوروں پر تھی۔ اور غیر ملکی کپڑوں کی ہولی جلائی جا رہی تھی۔ بمبئی کے مولجی جیٹھا مارکیٹ میں غیر ملکی کپڑوں سے لدا ہوا ایک ٹرک لایا گیا۔ کانگریس کے

والینٹر اُس ٹرک کو روکنے کے لئے بے چین ہو رہے تھے۔ والینٹر ٹرک کے مالک سے ہاتھ جوڑ کر اُسے واپس لے جانے کے لئے التجاء کر رہے تھے۔ لیکن مالک تیار ہی نہیں تھا۔ ایسی حالت میں جنگِ آزادی کے مجاہد سید گینو بابو کو جوش آ گیا۔ اُنہوں نے للکار کر کہا کہ ٹرک میرے سینے کے اوپر سے ہی جا سکتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ ٹرک کے آگے لیٹ گئے۔ ٹرک والا بدتمیز اور بیہودہ اور ضدی تھا اُس نے انسان کا خیال ہی نہیں کیا اور گینو بابو کے سینے کے اوپر سے ٹرک نکال دیا۔ ٹرک سے گینو بابو بُری طرح کچل گئے اور زمین اُن کے خون سے لال ہو گئی ۔

لگاؤ آنکھوں سے اس خاکِ پا کو گپتا
لہو سے جس کو شہیدوں نے لالہ زار کیا

(میوارام گپتا)

اس طرح گینو بابو دیش کی آزادی کے لئے شہید ہو گئے۔ یہ واقعہ 12/دسمبر 1930ء کا ہے۔ گینو بابو ایک سوتی میل میں نوکری کرتے تھے۔

کرافوڈ مارکیٹ بمبئی کے پاس پرنس اسٹریٹ کی ایک گلی کے نکڑ پر سید گینو بابو کے نام کا ایک بورڈ اُن کی یاد دلانے کے لئے لگا ہوا ہے۔ (مسلمان مجاہدین صفحہ نمبر 111-108)

231. امر شہید باپ بیٹا (شولا پور) 12/جنوری 1931ء

یہ دردناک واقعہ شولا پور مہاراشٹرا کا ہے جب کہ پونہ کی بدنام جیل میں 12/جنوری 1931ء کو باپ حسن احمد قربان علی اور بیٹا عبدالرسول، ملپا دھن سیٹھی، جگناتھ سنگھ دیو اور شری کرشن شارڈا ان پانچوں کو پھانسی پر لٹکایا گیا تھا اُن سب پر سرکار کے ساتھ بغاوت کرنے کا الزام تھا۔

بلا سے ہم کو لٹکائے اگر سرکار پھانسی سے
کہ صابر جھولتے ہیں دیش کے سردار پھانسی سے

ڈانڈی مارچ کی واپسی کے وقت گاندھی جی شولا پور کے آشرم میں ٹھہر گئے جبکہ 6/اپریل 1930ء کو نمک کا قانون توڑ چکے تھے۔ پنڈت جواہر لال نہرو اور مہاتما گاندھی گرفتار کر لئے گئے۔ اس

وجہ سے شولا پور میں شعلہ سا بھڑک اُٹھا جب سرکار نے اُن پر لاٹھی چلائی تو پبلک نے اینٹ پتھروں سے پولیس والوں کو زخمی کر دیا۔ سرکاری عمارتوں میں آگ لگا دی اور اُنہوں نے تین انگریز پولیس والوں کو آگ میں جھونک دیا۔ اس وجہ سے شولا پور میں مارشل لاء لگا دیا گیا۔ عبدالرسول اور اُس کا باپ حسن احمد اور تین دوسرے مجاہدین کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان سب پر بغاوت آگ زنی اور قتل کا مقدمہ چلا اور 12 جنوری 1931ء کو یروڈا جیل پونہ میں پھانسی دے دی گئی۔

اے میرے وطن کے لوگو
ذرا آنکھ میں بھر لو پانی
جو شہید ہوئے ہیں ان کی
ذرا یاد کرو قربانی

(پردیپ)

232. شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ 1879ء تا 1957ء

آپ ایک عظیم محدث اور بلند پایا شیخ طریقت تھے ان کی ذات گرامی محتاجِ تعارف نہیں کیونکہ اس آفتاب کی ضیاپاشی سے ہندوستان ہی نہیں پورا عالم منور تھا۔ راقم الحروف کے بڑے بھائی حاجی محمد حسین صاحب آپ ہی سے بیعت تھے جو رمضان شریف کے مہینے میں ایک قرآن مجید کی تلاوت روزانہ کیا کرتے تھے۔

مدنی صاحب نے درسِ نظامی کی مکمل تعلیم 1309 ہجری سے 1316 ہجری تک حضرت شیخ الہند کی آغوشِ تربیت میں رہ کر دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی۔ روحانی کمالات حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی صحبت سے حاصل کئے۔ 1316 ہجری میں اپنے والد صاحب اور پورے اہلِ خانہ کے ساتھ حج ادا کیا اور 1335 ہجری تک مدینہ منورہ میں شرف حضوری حاصل کیا۔ اس عرصہ میں تین بار ہندوستان

آئے اور گئے۔ اس طرح کم و بیش چودہ سال مسجد نبوی ﷺ میں درس کی سعادت حاصل رہی۔ پھر حضرت شیخ الہند کے ساتھ مالٹا جیل کی ہوا کھائی۔ پہلی جنگِ عظیم کے موقع پر جرمنی کی ہار کے بعد مکہ کے شریف حسین نے آپ کو گرفتار کرلیا تھا۔ آپ مالٹا جیل سے 1920ء میں رہا ہوئے۔ 1336 ہجری میں دارلعلوم دیو بند کے منصب صدارت اور مسند شیخ الحدیث پر فائز ہوئے اور تا حیات قائم رہے۔ سینکڑوں افراد آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ صدہا مدارس قائم کئے اور ان کی سرپرستی فرمائی۔

ہندوستان کی تحریک آزادی میں تحریک ریشمی رومال، تحریک خلافت اور جمعیۃ العلماء ہند کے پلیٹ فارم سے قائدانہ کردار ادا کیا۔ حضرت مدنیؒ۔ حضرت شیخ الہندؒ کی وفات سے چند روز پہلے کلکتہ جانے کے لئے روانہ ہوئے مگر کلکتہ نہیں پہونچے تھے کہ شیخ الہند کی وفات ہوگئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

قسمت کی بد نصیبی کو صیاد کیا کرے
سر پر گرے پہاڑ تو فریاد کیا کرے

شیخ الہند کے 1920ء کے وصال کے بعد قوم کی قیادت کی۔ کراچی کی عدالت میں آپ قیدی ملزم نمبر 2 کی حیثیت سے تاریخ 29 ستمبر 1921ء کو حاضر ہوئے وہاں آپ نے جو بیان دیا تھا اُس کی جھلک کراچی کا مقدمہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ جس میں دو دو سال قیدِ بامشقت کی سزاء سنائی گئی تھی۔

آزادی کے لئے آپ چار بار قید کئے گئے اور تقریباً ساڑھے سات سال فرنگیوں کی قید میں رہے۔

بندھے بستر کھل گئے:۔ آزادی کے بعد قتل غارت گیری کے ماحول میں جامع مسجد دیو بند میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے کہا تھا۔ ''آج خوف اور بزدلی سے تم گھروں میں بیٹھے ڈرتے ہو اور راستہ چلتے ہوئے ڈرتے ہو خوف کے مارے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہے ہو، آخر کہاں جارہے ہو، کیا تم نے ایسی جگہ تلاش کرلی ہے جہاں خدا کی گرفت سے بچ سکو گے اور جہاں تم کو موت نہیں ڈھونڈ سکے گی۔ آخر موت سے بچ کر کہاں جاؤ گے۔ ایک سچا مسلمان موت سے کبھی نہیں ڈرتا۔ بہادری کے ساتھ فرقہ پرستوں کا مقابلہ کرو۔ اس ملک پر تمہارا بھی اُتنا ہی حق ہے جتنا کسی دوسروں کا''۔ حضرت مدنی نے آگے فرمایا ''اگرچہ میرا وطن مدینہ ہے اور میرا چھوٹا بھائی محمود مجھے وہاں بلانے کی تاکید کررہا ہے مگر ایسے عالم

میں مسلمانوں کو چھوڑ کر میں وہاں نہیں جاؤں گا مجھے اپنی جان و مال، عزت و آبرو دین و دنیا یہاں کے مسلمانوں پر نثار کرنی ہے۔" آپ کی اس تقریر سے ہزاروں مسلمان سہارنپور کے کیمپوں میں پڑے ہوئے پاکستان جانے کا انتظار کر رہے تھے اُن کے بندھے ہوئے بستر کھل گئے۔

1940ء میں آپ جمعیۃ العلماء ہند کے صدر بنے اور تمام عمر تک خدمت کی۔ 8,7، جون 1940ء میں جمعیۃ العلماء کا اجلاس جونپور میں آپ کی صدارت میں ہوا۔ خطبۂ صدارت جو تقریباً 48 صفحات پر مشتمل تھا۔ آپ نے کہا تھا کہ "مسلمانوں پر آزادئ ہند کا فریضہ سب سے زیادہ ہے کیونکہ مسلمانوں کو مرنے کے بعد بھی اسی سرزمین میں رہنا ہے۔ دوسرے یہ کہ انگریزوں نے اس ملک کو مسلمانوں سے چھینا ہے۔ وغیرہ۔ وغیرہ۔"

اس کے بعد ضلع مرادآباد میں 25,24,23 اپریل 1942ء کو جمعیۃ العلماء کی کانفرنس میں جو تقریر کی تھی اُس پر انگریزی سرکار نے آپ پر وارنٹ جاری کر دیا تھا۔ لہٰذا 24/جون 1942ء کو رات دو بجے سہارنپور اور دیوبند کے درمیان تلہیری کے اسٹیشن پر آپ کو گرفتار کر لیا گیا رات کو سہارنپور حوالات میں رکھ کر صبح مرادآباد پہنچا دیا گیا جہاں 8/اگست 1942ء تک تنہا جیل میں رہے۔

جیلر کی معافی :۔ 24/جنوری 1943ء کو حضرت مدنیؒ نینی جیل الہ آباد میں داخل کر دئے گئے۔ یکم نومبر 1943ء کو نمازِ مغرب کے وقت سپرنٹنڈنٹ جیل نے حضرت کے ساتھ ست گنتی گننے پر گستاخانہ حرکت کی۔ جس پر 26/نومبر 1943ء کو تمام ہندوستان میں احتجاجی جلسے کئے گئے اور جیلر کو برطرف کرنے کی مانگ کی گئی مگر تین دن بعد سپرنٹنڈینٹ جیل نے آپ سے معافی مانگ لی۔

لہٰذا حضرت نے پیغام بھیجا کہ "ہم نے سپرنٹنڈنٹ جیل کو معاف کر دیا ہے۔ اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے"۔ آخر 26/اگست 1944ء کو بلا شرط آپ کو رہا کر دیا گیا یعنی دو سال دو ماہ اور دو دن آپ جیل خانہ میں رہے۔ 4 سے 7 مئی 1945ء میں حضرت مدنی نے جمعیۃ العلماء ہند کے چودہویں سالانہ اجلاس کی صدارت کی اور تقریباً 64 صفحات کا خطبۂ صدارت دیا تھا۔ 1377 ہجری مطابق 5/دسمبر 1957ء میں علم و عمل اور زہد و تقویٰ کا یہ آفتاب دیوبند کے اُفق پر غروب ہو گیا۔ (اسیران مالٹا صفحہ 260-259)

233. ڈاکٹر مختار احمد انصاری۔ 1880ء تا 1936ء

ڈاکٹر انصاری تحریک آزادی کے عظیم مجاہد، مدبّر سیاست داں، اپنے عہد کے نامور ڈاکٹر اور طبیب تھے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے لندن گئے۔ 1899ء سے 1908ء تک اِڈنبرا یونیورسٹی میں پڑھے۔ میڈیسن اور ماسٹر آف سرجری کی ڈگری حاصل کی پھر وہیں دو سال سرجن اور رجسٹرار رہے۔ 1910ء میں ہندوستان آکر دہلی میں قائم ہوئے۔ خدا نے آپ کے ہاتھ میں ایسی شفاء دی تھی کہ شاید ہی کوئی مریض ایسا ہو جو آپ کے علاج سے شفایاب نہ ہوا ہو۔ غریبوں کا علاج بلا معاوضہ اور خاص توجہ سے کرتے تھے۔ گاندھی جی اُن کو غریبوں کے مسیحا کہتے تھے۔ حضرت شیخ الہند آخری بیماری میں آپ کے زیرِ علاج تھے اور آپ کی کوٹھی پر وفات پائی۔

کوٹھی:۔ ڈاکٹر انصاری کا نام ہندوستان کی آزادی کی تاریخ میں صاف طور سے نظر آتا ہے۔ آپ ایک عرصہ تک کانگریس کمیٹی کے جنرل سکریٹری رہے اُس وقت آپ کا گھر سب سے بڑا اور کشادہ اور آرام دہ مہمان خانہ بنا ہوا تھا۔ آزادی کے پروانے اور کانگریس کے بڑے لیڈر آپ کی کوٹھی پر ہی آرام کیا کرتے تھے۔ اُن کی یہ کوٹھی دریا گنج دلی میں موجود ہے۔ یہاں پر مہاتما گاندھی اور دوسرے لیڈر خفیہ بات چیت کرتے اور یہیں پر آرام کیا کرتے تھے۔ کانگریس کی زیادہ تر میٹنگیں اسی کوٹھی میں ہی ہوا کرتی تھی۔ آپ 1927ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی صدارت کے لئے مدراس اجلاس میں چنے گئے اور صدر کی حیثیت سے آپ نے ایک سال تک آزادی کی شمع جلائے رکھی۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن کو حج پر جانے اور وہاں ترکی کے انور پاشاہ جمال پاشاہ وغیرہ سے مل کر آزادی میں مدد لینے کی رائے آپ نے ہی دی تھی اور وہاں کا تمام خرچ بھی ڈاکٹر صاحب نے ہی برداشت کیا تھا۔ اس کے علاوہ آزادی کے لئے آپ نے کئی بار مالی امداد دی۔ اسلئے کئی بار آپ نے جیل کی ہوا بھی کھائی۔ کیونکہ انگریزوں نے مالی امداد دینے سے اُن پر مقدمہ تھوپ دیا تھا۔ مقدمہ کی پیروی کرتے ہوئے آپ نے عدالت میں کہا تھا کہ "شیخ الہند ہمارے مذہبی پیشوا اور مرشد ہیں اس لئے اُنہیں مالی امداد دی جا سکتی ہے اور یہ کوئی گناہ نہیں ہے۔" آخر 10 رمئی 1936ء میں دہرادون سے دلی آتے وقت آزادی کی شمع جلنے سے پہلے ہی آپ خود بجھ گئے۔ جامعہ ملیہ کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

234. ڈاکٹر سیف الدین کچلو 1886ء تا 1963ء

ڈاکٹر کچلو صاحب پنجاب کے بہت بڑے اور مشہور بیرسٹر تھے۔ آپ 1886ء میں پیدا ہوئے۔ اور مہاتما گاندھی کے دوستوں میں تھے۔ جب پنجاب میں مارشل لاء لاگو کیا گیا تو آپ نے اُس کی سخت مخالفت کی۔ آپ آل انڈیا کمیٹی کے صدر رہے۔ اور عالمی امن کمیٹی کے نائب صدر رہے۔ آپ نے رولٹ ایکٹ (کالا قانون) کی بھی مخالفت کی تھی۔ 10 اپریل 1919ء کے پنجاب کے گورنر جنرل ڈائر نے آپ کو اور ڈاکٹر ستیہ پال کو اپنی کوٹھی پر بلوایا تھا۔ اور کمینوں نے اُنہیں گرفتار کرلیا۔ اس کے بعد گاندھی جی کو بھی رولٹ ایکٹ کے تحت گرفتار کرلیا گیا۔ اُن کی گرفتاری سے لوگ سڑکوں پر اُتر آئے اور شام 4:30 بجے جلیان والا باغ میں اجلاس کرنا طے کیا گیا۔ جس کی وجہ سے 13 اپریل 1919ء کو جلیان والا کانڈ ہوا۔ ڈاکٹر کچلو خلافت کے لیڈر بھی تھے۔ اور آپ نے دلی، میرٹھ میں ہندوستانیوں کے خلاف چلائے جانے والے کیسوں کی پیروی بھی کی تھی۔ کراچی کیس میں سزایاب ہوئے دو سال جیل میں رہے اس کے بعد بھی کئی دفعہ جیل میں گئے اس طرح تقریباً چودہ سال جیل کی سلاخوں کے پیچھے رہے۔ 1947ء میں آزادی کے بعد آپ امرتسر سے لاہور (پاکستان) چلے گئے۔ ان کی تمام جائیداد پر پنجاب کے ہندو و سکھ قابض ہو گئے۔ لاہور میں اُن کی جان کے لالے پڑ گئے۔ 1963ء میں انتقال کر گئے۔ (مسلمان مجاہدین ۲ے میورام گپت)

235. بیرسٹر آصف علی:۔ 1888ء تا 1953ء

آپ دہلی کے مشہور قانون داں تھے۔ آپ آل انڈیا کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے ہمیشہ رکن رہے اور ہائی کمان میں ان کا شمار تھا۔ مولانا آزاد سے زیادہ قریب تھے۔ جمیعۃ العلماء سے بھی عقیدت رکھتے تھے اور ان کے مقصد کی پیروی کرتے تھے۔ 1942ء میں مولانا حسین مدنیؒ پر جو حکومت نے مقدمہ تھونپ رکھا تھا اس مقدمے کی پیروی آپ نے ہی کی تھی۔ آپ نے جیل کی تکالیف بھی جھیلی ہیں ان کی بیوی مسز ارونا آصف علی کہی جاتی تھیں، کمیونسٹ تھیں مگر بلند پایہ لیڈر بھی تھیں۔ 1942ء کی تحریک میں ان کا رول بہت شاندار رہا ہے۔

236. مولانا ابوالکلام آزاد 1888ء تا 1958ء

سورج ہوں زندگی کی رمق چھوڑ جاؤں گا ☆ میں ڈوب بھی گیا تو شفق چھوڑ جاؤں گا

(مولانا آزاد)

مولانا آزاد کا اصلی نام محی الدین احمد تھا۔ 17/اگست 1888ء میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ دس سال کی عمر میں اپنے والد حضرت مولانا خیر الدین صاحب کے ہمراہ ہندوستان آئے۔ مولانا خیر الدین نے مکہ میں اس قدر نام کمایا تھا کہ وہ حرم شریف میں وعظ کہنے لگے تھے۔ ان سے پہلے کسی ہندوستانی کو یہ اعزاز نصیب نہیں ہوا تھا ان کے علم و فضل سے متاثر ہو کر مدینہ منورۃ کے مشہور مفتی شیخ احمد ظاہر وتری نے اپنی بھانجی عالیہ کی شادی مولانا خیر الدین کے ساتھ کر دی اس طرح مولانا آزاد کے خاندان میں عرب اور ہندوستان کے ممتاز خاندانوں کی شاخیں جمع ہو گئیں۔ (مولانا آزاد کی کہانی صفحہ 10)

1899ء میں گیارہ سال کی عمر میں کلکتہ سے ایک رسالہ ''نیرنگ خیال'' نکالنا شروع کیا۔ اس کے بعد آپ نے 13/جولائی 1912ء میں الہلال اخبار نکالنا شروع کیا۔ جس کی دھوم پورے بنگال میں مچ گئی۔ لوگ صبح سے ہی اخبار کے انتظار میں کھڑے رہتے تھے۔ آخر انگریزوں نے 1914ء میں اس اخبار پر پابندی عائد کر دی۔ اور اُنہوں نے 18/نومبر 1914ء میں اس کی ضمانت بھی ضبط کر لی۔ اس کے بعد آپ نے البلاغ نام کا اخبار نکالنا شروع کیا۔ جن میں ہندو مسلم بھائی چارگی کا جوش پیدا کر دیا گیا۔ مگر انگریزوں کی آنکھ میں وہ بھی چبھنے لگا۔ اور اُنہوں نے اس اخبار پر بھی پابندی عائد کر دی۔ اتنی کم عمر میں اتنی بڑی کامیابی قدرت کی دین ہے۔

اُن کے بچپن کے بارے میں اُن کی بہن نے کہا تھا کہ ''مولانا پر بچپن آیا ہی نہیں۔ ہمیں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے چھوٹے چھوٹے دو کندھوں کے بیچ ایک بڑا دماغ رکھا ہوا ہو''۔ مولانا ہندو مسلم بھائی چارگی کو آزادی سے بھی بڑھ کر مانتے تھے۔ اُن کا یہ قول انگریزوں تک پہنچ گیا تھا کہ ''اگر آج ایک فرشتہ آسمان سے اُتر کر آئے اور قطب مینار پر کھڑا ہو کر یہ اعلان کرے کہ آزادی 24 گھنٹے کے اندر مل سکتی ہے، بشرطیکہ کہ ہندوستان ہندو مسلم بھائی چارگی سے آزاد ہو جائے تو میں آزادی کو ٹھکرا دوں گا مگر ایکتا کو نہیں۔ کیوں کہ آزادی نہ ملنے سے ہندوستان کا نقصان ہو گا۔ لیکن اگر ہماری ایکتا ختم ہو گئی تو یہ پوری

انسانیت کا نقصان ہوگا۔"

34 سال کی عمر میں یعنی 1923ء میں مولانا آزاد دلی کے ایک اجلاس میں کانگریس کے صدر چن لئے گئے اور ایک سال تک اس عہدہ پر فائز رہے۔

.1انڈین نیشنل کانگریس کے صدر چنے جانے پر خصوصی اجلاس 1923ء: نمائندگان قوم، خواتین حضرات ! قومی جدوجہد کے اس نازک اور فیصلہ کن وقت میں حالات کے تقاضے سے مجبور مشکلات کے لئے حل اور رہنمائی کے لئے مجھ پر اعتماد کرنا میرے لئے ایک سند ہے۔ کشتی ایک کنارے سے چل چکی ہے مگر دوسرا کنارا ابھی دور ہے اور موجیں گھیرا ڈال رہی ہیں۔ حضرات ! ایسے موقعے کی صدارت کے لئے آپ کی نظر انتخاب مجھ پر پڑی تو مجھے عزت اور اعتماد کا عظیم پیام ملا۔ اس عزت کے لئے آپ کا شکر گزار ہوں اگر واقعی ہم سب کا اعتقاد ہے کہ ہندوستان کی حفاظت کا وقت آگیا ہے تو کیوں نہ ہم اپنے اختلافات کے باوجود بھی اس ایک مقصد میں متحد ہو جائیں۔ کہ ہندوستان کی عزت بچائی جائے۔ میں آپ سے یہ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ گذشتہ سال کے اندر مطالبات خلافت کے لئے میں نے جو سعی کی وہ نہ صرف مسلمان ہونے کے بلکہ بہ حیثیت ہندوستانی ہونے کے یہ میرا قومی فرض ہے میں یقین رکھتا ہوں کہ ہندوستان کی تحریک خلافت ہندوستان کی بڑی سے بڑی خدمت تھی۔ جو تاریخ ہند کی ایک عظیم شخصیت یعنی مہاتما گاندھی نے انجام دی ہے۔ اگر چہ ٹالسٹائی نے دنیا کو اصول کی طرف بلایا اور اس سے پہلے بھی دنیا کو نان کو آپریشن کی سچائی معلوم تھی۔ لیکن مہاتما گاندھی سے پہلے اس کی علمی طاقت کا راز اسے معلوم نہ تھا۔ دوسری مرتبہ مولانا آزاد دوسری جنگِ عظیم کے وقت 1939ء میں رام گڑھ میں کانگریس کے اجلاس میں صدر منتخب ہوئے اور سات سال تک اس عہدہ پر فائز رہے۔

.2 انڈین نیشنل کانگریس کے دوبارہ صدر منتخب ہونے پر مارچ 1940ء میں خطبہ:

دوستو! 1923ء میں آپ نے مجھے صدر چنا تھا اب 17 برس کے بعد دوسری مرتبہ یہ عزت مجھے بخشی ہے۔ ایک ایسے نازک وقت میں آپ نے مجھے صدر چن کر اپنے جس بھروسے کا اظہار کیا ہے۔ وہ یقیناً بڑے سے بڑا بھروسہ ہے اور بہت بڑی ذمہ داری ہے میں اس عزت کے لیے شکر گزار ہوں اور ذمہ

داری کے لئے آپ کی رفاقت کا سہارا چاہتا ہوں۔ مولانا آزاد دوبارہ انڈین کانگریس کے صدر 1939ء میں بنے اور 7 سات تک اس عہدے پر رہ کر آزادی حاصل کرنے کی قیادت کرتے رہے دوسری جنگ عظیم کا دور بھی آپ کی رہنمائی میں گزرا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد 1946ء تک آپ نے کانگریس کی صدارت کی۔ دوسری دفعہ کانگریس کی صدارت کرتے ہوئے رام گڈھ کے اجلاس میں مولانا آزاد نے کہا تھا کہ ''میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں میں ہندوستان کی ایک ناقابل تقسیم متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہوں۔ جس کے بغیر اس کی عظمت کا ہیکل ادھورا رہ جاتا ہے۔ میں اس کی بناوٹ کا ایک ناگزیر جزو ہوں۔ میں اپنے اس دعوے سے کبھی دست بردار نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد آپ نے خود اپنی صدارت کو پنڈت جواہر لال نہرو کو سونپ دی۔ اور 15؍اگست 1947ء کو ہندوستان آزاد ہو گیا۔ سردار پٹیل نے کانگریس کی طرف سے کہا تھا کہ مولانا آزاد کے علاوہ کسی کو بھی یہ اعزاز نصیب نہیں ہوا ہے کہ جو لگاتار سات سال تک کانگریس کا صدر رہا ہو۔

مولانا آزاد نے مصر کی جامعۃ الازہر یونیورسٹی سے عربی، فارسی، انگریزی اور فرنچ پڑھی تھی۔ آپ نے ایک رسالہ لسان الصدق 30؍نومبر 1903ء میں نکالا تھا جو عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ مولانا آزاد نے لکھا ہے کہ مولانا حالی کو جب یہ معلوم ہوا کہ لسان الصدق کا ایڈیٹر میں ہی ہوں تو اُنہیں بہت تعجب ہوا۔ مولانا وحید الدین سے بھی جب میری ملاقات ہوئی تو اُنہوں نے بھی میری عمر کو دیکھا اور اخبار کی تعریف کو میری عمر سے لگایا۔ مولانا شبلی نے میرا نام سن رکھا تھا، مگر جب میری اُن سے ملاقات ہوئی تو جاتے وقت اُنہوں نے مجھ سے پوچھا کہ بیٹے پھر مولانا آزاد کیا آپ کے والد صاحب ہیں۔ میں نے کہا کہ جی نہیں! مولانا آزاد تو میں ہی ہوں۔ تو اُنہیں بہت تعجب ہوا۔

3. زلیخا:۔ مولانا آزاد کی شادی بارہ سال کی عمر میں نو سال کی لڑکی زلیخا بیگم سے ہوئی۔ وہ اپنے شوہر کی خدمت کرنے میں ہی اپنا وقار سمجھتی تھی۔ اور بہت بڑی مہمان نواز تھی۔ جب آزاد لکھتے تھے تب آپ اُنہیں پنکھا کیا کرتی تھیں۔ 8؍اگست 1942ء گوالیار ٹینک بمبئی میں جب ''بھارت چھوڑو تحریک'' چلائی گئی۔ تب مولانا آزاد گرفتار کر لئے گئے تھے۔ پنڈت نہرو اور مولانا آزاد کو احمد نگر جیل میں رکھا گیا تھا اُس وقت زلیخا سخت بیمار پڑ گئی۔ کیونکہ انگریزوں کے خلاف پورے ملک میں بغاوت چل رہی تھی۔ انگریز جیل میں ہندوستانیوں کو کافی تکلیفیں دے رہے ہیں۔ زلیخا اور بھی زیادہ ڈر رہی تھی۔ آخر

اُن کو ٹی۔ بی۔ کی بیماری لگ گئی۔ وہ ہر سانس میں مولانا سے ملنے اور اُن کی خیریت معلوم کرنا چاہتی تھی۔ ڈاکٹر بی۔ سی۔ رائے اور دوسرے ڈاکٹر اُن کا علاج کر رہے تھے۔ 3/ اپریل 1943 کو جب ڈاکٹر بی۔ سی رائے جب انھیں دیکھنے گئے تو بس یہی کہا کہ خدا کے لئے مولانا کو دکھادو۔ نہ تو وقت پر اُنہیں دوا ملتی تھی اور نہ کھانا۔ آخر تڑپتے تڑپتے زلیخا 49 سال کی عمر میں 9/ اپریل 1943ء میں اس دنیا سے چل بسیں۔ جب جنازہ میں شامل ہونے کے لئے مولانا آزاد کی رہائی کے واسطے ایک تار جیل کے افسر کو ملا۔ مولانا لکھتے ہیں جس دن تار ملا اس کے دوسرے دن سپرنٹنڈنٹ میرے پاس آیا اور کہنے لگا، اگر تم اس بارے میں حکومت سے کچھ کہنا چاہو تو میں اسے فوراً ممبئی بھیج دوں گا۔ وہ صورت حال سے بہت متاثر تھا اور اپنی ہمدردی کا یقین دلانا چاہتا تھا۔ لیکن میں نے اسے سے صاف صاف کہدیا کہ میں حکومت سے کوئی درخواست کرنا نہیں چاہتا ہوں۔ پھر وہ جواہر لال کے پاس گیا۔ اور ان سے اس بارے میں گفتگو کی وہ سہ پہر کو میرے پاس آئے اور بہت دیر تک اس بارے میں مجھ سے گفتگو کرتے رہے۔ لیکن میں نے ان سے بھی وہی بات کہی جو سپرنٹنڈنٹ سے کہی تھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ سپرنٹنڈنٹ نے یہ بات حکومت بمبئی کے ایماں پر ہی کہی تھی۔ مگر پھر بھی مولانا آزاد کو رہائی نصیب نہیں ہوئی۔ آخر ہزاروں ہندوستانیوں نے آنکھوں سے آنسوں ٹپکاتے ہوئے زلیخا کے جنازہ کی نماز ادا کی۔ اور دوسرے مذہب کے لوگوں نے اُنہیں آنسوؤں سے خراج عقیدت پیش کیا۔ جب مولانا آزاد 3 سال کے بعد یعنی 15/ جون 1945ء میں جیل سے رہا ہوئے تو ہاوڑا ریلوے اسٹیشن پر ہزاروں لوگوں کی بھیڑ جمع ہو گئی۔ مولانا جیل سے رہا ہو کر سیدھے قبرستان کی طرف چلے، سارا ہجوم اُن کے ساتھ چل رہا تھا۔ زلیخا کی قبر پر گئے، فاتحہ پڑھی اور چند آنسوؤں کے موتی برسائے۔ اُن کے ساتھ ہزاروں لوگوں کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ بیگم زلیخا کی یہ قربانی ہندوستان میں ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔

جب مولانا آزاد رانچی میں 1915ء میں نظر بند کر دیئے گئے، جمعہ کی نماز کے وقت مسجد میں آزادی کے پروانوں کی بھیڑ لگ جایا کرتی تھی۔ کیونکہ لوگ مولانا کی تقریر سننے کے خواہش مند ہوتے تھے۔ چونکہ مولانا مسجد کے اندر منبر کے نزدیک کھڑے ہو کر تقریر کرتے تھے لہٰذا لوگ اُنہیں دیکھ نہیں سکتے

تھے۔ اس لئے مولانا کے حکم سے منبر کے نزدیک دیوار توڑ کر ایک کھڑکی لگائی گئی۔ تاکہ غیر مسلم کھڑکی سے مولانا کو دیکھ سکیں اور اُن کی تقریر سُن سکیں۔ اتنا جوش تھا آزادی کے متوالوں کا اور اُن کی ایکتا کا۔ 1922ء میں مولانا آزاد پر جب بغاوت کا مقدمہ چلا تو آپ نے عدالت میں کہا تھا:۔

”یقیناً میں نے کہا ہے کہ موجودہ گورنمنٹ ظالم ہے۔ اگر میں یہ نہ کہوں تو پھر کیا کہوں۔ مجھ سے اُمید کی جاتی ہے کہ اُس چیز کو اُس کے اصلی نام سے نہ پکاروں۔ میں کالے کو سفید کہنے سے انکار کرتا ہوں۔ جب کہ میں اس گورنمنٹ کی برائی پر یقین رکھتا ہوں۔ میں موجودہ حکومت کو جائز نہیں سمجھتا اور قوم کو اس سے چھٹکارا دلانا میرا پیدائشی اور ملکی فرض ہے“۔ مولانا آزاد کی پوری زندگی آزادی کے اوراق سے بھری پڑی ہے۔

4. ترجمان القرآن:۔ سیاست کی ہنگامہ خیزیوں میں قرآن پاک کا ترجمہ اور تفسیر جیسا عظیم کام یقیناً مشکل کام ہے۔ پھر بھی آپ نے قرآن پاک کے ترجمہ کی پہلی جلد 1931ء میں تیار کی جس کا مقدمہ 16/ستمبر 1930ء کو ڈسٹرکٹ جیل، میرٹھ میں لکھا گیا۔ دوسری جلد کا دیباچہ فروری 1945ء میں ضلع احمد نگر کے قید خانہ میں لکھا گیا۔ جبکہ مقدمہ 1936ء میں موتی نگر کانگریس کیمپ لکھنؤ میں لکھا گیا تھا۔ پہلی جلد سورۃ فاتحہ سے سورہ انعام تک پر مشتمل ہے، جبکہ دوسری جلد سورہ اعراف سے سورہ مومنون (18 واں پارہ) تک پر مشتمل ہے، تیسری جلد فرصت نہ ملنے سے مکمل نہ ہو سکی۔

مولانا آزاد کے انتقال کے بعد مرکزی حکومت نے ”ترجمان القرآن“ کو بڑے اہتمام سے شائع کیا اور اٹل بہاری واجپائی کے دور میں اسے ہندی میں بھی بڑے اہتمام سے شائع کیا گیا ہے۔

5. آزادی کے بعد جامع مسجد دہلی سے تاریخی خطبہ اکتوبر 1947ء: آج مجھے جو کہنا ہے اسے بے روک ہو کر کہنا چاہتا ہوں۔ متحد ہندوستان کا بٹوارہ بنیادی طور پر غلط تھا۔ مذہبی اختلافات کو جس ڈھنگ سے ہوا دی گئی اس کا لازمی نتیجہ جو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور دیکھ رہے ہیں۔

6. مسلم لیگ:۔ ہندوستان کے مسلمانوں پر جو ریلا آیا ہے۔ وہ یقیناً مسلم لیگ کی غلط قیادت کی فاش غلطیوں ہی کا نتیجہ ہے۔ اب ہندوستان کی سیاست کا رخ بدل چکا ہے۔ مسلم لیگ کے لیے یہاں کوئی جگہ نہیں۔ مسلم لیگ کے متعلق تمہیں یاد ہے میں نے تمہیں پکارا۔ تم نے میری زبان کاٹ لی۔ میں نے قلم

اٹھایا۔ اور تم نے میرے ہاتھ قلم کر دئے۔ میں نے چلنا چاہا تم نے میرے پاؤں کاٹ دئے۔ میں نے کروٹ لینی چاہی تم نے میری کمر توڑ دی۔

یہ فرار کی زندگی جو تم نے ہجرت کے مقدس نام پر اختیار کر رکھی ہے۔ اس پر غور کرو اور اپنے دلوں کو مضبوط بناؤ۔ آخر کہاں جا رہے ہو اور کیوں جا رہے ہو۔ شہنشاہوں کے گریبانوں سے کھیلنے والے آج خود اپنے گریبانوں سے کھیلنے لگے ہو یہ دیکھو مسجد کے بلند مینار تم سے اچک کر سوال کرتے ہیں کہ تم اپنی تاریخ کے صفحات کو کہاں گم کر دیا ہے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ جمنا کے کنارے تمہارے قافلے وضو کیا کرتے تھے۔ اور آج تم ہو کہ یہاں رہتے ہوئے خوف محسوس کرتے ہو۔ حالانکہ دہلی تمہارے خون سے سینچی ہوئی ہے۔ تم ہندوستان کے وارث بن کر رہو۔ تمہیں کوئی طاقت بھگا نہیں سکتی۔ آؤ۔ عہد کرو کہ یہ ملک ہمارا ہے اور ہم اس کے لئے ہیں۔ اس کی تقدیر کے بنیادی فیصلے ہماری آواز کے بغیر ادھورے ہی رہیں گے۔

7. گاندھی جی کے قتل کے بعد صدارتی خطبہ فروری 1948ء: گاندھی جی کی یادگار نہ صرف ہندوستان میں بلکہ تمام دنیا میں قائم ہے۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی نے بھی ایک کمیٹی بنائی ہے جو ان کے پاکیزہ مقصد حیات اور ان کی روح کو دنیا کے سامنے نمایاں کرے گی۔ گاندھی جی سے میرا تعارف 1908ء میں ہوا جب میرے والد صاحب انتقال فرما گئے تھے تب مجھے ایک ٹیلی گرام ملا تھا۔ جس کے نیچے گاندھی جی کے دستخط تھے انھوں نے ٹیلی گرام میں والد مرحوم کی تعزیت کی تھی۔ 1918ء میں جب میں رانچی جیل میں نظر بند تھا ان دنوں گاندھی جی بہار کے دورے پر آئے تھے۔ انھوں نے ایک شخص کے ذریعے مجھے جیل میں پیغام بھیجا کہ میں بہار آیا ہوا ہوں اور تم سے ملنا چاہتا ہوں مگر انگریز گورنر بہار نے مجھے ملنے کی اجازت نہیں دی۔ اس کے بعد جب میں رانچی جیل سے رہا ہوا اور ایک جلسے میں شرکت کے لئے 20 جنوری 1920ء میں دہلی آیا تو حکیم اجمل خاں مرحوم کے مکان پر گاندھی جی سے ملنے کا شرف حاصل ہوا۔ اس دن سے آج تک جب کہ 1948ء ہے۔ 28 برس گزر چکے ہیں یہ 28 برس ہم پر ایسے گزرے ہیں گویا ہم ایک ہی چھت کے نیچے رہ رہے ہوں۔

بسا اوقات میرے ان سے اختلافات بھی ہوئے جیسے ایک بار دوسری جنگ عظیم کے وقت

کانگریس کے ورکنگ کمیٹی کی اکثریت کے ساتھ میری بھی یہی رائے تھی کہ برطانیہ یہ مان لے کہ جنگ کے بعد ہندوستان کو آزادی دے دی جائے گی۔ تو ہم جنگ میں شامل ہو سکتے ہیں۔ مگر گاندھی جی کہتے تھے کہ ہم ایسی آزادی لینا ہی نہیں چاہتے جو لڑائی کے سایے میں ہم کو ملے۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی کی تجاویز کا ڈرافٹ گاندھی جی ہی بنایا کرتے تھے لہذا اس مرتبہ بھی ڈرافٹ بنوانے کے لئے میں اور پنڈت نہرو دونوں گاندھی جی کے پاس گئے اور انھوں نے اپنے پورے اختلافات کے باوجود اس تجویز کا ڈرافٹ بنا دیا۔ ہماری پوری زندگی میں کوئی ایسا وقت نہیں آیا کہ ہمارے دلوں کا رخ پھر گیا ہو۔ مولانا آزاد آزادی کے بعد ہندوستان کے وزیر تعلیم بنے۔ اور دیش کے کونے کونے میں اسکولوں کا جال سا بچھا دیا۔

.8 دہلی میں تعزیتی جلسہ:۔ ڈاکٹر ذاکر حسین کی تقریر اور ڈاکٹر راجیندر پرساد کی صدارت مولانا آزاد کے انتقال پر 23 فروری 1958ء کو ہوا۔ راشٹر پتی جی! بھائیو اور بہنوں میں مولانا کے ساتھ رہنے کا فخر نہیں رکھتا ہوں بلکہ ان کے حقیر چیلے ہونے کا فخر رکھتا ہوں جب میں ایک لڑکا ہی تھا اپنی زندگی کے مٹی کے دیے کو سلگانا چاہتا تھا۔ میں نے روئی کی بتیاں بنائیں اور زندگی کے تیل میں ان کو ڈالا مگر ان کو کہاں سے جلاؤں؟ میں نے اپنی زندگی کے دیے کی پہلی بتی مولانا آزاد کے دیے سے جلائی تھی۔ مولانا آزاد نے مذہب کی دو قسم بتلائی تھی۔ ایک انسانوں میں محبت کی روح پھونکتی ہے اور ایک نفرت پیدا کرتی ہے۔ وہی مذہب سچا ہے۔ جس کی روح انسانوں کو ملائے اور خدمتِ خلق و خدمتِ وطن کرے۔ (ڈاکٹر ذاکر حسین)

دل سے نکلے گی نہ مر کر بھی وطن کی اُلفت
میری مٹی سے بھی خوشبوئے وطن آئے گی

.9 بھارت رتن:۔ 23 رجنوری 1992ء میں حکومت ہند نے امام الہند مولانا آزاد کو اُن کی بے لوث اور انتہائی گراں قدر قومی خدمات کے اعتراف میں بھارت رتن سے نوازا تھا۔ اور جناب نورالدین نے بھارت رتن کا (بعد از مرگ) کا ایوارڈ مولانا کی طرف سے وصول کیا تھا۔ مولانا آزاد کی بہت قیمتی

مسودات مولانا آزاد کی غیر مطبوعہ تحریریں سر اسٹیفورڈ کرپس، مہاتما گاندھی، جواہر لال نہرو، لال بہادر شاستری وغیرہ کے خطوط، مصر اور ترکی وغیرہ ملکوں کے حکمرانوں کے مکتوبات، ترجمان القرآن کے غیر مطبوعہ حصے احسن الخیال، المصباح، نیرنگ عالم، حدنگ نظر، مرقع عالم، تحفہ احمدیہ، لسان الصدق، الہلال اور البلاغ جیسے اہم رسائل اور نادر اشیاء ہیں۔

آخر کار یہ دیش کا دلارا اور آزادیٔ ہند کا مجاہد امام الہند مولانا آزاد 1958ء میں دُنیا چھوڑ کر چلے گئے۔

10. سیاست دانوں اور دانشوروں کے خیالات: اُن کے بارے میں پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا تھا۔

1 A. جب میں پہلی بار مولانا آزاد سے ملا تو اُن کا علم دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اور اب ہم اُس کے دماغ کی روشنی کے عادی ہو گئے تھے۔ (پنڈت جواہر لال نہرو، وزیر اعظم ہند)

B. مولانا دنیا سے بالکل مختلف اور نرالے سیاست داں تھے۔ بڑے آدمی پیدا ہوتے آئے ہیں اور پیدا ہوتے رہیں گے۔ لیکن مولانا جس خاص نوعیت کی عظمت کے مالک تھے۔ وہ بھارت کیا کسی اور جگہ نظر نہ آسکے گی۔ (پنڈت جواہر لال نہرو، وزیر اعظم ہند)

2 A. ابوالکلام کی سی عظمت کے لوگ روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ (ڈاکٹر راجیندر پرساد، صدر جمہوریہ)

B. مولانا ہندو مسلم اتحاد کے بڑے حامی تھے اپنے ہم مذہبوں کے تلخ و ترش تنقیدوں کے درمیان بھی وہ ایک غیر متزلزل چٹان کی طرح جمے رہے۔ ملک کے ہر طبقے میں ان کو یکساں عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ تمام پیچیدہ اور الجھے ہوئے مسائل کو حل کرنے کے لئے ان سے مشورہ کیا جاتا تھا۔
(ڈاکٹر راجیندر پرساد، صدر جمہوریہ)

3. مولانا مرحوم استقامت کا پہاڑ اور فراست کا سمندر تھے۔ (ڈاکٹر رادھا کرشنن)

4. وہ (مولانا آزاد) تاریخی شخصیت نہیں بلکہ مکمل ایک تاریخ تھے۔ (اچاریہ کرپلانی)

5. مولانا آزاد کی عمر ان کے ولادت کے وقت ہی پچاس برس کی تھی۔ (بلبل ہند سروجنی نائیڈو)

6 مولانا ابوالکلام نے ہم کو ایمان کا راستہ دکھلایا تھا۔ (مولانا شوکت علی)

7 ہم سب اصلی کام بھولے ہوئے تھے۔ مولانا آزاد کے الہلال نے یاد دلایا (شیخ الہندؒ)

8 وہ ایک انجمن تھے۔ ایک دبستان تھے اور ایک مکتب فکر تھے (ڈاکٹر علامہ اقبال)

9 A آنجہانی سی۔ آر۔ داس اور پنڈت موتی لال نہرو آپ کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے تھے۔ گاندھی جی سیاسی زندگی کے انتہائی خطرناک مراحل پر ہمیشہ مولانا آزاد کی طرف رجوع کرتے تھے۔

B مولانا آزاد نے کہا تھا: سورج اس وقت تک بے معنی چیز ہے جب تک کہ یہ غریب اور امیر کی تفریق کو نہیں مٹاتا اور میرے خیال میں کھادی کا عام استعمال ہی یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ ہم بھی ان لاکھوں غریب بھائیوں میں سے ہیں جو اس ملک میں بستے ہیں۔ (مہادیو دیسائی)

10 مولانا آزاد سیاست کا شہزادہ تھا۔ محب الوطنوں میں ان کی شخصیت کسی شہزادے کی طرح تھی ہم ان کا مقابلہ بلاخوف دنیا کے کسی بھی عظیم ترین سیاست داں اور عوامی قائد سے کر سکتے ہیں۔ (ایم چیلاپتی راؤ)

C11 ایسا جامع کمالات شخص جس میں قدیم و جدید کی ایسی آمیزش ہو اور جس میں ماضی اور مستقبل کی اتنی صلاحیتیں ہو اب پیدا ہونا مشکل ہے۔ (پنڈت جواہر نہرو)

D مولانا آزاد کانگریس کے صدر ہوں یا ورکنگ کمیٹی کے ممبر۔ آپ کے مشورے غیر معمولی طور پر وسیع سمجھے جاتے تھے۔ کانگریس کے روزانہ مشاغل اور اس کی عظیم الشان تجویزوں کو اور اہم فیصلوں میں مجھے مولانا کی مسلسل رفاقت کی عزت حاصل رہی۔ کانگریس کی تجاویز اور عزائم میں آپ کا زبردست ہاتھ مصروف کار رہا ہے۔ (پنڈت جواہر نہرو)

12 A مولانا فرماتے تھے "جس قید خانہ میں صبح ہر روز مسکراتی ہو، جہاں شام ہر روز پردۂ شب میں چھپ جاتی ہو، جس کی راتیں کبھی ستاروں کی قندیلوں سے جگمگانے لگتی ہوں، جہاں دوپہر ہر روز چمکنے لگے، پرندے ہر صبح و شام چہکیں۔ اسے قید خانہ ہونے پر بھی عیش و مسرت سے خالی کیوں کرلیا جائے"۔

B اسی سونے جاگنے کے معاملے میں آزاد لکھتے ہیں " دنیا جب سوتی ہے وہ میرے لئے بیداری کی اصل پونجی ہوتی ہے۔ میری تنہائی میں اب کوئی خلل نہیں ڈال سکتا جب دنیا جاگتی ہے تو میں سویا رہتا ہوں۔ جب وہ سوجاتی ہے تو میں اٹھ بیٹھتا ہوں"۔ اس آخری جملے سے گیتا کے دوسرے ادھیائے کا یہ شلوک ذہن میں آجاتا ہے جو مہاتما گاندھی کے وظیفۂ شام و سحر میں داخل ہے۔ شلوک کا مطلب ہے جو تمام مخلوق کے لئے رات ہوتی ہے اس میں جوگی جاگتا ہے۔ اور جس میں تمام مخلوق جاگتی ہے، جوگی سوتا ہے۔ (گوپی ناتھ امن لکھنوی)

13 ہندوستان سے برطانوی سامراج کو نکالنے کا سہرا آزاد اور ان کے ساتھیوں کے سر ہے۔
(خان عبدالغفار خان)

14 ڈاکٹر جگن ناتھ آزاد نے مولانا آزاد کو گلہائے عقیدت ان شعروں میں پیش کیا تھا۔

اگر تیری نصیحت پر عمل کرتے وطن والے
تو یہ ہندوستاں تیرا وطن کچھ اور ہی ہوتا
اگر تیری نوا کچھ اس چمن پر کار گر ہوتی
تو مجھ کو ہے یقین رنگِ چمن کچھ اور ہی ہوتا

(ڈاکٹر جگن ناتھ آزاد)

237. مولانا احمد سعید دہلویؒ 1888ء 1959ء

آپ جمعیۃ العلماء ہند کے بیس سال ناظم اعلیٰ رہے اس کے بعد سترہ سال نائب صدر رہے اور مولانا حسین مدنیؒ کے وصال کے بعد دو سال صدر رہے۔

تحریکِ آزادی کے دور میں آٹھ مرتبہ قید و بند کی آزمائش سے دوچار ہوئے۔ پہلی بار اکتوبر 1921ء میں گرفتار ہوئے آخری مرتبہ 1942ء تحریک میں نظر بند ہوئے اور تین سال دہلی، لاہور، فیروز پور اور ملتان جیل میں رہے۔ انگریزوں کے خلاف تقریر کرنے پر آپ پر مقدمہ چلایا گیا۔ اعظم گڈھ کی جیل میں آپ نے دو کتابیں لکھیں جنت کی کنجی اور دوزخ کا کھٹکا، آپ نے قرآن پاک کی اردو میں ایک تفسیر بھی لکھی جو دو جلدوں میں شائع ہوئی ہیں۔ 4 دسمبر 1959ء بعد نماز مغرب حرکتِ قلب بند ہونے سے انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

238. سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خانؒ 1890ء تا 1988ء

ادھر مہاتما گاندھی تو اُدھر سرحدی گاندھی، دونوں نے ہی سول نافرمانی میں حصّہ لیا تھا 1930ء میں خان عبدالغفار خان مولانا آزاد کے ساتھ مشہور ہوئے۔ اُن کی تحریک ریڈ شرٹ (Red Shirt) یعنی لال قمیض تھی۔ اس تحریک نے صوبہ سرحد یعنی پختونستان میں انگریزوں کے دانت کھٹے کر دیئے تھے۔

23/اپریل 1930ء کو پختونستان میں خدائی خدمت گار کا ایک اجلاس منعقد کیا گیا۔ خان صاحب

کو اُسی وقت گرفتار کر لیا گیا اور قصہ خوانی بازار میں گولیاں چلنے لگی اور بہت سے مجاہدین شہید کر دیئے گئے۔ شہید ہونے والوں کی فہرست پی این چوپڑا نے اپنی کتاب میں دی ہے۔ ان میں شہید ہونے والوں میں لگ بھگ 40 مسلمان اور 700 پٹھان تھے۔ خان صاحب کا مہاتما گاندھی اور شیخ الہند سے قریبی رشتہ تھا۔ ایک دفعہ آپ نے خود دلی کے ایک اجلاس میں کہا تھا کہ ''میں شیخ الہند کی خدمت میں کئی بار حاضر ہوتا ہم لوگ کسی ریلوے اسٹیشن پر اُتر جاتے اور آپس میں خفیہ رائے مشورے کر کے الگ الگ چلے جاتے ۔ انگریز سی۔ آئی۔ ڈی کو کچھ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کیونکہ ہمارا ٹکٹ آگے کے اسٹیشنوں تک کا ہوتا تھا۔ خان صاحب گاندھی جی کے ساتھ اور کانگریس کے جیون بھر کے ساتھی رہے۔ سرحد کے پار پٹھانوں کو تحریک میں شامل کرنے میں اُن کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ اس وجہ سے آپ کو سرحدی گاندھی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ آخر یہ سرحدی گاندھی 20 رجنوری 1988ء کو انتقال کر گئے اور جلال آباد (پیشاور) میں دفن کر دیئے گئے۔ جو ان کا وطن تھا۔

239. رفیع احمد قدوائی، 1894ء تا 1954ء

آپ کے بڑے بھائی شفیع احمد قدوائی نے آزادی میں حصہ لینے کے لئے نوکری چھوڑ دی تھی۔ آپ اپنے بھائی کے ساتھ 1922ء میں گرفتار ہوئے۔ اور لکھنؤ جیل بھیج دئے گئے۔ وہاں جیل میں اُن دونوں بھائیوں کی ملاقات پنڈت جواہر لال نہرو سے اور اُن کے والد موتی لال نہرو سے ہوئی۔ رفیع احمد قدوائی کی باتوں سے اور اُن کے خیالات سے موتی لال نہرو بہت متاثر ہوئے۔ اس وجہ سے اُنہوں نے قدوائی صاحب کو یو پی کانگریس کے جنرل سیکریٹری بنائے جانے کی سفارش کی تھی۔

آپ کو وزیر خزانہ اور جیل ڈپارٹمنٹ کا وزیر بنایا گیا۔ آزادی کے بعد قدوائی صاحب کو قانون اسمبلی کا ممبر بھی نامزد گیا ہے۔ اور آپ نے اُسے اہم ذمہ داری سے بہت خوبی کے ساتھ نبھایا۔

آپ نے سول نافرمانی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ آزادی کے بعد آپ آزاد ہندوستان کے

وزیر خوراک بنائے گئے جس کے کارنامے ہمیشہ یاد کئے جائیں گے۔ اُس وقت اناج کی بہت کمی پیدا ہوگئی تھی۔ بڑے بڑے کاروباریوں نے گوداموں میں اناج بھر رکھا تھا۔ اور وہ بلیک سے روپیہ کمار ہے تھے۔ قدوائی صاحب نے سرکاری گوداموں میں تالے لگوا دیئے اور کلکتہ میں ایک عوامی اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے اعلان کیا کہ ہم نے بہت سا اناج دوسرے ملکوں سے منگوالیا ہے اور سرکاری گوداموں میں بھر دیا گیا ہے۔ اس لئے اناج کی یہاں کوئی کمی نہیں۔ انسان تو کیا جانور بھی بھوک سے نہیں مر سکتے۔ اس تقریر کا بہت اثر ہوا اور ہڑتال ٹوٹ گئی اور بازار کھل گئے۔ آخر ہندوستان کا یہ سپوت 24/ اکتوبر 1954ء میں اس دنیا سے چل بسا۔

240. راشٹرپتی ڈاکٹر ذاکر حسین، 1897ء تا 1969ء

19ویں صدی کے آخر میں اس سرزمین پر جن بڑی ہستیوں نے جنم لیا ہے اُن میں ڈاکٹر ذاکر حُسین کا نام بھی شامل ہے۔ طالب علم کے زمانے میں ہی آپ پیر حسن شاہ سے مرید ہو گئے تھے۔ برطانوی ہند میں آپ نے زراعت میں ریسرچ کیا تھا۔ اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی تھی۔ آپ کے 1926ء سے جامعہ ملیہ سے تعلقات تھے۔ اور اس طرح آپ نے 8 سال خدمت کی اور اُسے ایک نئی روشنی بخشی۔ آپ انجمن ترقی اُردو اور آل انڈیا مسلم ایجوکیشن کانگریس کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔ آپ 1952ء میں راجیہ سبھا کے ممبر، 1957ء میں بہار کے گورنر اور 13/ مئی 1962ء میں ہندوستان کے نائب صدر جمہوریہ رہ چکے ہیں۔ آپ کو دیش کا سب سے بڑا اعزاز بھارت رتن سے نوازا گیا۔ آپ ہندوستان کے سب سے بڑے عہدے صدر جمہوریہ پر 1967 میں فائز ہو چکے ہیں۔ آپ نے حلف لیتے ہوئے کہا تھا کہ " سارا ہندوستان میرا گھر ہے اور اس میں آباد تمام لوگ میرے خاندانی فرد ہیں۔ میں پوری لگن اور ایمانداری سے اس گھر کو بہتر اور مضبوط بنانے کی کوشش کروں گا "۔ اُردو زبان سے آپ کو گہرا تعلق تھا۔ آپ نے انگریزی اور اُردو میں کئی کتابیں لکھی ہیں۔ یہ قومی ایکتا اور جنگِ آزادی کا مجاہد اور سچائی کا پیکر 2/ مئی 1969ء میں دنیا سے رُخصت ہوگیا۔ صدر جمہوریہ کے عہدے پر رہتے ہوئے ہی راشٹرپتی بھون میں آپ نے آخری سانس لی تھی۔

241. مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، 1901ء تا 1964ء

آپ انگریزوں کے خلاف تقریر کرنے میں آگ برساتے تھے۔ اور مسلمانوں کے بہت طاقت ور لیڈر تھے۔ آپ پر گاندھی جی اور جواہر لال نہرو بہت بھروسہ کیا کرتے تھے۔ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی میں آپ ایک خاص ممبر تھے۔ آزادی کے بعد جب دیش میں آگ اور خون کی ہولی کھیلی جارہی تھی اُس وقت آپ نے ہندوستان کے مسلمانوں کی بہت حفاظت کی۔ دلی کے اطراف میں میوات کے تقریباً 3 لاکھ مسلمانوں کو اپنی جگہ جمائے رکھنے میں مولانا حفظ الرحمٰن نے نمایاں کردار ادا کیا ورنہ فرقہ پرستوں کا پلان میواتی مسلمانوں کو ترک وطن پر مجبور کرنا تھا۔ حضرت مجاہد ملت کی کوشش سے یہ شر پسند کامیاب نہ ہوسکے۔ یہ اُن کی ایک خدمت اور بے مثال کارنامے ہیں۔ بٹوارے کے وقت آپ نے دیش میں ہونے والے فرقہ وارانہ دنگوں میں مسلمانوں کی بہت مدد کی۔ جس میں مسلمانوں کو زمین سے نیست ونابود کر کے اُن کی نسل کشی کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ آپ نے ایسے وقت میں مسیحا کا کردار ادا کیا۔ اس لئے آپ کو مجاہد ملت کا خطاب دیا گیا تھا۔ لوک سبھا میں آپ نے فرقہ پرست دنگوں پر جو تقریر کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آپ نے مسلمانوں پر لگائے جانے والے الزاموں کے متعلق پارلیمنٹ میں یہ شعر پڑھا تھا۔

"جب بھی کوئی فتنہ زمانے میں نیا اُٹھتا ہے
وہ دور سے بتلا دیتے ہیں تربت میری"

آپ بہت بڑے عالم اور بہت بڑے مصنف بھی تھے۔ آپ نے قصص القرآن کی تفسیر چار جلدوں میں، اسلام کا اقتصادی نظام، اخلاق وفلسفۂ اخلاق وغیرہ بڑی بڑی کتابیں لکھیں ہیں۔ آزادی کے بعد آپ تھک گئے تھے۔ آپ کو کینسر ہوگیا تھا۔ آپ نے امریکہ جاکر علاج بھی کروایا مگر شفا نہ ملی اور آپ نے 1964ء میں زندگی کو خیر باد کہہ دیا۔

242. مولانا سید محمد میاں 1903ء تا 1975ء

آپ جامعہ قاسمیہ شاہد مُرادآباد میں حدیث کے اُستاد تھے۔ آپ نے کئی کتابیں لکھیں ہیں۔ آپ کی لکھی ہوئی کتاب "علمائے ہند کا شاندار ماضی" پانچ جلدوں میں ہے۔ اس کتاب کی چوتھی جلد انگریزوں نے ضبط کرلی تھی اور آپ پر مقدمہ چلایا گیا تھا۔ سزا بھی ہوئی۔ اور آپ جیل بھی بھیج دیئے گئے، جہاں چکّی پیسنی پڑی۔

آپ مرکزی جمعیۃ العلماء کے ناظم بھی رہ چکے ہیں۔ آپ انگریزوں سے دشمنی رکھتے تھے، نان کوآپریشن کی تحریک میں آپ بھی ایک ڈیکٹیٹر تھے۔ اور دلی میں گرفتار کر لئے گئے تھے۔ آپ نے کئی بار برطانوی جیل کی سیر کی ہے۔ آخری عمر میں مدرسہ امینیہ دلی میں شیخ الحدیث رہے اور وہیں 1975ء میں انتقال کر گئے۔

243. راشٹرپٹی فخر الدین علی احمد۔ 1905 تا 1977ء

ہندوستان کے پانچویں صدر مرحوم فخر الدین علی احمد بیسویں صدی کے عظیم سیاستداں، مفکّر، وکیل اور مجاہدِ آزادی ہیں۔ وہ ایک امیر باپ کے بیٹے تھے، لیکن ملک کی آزادی کے سامنے اپنی عیش و عشرت اور آرام و آرائش کو ٹھوکر مار دیا تھا۔ فخر الدین مرحوم 13 مئی 1905 کو دلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ہندوستان میں حاصل کرنے کے بعد 1927ء میں وہ کیمبرج چلے گئے اور وہاں سے وکیل بن کر لوٹے، کلکتہ میں ان کی ملاقات مولانا آزاد سے ہوئی اور ان سے اتنے متاثر ہوئے کہ ہندوستان کی آزادی کے مسئلوں سے جڑ گئے۔ فخر الدین علی احمد کو بہت ہی کم عرصے میں اپنے پیشے یعنی وکالت میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی اس کے باوجود وہ خوش نہیں تھے کیونکہ برطانوی سامراج کے خلاف نفرت کی آگ ان کے دل میں بھڑک رہی تھی۔ حب الوطنی کا یہی جذبہ تھا جس کے سبب 1931ء میں انھوں نے انڈین نیشنل کانگریس کی رکنیت اختیار کر لی۔ 1936ء میں وہ آسام پردیش کانگریس کمیٹی کے رکن منتخب ہوئے۔ اور کچھ ہی عرصے میں ورکنگ کمیٹی میں شامل ہو گئے۔ فخر الدین صاحب 1966ء میں اندرا حکومت میں مرکزی وزیر کے طور پر شامل ہوئے اور وزیر تعلیم، پھر وزیر خوراک بنائے گئے۔

1974ء میں انھوں نے ہندوستان کے پانچوے صدر کی حیثیت سے حلف لیا، 6/فروری 1977ء کو وہ ملیشیاء، فلپائن اور برما کے سرکاری دورے پر تھے کہ ان کی طبیعت خراب ہو گئی۔ اور 13 مئی 1977ء کو انھوں نے راشٹرپتی کے عہدے پر رہتے ہوئے راشٹرپٹی بھون میں اس دنیا کو الوداع کہا۔

244. بریگیڈیئر محمد عثمان، 1923ء تا 1948ء

آپ کی ابتداء دہرادون کے فوجی کالج سے ہوئی تھی۔ عثمان صاحب نہ شراب پیتے اور نہ گوشت کھاتے تھے۔ اگست 1923ء میں عثمان کو ترقی ملی۔ اور 1933ء میں پہلی بار وہ لڑائی کے میدان میں اُترے 1941ء تک آپ ہندوستان کے کئی حصوں میں خدمت کر چکے تھے۔ پیشاور میں آپ کپتان

رہے۔ آپ کو ایک امتحان دینے کے لئے عراق اور برما بھی جانا پڑا تھا۔ آپ کو ہوائی جہاز کی ٹریننگ لینے کے لئے انگلینڈ بھیجا گیا تھا۔ وہ سیکولر تھے اور فرقہ پرستی کے بالکل خلاف تھے۔

1947ء کے بعد آپ نے ہندو مسلم دونوں کی خدمت کی۔ جب پاکستان نے 22/ اکتوبر 1947ء کو جموں کشمیر پر قبضہ کرنے کے لئے حملہ کر دیا تھا، تب پاکستان کے وزیر اعظم لیاقت علی خاں کی پیش کش آپ نے ٹھکرا دی تھی جو پاکستانی فوج کی قیادت کرنے کے لئے کی گئی تھی۔ اُس وقت ہندوستان کی فوج فوجی کمانڈ عثمان صاحب کے ہاتھ میں تھی۔ آپ نے 4 جولائی 1948ء کو ہندوستان کے اہم مقامات نوشیرا اور فنگر کو پاکستان کے قبضے سے چھین لیا، مگر 5/ جولائی 1948ء کو آل انڈیا ریڈیو نے خبر دی کہ وطن کا پیارا، فرقہ پرستی کا دشمن، بہادر بریگیڈیئر محمد عثمان لڑائی کے مورچے پر شہید ہو گیا ہے۔ پورا ہندوستان اُن کے غم میں ڈوب گیا۔

وطن پر جو فدا ہوگا
امر وہ نوجواں ہوگا
رہے گی جب تلک دنیا
یہ افسانہ بیاں ہوگا

(مسلمان مجاہدین صفحہ 212-213)

اپنی سرحد کے نگہبان کو سب بھول گئے
جنگِ کشمیر کی اس جان کو سب بھول گئے
ایک آہن نما انسان کو سب بھول گئے
یعنی بریگیڈیئر عثمان کو سب بھول گئے

(رہبر جون پوری)

245. ایک تاریخی حویلی (1980-81ء)

راقم الحروف نے جہاں دنیا کی اتنی بڑی مسلم تاریخ کو مختصر اور جامع انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے، وہاں اپنے گاؤں کی آپ بیتی تاریخ کا بیان نہ کرنا یقیناً ناانصافی ہوگی۔

سنہ 1980ء کی بات ہے، کہ گاؤں میں ایک بنیئے کی حویلی پر ایک لمبے چوڑے مونچھ والے سیاست داں نے ناجائز طور سے قبضہ کرلیا تھا۔ جب کہ حویلی کے چاروں طرف قلعہ نما دیوار تھی اور لوہے کا دروازہ لگا ہوا تھا۔ گاؤں کا بنیا جو دھندے کی فراق میں گاؤں نولگڈھ سے آسام میں مقیم ہوگیا تھا۔ مونچھ والا کسی یونین کا صدر تھا۔ چوکیدار سے مل کر اور ایک بندوق کا سہارا لے کر حویلی پر قابض ہوگیا تھا۔ اس نے روڈ پر لگے ہوئے بجلی کے کھمبے سے ناجائز طور سے بجلی کا استعمال کرنا بھی شروع کردیا تھا۔

گاؤں کا ایم ایل اے ووٹوں کی سیاست سے خاموش تھا اور بنیا کینسر کے مرض میں مبتلا ہوگیا تھا۔ لہذا پولس خاموش اور قانون اپنی کتابوں میں گم تھا۔ جج کی آنکھوں پر کالی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ گاؤں میں فرقہ پرستی کے سبب غیر مسلموں کی جائداد کوئی مسلم خرید نہیں سکتا تھا۔ جب کہ حویلی کی بنیاد مسلمانوں کے آباد گھروں کو (کچھ معاوضہ کے عوض) توڑ کر رکھی گئی تھی۔ ایسے ماحول میں ایک مسلم نوجوان عبدل بنیئے کی خدمت میں حاضر ہوا اور حویلی کا معاوضہ دے کر اس سے حویلی خرید لی۔ حالانکہ بنیا نے سمجھایا تھا کہ بیٹا عبدل! وہ شخص جو حویلی کے اندر گھسا ہوا ہے بندوق لے کر گھسا ہے لہذا وہ حویلی کبھی خالی نہیں کرے گا اور تمہارا دیا ہوا روپیہ ڈوب جائے گا۔ کیونکہ تم مسلم ہو اور گاؤں کچھ لوگ فرقہ پرست ہیں۔ مگر نوجوان عبدل جس کا عزم غیر قانونی قبضہ کو ہٹا کر قانون کی بالادستی کو قائم کرنا تھا۔ جس کے پختہ عزم کے سامنے کوئی فرقہ پرستی ٹک نہیں سکتی تھی۔ لہذا عبدل اس عزم کے ساتھ اپنے گاؤں نولگڈھ پہنچا اور بنیئے کے دیئے ہوئے ادھیکاروں سے اپنا قبضہ جمانا چاہا، مگر کسی نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ آخر گاؤں کے ایک نوجوان پہلوان جو تعصب پرستی کے خلاف تھا، اٹھ کھڑا ہوا اور عبدل کے ساتھ ہولیا۔ گاؤں کا ایم ایل اے جو کہ عبدل کا ہم جماعت تھا، اس نے بھی عبدل کا ساتھ دیا۔ اور تحصیل دار صاحب کے انکار کرنے کے باوجود عبدل کے نام کی رجسٹری بنوادی۔ لہذا دوسرے دن تعصب پرست لوگوں نے بازار میں فرقہ

پرستی کا ماحول پھیلا دیا۔ آخر ایم ایل اے، پولس، ڈی ایس پی اور ایس پی صاحب نے قانون کی لاج رکھی اور مونچھ والے کو جو بندوق کے سہارے حویلی میں گھسا ہوا تھا، اس کی بندوق ضبط کر لی اور اس کو چوکیدار کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا اور سلاخوں کے پیچھے ڈھکیل دیا گیا۔ مقدمہ چلا۔ چونکہ جج مونچھ والے کی حمایت میں تھا، مگر بغیر لائسنس کی بندوق کی دفعہ نمبر 25 آرم سیکٹ کے آگے وہ بھی مجبور ہو گیا اور اس کا دیا ہوا اسٹے ناکارہ ثابت ہوا۔ مگر پھر بھی اس نے ملزم کو ضمانت پر رہا کر دیا اور دوسرے دن آپس میں صلح کروا دی اور عبدل کو اس کی حویلی کا قبضہ دلوا دیا گیا۔ بھائیوں اور دوستوں نے خوشی کا اظہار کیا، مگر حاسدی لوگ حسد کی آگ میں جلتے ہی رہے۔

یہ عبدل ہی اس کتاب کے مؤلف جناب عبدالجبار اجمیری صاحب ہیں۔ جن کا مجاہدانہ عزم انہیں منزل تک لے گیا۔ ان کی یہ حویلی آج خاص وعام کے لیے فی سبیل اللہ بیاہ شادیوں، فلاحی کاموں، جلسوں اور مشاعروں کی رونق بنی ہوئی ہے۔

نہ شاخِ گل ہی اونچی ہے نہ دیوارِ چمن بلبل
تری ہمت کی پستی ہے تری قسمت کی کوتاہی

عبدالجبار اجمیری

نوٹ:۔ ہندوستان کی تحریک آزادی میں ایسے اور بہت سے مسلمان مجاہدین کا خون وجگر شامل ہے جن کی بدولت ہندوستان کی وادی سر سبز ہوئی اور اس میں لالہ وگل کھل اٹھے۔ ایسے بیشتر نام سٹی کالج کلکتہ کے شعبہ تاریخ کے صدر مسٹر شانتی رائے کی کتاب میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

کبھی شاخ و سبزہ و برگ پر، کبھی غنچۂ و گل وخار پر
میں چمن میں چاہے جہاں رہوں میرا حق ہے فصلِ بہار پر

(جگر مرادآبادی)

……

246. تجزیہ

(مسلمانوں کے شاندار ماضی پر ایک نظر)

(۱) **اسلام اور تلوار:** اسلام کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ تلوار سے پھیلا ہے۔ درست نہیں۔ ہاں تلوار سے دفاعی کام ضرور لیا گیا۔ جب کفارِ مکہ نے نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کی سازش رچی تو حضور ﷺ کو مکہ سے مدینہ ہجرت کرنی پڑی۔ یہ ہجرت بھی حیاتِ دفاع تھی۔ یہیں سے اسلام کا جہاد اور جنگ کا دور شروع ہوتا ہے۔ جسے ہم دفاعی دور کہتے ہیں۔ چونکہ ہندوستان ایک امن پسند ملک ہے۔ پھر بھی ملک کے دفاع کے لئے ہم کروڑوں روپیے خرچ کرتے ہیں وہ اس لئے کہ اگر کوئی دوسرا ملک ہم پر حملہ کرے تو ہم اس سے اپنا دفاع کرسکیں۔

جب نبی کریم ﷺ نے اسلام کی تبلیغ کرنی شروع کی تو کعبہ کے متولی ابوجہل اور ابولہب جیسے قریش کے سردار آپ ﷺ کے مخالف بن گئے وہ اسلام کو نعوذ باللہ صفحہ ہستی سے مٹا دینا چاہتے تھے۔ لہٰذا اسلام کے خلاف مقامِ بدر پر پہلی جنگ لڑی گئی۔ مختصر یہ کہ اسلام کے خلاف چھوٹی بڑی کل 82 جنگیں لڑی گئیں۔ جن میں کل 928 لوگ مارے گئے۔ یہ تمام جنگیں دفاعی جنگیں تھیں۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے جنگِ حنین کے موقعہ پر جب ایک عورت کی لاش دیکھی تو حکم دیا کہ "خالد بن ولید سے کہدو کہ رسول اللہ نے جنگ میں بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور مزدوروں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے"۔

خداوند کریم نے نبی کریم ﷺ کو اسلام کی تبلیغ کرنے کا تو حکم دیا۔ مگر کسی کو مجبور نہ کرتے ہوئے جیسا کہ حکم خداوندی ہے کہ "اگر تیرا رب چاہے تو تمام روئے زمین کے لوگ ایمان لے آئیں۔ کیا تم (محمدؐ) لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن بن جائیں"۔ اس لئے اسلام نے کسی بھی شخص کو ایمان لانے پر نہ تو زور دیا ہے اور نہ اسے تلوار دکھا کر اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا ہے۔

اندلس میں جب مسلمانوں کی حکومت ختم ہوگئی تو عیسائی حکومت نے لاکھوں مسلمانوں کو تلوار کے زور سے عیسائی بنایا تھا۔ روس میں بھی ایسا ہی ہوا لیکن مسلمانوں نے کہیں بھی کسی قوم یا جماعت کو جبراً مسلمان نہیں بنایا۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کو پوری آزادی دی اور انہیں ان کے دھرم پر قائم رہتے

ہوئے حکومت میں نوکری دی اور بڑے بڑے عہدے دئے۔

(2) برصغیر کا اسلامی دور: اسلام کی جتنی توسیع تیرھویں اور چودھویں عیسویں صدی میں ہوئی اتنی کسی زمانے میں نہیں ہوئی تھی۔ اسی زمانے میں منگولوں نے اسلام قبول کیا اور مسلمانوں کے اثرات سائبیریا سے روس اور وسط یورپ اور افریقہ تک پھیلے۔ اسی زمانے میں پاک و ہند مسلمانوں کے زیر اقتدار آئے اور یہی وہ صدیاں ہیں جن میں ملائیشیا اور انڈونیشیا کے خطے میں اسلام پھیلا۔ اسی زمانے میں مسلمان سیاسی میدان میں بھی نقطہء عروج پر پہونچے اور ایشیا، یورپ اور افریقہ کے کافی وسیع علاقے پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ اور جو ملک مسلمانوں کے زیر اقتدار آئے ان کی ایک بڑی تعداد نے اسلام قبول کر لیا اور وہ آج بھی مسلمان ہے۔ اسلام کے ماضی کی شاندار اور پر امن فتوحات کی کئی نمایاں مثالیں ہیں۔

جب انڈونیشیا میں ”شری وجے“ کی حکومت پورے عروج پر تھی جس کا اثر ملایا تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ بودھوں کی حکومت تھی۔ تیرھویں صدی عیسوی میں انڈونیشیا اور ملایا میں اسلام پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین نے اپنی تبلیغی کوششوں سے اسلام کی اشاعت کی۔ یہاں بھی اسلام انھیں بزرگوں کی بدولت پھیلا۔ یہ بزرگ یا تو عرب تھے یا ہندوستانی۔ ان میں ایک ”ملک ابراہیم“ ہیں۔ انہوں نے 1391ء کے قریب انڈونیشیا کے جاوا میں تبلیغ اسلام کا کام شروع کیا۔ جاوا کے ہندو راجہ نے ایک مرتبہ ان سے اپنا علاج کروایا اور جب وہ اچھا ہو گیا تو ان کے ہاتھ پر اس نے اسلام قبول کر لیا اور اس نے اپنا مسلم نام ”رادن رحمت“ رکھا۔ ملک ابراہیم کا 1419ء میں انتقال ہو گیا۔ اور رادن رحمت جاوا کے نو مشہور ولیوں میں گنے جانے لگے۔ جاوا میں پہلی مسجد دیماک کے مقام پر تعمیر کی گئی۔ اس مسجد سے تبلیغی جماعتیں جاوا کے مختلف حصوں میں بھیجی جاتی تھیں۔ یہ سلسلہ سولہویں صدی تک جاری رہا۔ یہاں تک کے انڈونیشیا کے باشندوں کی اکثریت مسلمان ہو گئی۔ ملک میں تقریباً بیس مسلم ریاستیں قائم ہوئیں۔ اور ان کے حکمراں سلطان کہلانے لگے۔ جاوا کا سلطان (پاتح بلا) نے اپنا تخت و تاج چھوڑ کر 1552ء تا 1570ء کے دوران 18 سال اسلام کی تبلیغ میں گزارے اس طرح جاوا میں نو اولیاء اللہ ہوئے ہیں۔

تیرہویں صدی تک مسلمان عروج پر تھے۔ اسلام دنیا کی سب سے بڑی طاقت اور سب سے بڑی تہذیب تھی۔ اور دنیا کے چاروں طرف مسلمانوں کی حکومتیں قائم تھیں۔ مشرق میں انڈونیشیا سے لیکر

مغرب میں بحرِ اوقیانوس کے ساحل تک اسلامی حکومتیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ایران میں صفوی خاندان کا زور تھا۔ بغداد میں الجزائیر تک اور ہنگری سے عدن تک عثمانی حکومت کا پرچم لہرا رہا تھا۔ مغرب اقصیٰ میں مراکش کے فلالی خاندان کی حکومت سوڈان تک قائم تھی۔ ان اسلامی حکومتوں میں امن وامان، زراعت، صنعت اور تجارت ترقی پر تھی۔ اور خوشحالی کا دور دورہ تھا۔

(3) اسلام اور دہشت گردی (آتنک واد Terrorism): دہشت گردی کا خمیر ظلم زیادتی اور حیوانیت سے اٹھتا ہے اور خون ریزی وغارتگری سے اس کی کھیتی سیراب ہوتی ہے۔ جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ کیونکہ سورۂ مائدہ میں ارشادِ خداوندی ہے کہ ”جو کوئی کسی کی جان لے بغیر اس کے کہ اس نے کسی کی جان لی ہو، یا زمین پر فساد کیا ہو، گویا اس نے تمام انسانوں کا خون کیا“ لہذا اسلام میں خون ریزی وفساد برپا کرنے سے سخت منع فرمایا ہے۔

بین الاقوامی منظرنامے پر دوسری جنگِ عظیم کے وقت مغربی ملکوں پر نازی ازم کا بھوت سوار تھا۔ جس نے لاکھوں بے گناہوں کا قتل کیا۔ خود ہندوستان میں شوہر کی لاش پر عورت کو زندہ جلا دینا کوئی بری بات نہ تھی۔ اسلام نے وحشت وحیوانیت کی ان تاریکیوں کو ختم کیا اور صاف صاف اعلان کیا کہ کسی جان کو خبردار قتل نہ کرو۔ مگر یہ کہ حق اس کا مطالبہ کرے۔ اسلام میں اولادِ آدم کو برابر کے حقوق دیے اور جمہوریت (Socialism) کا سبق دیا۔

یومِ خواتین یا مذاقِ نسواں: آج مغربی ملکوں کے ذہن میں جمہوریت کا جو مفہوم ہے وہ کمزوروں پر ظلم کرنا، خون ریزی وغارت گری سے ان پر قبضہ کرنا اور آزادیٔ نسواں کی تحریک کے نام پر عیاشی وآوارگی کو عام کرنا ہے۔ آج مغربی ملک مشرقی خاتون کا حجاب، اسکارف یا دوپٹہ دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ وہ 8 مارچ کو عالمی سطح پر منائی جانے والی ”یومِ خواتین“ کے نام پر ہندوستان کی تہذیب وسنسکرتی کی لاج کے پیرہن کو تارتار کر دینے کے درپے ہے۔ آج پہلے عورت کی زیست کو عریاں کیا جاتا ہے اور پھر اس کے سر پر کبھی حسینائے عالم کا تاج رکھا جاتا ہے تو کبھی حسینائے ملک کا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ آج اسے ماڈلنگ اور فیشن شو کی سوپر اسٹار کا درجہ دیکر کشش (Sex) کا مرکز بنایا جاتا ہے۔ جو کہ نہ کبھی ہندوستان کی تہذیب تھی اور نہ کبھی اسلام نے اس کی اجازت دی۔ کیونکہ ہندوستانی تہذیب میں مختلف ویدوں کے احکامات پر مبنی ہندوؤں کی مشہور کتاب ”منو اسمرتی“ میں عوتوں کے پردے کے متعلق کہا گیا

ہے کہ ”عورت چاہے بچی ہو، جوان ہو، یا بوڑھی، اسے ہر حالت میں اپنے باپ اپنے شوہر یا بیٹے کے ماتحت رہنا چاہئے۔ اسے آزاد کبھی نہیں رہنا چاہئے۔ (اشلوک نمبر 150 باب 5)

اسی طرح اسلام میں عورتوں کے متعلق حکم خداوندی ہے کہ ”اپنی اوڑھنیوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالو اور اپنی زینت کسی کے سامنے ظاہر نہ ہونے دو۔ صرف اپنے مردوں کے سامنے“ لہذا اسلام نے عورت کی حفاظت کی اور غیروں کی نگاہوں اسے محفوظ رکھا۔

آج مغربی ممالک کی دہشت گردی کے فرعون (امریکہ) اور ہامان (برطانیہ) کا یہ عالم ہے کہ لاکھوں بے گناہوں کا خون بہا کر بھی وہ اپنے آپ کو بگلہ بھگت قرار دیتا ہے۔

”اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بندِ قبا دیکھ“

(ڈاکٹر علامہ اقبال)

(4) اسلام اور کردار: تاریخ شاہد ہے کہ اسلام انصاف، اخلاق اور رواداری کے کردار سے دنیا میں پھیلا، صلح حدیبیہ میں کفارِ مکہ کی تمام شرطیں قبول کر کے نبی کریم ﷺ نے امن کو فوقیت دی۔ آپ ﷺ نے جب سربراہانِ مملکت کو خط بھیجے تو ادب کا بھی خیال رکھا۔ لہذا ہرقل (Hercules) روم کو ہرقل عظیم روم اور کسریٰ فارس کو کسریٰ عظیم فارس سے مخاطب کر کے اسلام کی امن دوستی اور رواداری کا ثبوت دیا۔ ہرقل کو جب یہ خط ملا تو وہ شام میں تھا۔

خط سے متاثر ہو کر اس نے لوگوں سے کہا تھا کہ دیکھو عربی تاجر مال لیکر یہاں آتے ہیں۔ ان میں سے جو کوئی نبی کریم ﷺ کو جانتا ہو تو اسے میرے پاس لاؤ۔ اتفاق سے ابوسفیان مل گئے، ہرقل نے ابوسفیان سے نبی کریم ﷺ کے بارے میں بہت سے سوالات کئے اور جب جوابات سے مطمئن ہو گیا تو کہنے لگا تب تو وہ واقعی نبی کریم ﷺ ہیں۔ دیکھنا ایک دن یہ ساری زمین ان کے قبضے میں چلی جائیگی۔

جب حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں روم اور ایران فتح ہوئے تب ان کا ایک غلام جو عیسائی تھا اس کو اسلام کی ترغیب تو دی گئی۔ مگر اس پر کبھی زبردستی نہیں کی گئی۔ لہذا وہ حضرت عمرؓ کی زندگی میں عیسائی ہی رہا۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے عہد میں عیسائیوں نے شکایت کی کہ ہمارے گرجا گھر کا ایک حصہ مسجد کی تعمیر میں ملا لیا گیا ہے۔ لہذا عمر بن عبد العزیزؒ نے حکم دیا کہ مسجد کا وہ حصہ جو گرجا گھر کی زمین میں تعمیر ہوا ہے فوراً منہدم کر دیا جائے۔ اور سرکاری خرچ سے اسے از سرِ نو تعمیر کیا جائے۔

ترکوں نے قسطنطنیہ کی عدالت کو اختیارات دے دئے تھے کہ وہ فریقین مسیح المذہب کے مقدموں کا فیصلہ خود کرے اور ترک حکومت ان کے کئے ہوئے فیصلوں پر عمل کیا کرتی تھی۔

محمد بن قاسم نے (712ء) میں راجہ داہر کے ظلم سے سندھ کو آزادی دلوائی ان کے انصاف اور رواداری کے عوض سندھ کے لوگ ان کی پوجا کرنے لگے۔ اور جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔

مغل سلطنت کے آخری چند سلاطین کو چھوڑ کر ہندوستان کے تمام مسلم سلاطین اور خلیفۃ المسلمین نے انصاف اور رواداری کا دامن کبھی نہیں چھوڑا، کہیں صلاح الدین ایوبی نے اسقفِ اعظم اور ملکہ مبل کے ساتھ حسنِ سلوک کیا۔ کہیں ہمایوں نے راجپوت بہن کی راکھی کی لاج رکھی تو کہیں اکبر نے ہندو مسلم ایکتا کو پروان چڑھایا۔ جہانگیر نے فریادی کی فریاد سننے کے لئے محل میں گھنٹیاں لگوائیں تو کہیں اورنگ زیب نے سلائی اور کتابت کر کے روزی روٹی کمائی اور سلطانی میں فقیری کو ترجیح دی۔

اسی طرح بیگمات اور شہزادیوں نے بھی اس ملک کو سنوارنے میں ہاتھ بٹایا۔ بیگم گلبدن بنتِ ظہیر الدین بابر غریبوں اور محتاجوں کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ بے سہارا لڑکیوں کی پرورش اور انکی شادی بیاہ کے انتظام میں بھر پور حصہ لیتی تھیں۔ "ہمایوں نامہ" میں گلبدن نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح نور جہاں بیگم جہانگیر آرائش و زیبائش اور فنونِ افزائی و سلیقہ مندی میں بے مثال تھیں۔ آپ نے عطر جہانگیری ایجاد کیا تھا جو ایک خاص قسم کا عطر گلاب تھا۔ کوئی خوشبو اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ آپ کے وضع کردہ برقعے، بادلہ اور فرش چاندنی ہندوستان کے کونے کونے میں مشہور ہو گئے تھے۔

جہاں آراء بنتِ شاہجہاں اپنے والد کے عہدِ حکومت میں بڑی با اثر تھیں۔ انہیں چھ لاکھ روپے سالانہ کا وظیفہ ملتا تھا۔ جہاں آرا نے آگرہ میں جامع مسجد اور دہلی میں ایک سرائے بھی بنوائی تھی جس میں 90 حجرے تھے۔ اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین نے انصاف اور رواداری کو ترجیح دی اور ان کے وسیع دسترخوان (لنگر) نے ہندو مسلم ایکتا میں روح پھونکی اور ہندوستان کی گنگا جمنا تہذیب میں چار

چاند لگائے۔ اور اسے پوری دنیا میں شہرت بخشی۔

لہذا اسلام کو اسکی خوبیوں اور عقلی جواز کے پیشِ نظر قبول کیا گیا اور کیا جا رہا ہے۔ مذہب اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ''تمام مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور اللہ تعالیٰ کو مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ اچھا سلوک کرے''۔ (سنن بیہقی)

مختصر یہ کہ اسلام اپنے انصاف اور رواداری کے کردار سے ہی دنیا میں پھیلا ہے۔ ہر مذہب میں اچھائیاں ہوتی ہیں۔ اسلام عمل ہے۔ کردار ہے۔ شریعت ہے۔ عقیدت ہے۔ خامیاں افراد میں ہیں۔ اسلام میں نہیں۔

چاند کا کردار اپنایا ہے ہم نے دوستو
داغ اپنے پاس رکھے روشنی بانٹا کئے

ختم شد 08/04/2010)

247. بھگون

اللہ ایک ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ نرلوپ اور نراکار ہے۔ اس عقیدے کو بھگون نام کی اس نظم میں پوجا کے وسیلے سے اس طرح پیش کیا گیا ہے۔

عجب حیران ہوں بھگون، تجھے کیسے رجھاؤں میں
کوئی وستو نہیں ایسی، جسے سیوا میں لاؤں میں
تمہیں ہو مورتی میں بھی، تمہیں ویا پک ہو پھولوں میں
بھلا بھگوان کو بھگوان پر کیوں کر چڑھاؤں میں
لگانا بھوگ بھی تجھ کو یہ اک اپمان کرنا ہے
کھلاتا ہے جو سب جگ کو اسے کیسے کھلاؤں میں
تمہاری جوتی سے روشن ہیں سورج چاند اور تارے
مہا اندھیر ہے تجھ کو اگر دیپک دکھاؤں میں
بھجائیں ہیں نہ گردن ہے نہ پیشانی
تو ہے نرلوپ نارائن کہاں چندن لگاؤں میں

عبدالجبار اجمیری

نیشنل کانگریس کے مسلم صدر آزادئ ہند 1947ء تک

انڈین نیشنل کانگریس 1885ء میں بنی تب لندن ٹائمز نے الزام لگایا کہ یہ قومی جماعت نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں مسلمان شامل نہیں ہیں۔ اس وقت ماہر قانون اور ہائی کورٹ کے جج جناب بدرالدین جی طیب جی نے اعلان کیا کہ ہندوستان کے تمام مسلمان اس جماعت میں شامل ہو جائیں۔ تیسرا اجلاس دسمبر 1887ء میں بدرالدین طیب جی کی صدارت میں ہوا، جس میں کانگریس کا دستور بنایا گیا۔ کانگریس کے الگ الگ اجلاس میں مسلم صدر چنے گئے، جن کی فہرست مندرجہ ذیل ہے۔

نمبر	تاریخ	نام مسلم صدر	جگہ	مدت
1	1887ء	ماہر قانون بدرالدین طیب جی	ممبئی	ایک سال
2	1896ء	جناب محمد رحمۃ اللہ صاحب	کلکتہ	ایک سال
3	1913ء	جناب سید محمد بہادر صاحب	کراچی	ایک سال
4	1918ء	جناب سید حسن امام صاحب	ممبئی	ایک سال
5	1921ء	مسیح الملک حکیم اجمل خان	احمد آباد	ایک سال
6	1923ء	مولانا ابوالکلام آزاد	دلی	ایک سال
7	1924ء	مولانا محمد علی جوہر	کناڈا	ایک سال
8	1927ء	ڈاکٹر مختار احمد انصاری	مدراس	ایک سال
9	1939ء تا 46ء	مولانا ابوالکلام آزاد۔ دوسری دفعہ	رام گڑھ	سات سال

1) مندرجہ بالا تفصیل سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انڈین نیشنل کانگریس کے قیام سے لے کر حصول آزادی تک 9 مسلم مجاہدین اس کے صدر رہ چکے ہیں۔

2) کانگریس کی طرف سے سردار ولبھ بھائی پٹیل نے مولانا آزاد کی خدمت کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں خراج تحسین پیش کیا تھا کہ ''کانگریس کی پوری تاریخ میں مولانا آزاد کے علاوہ یہ اعزاز کسی کو بھی نصیب نہیں ہوا ہے کہ وہ سات برس تک لگاتار کانگریس کا صدر رہا ہو''۔ (سردار پٹیل)

[illegible]

اس جدید ٹیکنکل تعلیمی دور میں ہم نے مستند تاریخ کے اوراق کھروچ کر ''مختصر اور جامع تاریخ مسلمانوں کا شاندار ماضی'' کا آئینہ دکھانے کی کوشش کی ہے تاکہ ہماری نوجوان نسل کے بچے بچیاں اس کیبل اور ٹی وی کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں نور کے ان میناروں کو پہچان سکیں جو مسلم قوم کا سرمایہ فخر و امتیاز ہیں۔ جس سے ہماری اور ہمارے ملک کی عظمت کا نشاں ملتا ہے۔

میری زندگی کا مقصد کہ سبھی کو فیض پہونچے
میں چراغِ رہ گزر ہوں میں شوق سے جلاؤ

عبدالجبار اجمیری- نولگڈھ

تبصرے علماء واکابرین

J) مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی، دارالعلوم دیوبند یوپی۔

A) حضرت مولانا سید رابع حسنی ندوی، ندوۃ العلماء لکھنؤ (صدر مسلم پرسنل لاء بورڈ)۔

B) مرحوم مولانا ظل الرحمٰن صدیقی، صدر جمعیۃ العلماء مہاراشٹر۔

C) مولانا مشتاق احمد ضیاء القاسمی، دارالافتاء بساطیان بیکر (راجستھان)۔

D) مولانا مستقیم اعظمی، صدر جمعیۃ العلماء مہاراشٹر۔

E) حضرت مولانا ابوجعفر حسان ندوی ازہری، بھیونڈی مہاراشٹر۔

F) ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی، میرا روڈ مہاراشٹر۔

G) مفتی عزیز الرحمٰن فتح پوری، مفتی ممبئی مہاراشٹر۔

H) وزیراعظم ہند ڈاکٹر منموہن سنگھ۔

Price Rs. 200/-